(بابرنامہ)
تزکِ بابری

محمد ظہیر الدین بابر

مترجم: مرزا نصیر الدین حیدر

(بابر نامہ)

محمد ظہیر الدین بابر

مترجم

مرزا نصیر الدین حیدر

جنوری 2006ء

محمد فیصل نے

تعریف پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت: -/250 روپے

ترتیب

۹۰۰ ہجری کے واقعات

۹۰۱ھ کے واقعات

۹۰۲ھ کے واقعات

بابر اور بابر نامہ

سال ولادت ۱۴۸۳ء   سال جلوس ۱۴۹۴ء   سال وفات ۱۵۳۰ء

بابر ۶ محرم ۸۸۸ھ مطابق ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا' اس کے باپ کا نام سلطان عمر شیخ مرزا تھا' بابر کے نانا یونس خاں مغول کا سردار اور باوقعت رئیس تھا' اسی یونس خان کی ۳ بیٹیاں بابر کے تین چچاؤں کو بیاہی گئی تھیں' بابر کا باپ فرغانہ کا حاکم تھا' اس سلطنت کا نام بعد میں کوہ قند بھی مشہور ہوا۔

جب بابر پانچ سال کا ہوا تو اس کی نسبت سلطان احمد کی بیٹی یعنی اس کی چچا زاد بہن سے کر دی گئی' چھ برس تعلیم و تربیت میں گزارے اور گیارہ سال کی عمر میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا' بابر کا باپ سلطان عمر شیخ مرزا مدبر اور عقلمند شخص تھا۔ لیکن اس کی تدبیریں زیادہ کارگر نہ ہوئیں' وہ سلطنت کو وسیع کرنے کی فکر میں تھا کہ ایک دن ۱۹ جون ۱۴۹۴ء کو کبوتر خانے کا معائنہ کرتے وقت مکان گر پڑا اور وہ راہئی ملک بقا ہوا' بابر کو تخت پر بیٹھتے ہی مختلف مصائب کا سامنا کرنا پڑا' وہ اچھی طرح باپ کے ماتم سے بھی فارغ نہ ہوا تھا کہ چاروں طرف سے حملے کی خبریں آنی شروع ہوئیں۔ اس کے دو چچا فوجیں لئے ہوئے سمرقند و تاشقند کی طرف سے آئے اور ادھر نجند و مرغنان کے باشندے بھی لڑائی پر تیار نظر آنے لگے' بابر کے پاس مدافعت کا سامان بھی پورا نہ تھا' ایسی حالت میں کیا کرتا' نئی سلطنت اور خود نوعمر' پریشان ہو گیا اور مجبور ہو کر چچا کے پاس پیام بھیجا کہ میں تمہارا بھتیجا ہوں' سلطنت سے درگذر و' مجھے اپنا نائب رہنے دیجئے۔ بے درد چچا نے جواب دیا۔ اگر فوج ہے تو لڑو' ورنہ ہمیں پورا اختیار ہے جو چاہیں کریں' بات مقابلے تک پہنچی' لیکن حملہ آور فوج کچھ تو پل ٹوٹنے سے ہلاک ہو گئی' کچھ مہلک وبا کی وجہ سے اور چچا صلح پر مجبور ہو کر واپس ہوا۔

دوسرا چچا سلطان محمود قاضیان کے شمالی حصہ پر قبضہ کرنے کے بعد آخسی کا محاصرہ کرنے کے لئے بڑھا' مگر قلعہ والوں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا آخر چچا مجبور ہو کر

الٹا پھرا۔ تیسرا حملہ آور دغلت امیر کاشغر وختن فتح کر کے آگے بڑھا اور اس نے ایک قلعہ یہاں بنایا مگر تقدیر کے زبردست ہاتھوں نے بے نیل مرام نکال دیا۔ اب بابر کے قبضہ میں ؟ مغہ' مرغان اور آخسی کے صوبے تھے مشکلات کچھ کم ہوئیں لیکن مصائب میں کمی نہیں ہوئی۔

تخت نشینی کے وقت بابر کی عمر صرف ۱۱ سال کی تھی' یہ کم عمر حکمران چاروں طرف سے حملہ آوروں کے نرغے میں گھر گیا' لیکن کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ نوعمر لڑکا نہایت عقلمند اور جفاکش حکمران ثابت ہو گا' جو ایک دن ہندوستان میں مغل سلطنت کی بنیاد ڈالے گا۔

بابر اسی طرح دس سال اپنے صوبے میں لڑتا بھڑتا رہا اور فتح و شکست کے تجربے حاصل کرتا رہا۔ آخر ۱۵۰۴ء میں ۲۱ سال کی عمر میں کابل کے تخت پر بیٹھا اور بادشاہ کا لقب اختیار کیا۔ اس وقت بابر کی سلطنت تاشقند سے کابل تک اور غزنی سے سمرقند و بخارا اور فرغانہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ اس کی ۲۸ برس کی کوششوں کا نتیجہ تھی' لیکن بابر کے دل میں فتح کابل کی خواہش جاگزیں تھی۔

بابر نے ۱۵۱۹ء میں ہندوستان پر حملہ کر کے قلعہ بجاپور فتح کیا پھر ۱۵۲۶ء میں پوری تیاری کے ساتھ دوبارہ ہندوستان پر یورش کی اور سلطان ابراہیم لودھی کو شکست دے کر ہندوستان کے اندرونی ممالک کو فتح کر لیا۔

بابر نے گو دہلی فتح کر لی تھی لیکن دہلی فتح سے ہندوستان فتح نہ ہوا تھا بقول اکرام صاحب مرکزی حکومت کی کمزوری سے ہر طرف صوبیدار خود مختار ہو گئے تھے۔ شمالی ہندوستان میں رانا سانگا نے بڑا اقتدار حاصل کر لیا تھا اور بابر کا سب سے بڑا معرکہ ۱۵۲۹ء میں اسی کے ساتھ ہوا۔ حکومت دہلی کے کمزور ہو جانے پر بہت سے ہندو راجاؤں نے سر اٹھایا' وہ بھی رانا سانگا کے ساتھ تھے۔ اس کا اپنا لشکر ایک لاکھ کا تھا' مارواڑ چندیری اور دونگر پور کے راجاؤں اور دوسرے راجپوت رؤسا نے پچاس ساٹھ ہزار سوار اس میں اور اضافہ کئے تھے اور لودھیوں کو ملا کر قریب قریب پونے دو لاکھ فوج بابر کے مقابلے میں آئی۔ شروع شروع میں بابر نے اپنے مخالفوں کی پروا نہ کی' لیکن جب شاہی فوج کے ہراولوں کو راجپوتوں نے شکست دی اور بیانہ کی فوج جو ان کی مدد کو گئی تھی' اسے بھی شکست کھا کر محصور ہونا پڑا تو پھر شاہی لشکر پر فکر و ہراس طاری

ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بڑے قلعے معتمد سرداروں کے سپرد کر کے پنجاب لوٹ جانا چاہئے اور کسی لطیفہ غیبی کا انتظار کرنا چاہئے لیکن بابر نے ایک پرجوش اور ولولہ انگیز تقریر کی اور کہا کہ اطراف و اکناف کے مسلمان بادشاہ ہم پر اظہار نفرت کریں گے اور کہیں گے کہ ہم زندگی کو عزیز سمجھ کر ایک بڑی سلطنت کو ہاتھ سے کھو بیٹھے۔ جوانمردی کا تقاضا ہے کہ ہم شہادت کے لئے تیار رہیں اور جان توڑ کر لڑیں۔

چوں جاں آخر از تن ضرورت رود
ہماں بہ کہ بارے بعزت رود
سرانجام گیتی ھمیں است و بس
کہ نامے پس از مرگ ماند ز کس

بابر کی اس تقریر سے بڑا جوش پیدا ہوا' سب نے الجہاد الجہاد کا نعرہ لگایا اور قسمیں کھائیں کہ ہم میدان عزا سے منہ نہیں موڑیں گے' مرگئے تو شہید اور کامیاب ہوئے تو غازی۔ بابر نے جو شراب کا بڑا دل دادہ تھا شراب نوشی اور دوسرے غیر مشروع احکام حتیٰ کہ ریش تراشی سے توبہ کی اور خدائے عزوجل کی بارگاہ میں دعا کر کے میدان جنگ میں آگے بڑھا' معرکہ سارا دن جاری رہا' راجپوت جانتے تھے کہ اس لڑائی سے شمالی ہند کی قسمت کا فیصلہ ہونا والا ہے جان توڑ کر لڑے لیکن فتح بالآخر بابر کی ہوئی۔ فتح بادشاہ اسلام (۹۳۳ھ) لڑائی کی تاریخ ہوئی اور اس کے بعد بابر نے غازی کا لقب اختیار کیا۔

سیکری کی لڑائی میں جو راجپوت راجے رانا سانگا کی مدد کو آئے تھے' ان میں چندیری کا راجہ میدنی رائے تھا' رانا سانگا کو شکست دینے کے کچھ عرصہ بعد بابر نے چندیری کا رخ کیا اور اسے فتح کر کے قدیمی قلعہ دار احمد شاہ بن ناصر الدین مندوی کے سپرد کیا۔ بابر نے جب یہ قلعے فتح کر کے چندیری' سارنگ پور اور رنتھبور کی مسجدیں اور خانقاہیں دیکھیں' تو معلوم ہوا کہ رائے سین نے جو مالوے کا بااختیار وزیر تھا انہیں رانا سانگا اور میدنی رائے کے حکم سے حیوانات کا مسکن بنا کر فضلۂ گاؤ سے لیپا ہوا ہے۔ شیخ زین الدین صدر کی محنت سے یہ کثافت اور غلاظت دور ہوئی' اور موذن اور جاروب کش مقرر ہو کر پھر ان مسجدوں میں اذان کی آواز بلند ہوئی۔

شروع شروع میں اہل ہند کا خیال تھا کہ وہ محض مال و دولت کے لالچ سے یہاں

آیا ہے مگر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ بابر کا ارادہ ہندوستان پر حکومت کرنے کا ہے اور اس نے یہاں رہنے کا پختہ عزم کر لیا ہے تو وہ بابر کے پاس آ کر جمع ہونے لگے۔ بابر نے بھی ان لوگوں کی عزت افزائی کی' اس کی انصاف پسندی سے ہندوستان کے باشندے بہت خوش ہوئے۔

انتظام ملکی :- بابر ہندوستان کی حکومت قائم کرنے اور شورشوں کو دبانے میں بری طرح پھنس گیا تھا۔ جیسے ہی اسے ذرا سکون ہوا اس نے انتظام سلطنت کی طرف توجہ کی۔ اب اس کی سلطنت کندور' بدخشاں سے بنگال تک اور ہمالیہ سے گوالیار تک پھیل گئی تھی۔ اس نے زمینوں کو جاگیرداروں میں تقسیم کیا اور کاشت کاروں پر ہلکا لگان لگایا' جزیہ موقوف کر دیا اور چنگی کی تعداد میں تخفیف کر دی' ان ہی باتوں سے اس کی سلطنت روزبروز ترقی کرتی گئی۔ وہ جس قدر بہادر تھا اسی قدر دور اندیش اور امور سلطنت کی باریکیوں کو بھی جانتا تھا۔

بابر نے جب ہندوستان فتح کیا تو ہندوستان کے پرانے علوم و فنون کا زوال ہو چکا تھا' تہذیب و تمدن میں قومیت کی تقسیم و تفریق کی طرح انتشار تھا اور پرانی روش اپنی ابتدائی دلچسپی کھو کر دقیانوسیت اختیار کر چکی تھی۔

بابر نے بڑے بڑے باغات اور خوش نما عمارتوں کا سنگ بنیاد رکھا' اچھے کھانوں' عمدہ پھلوں اور فربہ جانوروں کا انتظام کیا۔ فوجی تنظیم کی اور فن حرب کو ترقی دی۔ اختراع و ایجاد کی ہمت افزائی کی' محبت و مروت کی تلقین کی اور رعایا کی خوش حالی اور انصاف پروری کو سب پر ترجیح دی۔

اسے ہندوستان میں بہت عرصہ رہنے کا موقع نہیں ملا' لیکن اپنی فطری ذہانت سے اس نے جلد ہی یہاں کی خصوصیات پا لیں۔ چنانچہ اس نے ہمایوں کے لئے جو وصیت لکھی اس سے اس کی سمجھ' انصاف پسندی اور مدبرانہ قابلیت کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتا ہے :

> میرے بیٹے ! ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ اس نے تمہیں اس ملک کا بادشاہ بنایا ہے' اپنی بادشاہی میں تمہیں ذیل کی باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔
>
> ۱۔ تم مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دو اور لوگوں کے مذہبی

جذبات اور مذہبی رسوم کا خیال رکھتے ہوئے رو رعایت کے بغیر سب لوگوں کے ساتھ پورا انصاف کرنا۔

۲۔ گاؤ کشی سے بالخصوص پرہیز کرنا تاکہ اس سے تمہیں لوگوں کے دل میں جگہ مل جائے اور اس طرح وہ احسان اور شکریے کی زنجیر سے تمہارے مطیع ہو جائیں۔

۳۔ تمہیں کسی قوم کی عبادت گاہ مسمار نہیں کرنی چاہئے اور ہمیشہ سب سے پورا انصاف کرنا چاہئے تاکہ بادشاہ اور رعیت کے تعلقات دوستانہ ہوں اور ملک میں امن و امان رہے۔

۴۔ اسلام کی اشاعت ظلم و ستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف و احسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی۔

۵۔ شیعہ سنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہو کیونکہ ان سے اسلام کمزور ہو جائے گا۔

۶۔ اپنی رعیت کی مختلف خصوصیات کو سال کے مختلف موسم سمجھو تاکہ حکومت بیماری اور ضعف سے محفوظ رہ سکے۔

بابر کا انتقال :۔ ہمایوں یہاں کے فتنہ و فساد رفع کر کے کابل گیا ہوا تھا وہاں اس کا دل ایسا گھبرایا کہ جلد واپس آ گیا' راستے کی تکان اور موسم کے تغیرات کی وجہ سے بیمار ہو گیا۔ مرض ایسا مہلک نظر آتا تھا کہ جان پر آن بنی۔ اکلوتے بیٹے کی مہلک بیماری سے باپ پر زبردست اثر ہوا' نہایت پریشان اور سراسیمہ ہوا۔ وہ لکھتا ہے "اس کی بیماری سے میں خود بیمار پڑ گیا اور خدا کا فضل ایسا ہوا کہ ہمایوں تندرست ہوتا گیا۔" جب بابر کی علالت زیادہ بڑھی تو اس نے تمام سرداروں کو جمع کر کے مشورہ کیا اور ہمایوں کو تخت نشین کر دیا' اس ہر دل عزیز اور جفاکش بادشاہ کا ۵۴ برس کی عمر میں ۲۶ دسمبر ۱۵۳۰ء کو انتقال ہو گیا۔

بابر کی قابلیت :۔ بابر کا ماموں زاد بھائی اور مصنف لکھتا ہے : "بابر جس طرح اپنی شجاعت' ہمت' جرات اور استقلال سے فضیلت کا درجہ رکھتا تھا' اسی طرح وہ علم و فضل کے اعتبار سے علمی دنیا میں ممتاز تھا' وہ شاعری میں امیر علی شیر' ترکی شاعر سے دوسرے درجہ پر ہے۔ اس کی تصانیف ترکی زبان میں نہایت اعلیٰ درجہ

کی ہیں۔ اس نے ایک نیا قاعدہ نظم کا ایجاد کیا ہے' جس کا نام مبائن ہے اور علم فقہ اس کی معرکتہ الارا کتاب ہے۔ دوسرا رسالہ عروض پر ہے' اس کے علاوہ موسیقی اور خوش خطی میں بھی جواب نہیں رکھتا تھا۔" اس بیان سے بابر کی قابلیت کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

تاریخ رشیدی میں لکھا ہے "بابر شجاعت و عدالت و انصاف کے علاوہ صدہا مختلف اوصاف سے آراستہ تھا۔ شاعری کے علاوہ نثر کے ایک طرز "مبین" کا موجد ہے اور علم اصول قانون پر اس نے بہترین رسالہ لکھا ہے۔"

بابر علم فقہ حنفی کا مجتہد تھا اور موسیقی و فن انشا میں اسے مہارت حاصل تھی۔ عربی فارسی اور ترکی زبانوں کا متبحر عالم ہونے کے علاوہ ہندی بھاشا بھی اچھی طرح جانتا تھا۔

بابر ترکی اور فارسی کا بہترین شاعر تو تھا ہی لیکن اعلیٰ درجے کا ناقد بھی تھا' شعرا اور ان کے کلام پر بابر کے تبصرے اس کی بصیرت اور گہری نگاہی کی دلیل ہیں۔

بابر خواجہ عبید اللہ احرار رحمہ اللہ کا مرید تھا اور مشائخ سے عقیدت رکھتا تھا۔ چنانچہ اس کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تصوف کی گہرائیوں سے بہت اچھی طرح آشنا تھا۔ شیخ کے وصال کے بعد "شیخ کا تصور" کر کے کہتا ہے۔ ؎

در ہوائے نفس گمرہ عمر ضائع کردہ ایم
پیش اہل اللہ زانفعال خود شرمندہ ایم
یک نظر با مخلصان خستہ دل فرما کہ ما
خواجگی را ماندہ ایم و خواجگی را بندہ ایم

بابر کا دیوان شاہی کتب خانہ رام پور میں موجود ہے۔ اس دیوان کے علاوہ اس نے مثنویاں بھی کہی ہیں' بابر کی منظوم تالیفات میں ایک رسالہ والدیہ بھی ہے' یہ رسالہ اس کے استاد اور مرشد خواجہ عبید اللہ احرار کی تصنیف ہے۔ بابر نے ترکی میں اس کا منظوم ترجمہ کیا' جن حالات میں اس نے یہ رسالہ ہندوستان کے قیام کے زمانہ ۹۳۵ھ میں ترجمہ کیا ہے وہ خود اس کی زبان سے سننے کے لائق ہیں۔

جمعہ کے دن ۲۳ تاریخ کو جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمعہ کی نماز مسجد

میں مشکل سے پڑھی گئی۔ ظہر کے بعد احتیاطاً "کتب خانہ میں گیا" بہت دیر تک بے چینی رہی۔ دوسرے دن ہفتہ کو بخار ہوا' ظہر کے بعد جاڑا بھی چڑھا' سہ شنبہ ۲۷ صفر کی رات کو دل میں آیا کہ خواجہ عبید اللہ کے رسالہ والدیہ کو نظم کروں' حضرت خواجہ کی روح سے ملتجی ہوا اور دل میں دعا کی یہ نظم آنحضرت' کو مقبول ہو' اس کے قبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح قصیدہ بردہ مقبول ہوا' اور اس کا کہنے والا مرض فالج سے اچھا ہو گیا' اسی طرح میں بھی تندرست ہو جاؤں' اسی نیت سے وزن رمل' مسدس مجنون و ضرب کبھی ابتر کبھی مجنون و محذوف میں جس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی کا سجہ ہے رسالہ نظم کرنا شروع کیا' اسی رات میں نے تیرہ شعر لکھ ڈالے' بطریق التزام ہر روز دس بتیوں سے کم نہ لکھیں' شاید کوئی دن ناغہ ہوا ہو۔ اگلے سال بھی اور کئی بار اور بھی ایسا بخار کم سے کم چالیس دن تک رہا' خدا کی عنایت اور حضرت خواجہ کی برکت سے جمعرات کے دن ۲۹ کو ذرا افاقہ ہو گیا اور پھر صحت ہوتی گئی۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی ۱۸ تاریخ نظم تمام ہو گئی' ایک دن ۵۲ شعر ہوئے۔

تزک بابری

بابر کی خود نوشت سوانح عمری دنیا کے ان بیش قیمت صحائف میں سے ہے' جو ہمیشہ ادبی حلقوں میں روشن و منور رہیں گے۔ اس کتاب کا شمار آج بھی دنیا کے بہترین علمی اور تاریخی سرمایہ میں کیا جاتا ہے۔ تزک بابری تصنع اور مبالغہ سے پاک ہے' عبارت نہایت صاف شستہ اور بے حد دلچسپ ہے۔ بابر کے ہم عصروں اور ہم وطنوں کی تصویریں اس کی تصنیف میں آئینہ کی طرف صاف نظر آتی ہیں' ان کا طرز بودوباش' ان کے اخلاق و عادات' ان کا تمدن و معاشرت اس خوبی سے پیش کئے گئے ہیں کہ نظر کے سامنے تصویر کھنچ جاتی ہے۔ یہی ایک ایسی کتاب ہے جسے ایشیا کی کتابوں میں صحیح طور پر تاریخی کتاب مانا گیا ہے۔

اس کتاب میں لوگوں کی شکل و شبیہ' لباس' اشغال و عادات بڑی تفصیل سے بیان کی ہیں' وہ جگہ جگہ اپنے دوستوں کی پرلطف گفتگو اور ان کی مہمات کا تذکرہ کرتا ہے' ان کی مصیبتوں پر روتا ہے اور خوشیوں پر خوش ہوتا ہے۔

اس نے ان ممالک کے حالات' جن کی سیر و سیاحت کا اسے اتفاق ہوا نہایت عمدگی اور خوبی سے بیان کئے ہیں' ان کے مختلف مناظر'ان کی آب و ہوا' پیداوار' علوم و فنون' صنعت و حرفت' قوانین و طرز حکومت ایسی صحت و درستی کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ کوئی موجودہ زمانے کا سیاح بھی مشکل ہی سے اتنے حجم میں ایسی تکمیل کے ساتھ لکھ سکے گا' پھر اگر بابر کی مصروفیات و مشکلات کا خیال کیا جائے تو یقیناً تزک بابری دنیا کے عجائبات میں شمار ہونے کے قابل ہے۔ ابوالفضل اکبر نامہ میں تزک بابری کی فصاحت و بلاغت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے۔ "ابتدائے سلطنت سے آخر تک کے واقعات نہایت فصیح و بلیغ عبارت میں لکھے ہیں۔"

"یہ کتاب دنیا کے بادشاہوں کے لئے دستور العمل اور قانون ہے' جس سے فکر صحیح اور مناسب رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے' دانش آموز اور تجربہ کار بنانے والی کتاب ہے ..... بیرم خاں خانخاناں نے ترکی سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔" [۲]

موجودہ دور کے یورپین تنقید نگاروں اور ناقدوں نے بھی اس کتاب کی حد سے زیادہ تعریف کی ہے' ورنہ عام طور پر وہ مسلمانوں کے کارناموں کو نہیں سراہتے ہیں۔ بابر کی تزک ان سوانح عمریوں میں ہے جو سب سے اچھی اور سب سے سچی کہی جا سکتی ہے۔ یہ کتاب نہ صرف تاریخی واقعات کے لئے اہم ہے بلکہ اس میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہ کس قدر غیر معمولی دماغ کا آدمی تھا اور اس کا مشاہدہ کتنا قوی تھا' موجودہ دور کے سیاحوں نے اعتراف کیا ہے کہ بابر نے کابل' فرغانہ اور ہندوکش کے شمالی علاقوں سے متعلق جو بیانات قلمبند کئے ہیں وہ اپنی صداقت اور تفصیلات کے لحاظ سے آج بھی دلچسپی سے پڑھنے کے لائق ہیں اور ان میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا' ہندوستان کی جو تصویر اس نے کھینچی ہے' وہ بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے۔ اس ملک میں ۱۵۲۵ء میں وہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ اس نے یہاں جو کچھ دیکھا اور پایا اس کو ۲۵ صفحوں میں تحریر کیا ہے' اس ملک کے نہ صرف حدود اربعہ' آبادی' آمدنی' ذرائع آمدنی وغیرہ کا صحیح صحیح حال لکھا ہے بلکہ یہاں کے پھلوں' پھولوں' درختوں' پرندوں' چوپایوں اور آبی جانوروں کے عادات وخصوصیات سے متعلق اتنی مفید معلومات فراہم کی ہیں کہ موجودہ دور کے ماہرین نباتات و حیوانات بھی ان سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں ..... آخر میں ان چیزوں کی ترقی کے لئے اپنے ذاتی مشورے بھی پیش

کئے ہیں۔"[۳] بابر کی سوانح مولفہ ولیم ارسکن میں اکتساب کی بڑی تفصیل سے جو خوبیاں بیان کی ہیں اس کی دو تین ابتدائی سطور یہ ہیں۔

"بابر کی تزک اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب ہے' جن حالات میں اس نے یہ لکھی' وہ اور بھی تعجب خیز ہے' اس میں ایک تاتاری فرماں روا کی زندگی کی جزوی تفصیلات ہیں' اس کی رائے' اس کے جذبات بالکل فطری طور پر نظر آتے ہیں ...... یہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو غیر معمولی ذہانت اور مشاہدہ کی قوت رکھتا ہے ...... ایشیا کے عام مورخین اکابر کے اعمال و حرکات کا ذکر تو پر شکوہ طریقہ پر کرتے ہیں' لیکن ان کے عادات و اطوار کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور وہ دوسرے لوگوں کا ذکر مطلق نہیں کرتے۔ لیکن بابر ہر فرد کی شکل و صورت' پوشاک' طور اور طریقے بہت خوبی اور سچائی سے بیان کرتا ہے۔"[۴]

ایک اور انگریز مورخ لکھتا ہے۔ "بابر نامہ پڑھنے کے بعد غیر ارادی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ بابر کا سینہ محبت' شفقت اور انس سے لبریز تھا۔ اس کی زندگی میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے' اس نے عسرت میں بھی دن گزارے اور شان و شوکت کے ساتھ شاہی تخت پر جلوہ افروز بھی ہوا' مگر اس کے طبعی ذوق میں تبدیلی کسی حال میں نہیں ہوئی۔"[۵]

ترجمے :۔ تزک بابری دنیا میں بے حد مقبول ہوئی' تمام اہم زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ سب سے پہلے اکبر کے حکم سے عبدالرحیم خان خانخاناں نے فارسی میں ۱۵۹۰ء کو اس کا ترجمہ کیا۔ ایک فرانسیسی اہل قلم مسٹر پیوٹ' ڈی کورٹیلی نے فرانسیسی میں منتقل کیا' پھر ولیم ارسکن اور ان کی بیگم نے مل کر ۱۸۱۷ء میں اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ روس کی اورینٹل اکیڈمی نے روسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا' اردو میں مرزا نصیر الدین حیدر گورگانی تخلص فانی نے اسے بقائے دوام بخشا۔

موجودہ ترجمہ :۔ مرزا صاحب کا ترجمہ نہایت صاف' شستہ اور صحیح ہے' کوئی لفظ چھوٹنے نہیں پایا اور ترجمے کے وقت انگریزی حواشی بھی اس کے پیش نظر رہے تھے۔ انہوں نے جان لیڈن صاحب کے ترجمہ سے بھی مدد لی تھی' مرزا صاحب نے ترکی بھی پڑھی ہوئی تھی اور بہت محنت سے اس کتاب کا لفظی ترجمہ کیا تھا اس لئے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ اردو ترجمہ جو شائع کیا جا رہا ہے اصل متن کا قائم مقام ہے

اور استناد کے قابل ہے۔

میں نے ترجمے کو متن سے مقابلہ کر کے دیکھا اور جہاں کہیں مغلق الفاظ یا بیان میں گنجلک دیکھی' اسے آسان کر دیا۔ اس عجلت میں حواشی کا بھی جو اضافہ کر سکتا تھا کیا اور جن مشکلات کا حل کیا جا سکتا تھا کیا گیا ہے۔

نیاز کیش

عبید اللہ قدسی

۴ کرینڈ کورٹ وکٹوریہ روڈ کراچی ۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"کہہ اے خدا ملک کے مالک تو جس کو چاہے سلطنت دے اور تو جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جس کو چاہے عزت دے اور تو جسے چاہے ذلت دے۔ ساری خوبی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

حضرت محمد مصطفیٰ ختم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے اصحابؓ بزرگ اور احباب کرام رضوان اللہ اجمعین پر قیامت تک بے حد درود پہنچے۔

ظہیر الدین محمد بابر بن عمر شیخ مرزا تیموری نژاد لکھتا ہے کہ میں نے یہ چند سطریں مختصراً اپنے زمانہ کے حالات اور واقعات کی اپنی آل اولاد کے لئے بطور یادگار لکھی ہیں۔

ملک فرغانہ کا بیان:۔ میری عمر بارہ برس کی تھی اور پانچویں رمضان ۸۹۹ ؁ ہجری تھی جب میں ملک فرغانہ میں بادشاہ ہوا۔ فرغانہ کا ملک اقلیم پنجم میں سے ہے اور معمورہ عالم کے کنارہ پر ہے اور اس کے مشرق میں کاشغر، مغرب میں سمرقند، جنوب میں کوہستان بدخشاں اور شمال میں ویران جنگل ہے۔ اگرچہ اس میدان میں پہلے بہت سے شہر جیسے المالیغ ؁۲۔ الماتو ؁۳ اور یانگی (جس کو تاریخ کی کتابوں میں اطرار ؁۴ بھی لکھا ہے) آباد تھے لیکن ازبکوں کے حملوں سے اس زمانہ میں ایسی ویرانی ہے کہ نام کو آبادی نہیں رہی۔ فرغانہ کا علاقہ کچھ بڑا نہیں ہے، مگر اس میں میوے اور غلے بہت پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے گرد پہاڑوں کا سلسلہ ہے۔ صرف مغرب کی جانب جدھر سمرقند اور خجند ہے پہاڑ نہیں ہے۔ بیرونی غنیم بھی اس طرف کے سوائے دوسری طرف سے اندر نہیں آ سکتا۔

دریائے سیحوں جو دریائے خجند کے نام سے مشہور ہے سمت شمال اور مشرق کے

وسط سے آکر ملک کے بیچ میں سے ہوتا ہوا مغرب کو چلا جاتا ہے اور خجند کے شمال دفناکت سے (جو اب شاہر خیہ کہلاتا ہے) کے جنوب سے گزر کے وہاں سے شمال کی طرف مائل ہوتا ہوا ترکستان میں جاتا ہے اور اکیلا بہتا ہوا ترکستان کی بہت نشیبی جانب سارا دریا ریگستان میں جذب ہو جاتا ہے۔

اندجان :۔ اس ملک میں سات قصبے ہیں۔ پانچ دریائے سیحون کے جنوب میں اور دو شمال میں۔ جنوبی قصبوں میں سے ایک اندجان ہے جو وسط ملک میں ہے اور فرغانہ کا دارالسلطنت ہے۔ یہ بہت سرسبز مقام ہے۔

اس میں غلہ و میوہ بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ انگور اور خربوزہ بہت اور عمدہ ہوتا ہے۔ وہاں کا دستور ہے کہ فصل میں خربوزوں کو باڑیوں پر نہیں بیچتے۔ ناشپاتی اندجان سے بہتر کہیں نہیں ہوتی۔ ماوراء النہر میں سمرقند اور کیش کے قلعوں کے علاوہ اندجان کے قلعہ سے کوئی قلعہ بڑائی میں لگا نہیں کھاتا۔ اس کے تین دروازے ہیں۔ شہر کے جنوب میں ارک ہے۔ شہر ۸ میں نو نہریں آتی ہیں اور یہ عجیب بات ہے کہ سب نہریں ایک جگہ سے نہیں نکلتیں۔ قلعہ کے گرد سنگین خندق ہے اور خندق کے کنارے پر شاہراہ ہے۔ جس پر روڑی بچھی ہوئی ہے۔ قلعہ کے سب طرف محلے آباد ہیں۔ محلوں اور قلعہ میں خندق کے کنارے کی سڑک ہی فاصلہ ہے۔ یہاں کے جنگل میں شکار کثرت سے ہے۔ ہرن خوب تیار ہوتا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ ایک ہرن کا سالن اتنا ہوتا ہے جس سے چار آدمی پیٹ بھر لیں اور پھر بھی وہ بچ رہے۔ اہل ملک سب ترک ہیں۔ شہر اور بازار میں کوئی ایسا نہیں ہے جو ترکی زبان نہ جانتا ہو۔ اس ملک کے عام آدمیوں کی زبان ایسی شستہ ہے جیسے اہل قلم کی۔ میر علی شیر نوائی کی تصنیفات دیکھو! گو اس نے ہرات میں نشوونما پائی ہے مگر اس کی تصنیفات اسی زبان میں ہیں۔ یہاں کے لوگ بہت حسین ہوتے ہیں۔ خواجہ یوسف جو فن موسیقی کے بڑے استاد مشہور ہیں اندجان ہی کے تھے۔ اندجان کی ہوا میں ۹ عفونت ہوتی ہے۔ چنانچہ شوب چشم اور ورم چشم کا عارضہ عموماً ہوتا ہے۔ اس اطباء قرب کہتے ہیں۔

اوش :۔ ایک اوش ہے جو اندجان کے گوشہ جنوب و مشرق میں مائل بہ شرق اندجان سے چار فرسنگ ۱۰ کے فاصلے پر ہے۔ اس کی ہوا نہایت اچھی ہے۔ اس میں جابجا پانی جاری رہتا ہے۔ یہاں کی بہار کا موسم نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اوش کی فضیلت میں کئی

حدیثیں آئی ہیں۔ قلعے کے جنوب و مشرق میں ایک خوش نما پہاڑ ہے۔ مشرق و جنوب کے بیچ میں پہاڑ کی چوٹی پر ایک ٹیکرا ہے جس کو "براہ کوہ" کہتے ہیں۔ سلطان محمود خان نے وہاں ایک چھوٹا سا مکان بنایا تھا۔ میں نے ۹۰۲ ہجری (۱۴۹۶ء) میں اس مکان کے نیچے کی طرف پہاڑی کی بنی گلہ میں ایک بارہ دری بنائی۔ اگرچہ پہلا مکان اس سے زیادہ بلند مقام پر واقع ہے مگر میرا بنایا ہوا مکان اس سے بہتر ہے۔ یہاں سے شہر کی اور باہر کی آبادی اچھی طرح نظر آتی ہے۔ اندجان کی ندی ؂۱۱ اوش کے بیرونی محلات میں سے ہوتی ہوئی اندجان میں جاتی ہے اس ندی کے دونوں کناروں سے ملے ہوئے باغات ہیں جن میں سے ندی بخوبی نظر آتی ہے۔یہاں بنفشہ بکثرت پیدا ہوتی ہے۔ جا بجا پانی کی نہریں جاری ہیں۔ موسم بہار میں لالہ اور گلاب بہت کھلتا ہے۔ اسی پہاڑ کے دامن میں شہر و باغ کے درمیان ایک مسجد بنی ہوئی ہے' جس کا نام مسجد جوزا ہے۔ پہاڑ کی طرف سے ایک بڑی نہر آتی ہے اور اسی مسجد کے بیرونی صحن کے نشیب میں تین حوض بنے ہوئے ہیں۔ نہایت مصفا' جو مسافر اور راہ گیر ادھر آتا ہے یہاں دم لیتا ہے۔ اوش کے اوباش ہنسی سے کہا کرتے ہیں۔ "ہر کس درایں میدان خواب کروازیں ؂ جو آب ی گز راند"

عمر شیخ مرزا کے آخر وقت میں اس پہاڑ سے سرخ و سپید سنگ ابری نکلا تھا۔ اس پتھر سے چھریوں کے دستے' پیٹی کے نر مادہ اور اسی قسم کی چیزیں بناتے ہیں یہ پتھر بہت ہی خوبصورت ہوتا ہے۔ ملک فرغانہ میں خوش نمائی اور آب و ہوا کے اعتبار سے اوش جیسا دوسرا شہر نہیں ہے۔

مرغینان :۔ ایک مرغینان ہے۔ اندجان کے مغرب میں سات فرسنگ کے فاصلے پر اچھا قصبہ ؂۱۲ ہے۔ یہاں انار اور خوبانی نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ ایک قسم کا انار ہوتا ہے اس کا نام دانہ کلاں ہے۔ اس میں چاشنی دار مٹھاس ہوتی ہے۔ سمنان ؂۱۳ کے انار پر اس کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ ایک قسم کا زردالو ؂۱۴ ہوتا ہے۔ اس کی گٹھلی نکال کر اور بجائے اس کے مغز بادام رکھ کر خشک کرتے ہیں۔ اس کا نام سبحانی رکھا ہے۔ یہ بڑی لذیذ ہوتی ہے۔ یہاں جانور اور شکار بہت ہے۔ آہو راق ؂۱۵ قریب ہی مل جاتا ہے۔ اہل شہر سب تاجیک ؂۱۶ ہیں۔ یہ لوگ لڑاکا' دنگئی اور شہرہ پشت ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تمام ماوراء النہر میں یہی دنگئی اور شہرہ پشت مشہور ہیں۔ سمرقند اور بخارا میں جو

بڑے دنگئی ہیں وہ مرغینان ہی کے باشندے ہیں۔ ہدایہ ؎۱۷ کے مصنف موضع رشدان کے رہنے والے تھے جو مرغینان کے علاقہ میں سے ہے۔

اسفرہ :۔ ایک اور قصبہ اسفرہ ہے۔ یہ قصہ پہاڑ کے نیچے مرغینان سے جنوب و مغرب کی طرف نو فرسنگ کے فاصلے پر آباد ہے۔ اس میں جا بجا نہریں جاری ہیں۔ سرد رختی کثرت سے ہر اور نہایت عمدہ باغیچے ہیں' جن میں اکثر باوام کے درخت ہیں۔ یہاں کے باشندے سب پہاڑی اور تاجیک ہیں۔ جنوب کی طرف ایک فرخ ؎۸ شرعی کے فاصلے پر پہاڑ کے پشتوں میں پتھر کی ایک سل ہے جس کو سنگ آئینہ کہتے ہیں۔ اس کا طول تخمیناً" دس گز کا ہو گا' کہیں سے وہ اتنا بلند ہے کہ آدمی کے قد کے برابر اور کہیں سے اتنا نیچا کہ آدمی کی کمر کے برابر۔ آئینہ کی طرح ہر شے کا عکس اس میں پڑتا ہے۔ اسفرہ کے علاقے میں پہاڑ کے نیچے چار قصبے آباد ہیں۔ ایک اسفرہ' دوسرا وارخ' تیسرا سوخ اور چوتھا ہشیار۔ جس زمانے میں شیبانی خان ؎۱۹ نے سلطان محمود خاں اور الچہ خاں کو شکست دے کر تاشقند اور شاہرخیہ کو فتح کر لیا تو اسی سوخ اور ہشیار کی پہاڑیوں میں تقریباً" سال بھر تک پریشانی کے ساتھ میں اپنا وقت گزارتا رہا اور پھر کابل پر چڑھائی کر دی۔

خجند :۔ ایک خجند ہے۔ جو اندجان کے مغرب میں پچیس فرسنگ کے فاصلے پر ہے ۔ ؎۲۰ اور پرانے شہروں میں سے ہے۔ شیخ مصلحت اور خواجہ کمال رحمۃ اللہ علیہ خجند ہی کے رہنے والے تھے۔ وہاں کے میوے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ انار تو عمدگی میں ایسا مشہور ہے کہ "سیب سمرقند اور انار خنجد" ضرب المثل ہے۔ لیکن آج کل مرغینان کا انار اچھا ہوتا ہے۔ اس کا قلعہ بلندی پر واقع ہے۔ دریائے سیحون اس کے شمال کی طرف بہتا ہے اور دریا قلعہ سے ایک تیر کے پرتاب پر ہے۔ قلعہ اور دریا کے شمال میں ایک پہاڑ ہے جس کا نام میوغل ہے۔ اس پہاڑ میں فیروزہ اور دوسری چیزوں کی کانیں ہیں۔ یہاں سانپ بہت ہوتے ہیں۔ خجند کی شکارگاہ کا کیا کہنا ہے۔ سفید ہرن' پہاڑی بکری' بارہ سینگا' جنگلی پرندے اور خرگوش ریوڑ کے ریوڑ ہیں۔ یہاں کی ہوا بڑی متعفن ہے۔ آشوب چشم کا مرض بہت ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ چڑیا کو بھی آشوب چشم ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ یہ ہوا کا فساد کوہ شمال کے سبب سے ہے۔ خنجد کے علاقے میں ایک قصبہ کند بادام ؎۲۱ ہے۔ اگرچہ یہ بہت بڑا نہیں ہے' مگر خاصہ قصبہ ہے۔یہاں بادام کثرت سے

پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کو کند بادام کہتے ہیں۔ مقام ہرموز ۲۲ اور ہندوستان میں یہیں سے بادام جاتا ہے۔ یہ قصبہ خجند سے پانچ چھ فرسنگ مشرق کی جانب ہے۔ خجند اور کند بادام کے بیچ میں ایک جنگل ہے۔ اس کو ہادرویش کہتے ہیں۔ یہاں ہمیشہ ہوا کے جھکڑ چلتے رہتے ہیں۔ مرغینان یہاں سے مشرق میں ہے اور خجند مغرب میں۔ مرغینان و خجند میں جو آندھی آتی ہے وہ یہیں سے اٹھتی ہے۔ اس جنگل میں ہمیشہ آندھی اور ہوا کا زور ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہاں کسی زمانے میں کئی فقیر ہوا کے جھکڑ میں پھنس کر ایسے بچھڑ گئے تھے کہ پھر نہ ملے۔ اور ہر ایک ہادرویش ۲۳۔ ہادرویش چیختا چیختا مر گیا۔ اسی دن سے اس جنگل کا نام ہادرویش پڑ گیا۔

سیحون:۔ دریائے سیحون کے شمالی سمت کے قصبوں میں سے ایک قصبہ آخشی ہے۔ اس کو تاریخ کی کتابوں میں آخشیکت ۲۴ کے نام سے لکھا ہے۔ چنانچہ اثیرالدین شاعر کو اثیرالدین آخشیکتی کہتے ہیں۔ ملک فرغانہ میں اندجان کے بعد اس سے بڑا کوئی قصبہ نہیں ہے۔ اندجان سے جانب غرب یہ قصبہ نو فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ سلطان عمر شیخ مرزا نے اسی کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ دریائے سیحون قلعہ کی فصیل کے نیچے ہی بہتا ہے۔ اس ۲۵ کا قلعہ ایک اونچے کھڈ پر بنا ہوا ہے جو دریا کے کراڑے پر ہے۔ کھڈ کی گہرائی گویا قلعے کی خندق ہے۔ عمر شیخ مرزا نے جب اس کو دارالسلطنت بنایا تو دو ایک مرتبہ باہر کی جانب پشتے تعمیر کئے۔ فرغانہ میں اس جیسا کوئی دوسرا قلعہ مضبوط نہیں ہے یشہر کے محلے قلعہ کی فصیل سے ایک میل شرعی کے فاصلہ پر آباد ہیں۔ یہ مثل "دہ کجا و درختاہ کجا" شاید آخشی ہی کے واسطے کہی گئی ہے۔ یہاں کا خربوزہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ ایک قسم کے خربوزہ کو میر تیموری کہتے ہیں۔ شاید ہی ایسا خربوزہ دنیا میں ہوتا ہو یوں تو بخارا کے خربوزے مشہور ہیں مگر جن دنوں میں میں نے سمرقند فتح کیا تھا تو ایک بار آخشی اور بخارا سے خربوزے آئے تھے۔ ایک مجلس میں تراشے گئے۔ معلوم ہوا کہ بخارا کے خربوزے آخشی کے خربوزوں سے لگا نہیں کھاتے۔ وہاں شکار بکثرت ہے اور جانور بہت ہیں۔ دریا سے آخشی کی جانب ایک جنگل ہے جس میں ھسرن کثرت سے ہوتا ہے۔ اندجان کی طرف بھی ایک بڑا جنگل ہے۔ اس میں بارہ سنگے، پرندے اور خرگوش بہت ملتے ہیں جو خوب فربہ ہوتے ہیں۔

کاشان:۔ ایک قصبہ کاشان ہے۔ آخشی کے شمال میں یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جس

طرح دریائے اندجان اوش کی طرف سے بہہ کر آتا ہے اسی طرح دریائے آخشی کاشان سے۔ شہر کی ہوا عمدہ ہے۔ باغات نہایت مصفا ہیں۔ چونکہ باغات ۲۶ دریا کے کنارے پر بیلے میں واقع ہیں اس لئے کہا کرتے ہیں۔ "پوستین ۲۷ پیش برہ" ہے۔ کاشانی اپنے ہاں کی صفائی اور آب و ہوا کی خوبی کا دعویٰ کرتے ہیں اور اوشی اپنے ہاں کی۔ ملک فرغانہ کے گرد پہاڑوں میں ٹیلاق ۲۸ اچھے ہیں۔ اس پہاڑ میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے جس کو تابولغو کہتے ہیں۔ یہ لکڑی اور کہیں نہیں ہوتی۔ اس کا پوست سرخ ہوتا ہے۔ عصے' کوڑوں کے دستے اور پرندوں کے پنجرے اس سے بنائے جاتے ہیں اور اس کو چھیل کر تیر کے گز بھی بناتے ہیں۔ بہت ہی عمدہ لکڑی ہے۔ دور دراز ملکوں میں بطور سوغات جاتی ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ان پہاڑوں میں یبروج سے الصنم ۲۹ ہوتا ہے۔ مگر اس زمانے میں کسی سے سننے میں نہیں آیا۔ سنا ہے کہ تیتی کینت ۳۰ کے پہاڑوں میں ایک گھاس ہوتی ہے۔ وہاں والے اس کو ایتق اولق ۳۱ کہتے ہیں۔ اس میں مہر گیاہ کی خاصیت ہے۔ عجب نہیں کہ یہی مہر گیاہ ہو جس کا نام وہاں والوں نے یہ رکھ دیا ہے۔ اس کوہستان میں فیروزہ اور لوہے کی کان ہے۔

اگر ملک فرغانہ کا محاصل رعایا سے بغیر ظلم کئے لیا جائے تو اتنی ہی آمدنی میں تین چار ہزار آدمی رہ ۳۲ سکتے ہیں۔ چونکہ عمر شیخ مرزا ایک بلند ہمت اور بڑی سلطنت کے خواہشمند تھے۔ اس لئے ان کو ہمیشہ ملک گیری کا خیال رہتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کئی دفعہ سمرقند پر چڑھائی کی۔ بعض موقعہ پر شکست کھائی اور بعض دفعہ یوں ہی ناکام گئے۔ کئی بار اپنے خسر یونس خاں سے (جو چنگیز خان کے دوسرے بیٹے چغتائی خاں کی نسل سے تھا اور سلطنت چغتائیہ میں مغلوں کا اس وقت سردار تھا اور میرا نانا ہوتا ہے) ملتجی ہو کر اس کو اپنی کمک کے لئے لائے اور ہر مرتبہ اس کو اپنے ملک میں سے تھوڑا سا ملک دیا۔ مگر عمر شیخ مرزا کی خواہش کے موافق کام نہ نکلا۔ کیونکہ کبھی عمر شیخ مرزا کے برے برتاؤ کے سبب سے اور کبھی مغلوں کی سرکشی کی وجہ سے یونس خاں اس ملک میں نہ ٹھہر سکا اور مغلستان چلا گیا۔ آخر میں جو اسے لائے تو اس زمانہ میں تاشقند عمر شیخ مرزا کے قبضہ میں تھا (پچھلی کتابوں میں اس کو شاش اور کسی نے چاچ بھی لکھا ہے۔ چنانچہ کمان چاچی مشہور ہے) یہ بھی خان کے حوالہ کر دیا اس زمانہ سے ۹۰۸ھ

(۳۔۱۵۰۲ء) تک تاشقند اور شہرخیہ خاقان چغتائیہ کے قبضہ و تصرف میں رہے۔

سلطان محمود خاں اور سلطان احمد مرزا کی چڑھائی اور عمر شیخ مرزا کی وفات ۸۹۹ھ :۔ وہ زمانہ ہے کہ یونس خان کا بڑا بیٹا سلطان محمود خاں میرا ماموں حاکم مغلستان ہے۔ اور سلطان احمد مرزا (عمر شیخ مرزا کا بڑا بھائی) سمرقند کا بادشاہ ہے اور چونکہ ان دونوں کو عمر شیخ مرزا نے اپنی چالوں سے بہت تنگ کر دیا تھا اس لئے دونوں نے باہم اتفاق اور مصلحت کرلی۔ سلطان احمد مرزا نے دریائے خجند کے جنوب کی طرف سے اور سلطان محمود خاں نے شمال کی طرف سے فوج کشی ۔۳۳ کی۔ اسی اثناء میں عمر شیخ مرزا کو عجیب واقعہ پیش آگیا۔ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ آخشی کا قلعہ اونچے کھڈ پر واقع ہے۔ اس کے مکانات بھی اس کے کنارے پر تھے۔ ان ہی ایام میں پیر کے دن رمضان کی چوتھی تاریخ (۲ جون ۱۴۹۴ء) دفعتاً" اوپر سے کبوتر خانہ گرا۔ مرزا بھی کبوتروں سمیت گر کر راہی عدم ہوئے ان کی عمر انتالیس ۳۹ برس کی تھی۔

ان کی ولادت۔ نسبت اور حکومت فرغانہ کا سبب :۔ عمر شیخ مرزا بمقام سمرقند ۸۶۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ یہ سلطان ابوسعید مرزا کے چوتھے بیٹے تھے۔ سلطان احمد مرزا۔ سلطان محمد مرزا اور سلطان محمود مرزا سے چھوٹے۔ سلطان ابوسعید مرزا سلطان محمد مرزا کے بیٹے تھے۔ سلطان محمد مرزا سلطان میرانشاہ مرزا کے فرزند تھے۔ میراں شاہ' مرزا حضرت امیر تیمور گورگان کے منجھلے بیٹے تھے۔ عمر شیخ مرزا اور جہانگیر مرزا سے چھوٹے اور شاہ رخ مرزا سے بڑے۔ سلطان ابو سعید مرزا نے اول عمر شیخ مرزا کو کابل دیا۔ اور بابا کابلی کو بیگ ۔۳۴ آتکہ کر کے روانہ کیا۔ پھر مرزاؤں کے ختنوں کی خوشی میں ۔۳۵ شریک ہونے کے لئے درہ گز ۔۳۶ سے سمرقند میں واپس بلا لیا۔ خوشی کے بعد اس مناسبت سے کہ امیر تیمور نے اپنے بیٹے عمر شیخ مرزا کو ولایت فرغانہ عطا کی تھی ابوسعید مرزا نے ان کو اندجان دیا اور تیمور ۔۳۷ تاش کو ان کا بیگ آتکہ مقرر کیا۔

ان کا حلیہ اور وضع :۔ ٹھگنا ۔۳۸ قد۔ چہرہ کا رنگ سرخ۔ گرد ڈاڑھی۔ بدن بھاری۔ ذرا مزاج چالاک۔ کپڑے بہت چست پہنا کرتے تھے۔ چنانچہ بند باندھتے تھے تو پیٹ سکیڑ لیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ باندھنے کے بعد بدن چھوڑ دیتے تھے یا سانس

لیتے تھے تو بند ٹوٹ جاتے تھے۔ کھانے پہننے میں بے تکلف تھے۔ دستار پیچ کی قطع کی پگڑی باندھتے تھے۔ اس زمانہ میں دستار پیچ چار پیچ کی پگڑی ہوتی تھی۔ وہ بغیر چین کے باندھ کر شملہ چھوڑ دیتے تھے۔ گرمیوں میں دربار کے علاوہ مغلی ٹوپی پہنتے تھے۔

اخلاق و اطوار:۔ ان کے اخلاق و اطوار یہ تھے۔ حنفی مذہب اور خوش اعتقاد آدمی تھے۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھتے تھے۔ قضائے عمری سب ادا کر دی تھی۔ بیشتر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے۔ اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ بھی ان کو فرزند فرمایا کرتے تھے۔ وہ خاصے پڑھے لکھے تھے۔ خمستین، مثنوی اور تاریخ کی کتابیں ان کی نظر سے نکلی ہوئی تھیں۔ شاہنامہ کو بہت دیکھا کرتے تھے۔ اگرچہ موزوں طبیعت تھے مگر شعر گوئی پر توجہ نہ کرتے تھے۔ منتظم اس درجہ کے تھے کہ ایک بار خطائی قافلہ اندجان میں آ رہا تھا۔ جب کوہستان شرقی کے اطراف میں آیا تو ایسی برف پڑی کہ تمام اہل قافلہ ہلاک ہو گئے۔ صرف دو آدمی بچے۔ اس خبر کے سنتے ہی اپنے ملازموں کو بھیج کر تمام مال و متاع جمع کروا لیا۔ اگرچہ اس مال کے ورثاء موجود نہ تھے اور ان کو احتیاج بھی تھی۔ مگر سارا مال بہت حفاظت کے ساتھ رکھوا کر دو ایک سال کے بعد خراسان اور سمرقند سے ان کے وارثوں کو بلایا اور بے کم و کاست وہ مال سب کے حوالے کر دیا۔ ۳۹؎ وہ سخی بھی بہت تھے اور سخاوت ہی جیسی ان کی اور خصلتیں بھی تھیں۔ خوش مزاج باتیں۔ فصیح۔ شیریں کلام اور بہادر آدمی تھے۔ دو دفعہ فوج سے نکل کر اکیلے نے شمشیر زنی کی ہے۔ ایک دفعہ آخشی کے دروازے میں اور دوسری دفعہ شاہرخیہ کے دروازے میں۔ اوسط درجہ کے تیر انداز تھے۔ اور گھونسہ ۴۰؎ زبردست مارتے تھے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ کسی کو گھونسہ ماریں اور گھونسہ کھانے والا گر نہ پڑے۔ ملک گیری کے خیال میں بہت دوستوں سے بیچ گئی تھی اور بہت لوگ ان سے کھٹک گئے تھے۔ ابتداء میں بڑے شراب خوار تھے۔ پھر ہفتہ میں دو ایک مرتبہ مے نوشی کا جلسہ ہونے لگا۔ خوش صحبت شخص تھے۔ ایسے موقعوں پر مناسب مناسب اشعار پڑھا کرتے تھے۔ آخر میں معجون ۔ ۴۰ بہت کھانے لگے تھے۔ معجون کھانے کے بعد مزاج چراندا ہو جاتا تھا۔ رحم دل بہت تھے۔ نعل ۴۲؎ اور داغ بہت رکھتے تھے۔ ہمیشہ چوسر کھیلتے رہتے تھے۔ کبھی جوا بھی کھیل لیتے تھے۔

ان کی لڑائیاں :۔ وہ تین لڑائیاں لڑے ہیں۔ پہلی لڑائی یونس خاں سے اندجان کے شمال کی طرف دریائے سیحون کے کنارے پر وہاں ہوئی جس کو سکر تکہ ۴۳ کہتے ہیں۔ یہاں مغلوب ہو کر پکڑے گئے۔ اس مقام کا اس لئے یہ نام پڑ گیا ہے کہ دریا جو پہاڑ سے بہتا ہوا آتا ہے تو یہاں سکڑا ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بار تکہ یعنی پہاڑی بکرا اس کنارے سے چھلانگ لگا کر اس کنارے پر جا پہنچا تھا۔ اس لڑائی میں یونس خاں نے شکست دینے اور پکڑ لینے کے بعد الٹا پھیر دیا تھا۔ چونکہ اس مقام پر لڑائی ہوئی تھی۔ اس لئے اس لڑائی ۴۴ کا نام جنگ تکہ سکر تکو مشہور ہو گیا۔ دوسری لڑائی ترکستان میں دریائے ارس ۴۵ کے کنارے پر ازبکوں سے ہوئی جو نواح سمرقند کو لوٹ مار کر جاتے تھے۔ دریائے ارس پر سے جو بالکل جم کر برف ہو گیا تھا عبور کر کے ان لوگوں کو شکست دی اور جو مال اور اونٹ وغیرہ یہ لوٹ لائے تھے چھین کر مالکوں کو واپس کر دیا۔ آپ اس میں سے ذرا نہ لیا۔ تیسری لڑائی سلطان احمد مرزا سے شاہرخیہ اور اتیبہ کے درمیان خواص ۴۶ نام کے موضع میں ہوئی۔ یہاں شکست کھائی۔

ملک مقبوضہ :۔ ان کے قبضے میں یہ ملک تھے۔ سلطان ابو سعید مرزا نے تو فرغانہ کا علاقہ دیا تھا۔ تاشقند اور سیرام ۴۷ ان کے بڑے بھائی سلطان احمد مرزا نے دیئے تھے۔ شاہرخیہ کو فریب سے لے کر کچھ دن تک اس پر بھی قابض رہے۔ آخر میں تاشقند اور شاہرخیہ قبضے سے نکل گئے تھے اور صرف ملک فرغانہ' خجند اور اتیبہ جن کا اصل نام اسروسنہ اور استروس ہے رہ گئے تھے۔ بعض لوگ خجند کو فرغانہ کے ملک میں شامل نہیں کرتے۔ سلطان احمد مرزا نے جب مغلوں پر چڑھائی کی ہے اور دریائے جر چیق ۴۸ کے کنارے پر مقابلہ ہوا تو شکست کھائی اور اتلیبہ حافظ بیگ دولدائی کے پاس تھا وہ بھی اس نے مرزا کو دے دیا تھا۔ اس دن سے وہ عمر شیخ مرزا کے تصرف میں رہا۔

اولاد :۔ ان کی اولاد میں تین بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ بیٹوں میں سے سب سے بڑا بیٹا میں ظہیر الدین بابر ہوں۔ میری ماں قتلق نگار خانم تھیں۔ مجھ سے دو برس چھوٹا دوسرا بیٹا جہانگیر مرزا تھا۔ اس کی ماں قوم مغل کے گروہوں کے سرداروں میں سے تھی۔ اس کا نام فاطمہ سلطان تھا۔ تیسرا بیٹا ناصر مرزا تھا۔ اس کی والدہ اندجان کی تھی۔

حرم تھی۔ اس کا نام امیہ تھا۔ ناصر مرزا مجھ سے چار برس چھوٹا تھا۔ سب بیٹیوں میں بڑی خان زادہ بیگم میری سگی بہن تھی۔ مجھ سے پانچ برس بڑی۔ جن دنوں میں نے دوبارہ سمرقند لیا ہے ان دنوں میں گو میری فوج کو سرپل پر شکست ہو گئی تھی اس پر بھی پانچ مہینے تک میں محصور رہا۔ مگر جب گردونواح کے بادشاہوں اور امیروں میں سے کسی نے کسی طرح کی مدد نہ دی تو ناچار سمرقند چھوڑ کر میں نکل کھڑا ہوا۔ اسی بھاگڑ میں خانزادہ بیگم محمد شیبانی خاں کے ہاتھ آ گئی۔ اس نے ان سے نکاح کر لیا۔ ایک بیٹا اس سے پیدا ہوا جس کا نام خرم شاہ تھا۔ اچھا خوبصورت جوان تھا۔ شیبانی خاں نے بلخ کا علاقہ اس کو دے دیا تھا۔ اپنے باپ کے دو ایک برس کے بعد وہ بھی فوت ہو گیا۔ جب شاہ اسماعیل صفوی نے ازبک کو مرو میں شکست دی ہے تو خانزادہ بیگم وہیں تھیں۔ میرے سبب سے شاہ ممدوح نے بیگم سے اچھی طرح ملاقات کی اور عمدہ برتاؤ برتا۔ عزت و آبرو کے ساتھ میرے پاس قندزمین ۷ سے ۴ بھیج دیا۔ بیگم موصوفہ قندز میں آکر میرے ہمراہ ہوئی۔ مجھ میں اور اس میں دس برس تک مفارقت رہی۔ جس وقت میں اور محمدی کوکلتاش اس سے ملنے گئے تو بیگم نے اور ساتھ والوں نے میرے کہنے پر بھی فوراً" ہم کو نہ پہچانا" تھوڑی دیر بعد پہچان گئی۔ دوسری بیٹی مہربانو بیگم تھی۔ ناصر مرزا کی ہم بطن بہن۔ مجھ سے دو برس چھوٹی۔ تیسری لڑکی شہربانو بیگم ناصر مرزا کی دوسری سگی بہن تھی۔ مجھ سے آٹھ برس چھوٹی۔ چوتھی یادگار سلطان بیگم تھی جو آغا سلطان حرم کے پیٹ سے تھی۔ سب سے چھوٹی پانچویں رقیہ سلطان بیگم مخدومہ سلطان بیگم (جس کو قراکوز ۵۰ بیگم بھی کہتے ہیں) کے بطن سے تھی۔ یہ دونوں مرزا کے مرنے کے بعد پیدا ہوئی تھیں۔ یادگار سلطان بیگم کو میری نانی ایسن دولت بیگم نے پالا تھا۔ جب شیبانی خاں ۵۱ نے اخشی اور اندجان کو لے لیا تو یادگار سلطان بیگم حمزہ سلطان کے بیٹے مہدی سلطان کے ہاتھ آ گئی۔ جس ۵۲ زمانہ میں کہ حمزہ سلطان اور اس کے ہمراہی سلاطین کو ختلان کے علاقہ میں میں نے شکست دے کر حصار چھین لیا ہے۔ اس زمانہ میں یادگار سلطان بیگم میرے پاس آ گئی تھی۔ ان ہی جھگڑوں میں رقیہ سلطان بیگم جانی بیگ سلطان کے ہاتھ آ گئی تھی۔ اس کے دو ایک بیٹے بھی ہوئے تھے۔ اب سنا ہے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔

بیویاں اور حرمیں :۔ بیویاں اور حرمیں یہ تھیں۔ پہلی بیوی قتلق نگار خانم یونس

خاں کی دوسری بیٹی۔ سلطان محمود خاں اور احمد خاں کی بڑی بہن تھی۔ یونس خاں چغتائی خاں کی نسل سے تھا۔ جو چنگیز خاں کا دوسرا بیٹا تھا۔ سلسلہ نسل اس طرح ہے کہ یونس خاں بن ویس خاں بن شیر علی اغلان بن محمد خان بن خضر خواجہ خان بن تغلق تیمور خان بن ایس بوغا خان بن دواخان بن لمسون تو ۵۔ ابن مواتوکان بن چغتائی خان بن چنگیز خان۔

یونس خان کا حال:۔ جب اتنا لکھا گیا ہے تو مناسب ہے کہ تھوڑا سا حال ان خواتین کا بھی بیان کر دیا جائے۔ یونس خاں اور ایس بوغا خاں دونوں ویس خاں کے بیٹے تھے۔ یونس خاں کی ماں ترکنی تھی۔ شیخ نور الدین بیگ قوم تپچاق سے ایک امیر تھا جس کو امیر تیمور نے سردار بنایا تھا اس کی بیٹی یا پوتی تھی۔ ویس خاں کے مرنے کے بعد مغلوں کے خاندان میں دو فرقے ہو گئے۔ جو فرقہ کم تھا وہ یونس خاں کی طرف ہو گیا۔ اور جو فرقہ زیادہ تھا۔ وہ ایس بوغا خاں کی جانب۔ اس سے پہلے یونس خاں کی بڑی بہن کی شادی الغ بیگ مرزا نے عبدالعزیز مرزا کے ساتھ کی تھی۔ اس مناسبت سے یہ بات ہوئی کہ ایرزن (جو نارین گروہ میں امیر تھا) اور میرک ترکمان (جو گروہ حراس ۵۳ کے امرا میں سے تھا) یونس خاں کو قوم مغل کے تین چار ہزار گھروں ۵۴ سمیت الغ بیگ مرزا کے پاس لائے تاکہ ان سے مدد لے کر پھر مغلوں کی قوم کے سردار بن جائیں۔ مرزا نے یہ بے مروتی کی کہ بعض کو تو قید اور بعض کو ملک میں ادھر ادھر پریشان کر دیا۔ اور خان کو عراق کی جانب بھیج دیا۔ یہی زمانہ مغلوں کے خاندان میں ایرزن کی تباہی و حادثہ عظیم کا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ خان دن سے زیادہ تبریز میں رہا۔ اس زمانہ میں وہاں کا بادشاہ جہاں شاہ برانی قراقویلوق ۵۵ تھا ..... وہاں سے خان شیراز میں شاہرخ مرزا کا دوسرا بیٹا سلطان ابراہیم مرزا حاکم تھا۔ پانچ چھ مہینے کے بعد ابراہیم سلطان مرزا مر گیا۔ اس کا بیٹا عبداللہ مرزا اس کا جانشین ہوا۔ خان نے عبداللہ مرزا کی نوکری کر لی۔ سترہ اٹھارہ برس تک خان وہیں رہا۔ جس زمانہ میں سلطان الغ بیگ مرزا میں اور اس کے فرزندوں میں ٹھن گئی اس زمانہ میں ایس بوغا خاں نے موقعہ پا کر فرغانہ کو کند بادام تک برباد کر دیا۔ اور اندجان پر قبضہ کر کے وہاں کے لوگوں کو قید کر لیا۔ جب سلطان ابوسعید مرزا بادشاہ ہوئے تو انہوں نے فوج جمع کر کے یانگی ۵۶ سے اس طرف آسیرہ ۵۷ کے مقام پر جو مغلستان میں ہے ایس بوغا خاں کو کامل شکست دی۔

پھر سلطان ابو سعید مرزا نے ایسن بوغا خاں کے فتنہ و فساد سے بچنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ یونس خان کو اس رشتہ کے سبب سے کہ اس کی بڑی بہن عبدالعزیز مرزا کی بیوی تھی۔ عراق اور خراسان سے بلا کر دعوتیں کیں۔ اس کو تھپک کر اپنا بنایا اور مغلوں کے خاندان کا سردار کر کے مغلستان روانہ کیا۔ اس وقت ساغرچی قبیلہ کے تمام سردار ایسن بوغا خاں سے رنجیدہ ہو کر مغلستان میں آ گئے تھے۔ یونس خاں ان میں آن ملا۔ اس زمانہ میں قبیلہ ساغرچی میں شیر حاجی بیگ سربر آوردہ تھا۔ اس کی بیٹی ایسن دولت بیگم سے یونس خاں کی شادی ہوئی۔ مغلوں کی رسم کے موافق خان کو اور ایسن دولت بیگم کو سفید نمدے پر بٹھا کر اس کو خان تسلیم کیا۔

یونس خاں کی اولاد :۔ خان کے ہاں اس سے تین بیٹیاں ہوئیں۔ بڑی مہر نگار خانم تھی جس کی شادی سلطان ابو سعید مرزا کے بڑے بیٹے سلطان احمد مرزا سے ہوئی۔ مرزا سے اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ پھر لڑائی جھگڑوں میں شیبانی خاں کے ہاتھ آ گئی۔ جب میں کابل میں آیا تو وہ شاہ بیگم کے ساتھ خراسان آئی اور وہاں سے کابل میں آ گئی۔ جس زمانہ میں شیبانی خاں نے ناصر مرزا پر قندھار میں چڑھائی کی ہے اور میں لمغان گیا تو خان مرزا اور شاہ بیگم اور مہر نگار خانم بدخشاں چلے گئے۔ پھر جب مبارک شاہ نے خان مرزا کو قلعہ ظفر میں بلایا اور اثنائے راہ میں سلطان ابوبکر کاشغری کی لٹیری فوج سے مڈ بھیڑ ہوئی تو شاہ بیگم اور مہر نگار خانم معہ اپنے ہمراہیوں کے گرفتار ہو گئیں۔ اور سب اسی ظالم کی قید میں مر گئے۔ یونس خاں کی دوسری بیٹی میری والدہ قتلق نگار خانم تھیں۔ وہ اکثر لڑائیوں اور مصیبتوں کے موقعوں پر میرے ساتھ رہی ہیں۔ کابل لینے کے بعد پانچ چھ مہینے زندہ رہ کر ۹۱۱ھ ۵۸ میں ان کا انتقال ہو گیا۔ تیسری بیٹی خوب نگار خانم تھی جس کی شادی محمد حسین ۵۹ گورگان دغلت سے ہوئی تھی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی۔ لڑکی کی شادی عبید خاں سے ہوئی۔ جب میں نے سمرقند اور بخارا فتح کیا ہے تو وہ لڑکی وہیں تھی اور چونکہ وہاں سے بھاگ نہ سکی اس لئے وہیں رہ گئی۔ اس کا چچا سید محمد مرزا ایلچی ہو کر سلطان ۶۰ سعید خاں کی طرف سے سمرقند میں میرے پاس آیا تو یہ لڑکی اس کے ساتھ چلی گئی۔ سلطان سعید خاں سے اس کی شادی ہو گئی۔ ۶۱ بیٹا حیدر مرزا تھا۔ جب حیدر مرزا کے باپ کو ازبکوں نے مار ڈالا ۶۲ تو وہ میری خدمت میں آ گیا تھا۔ تین چار برس تک رہا۔ پھر مجھ سے اجازت لے کر

خان کاشغر کے پاس چلا گیا۔ فرد

بازگر دو بہ اصل خود ہمہ چیز
زر صافی و نقرہ وار زیز

کہتے ہیں کہ اب تائب ہو کر اس نے اچھا طریقہ اختیار کر لیا۔ عمدہ خوش نویس اور مصور ہو گیا ہے۔ تیر پیکاں اور زہ گیر ۱۴۳ بناتا ہے اور ہر کام میں اس کو ملکہ ہو گیا ہے۔ شعر بھی کہتا ہے۔ اس کی عرضی میرے پاس آئی تھی۔ اس کی انشاء بھی بری نہیں ہے۔ یونس خاں کی دوسری بیوی شاہ بیگم تھی۔ اگرچہ اور بیویاں بھی تھیں مگر صاحب اولاد یہی دونوں ہوئیں۔ شاہ بیگم شاہ سلطان محمد بادشاہ بدخشاں کی بیٹی تھی۔ بدخشاں کے بادشاہ اپنا نسب اسکندر فیلقوس سے ملاتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسی بادشاہ کی ایک اور بیٹی تھی جو شاہ بیگم کی بڑی بہن تھی۔ سلطان ابو سعید مرزا نے اس سے نکاح کیا تھا۔ آبابکر مرزا اسی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ شاہ بیگم ۱۴۴ سے خان کے ہاں دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ ان تینوں میں بڑا اور مذکورۃ الصدر تینوں بیٹوں سے چھوٹا سلطان محمود خاں تھا۔ جس کو سمرقند وغیرہ میں جانی بیگ ۱۴۵ خاں کہتے ہیں۔ سلطان محمود خاں سے چھوٹا سلطان احمد خاں تھا جس کا نام الچہ خاں مشہور تھا۔ (الچہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ قلماقی اور مغلی زبان میں قتل کرنے والے کو الاچی کہتے ہیں۔ چونکہ اس نے قوم قلماق کو کئی بار شکست دے کر قتل عام کیا ہے اس لئے اس کو الاچی یعنی (قاتل) کہنے لگے۔ کثرت استعمال سے الاچی کا الچہ ہو گیا) ان دونوں کے حالات آئندہ موقعہ پر بیان کئے جائیں گے۔

سب سے چھوٹی اور ایک بہن سے بڑی سلطان نگار خانم تھی جس کی شادی محمود مرزا (فرزند سلطان ابو سعید مرزا) سے ہوئی تھی۔ مرزا سے اس کے ہاں ایک بیٹا ہوا جس کا نام سلطان ویس تھا۔ اس کتاب میں اس کا حال بھی بیان کیا جائے گا۔ سلطان محمود مرزا کے مرنے کے بعد یہ سلطان نگار خانم اپنے بیٹے کو لے کر چھپ چھپاتے تاشقند میں اپنے بھائیوں کے پاس چلی گئی۔ کئی برس کے بعد ازبک سلطان سے جو سلاطین قوم قزاق میں سے چنگیز خان کے بڑے بیٹے جوجی خاں کی اولاد سے تھا اس کی شادی کر دی۔ جس وقت شیبانی خاں نے سب کو دبا کر تاشقند اور شاہرخیہ پر قبضہ کر لیا تھا اس وقت یہ دس بارہ مغل ملازموں کے ساتھ ازبک سلطان کے پاس چلی گئی تھی۔ ازبک

سلطان سے اس کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں۔ ایک تو سلاطین شیبانیہ میں سے کسی کو دی اور دوسری سلطان سعید خاں ۶۶ کے بیٹے سلطان رشید خاں کو۔ ازبک سلطان کے مرنے کے بعد قاسم خاں سردار قوم قزاق سے اس نے شادی کر لی۔ مشہور ہے کہ قوم قزاق میں قاسم خاں کے برابر کسی خان یا سلطان نے قوم کا انتظام نہیں کیا۔ چنانچہ اس کے لشکر جرار کی تعداد تین لاکھ کے قریب بیان کی جاتی ہے۔ قاسم خاں کے مرنے کے بعد خانم مذکورہ سعید خاں کاشغری کے پاس چلی آئی۔ یونس خاں کی سب سے چھوٹی بیٹی دولت سلطان خانم تھی۔ جو تاشقند کی ویرانی کے موقعہ پر تیمور سلطان پسر شیبانی خاں کے نکاح میں آئی۔ اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ سمرقند سے چلتے وقت وہ میرے ساتھ چلی آئی ہے۔ تین چار برس بدخشاں میں رہی۔ اس کے بعد سلطان سعید خاں کے پاس کاشغر چلی گئی۔

دوسری :۔ عمر شیخ مرزا کی ایک اور بیوی خواجہ حسین بیگ کی بیٹی الوس ۶۷ آغا تھی۔ اس سے ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ جو چھوٹی سی مر گئی۔ پھر اس بیوی کو ڈیڑھ برس ۶۸ بعد چھوڑ دیا تھا۔ ایک ۶۹ اور بیوی فاطمہ سلطان آغا تھی۔ ایک اور بیوی قراکوز بیگم تھی جس سے اپنی آخر عمر میں نکاح کیا تھا۔ یہ بہت چاہتی تھی۔ مرزا کی خوشامد کے مارے اس کو ابوسعید مرزا کے بڑے بھائی منوچہر مرزا کا رشتہ دار بنا دیا تھا۔

حرمیں :۔ حرمیں بہت سی تھیں۔ ان میں سے ایک امید آغاچہ تھی۔ جو مرزا کے سامنے مر گئی۔ مرزا کے آخر وقت میں تون سلطان ۷۰ ایک عورت داخل محل ہوئی تھی جو قوم مغل سے تھی۔ اور ایک آغا سلطان تھی۔

امراء :۔ مرزا کے امراء میں ایک خدا بیردی ۷۱ تیمور تاش تھا۔ آق بوغا بیگ حاکم ہرات کی اولاد میں سے جس وقت سلطان ابوسعید مرزا نے جوگی مرزا کا شاہرخیہ میں محاصرہ کر لیا تھا اس وقت فرغانہ کا حاکم عمر شیخ مرزا کو کیا اور خدا بیردی تیمور تاش کو ان کی سرکار سپرد کر کے مدارالمہام کر دیا۔ اس زمانے میں خدا بیردی تیمور تاش کی عمر صرف پچیس ۲۵ برس کی تھی۔ اگرچہ وہ کمسن تھا مگر اس کا ڈھنگ' انتظام اور قاعدے قابل تعریف تھے۔ ایک دو سال کے بعد جب ابراہیم بیگ چاک نے اوش کی نواح میں لوٹ مار مچائی تو خدا بیردی تیمور تاش نے اس کا تعاقب کیا۔ اس سے لڑا اور ہزیمت اٹھا

کر شہید ہو گیا۔ ان دنوں میں سلطان احمد مرزا ایلاق اور اتیبہ میں تھا جو سمرقند سے اٹھارہ ۱۸ فرسنگ مشرق کی جانب ہے اور جس کا نام آق قنچغائے مشہور تھا۔ سلطان ابوسعید مرزا بابا خاکی میں تھا۔ جوہری سے بارہ فرسنگ مشرق کی طرف ہے۔ یہ خبر عبدالوہاب شغاول نے بہت جلد مرزا کی خدمت میں پہنچائی۔ اس نے ایک سو ستائیس ۲۷ فرسنگ کا راستہ چار دن میں طے کیا۔

ایک اور :۔ امیر حافظ محمد بیگ دولدائی تھا۔ سلطان ملک کاشغری کا بیٹا اور احمد حاجی بیگ کا چھوٹا بھائی۔ خدابیردی کے مرنے کے بعد اس کا عہدہ اسی کو دیا گیا۔ سلطان ابوسعید مرزا کے مرنے کے بعد امرائے اندجان سے اس کی نہ بنی۔ وہ سلطان احمد مرزا کے پاس سمرقند چلا گیا۔ ۸۷۳ھ سلطان احمد مرزا کی شکست کی خبر جس وقت معلوم ہوئی ہے اس وقت حافظ محمد بیگ اوراتیبہ کا حاکم تھا۔ عمر شیخ مرزا جب سمرقند کی تسخیر کے ارادے سے اوراتیبہ میں پہنچا تو اس نے اوراتیبہ مرزا کے ملازموں کے حوالے کر دیا اور آپ مرزا کا نوکر ہو گیا۔ مرزا نے اس کو اندجان کی حکومت عطا کی۔ اس کے بعد وہ سلطان محمود خاں کے پاس چلا گیا۔ خان نے مرزا خاں کو اس کے سپرد کیا اور ویزک ۸۷۵ھ کی حکومت بھی عطا کی۔ میرے کابل لینے سے پہلے ہندوستان کی راہ سے وہ مکہ معظمہ روانہ ہوا اور راستہ ہی میں مر گیا۔ فقیر نش' کم سخن اور بے حیثیت آدمی تھا۔ ایک اور امیر خواجہ حسین بیگ خوش مزاج اور سیدھا سادہ آدمی تھا۔ اس زمانہ کے دستور کے موافق شراب نوشی کے وقت توبوق (ایک قسم کا مغلی نغمہ) خوب گاتا تھا۔

ایک اور امیر:۔ شیخ مزید بیگ تھا۔ میرا پہلا اتالیق وہی ہوا تھا۔ اس کے قاعدے اور قرینے بہت اچھے تھے۔ وہ بابر مرزا ۸۷۶ھ کی خدمت میں بھی رہا تھا۔ عمر شیخ مرزا کی سرکار میں اس سے بڑا دوسرا امیر نہ تھا۔ وہ ایک فاسق آدمی تھا۔ اس لئے غلام بہت رکھا کرتا تھا۔ .... ایک اور علی مزید بیگ قوچین تھا۔ اس نے دو مرتبہ بغاوت کی۔ ایک بار آخشی میں اور دوسری دفعہ تاشقند میں۔ منافق' فاسق' نمک حرام اور نکما آدمی تھا ایک حسین یعقوب بیگ تھا۔ صاف دل' خوش طبع' ہوشیار اور مستعد شخص تھا۔ یہ شعر اسی کا ہے۔ ۔

باز آئے اے ہمائے کہ بے طوطی خطیت
نزدیک شد کہ زاغ برد استخوان من

بڑا بہادر تھا۔ تیر انداز اچھا تھا۔ چوگان سے ۷۸ے خوب کھیلتا تھا۔ اور غوک ۸ے یلہ خوب لگاتا تھا۔ عمر شیخ مرزا کے مرنے کے بعد میرے ہاں مختار ہو گیا۔ البتہ تھڑ دلا و کم حوصلہ اور فتنہ پرواز بھی تھا۔

ایک امیر:۔ قاسم بیگ قوچین تھا۔ یہ شخص لشکر اندجان کے قدیم سرداروں میں سے تھا۔ حسن بیگ کے بعد میری سرکار میں وہی مختار ہوا۔ آخر عمر تک اس کے اختیارات اور اعتبارات بڑھتے گئے' کم نہ ہوئے۔ وہ بڑا بہادر آدمی تھا۔ ایک بار کا ذکر ہے کہ ازبک نواح کاشان ۹ے۷ کو لوٹ مار کر چلے۔ اس نے ان کا پیچھا کر کے ان کو جا لیا۔ اور ان کو خوب ٹھونکا۔ عمر شیخ مرزا کے زمانہ میں بھی وہ بڑا تکوریا تھا۔ جنگ یاسی کیت ۸۰ے میں گھمسان کی لڑائی لڑا تھا۔ بھاگڑ اور مصیبت کے موقعہ پر جب میں نے کوہستان مسیحا ۸۱ے سے سلطان محمود خاں کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو وہ مجھ سے الگ ہو کر خسرو شاہ کے پاس چلا گیا۔ ۹۰۸ھ ۸۲ے میں جب میں نے خسرو شاہ کے آدمیوں کو توڑ لیا اور کابل میں مقیم کو جا گھیرا تو اس وقت وہ پھر میرے پاس چلا آیا میں نے رکھ لیا اور اگلی سی عنایت اور مہربانی کی۔ جس وقت درہ خوش میں میں نے ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی کی تو قسم بیگ نے بڑھاپے میں جوانوں سے بڑھ کر کام دیا۔ میں نے ملک بنگش اس کو اس کے صلہ میں دے دیا۔ کابل میں آ کر اس کو ہمایوں کا اتالیق کر دیا۔ زمین داور فتح ۸۳ے ہونے کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ مسلمان' دیانت دار اور پرہیز گار آدمی تھا۔ مشتبہ کھانے سے بچتا تھا۔ اس کی رائے اور تدبیر بہت عمدہ تھی۔ بڑا کھلی باز بھی تھا۔ تھا تو ان پڑھ مگر عالی دماغ کھلی باز تھا۔

ایک اور:۔ بابا قلی بیگ تھا۔ شیخ علی بہادر کی اولاد میں سے شیخ فرید بیگ کے مرنے کے بعد میرا اتالیق اسی کو کیا تھا۔ جن دنوں میں سلطان احمد مرزا نے اندجان پر لشکر کشی کی تو سلطان احمد مرزا سے وہ مل گیا۔ اور اوراتیپہ مرزا کو دے دیا۔ سلطان محمود مرزا کے انتقال کے بعد جس وقت وہ سمرقند سے نکل کر اور بھاگ ۸۴ے کر آیا تھا اس وقت سلطان علی مرزا اوراتیپہ سے نکل کر اس سے لڑا اور اس کو شکست دے کر قتل کیا۔ اس کا انتظام اور سامان فوج نہایت عمدہ تھا۔ نوکروں کو اچھی طرح رکھتا تھا۔ نہ نمازی تھا نہ روزہ رکھا کرتا تھا۔ ظالم و کافروش آدمی تھا۔

ایک اور:۔ میر علی دوست طغائی قوم ساغرچی میں سے تھا۔ میری نانی ایسن دولت

بیگم کا رشتہ دار تھا۔ عمر شیخ مرزا کے زمانہ سے میں اکثر اس کی رعایت کرتا تھا۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ اس سے کچھ کام نکلے گے۔ مگر جس زمانہ میں میرے پاس رہا جیسا خیال تھا ویسا کوئی کام اس سے نہیں نکلا۔ سلطان ابو سعید مرزا کی بھی خدمت میں رہا تھا۔ اس کا دعوی تھا کہ میں جادوگر ہوں۔ میر شکار تھا۔ اطوار و اخلاق اس کے بہت نکمے تھے۔ بخیل' فتنہ انگیز' خبطی' منافق' خودپسند' بدزبان اور ترش رو تھا۔ ایک ویس لاغری تھا۔ سمرقند کا رہنے والا قوم توقچی میں سے' آخر میں یہ عمر شیخ مرزا کا بہت مقرب ہو گیا تھا۔ مصیبتوں کے موقعوں پر میرے ساتھ رہا ہے۔ اس کی رائے اور تدبیر بڑی عمدہ تھی۔ کسی قدر فتنہ انگیز ضرور تھا۔

ایک اور :۔ میر غیاث طغائی علی دوست کا چھوٹا بھائی تھا۔ سلطان ابو سعید مرزا کی سرکار میں مغلوں میں اس سے بڑھ کر کوئی سردار نہ تھا۔ سلطان ابو سعید مرزا کی مہر اسی کے پاس رہتی تھی۔ عمر شیخ مرزا کے آخری وقت میں ان کے بھی منہ چڑھ گیا تھا۔ اور ویس لاغری کا بہت دوست تھا۔ جب ۸۵ھ کا شان سلطان رضا خان کو دے دیا تو اس وقت سے اپنی آخر عمر تک خان ہی کی خدمت میں رہا۔ خان نے بھی اس کو اچھی طرح رکھا۔ بہت ہنسوڑ اور بڑا ہزل گو تھا۔ بدکاری میں بیباک تھا۔ ایک علی درویش خراسانی تھا۔ سلطان ابو سعید مرزا کے زمانہ میں خراسانی چیلوں میں داخل تھا جس وقت میں کہ سلطان ابو سعید مرزا نے سمرقند اور خراسان پر قبضہ کیا ہے تو دونوں جگھوں کے چیلوں کا اس کو افسر کیا۔ اسی لئے اس کو "امیر چہرہائے سمرقند و چہرہائے خراسان" کہا کرتے تھے۔ میرے سامنے اس نے سمرقند کے دروازے میں خوب حملے کیے تھے۔ بہادر آدمی تھا۔ خط نستعلیق اچھا لکھتا تھا۔ خوشامد گو بہت تھا۔ بڑا خسیس تھا۔

ایک اور :۔ قنبر علی مغل آختہ چی ۸۶ھ تھا۔ اس کا باپ اس ملک میں آ کر کچھ دن سلاخی کرتا رہا۔ اس سبب سے اس کا نام قنبر علی سلاخ مشہور ہو گیا۔ یونس خاں کے ہاں وہ آفتابچی ہو گیا تھا۔ آخر امراء کے زمرہ میں داخل ہوا۔ میں نے اس کی بہت رعایتیں کیں۔ جب تک ترقی کرتا رہا اس وقت تک اس کا طریق انتظام اچھا رہا۔ جب کسی قابل ہوا تو جی چرانے لگا۔ وہ بکواسی اور فضول گو تھا۔ اور یہ قاعدہ ہے کہ بکواسی فضول گو ہوتا ہے۔ کم حوصلہ اور کوڑ مغز بھی تھا۔

۸۹۹ھ سے ۸۷ھ ہجری کے واقعات

تخت نشینی کا بیان:- جب عمر شیخ مرزا کا انتقال ہوا ہے تو میں اندجان کے چار باغ میں تھا۔ رمضان شریف کی پانچویں تاریخ منگل کے دن مجھے اندجان میں یہ خبر پہنچی۔ گھبرا کر میں سوار ہوا اور جس قدر ملازم میرے پاس تھے ان کو لے کر قلعہ کی جانب روانہ ہوا۔ میں مرزا کے دروازہ کے قریب پہنچا تھا کہ شیرم طغائی جلاد مجھے عیدگاہ کی طرف لے چلا اس کو یہ خیال گذرا ہو گا کہ سلطان احمد مرزا بڑا بادشاہ ہے اور فوج کثیر کے ساتھ اس نے چڑھائی کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ امراء مجھ کو اور ملک کو اس کے حوالے کر دیں۔ وہ مناسب سمجھا کہ مجھے اورکند اور اس کے پہاڑوں کی طرف لے جائے۔ اس لئے کہ اگر ملک گیا تو گیا۔ میں تو بچ جاؤں گا۔ اور اپنے ماموں الچہ خاں یا سلطان محمود خاں کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ خواجہ مولانا قاضی (جو سلطان احمد قاضی کے صاحبزادے اور شیخ برہان الدین قلیچ کی اولاد میں سے تھے۔ ماں کی طرف سے ان کا سلسلہ سلطان ایلک قاضی تک پہنچتا ہے اور ان کا خاندان یہاں کے اہل ملک کا مرجع ہے اور یہاں شیخ الاسلامی بھی ان ہی کے ہاں رہی ہے اور جن کا ذکر پھر بیان کیا جائے گا) اور دوسرے امراء نے جو قلعہ میں تھے میرے چلے جانے کی خبر سنتے ہی خواجہ محمد دزری (یہ شخص بابریوں میں سے ہے اور عمر شیخ مرزا کا قدیمی ملازم ہے۔ ان کی ایک بیٹی کا اتالیق بھی تھا) کو میرے پاس بھیج کر اطمینان دلایا۔ میں عیدگاہ تک پہنچا ہی تھا جو مجھ کو پھیر لائے۔ میں محل میں آیا اور اتر پڑا۔ خواجہ مولانا قاضی اور سب سردار میرے پاس حاضر ہوئے۔ اور بعد مشورہ ایک بات ٹھیرا لی۔ پھر قلعہ کی فصیل اور برج مضبوط بنائے اور سامان جنگ درست کرنے میں سب مشغول ہو گئے۔ حسن یعقوب اور قاسم قوچین و غیرہم مرغینان کی طرف بطریق ایلغار گئے ہوئے تھے۔ دو ایک روز کے بعد آ کر انہوں نے بھی ملازمت حاصل کی۔ سب ایک دل اور متفق ہو کر قلعہ کے بچانے میں پورے مصروف ہوئے۔

سلطان احمد مرزا کا حملہ:- اس عرصہ میں سلطان احمد مرزا اوراتیپہ، خجند اور مرغینان کو لیتا ہوا اندجان سے چار کوس کے فاصلہ پر مقام قبا پر آ پہنچا۔ اسی موقعہ پر درویش کافرنام اندجان کے مشہور رہنے والوں میں سے اس سبب سے

قتل کیا گیا کہ نامناسب باتیں کہتا پھرتا تھا۔ اس انتظام سے سارے شہر پشت سیدھے ہو گئے۔ خواجہ قاضی اوزون حسن اور خواجہ حسین کو میں نے سلطان احمد مرزا کے پاس بھیجا' اور کہلا بھیجا کہ ظاہر ہے کہ اس ملک میں آپ اپنا کوئی آدمی ضرور مقرر کریں گے۔ میں آپ کا ملازم بھی ہوں اور فرزند بھی ہوں۔ اگر یہ خدمت فدوی کو عطا کی جائے تو بہتر ہے۔ آسانی کے ساتھ فیصلہ ہو جائے گا۔ سلطان احمد مرزا فقیر مزاج اور کم سخن آدمی تھا۔ مگر جو معاملہ پیش آتا تھا بغیر امراء کے طے نہ ہوتا تھا۔ امراء نے میری اس گذارش پر التفات نہ کیا۔ بلکہ سخت جواب دے کر آگے بڑھے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے میرے ہر موقعہ پر میری بگڑی کو بے منت خلق بنا دیتا ہے یہاں بھی اس نے کئی باعث ایسے پیدا کر دیئے کہ دشمن اس طرف آنے سے تنگ اور پشیمان ہو کر بے نیل مرام واپس ہو گئے۔

سلطان احمد مرزا کی واپسی کے اسباب :۔ ایک سبب تو یہ ہوا کہ قبا ایک سیاہ دریا ہے اور اس میں دلدل ایسی ہے کہ بغیر پل کے اس پر سے عبور نہیں ہو سکتا۔ لشکر تھا بہت اترتے وقت پل ٹوٹ گیا۔ بہت سے گھوڑے اور اونٹ دریا میں ڈوب گئے۔ چونکہ اس سے تین چار سال پہلے دریائے چر جق ۸۹۷ھ سے اترتے وقت بھی ان لوگوں نے بھاری شکست کھائی تھی اور اس واقعہ نے اس کو یاد دلا دیا۔ اس لئے تمام لشکر پر واہم غالب ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہوئی کہ گھوڑوں میں ایسی وبا پھیلی کہ طویلے کے طویلے خالی ہو گئے۔ اس کے علاوہ میری فوج اور رعیب کو اتنا ایک دل اور مستعد پایا کہ جب تک دم میں دم ہے اس وقت تک جان دینے سے نہیں ہٹنے کی اور مرنے سے منہ نہیں پھیرنے کی۔ ان باعثوں سے وہ پریشان ہو گئے اور آخر اندجان قریب کوس بھر کے رہ گیا تھا کہ درویش محمد تر خان کو اس جانب بھیجا۔ یہاں سے بھی حسن یعقوب بھیجا گیا۔ عید گاہ کے نواح میں دونوں وکیلوں کی ملاقات ہوئی۔ دونوں نے آشتی کی گفتگو کی اور اپنی اپنی طرف چلے آئے۔

سلطان محمود خاں کا حملہ :۔ دریائے خجند کے شمال کی طرف سے سلطان محمود خاں چڑھا چلا آتا تھا۔ اس نے آتے ہی آخشی کو گھیر لیا۔ وہاں جہانگیر مرزا تھا اور امراء میں سے علی درویش بیگ۔ قلی کوکلتاش۔ محمد باقر بیگ اور شیخ عبداللہ ایشک ۸۹۸ھ آقا تھے۔ ویسے لاغری اور میر غیاث طغائی بھی وہیں تھے۔ یہ دونوں دوسرے امراء سے بدظن ہو

کر کاشان میں جو ویس لاغری کا ملک تھا چلے گئے۔ چونکہ ویس لاغری ناصر مرزا کا اتالیق تھا اس لئے ناصر مرزا کاشان میں رہتا تھا۔ جس وقت خان نواح آخشی میں داخل ہوا تو اس وقت ان دونوں امیروں نے خان سے سازش کر لی اور کاشان حوالے کر دیا۔ میر غیاث تو خان کے ہمراہ رہا اور ویس لاغری ناصر مرزا کو لے کر سلطان احمد مرزا کے پاس چلا گیا۔ وہاں ان کو محمد مزید ترخان کے سپرد کر دیا گیا۔ محمود خاں نے آخشی پر کئی حملے کئے مگر کچھ نہ کر سکا۔ آخشی کے سرداروں اور فوج نے جان توڑ کر مقابلہ کیا۔ اس وقت سلطان محمود خاں بیمار ہو گیا اور لڑائی سے بھی اس کا جی چھوٹ چکا تھا۔ اپنے ملک کی طرف پھر گیا۔

ابوبکر کاشغری کا حملہ :۔ ابابکر دوغلت کاشغری جو کسی سے نہ دبتا تھا اور کئی برس سے ختن اور کاشغر کا حاکم بن بیٹھا تھا اس کو بھی اس ملک کے لینے کی ہوس ہوئی۔ اور کند ۹۹ھ کے قریب آ کر اس نے ایک گڑھی بنائی۔ اور لوٹ مار کرنی شروع کی۔ خواجہ قاضی معہ چند امراء کے متعین ہوئے کہ کاشغری کی خبر لیں۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو اس نے دیکھا کہ میں اس فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ خواجہ قاضی کو اپنا سفارشی بنایا' اور سو حیلوں حوالوں سے اپنا پیچھا چھڑا کر چل دیا۔ سچ یہ ہے کہ اس موقعہ پر جب کہ ایسے ایسے سخت واقعات پیش آئے ہیں عمر شیخ مرزا کے پس ماندہ امراء اور سپاہیوں نے دل سے متفق ہو کر بہادری اور جاں بازی میں کسر نہیں کی۔

عمر شیخ مرزا کی فاتحہ ملک کا انتظام :۔ ان جھگڑوں سے فرصت ملنے کے بعد مرزا کی والدہ شاہ سلطان بیگم ۱۰۰ھ اور جہانگیر مرزا محل کے لوگوں اور امراء سمیت آخشی سے اندجان میں آئے سب نے عزاداری کی رسمیں ادا کیں۔ فقراء کو آش ۱۰۱ھ اور کھانا تقسیم ہوا۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر ملک کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی گئی۔ اندجان کی حکومت اور سلطنت کی مدار المہامی پر حسن یعقوب کو مقرر کیا۔ اوش کا صوبہ دار قسم قوچین کو کیا۔ آخشی و مرغینان پر اوزون حسن اور علی دوست طغائی متعین ہوئے۔ عمر شیخ مرزا کے باقی امراء اور ملازموں کو ان کے لائق ملک زمینیں' تنخواہیں' چراگاہیں اور مقامات عطا کئے۔

سلطان احمد مرزا کا انتقال :۔ سلطان احمد مرزا نے جو یہاں سے اپنے ملک کی طرف

مراجعت کی تو دو تین منزل کے بعد بیمار ہو گیا۔ تپ محرقہ نے آ گھیرا۔ جب وہ اورا تیپہ ۱۰۲؎ کی نواح میں یا تسو ۱۰۳؎ کے مقام پر پہنچا تو وسط شوال ۱۰۴؎ ۸۹۹ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ ۱۰۵؎ اس وقت اس کی عمر چوالیس ۴۴ برس کی تھی۔

مرزا کی ولادت اور حسب و نسب :۔ وہ ۸۵۵ ھ ۱۰۶؎ میں پیدا ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں سلطان ابو سعید مرزا تخت نشین ہوئے تھے سلطان ابو سعید مرزا کے تینوں بیٹوں میں سب سے یہی بڑا تھا۔ اس کی ماں اور وہ بوغاتر خان کی بیٹی اور درویش محمد ترخان کی بڑی بہن تھی اور مرزا کے ہاں بادشاہ بیگم یہی تھیں۔

حلیہ اور وضع :۔ لمبا قد' سرخ ۱۰۷؎ رنگ' بھاری بدن' ڈاڑھی ایسی چھدری تھی کہ دونوں کلوں پر ایک بال نہ تھا۔ بات چیت بہت مزے دار تھی۔ اس زمانے کے دستور کے موافق چار پیچ وضع کی دستار باندھتا تھا اور اس کا کنارہ ۱۰۸؎ بھوؤں پر رکھتا تھا۔

اخلاق و اطوار :۔ حنفی مذہب اور خوش اعتقاد تھا۔ یہاں تک ۱۰۹؎ کہ جلسہ شراب میں بھی نماز ترک نہ ہوتی تھی۔ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مرید تھا حضرت خواجہ اس کے مربی اور پشت و پناہ تھے۔ وہ بڑا مودب تھا۔ خصوصاً" حضرت خواجہ کے سامنے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ خواجہ کی مجلس میں جس وقت تک بیٹھتا تھا ایک زانو سے دوسرا زانو نہ بدلتا تھا۔ ایک مرتبہ خلاف عادت جس زانو پر بیٹھا تھا اس کو بدل دوسرے زانو پر بیٹھا۔ مرزا کے جانے کے بعد حضرت خواجہ نے فرمایا کہ جہاں مرزا بیٹھا تھا' ذرا اس جگہ کو دیکھنا ! دیکھا تو وہاں ایک ہڈی تھی۔ مرزا کچھ پڑھا لکھا نہ تھا۔ اگرچہ شہر میں پرورش پائی تھی مگر ایک ترک سادہ مزاج تھا۔ شاعر بھی نہ تھا۔ عہد و قول کا ایسا پکا اور سچا تھا کہ جو کہتا تھا اس کو پورا کر دیتا تھا۔ شجاع بھی تھا۔ گو ایسا تو کبھی نہیں ہوا کہ کوئی نمایاں کام اس کے ہاتھ سے ہوا ہو' لیکن کہتے ہیں کہ بعض معرکوں میں اس نے منہ نہیں پھیرا ہے۔ وہ اچھا تیر انداز تھا وہ ایسا تیر مارتا تھا کہ اکثر سوار ۱۱۰؎ ہو کر میدان کے اس سرے سے اس سرے تک پہنچنے میں اپنے تیر اور گز سے ابلیالوں پر سے قیق کو اڑا دیتا تھا۔ اس کے بعد جب وہ بہت موٹا ہو گیا تھا تو قیر غاول اور پودنہ کو شکاری جانوروں سے پکڑواتا تھا اس کے جانور سے شکار کم بچتا تھا۔ جرے اور باز وغیرہ کے شکار کا بڑا شوقین تھا۔ جرے اور باز سے بہت شکار کھیلتا تھا۔ اور خوب کھیلتا تھا۔

سلطان الغ بیگ ۸۱۱ھ مرزا کے بعد اس جیسا میر شکاری دوسرا کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ وہ شرمیلا بھی انتہا درجہ کا تھا۔ کہتے ہیں کہ خلوت میں اپنے محرموں اور اپنے مصاحبوں کے سامنے بھی پاؤں تک ڈھانکے رکھتا تھا۔ جب کبھی شراب پینے کی دھت لگتی تھی تو مہینہ مہینہ بیس بیس دن تک پے چلا جاتا تھا۔ چھوڑ دیتا تھا تو مہینہ مہینہ بیس بیس دن تک آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ مجلس میں ایک نشست رات دن برابر بیٹھا ہوا شراب پیا کرتا تھا۔ جس زمانہ میں شراب چھوڑ دیتا تھا اس زمانہ میں نشئی چیزوں کا استعمال کرتا تھا۔ اس کی طبیعت کیفی ہو گئی تھی۔ کم سخن اور مرد آدمی تھا۔ اپنے امراء کی مٹھی میں تھا۔

اس کی لڑائیاں :۔ وہ چار لڑائیاں لڑا۔ ایک دفعہ نعمت ارغون کے چھوٹے بھائی شیخ جمال ارغون سے مقام اقارتوز ۸۱۲ھ نواح راباین ۸۱۳ھ میں لڑ کر اس پر غالب ہوا۔ دوسری دفعہ عمر شیخ مرزا سے مقام خواص ۸۱۴ھ میں معرکہ آراء ہوا اور فتح پائی۔ تیسری دفعہ تاشقند ۸۱۵ھ کی نواح میں دریائے چرچق کے کنارے پر سلطان محمود خاں سے مڈ بھیڑ ہوئی۔ باہر لڑائی تو ہوئی نہیں صرف چند لٹیرے مغلوں نے لشکر کے پیچھے سے آکر چھاؤنی پر ہاتھ ہی ڈالا تھا کہ اتنا بڑا لشکر جرار بے لڑے بھڑے اور ایک دوسرے سے بغیر مقابلہ کئے ایسا بھاگ نکلا کہ کسی نے کسی کو دیکھا تک نہیں اور بہت سے سپاہی دریا میں ڈوب گئے۔ چوتھی دفعہ حیدر کوکلتاش پر یار ایلاق کے میدان میں فتح حاصل کی۔

ممالک مقبوضہ :۔ ملک سمرقند اور بخارا جو اس کے باپ نے دیا تھا وہ اس کے پاس تھا جب عبدالقدوس نے شیخ جمال کو قتل کیا تو تاشقند' شاہرخیہ اور سیرام لے لیا تھا۔ آخر میں تاشقند اور سیرام اپنے چھوٹے بھائی عمر شیخ مرزا کو دے دیا تھا۔ کچھ دن خجند اورا تیبہ بھی مرزا کے قبضہ میں رہے ہیں۔

اس کی اولاد :۔ مرزا کے ہاں دو بیٹے ہوئے تھے جو طفولیت ہی میں مر گئے۔ پانچ بیٹیاں تھیں۔ چار قبلق ۸۱۶ھ بیگم سے ہوئیں۔ جن میں سب سے بڑی رابعہ سلطان بیگم تھی۔ جس کو قراکوز بیگم بھی کہتے تھے۔ اس کی شادی اپنی زندگی میں سلطان محمود خاں سے کر دی تھی۔ خان سے اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام بابا خان تھا۔ یہ بچہ نہایت ہونہار اور خوبصورت تھا۔ جب ازبکوں نے خان کو خجند میں شہید کیا تو اس

بچہ کو اور بچوں کو بھی مار ڈالا۔ سلطان محمود خاں کے بعد راجہ سلطان بیگم سے جانی بیگ سلطان نے نکاح کر لیا۔ دوسری بیٹی صالحہ سلطان بیگم عرف آق ۱۱۷ بیگم تھی۔ اس لڑکی کی شادی سلطان احمد مرزا کے بعد سلطان محمود مرزا نے اپنے بیٹے سلطان مسعود مرزا کے ساتھ بڑی دھوم سے کی تھی۔ آخر میں وہ شاہ بیگم اور مہر نگار خانم کے ساتھ کاشغر میں گرفتار ہو گئی۔ تیسری بیٹی عائشہ سلطان بیگم تھی۔ میں پانچ برس کا تھا جو سمرقند گیا' وہاں اس سے میری منگنی ہو گئی۔ اس کے بعد لڑائی جھگڑوں کے زمانہ میں جب وہ خجند میں آئی تو میں نے اس سے شادی کر لی۔ جب میں نے دوسری دفعہ سمرقند فتح کیا تو اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی' جو چند کے بعد اتر گئی۔ وہ تاشقند کی ویرانی سے پہلے اپنی بڑی بہن کے بہکانے سے مجھ سے علیحدہ ہو گئی تھی۔ مرزا کی چوتھی بیٹی سلطانیم بیگم تھی۔ اس کی شادی پہلے علی مرزا سے ہوئی۔ پھر علی مرزا کے بعد تیمور سلطان سے اس کا نکاح ہو گیا۔ تیمور سلطان کے بعد مہدی سلطان نے اس سے نکاح کر لیا۔ سب سے چھوٹی مرزا کی پانچویں بیٹی معصومہ سلطان بیگم تھی۔ اس کی ماں حبیبہ سلطان بیگم سلطان ارغون کی بھتیجی قوم ارغون سے تھی۔ میں جس زمانے میں خراسان گیا تو وہاں اس سے ملا۔ میں نے اس کو پسند کیا اور شادی کا پیغام دیا۔ پھر کابل میں لا کر اس سے نکاح کر لیا۔ اسکے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ زچگی کی بیماری سے اس کا انتقال ہو گیا اس لڑکی ہی سے اس کا نام باقی رہا۔

بیویاں اور حرمیں :۔ اس کی بیویوں میں سے پہلی بیوی مہر نگار خانم یونس خاں کی بیٹی تھی۔ جس سے سلطان ابو سعید مرزا کے وقت میں بات ٹھہری تھی۔ میری والدہ کی وہ سگی بہن تھی۔ دوسری بیوی ترخانوں ۱۱۸ میں سے تھی۔ اس کا نام ترخاناں بیگم تھا۔ تیسری قتلق بیگم تھی جو ان ہی ترخاناں بیگم کی کوکہ تھی اور جس کو سلطان احمد مرزا نے عاشقی سے گھر میں ڈالا تھا۔ مرزا اس کو بہت چاہتے تھے اور یہ ان پر بڑی حاوی تھی۔ شراب بھی پیتی تھی۔ اس کی زندگی میں مرزا نے دوسری عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ آخر اس کو مرزا نے قتل کر ڈالا اور بدنامی سے چھٹکارا پایا۔ چوتھی خانزادہ بیگم ترمذ کے خانزادوں میں سے تھی۔ جس زمانہ میں کہ میری پانچ برس کی عمر تھی اور میں سلطان احمد مرزا کے پاس سمرقند گیا تھا تو اس زمانہ میں مرزا نے اس سے نکاح کیا تھا۔ ترکوں کی رسم کے موافق اس کا گھونگٹ نہ اٹھا تھا۔ مرزا نے مجھ سے فرمایا

کہ تم گھونگھٹ اٹھا ۔۱۱۹ دو۔ پانچویں بیوی احمد حاجی ۔۱۲۰ بیگ کی نواسی تھی لطیف بیگم نام۔

مرزا کے مرنے کے بعد اس نے حمزہ سلطان ۔۱۲۱ سے نکاح کر لیا تھا۔ حمزہ سلطان کے ہاں اس سے تین بچے ہوئے۔ جس زمانے میں کہ میں نے تیمور سلطان اور حمزہ سلطان کو شکست دے کر حصار چھین لیا ہے تو یہ اور دوسرے سلطان زادے گرفتار ہو گئے تھے۔ میں نے سب کو چھوڑ دیا تھا۔ چھٹی بیوی حبیبہ سلطان بیگم سلطان ارغون کی بھتیجی تھی۔

امراء:۔ ان کے امراء میں سے ایک جانی بیگ دولدائی۔ سلطان ملک کاشغری کا چھوٹا بھائی تھا سلطان ابوسعید مرزا نے سمرقند کی حکومت کے ساتھ سلطان احمد مرزا کی سرکار کا اس کو مختار بھی کیا تھا۔ اس کے اخلاق و اطوار عجیب قسم کے تھے۔ لوگ اس کی عجیب عجیب نقلیں بیان کرتے ہیں۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ حاکم سمرقند تھا تو ازبک کا ایک ایلچی آیا۔ جو ازبکوں میں پہلوان مشہور تھا۔ ازبک لوگ طاقت وار اور پہلوان کو بوغا کہا کرتے ہیں۔ جانی بیگ نے اس سے پوچھا۔ "کیا تجھے بوغا کہتے ہیں؟ اگر تو بوغا ہے تو آ! میں تجھ سے ایک زور کروں۔" اس ایلچی نے ہرچند عذر کیا مگر جانی بیگ اس سے لپٹ ہی گیا اور اس کو دے مارا۔ جانی بیگ آدمی بہادر تھا۔ دوسرا احمد حاجی بیگ تھا جو ملک کاشغری کا بیٹا تھا۔ سلطان ابو ۔۱۲۲ سعید مرزا نے کئی دفعہ اس کو ہرات کا حاکم کیا تھا۔ اس کے چچا جانی بیگ کے مرنے کے بعد اس کو جانی بیگ کی جگہ سمرقند کا حاکم مقرر کر دیا۔ خوش طبع اور بہادر آدمی تھا۔ اس کا تخلص وفائی تھی اور وہ صاحب دیوان بھی تھا۔ شعر اچھا کہتا تھا۔ اس کا شعر ہے ۔

ستم اے محتسب امرہ ززمن دست بدار
احتسابم بکن آں روز کہ یابی ہشیار

احمد حاجی بیگ جس زمانہ میں ہرات سے سمرقند میں آیا تھا تو میر علی شیر نوائی اس کے ہمراہ تھا۔ پھر جب سلطان حسین مرزا ہرات کا بادشاہ ہوا تو علی شیر ہرات میں آ گیا اور وہاں اس کی بہت رعایت ہوئی۔ احمد حاجی بیگ کے پاس اچھے اچھے تپچاق ۔۱۲۳ رہتے تھے اور وہ اچھا سوار تھا۔ اکثر اس کے تپچاق اسی کے خانہ زاد ہوتے تھے۔ اگرچہ بہادر آدمی تھا مگر اس کی بہادری کے لائق اس کا عروج نہیں ہوا۔ وہ ایک بے پروا

مخص تھا۔ اس کے سب کاروبار نوکروں چاکروں کے ہاتھ پر تھے۔ جس وقت بائسنغر مرزا اور سلطان علی مرزا میں بخارا کے مقام پر لڑائی ہوئی ہے اور بائسنغر مرزا مغلوب ہوا تو احمد حاجی بیگ پکڑا گیا اور درویش محمد ترخان کے قتل کے اہتمام میں بے عزتی کے ساتھ قتل ہوا۔ ایک درویش محمد ترخان تھا اور وابوفاتر خان کا بیٹا۔ سلطان احمد مرزا اور سلطان محمود مرزا کا سگا ماموں۔ یہ سب امیروں میں سربر آوردہ اور مرزا کا بڑا معتمد علیہ تھا۔ دین دار اور فقیر صفت آدمی تھا۔ ہمیشہ قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ شطرنج بہت کھیلتا تھا۔ اور اچھی کھیلتا تھا۔ شکاری جانور پالنے کا اس کو بڑا ملکہ تھا۔ اور شکار پر جانور کو خوب پھینکتا تھا۔ سلطان علی مرزا اور بائسنغر مرزا کے جھگڑے میں جب کہ یہ مقتدر تھا ایک بدنامی کے ساتھ مارا گیا۔

ایک عبدالعلی ترخان تھا۔ درویش محمد ترخان کا قریب کا رشتہ دار۔ درویش محمد ترخان کی چھوٹی بہن اس کے ساتھ منسوب بھی تھی۔ جو باقی ترخان کی ماں تھی۔ اگرچہ درویش محمد ترخان منزلت خاندانی کے علاوہ مرتبہ و امارت وغیرہ میں بھی اس سے بہت زیادہ تھا مگر یہ فرعون بے سامان اس کی کچھ اصل نہ سمجھتا تھا۔ یہ اکثر حاکم بخارا رہا ہے۔ اس کے ملازموں کی تعداد تین ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ وہ اپنے نوکروں کو اچھی طرح اور زرق و برق رکھتا تھا۔ اس کی واقفیت' عقل' عدالتی کارروائی' دربار' جلوس' شیلان ۲۴ے' مجلس بالکل شاہانہ تھی۔ وہ ظالم' ضابط' فاسق اور بدمغ آدمی تھا۔ شیبانی خاں گو اس کا نوکر نہ تھا مگر مدتوں اس کی خدمت میں رہا ہے۔ خود چھوٹے چھوٹے سلاطین اکثر اس کے ملازم رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ شیبانی خاں کی ساری ترقی حاصل کرنے اور تمام خاندانوں کے برباد ہونے کا باعث عبدالعلی ترخان ہی ہوا ہے۔

ایک سید یوسف و غلاچی تھا۔ اس کا دادا مغلستان سے آیا تھا۔ الغ بیگ مرزا نے اس کے باپ کے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا تھا۔ وہ بڑا مدبر اور بہادر آدمی تھا۔ قبوز ۲۵ے اچھا بجاتا تھا۔ جب میں پہلے پہل کابل میں آیا تھا تو اس نے میرے ساتھ بہت سی رعایتیں کی تھیں۔ وہ تھا بھی اسی لائق۔ جب میں نے پہلے سال ہندوستان پر فوج کشی کی تھی تو سید یوسف ہی کو کابل میں چھوڑا تھا۔ وہیں وہ فوت ہوا۔

اور ایک درویش بیگ ایکو تیمور بیگ کی نسل سے تھا۔ (ایکو تیمور بیگ امیر تیمور کے بنائے ہوئے سرداروں) میں سے تھا' وہ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کا مرید

تھا۔ علم موسیقی سے واقف تھا۔ ساز بھی بجاتا تھا۔ شاعر بھی تھا۔ جس زمانہ میں کہ سلطان احمد مرزا نے دریائے چرچق کے کنارے پر شکست کھائی ہے تو یہ وہیں دریا میں غرق ہو گیا تھا۔ ایک محمد مزید ترخان تھا۔ جو درویش محمد ترخان کا چھوٹا اور اس کا سگا بھائی تھا۔ یہ کئی برس تک ترکستان کا حاکم رہا ہے۔ شیبانی خاں نے ترکستان اسی سے چھینا ہے۔ اس کی رائے اور تدبیر تو اچھی تھی مگر بے باک اور فاسق تھا۔ دوسری اور تیسری دفعہ جو میں نے سمرقند کو فتح کیا تو وہ میرے پاس آ گیا تھا۔ میں نے بھی اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ کول ملک کی لڑائی میں وہ مارا گیا۔ ایک باقی ترخان عبدالعلی ترخان کا بیٹا اور سلطان احمد مرزا کا پھوپھی زاد بھائی تھا۔ اس کے باپ کے بعد اسی کو بخارا کا حاکم کیا تھا۔ سلطان علی مرزا کے زمانہ میں اس کا بہت عروج ہو گیا تھا۔ پانچ چھ ہزار آدمی اس کے نوکر ہو گئے تھے۔ سلطان علی مرزا کا وہ کچھ ایسا تابعدار نہ تھا۔ شیبانی خاں سے قلعہ دبوسی میں لڑ کر ان سے شکست کھائی اور اسے شکست دینے سے شیبانی خاں نے بخارا پر قبضہ کر لیا۔ باقی ترخان کو شکاری جانوروں سے بہت شوق تھا۔ کہتے ہیں کہ سات ۷۰۰ سو شکاری جانور اس کے پاس پلے ہوئے تھے۔ اس کے اخلاق و اطوار ایسے تھے جن کا بیان نہیں ہو سکتا۔ وہ امیرزادگی اور دولت میں سربر آوردہ ہو گیا تھا۔ اس کے باپ نے جو شیبانی خاں کے ساتھ بہت سی بھلائیاں کی تھیں تو وہ شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ مگر اس ناحق شناس اور بے مروت نے ان نیکیوں کے بدلے میں کچھ بھی رعایت و شفقت نہ کی۔ آخر بری حالت اور ذلت کے ساتھ آخشی میں وہ مر گیا۔ ایک سلطان حسین ارغون تھا۔ چونکہ مدتوں قراکول کی حکومت اس کے سپرد رہی تھی اس لئے سلطان حسین قراکولی مشہور ہو گیا تھا۔ وہ بڑا صاحب الرائے اور عقلمند تھا۔ بہت دن تک میرے پاس رہا ہے۔ ایک قل محمد قوچین تھا۔ یہ بہادر آدمی تھا۔ ایک عبدالکریم اشرب ا سغور ۱۲۷ تھا۔ یہ سلطان احمد مرزا کا داروغہ دیوان خانہ تھا۔ فیاض اور بہادر آدمی تھا۔

سلطان محمود مرزا کو امراء کا بلانا۔ ملک محمد مرزا کا باغی ہو کر ناکام ہونا اور سلطان محمود مرزا کا بادشاہ ہونا

سلطان احمد مرزا کے انتقال کے بعد امراء نے اتفاق کر کے ایک قاصد پہاڑی راستہ سے سلطان محمود مرزا کے پاس بھیجا اور مرزا کو بلایا۔ یہاں یہ ہوا کہ ملک محمد مرزا (منوچہر کا بیٹا جو سلطان ابوسعید مرزا کا بڑا بھائی ہوتا تھا) سلطنت کے خیال سے چند بدمعاشوں کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے سمرقند میں آ گیا۔ مگر کچھ نہ کر سکا۔ بلکہ اپنے ساتھ اور چند بے گناہوں کے قتل کا باعث ہو گیا۔ سلطان محمود مرزا اس خبر کے سنتے ہی سمرقند میں چلا آیا اور بے کھٹکے تخت پر ہو بیٹھا۔ مگر سلطان محمود مرزا کی چند نالائق حرکتوں کے باعث سے ساری فوج و رعیت مرزا سے نفرت کرنے لگی' اور کنارہ کش ہونے لگی۔ ایک حرکت یہ تھی کہ ملک محمد مرزا کو جو اس کے چچا کا بیٹا اور اس کا داماد تھا معہ اور چار مرزاؤں کے گوگ سرائے ۹۰۰ھ میں بھیجا۔ ان میں سے دو کو تو زندہ رکھا اور ملک محمد مرزا کو معہ ایک دوسرے مرزا کے قتل کر ڈالا۔ اگرچہ ملک محمد مرزا کسی قدر مجرم تھا لیکن مرزا بے گناہ تھے۔ دوسری حرکت یہ تھی کہ جیسا خود ظالم اور فاسق تھا ویسے ہی اس کے امراء اور نوکر سب کے سب ظالم اور فاسق تھے۔ حصار کے لوگ خصوصاً" خسرو شاہ کے متعلق ہمیشہ شراب خواری اور بدکاری میں مشغول رہتے تھے۔ یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ خسرو شاہ کے ایک نوکر نے کسی بھلے مانس کی بیوی کو چھین لیا تھا۔ اس مظلوم نے جب خسرو شاہ سے فریاد کی تو خسرو شاہ نے جواب دیا کہ اتنی مدت تیرے پاس رہی اب کچھ دن تک اس کے پاس رہنے دے۔ اگرچہ اس کا انتظام اور توزک اچھا تھا۔ مال کا کام بھی وہ جانتا تھا' اور علم سیاق سے بھی وہ واقف تھا لیکن اس کی طبیعت ظلم اور فسق کی طرف بہت مائل تھی۔ سمرقند میں آتے ہی اس نے انتظام اور تحصیل کی اور ہی بنا ڈالی۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار کے متعلقوں کے ساتھ ظلم اور سختی کرنے لگا۔ اس سے پہلے بہتیرے فقراء اور مساکین ان کی حمایت و سفارش سے بچ بچ جاتے تھے۔ اب خود ان پر تکلیفیں گذرنے لگیں اور زیادتیاں ہونے لگیں چونکہ رعایا اور اہل بازار یہاں تک کہ ترک اور سپاہیوں کے بچوں کو پکڑ

کر چرہ ۱۴۹۰ء بنانے کے لئے لے جاتے تھے۔ اس لئے ڈر کے مارے لوگ گھر سے باہر نہ نکلتے تھے۔ اہل سمرقند پچیس برس سے سلطان احمد مرزا کے سایہ عاطفت میں آسودگی کے ساتھ گزر کر رہے تھے۔ اور ان کے اکثر معاملے حضرت خواجہ کے سبب سے شرع و انصاف کے موافق فیصل ہوتے تھے۔ اب یہ لوگ ان ظلموں اور بدکاریوں سے عاجز آ گئے اور رنجیدہ ہو گئے۔ وضیع' شریف' فقیر اور مسکین برا بھلا کہنے لگے اور بددعائیں دینے لگے۔ نظم

حذر کن زدود درد نہائے ریش
کہ ریش دروں عاقبت سرکند
بہم برمکن تاتوانی دلے
کہ آ ہے جہانے بہم برکند

آخر اس ظلم اور بدکاری کے طفیل پانچ چھ مہینے سے زیادہ سلطان محمود مرزا کی حکومت سمرقند میں نہ رہی۔

۱۴۹۰ء ۹۰۰ ہجری کے واقعات

حسن یعقوب کا باغی ہونا' بھاگنا اور مرنا:۔ اسی سال میں سلطان محمود مرزا کے پاس سے عبدالقدوس بیگ نامی ایلچی آیا اور سلطان محمود مرزا نے اپنے بڑے بیٹے سلطان مسعود مرزا کی شادی اپنے بڑے بھائی سلطان احمد مرزا کی دوسری بیٹی سے ۱۴۸۱ سے کی تھی۔ اس کی شادی کا حصہ لایا۔ اس شادی میں سونے اور چاندی کے پستے اور بادام تقسیم ہوئے تھے۔ اس ایلچی نے ظاہر میں تو اپنے ایلچی بن کر آنے کی غرض حسن یعقوب کی رشتہ داری بیان کی مگر درحقیقت وہ دل فریب وعدے دے کر حسن یعقوب کو ملانے آیا تھا۔ حسن نے بھی اس کو نرم ہی جواب دیئے' بلکہ اسی طرف ہو گیا۔ شادی کی مبارک باد وغیرہ کی رسمیں ادا کرنے کے بعد قاصد کو رخصت کیا۔ پانچ چھ مہینے کے بعد حسن یعقوب کا رنگ پلٹنے لگا۔ میرے مقربوں کے ساتھ لگا بدسلوکیاں کرنے اور یہاں تک بندوبست کر لیا کہ مجھ کو چھوچھو ہٹا کے جہانگیر مرزا کو بادشاہ کر دے۔ چونکہ حسن یعقوب کے برتاوے تمام امراء اور فوج کے ساتھ اچھے نہ تھے اس

لئے اس کے اس منصوبہ سے جو سب واقف ہو گئے تو خواجہ قاضی، قاسم قوچین، علی دوست طغائی اور زون حسن اور اور دولت خواہ میری نانی ایسن دولت بیگم کے پاس حاضر ہوئے۔ مشورہ کر کے یہ بات قرار دی کہ حسن یعقوب کو معزول کرنا چاہئے۔ اس کی معزولی سے فتنہ و فساد فرد ہو جائے گا۔

میری نانی ایسن دولت بیگم ایسی صاحب رائے اور تدبیر تھیں کہ عورتوں میں کم ہوتی ہیں۔ وہ بڑی دور اندیش اور عقل مند تھیں۔ اکثر کام انہی کے مشورے سے ہوتے تھے۔ حسن یعقوب ارک میں تھا۔ میری نانی صاحبہ قلعہ سنگین ۱۳۲ میں چافار میں تھیں۔ یہاں سے میں اسی قصد سے ارک کی طرف روانہ ہوا۔ حسن یعقوب شکار کھیلنے گیا ہوا تھا۔ میری خبر سنتے ہی ادھر کا ادھر سمرقند کی طرف چل دیا۔ جو سردار وغیرہ اس سے ملے ہوئے تھے ان کو گرفتار کر لیا۔ ان میں محمد باقر بیگ اور سلطان محمود دولدائی ۱۳۳ (سلطان محمد ۱۳۴ دولدائی کا باپ) وغیرہ تھے۔ ان میں سے بعض کو میں نے سمرقند کی طرف رخصت کر دیا۔ اب حکومت اندجان اور عہدہ مدارالمہامی پر قاسم قوچین مقرر ہوا۔ حسن یعقوب سمرقند جانے کے ارادے سے کند بادام تک گیا تھا کہ چند روز کے بعد فتنہ و فساد برپا کرنے کے خیال سے آخشی کا قصد کر کے خوقان ۱۳۵ اور آخشی کی نواح میں آ گیا۔ یہ خبر سنتے ہی کچھ سرداروں کو معہ فوج کے دفعتاً حملہ کرنے کے لئے اس کی طرف روانہ کیا۔ ان سرداروں نے کچھ فوج قراولی ۱۳۶ کے لئے مقرر کر دی تھی۔ حسن یعقوب نے سنتے ہی راتوں رات اس فوج پر جو قراول تھی اور اصل فوج سے جدا تھی شبخون مارا۔ ان کی فرود گاہ کو گھیر لیا اور تیر برسانے شروع کئے لیکن اندھیری رات میں خود اسی کے ایک سپاہی کا ایک تیر اس کی پشت میں لگا اور بھاگنے سے پہلے اس نے اپنے کئے کی سزا پائی۔ ؎

چو	بد	کردی	مباش	ایمن	زافات
کہ	واجب	شد	طبیعت	را	مکافات

ترجمہ

اپنی	بدکاری	کی	شامت	سے	نہ	بے	خوف	ہو	تو
کہ	تجھے	اس	کی	مکافات	بھگتنی	ہو	گی		

اتقا اختیار کرنا:۔ اسی سال میں میں نے اس کھانے سے جو مشتبہ ہو پرہیز اختیار کیا۔

یہاں تک کہ چھری' چمچے اور دسترخوان کی بھی احتیاط ہو گئی اور نماز تہجد بھی بہت کم قضا ہوتی تھی۔

سلطان محمود مرزا کا مرنا:۔ ماہ ربیع الثانی میں سلطان محمود مرزا سخت بیمار ہوا اور چھ دن میں مر گیا۔ ۱۳۷ اس کی عمر تینتالیس برس کی تھی۔ ۸۵۷ ھ ۔۱۳۸ میں پیدا ہوا تھا۔ ابوسعید مرزا کا یہ تیسرا بیٹا تھا۔ یہ سلطان احمد مرزا ایک ماں کے پیٹ سے تھے۔

صورت۔ سیرت:۔ مرزا کا حلیہ یہ تھا۔ ٹھگنا قد' چگی ڈاڑھی' بدن فربہ' اخلاق و اطوار کی کیفیت یہ تھی کہ نماز ترک نہ کرتا تھا۔ انتظام اور ہر بات کا قاعدہ بہت درست تھا' وہ علم سیاق خوب جانتا تھا۔ اس کی قلم رو کا ایک پیسہ اس کی اطلاع کے بغیر خرچ نہ ہوتا تھا۔ اس کے نوکروں کی تنخواہ ایک دن نہ چڑھتی تھی۔ اس کی بزم' داود دہش' دربار اور دعوتوں کے قاعدے نہایت عمدہ تھے۔ جو قاعدہ ایک بار مقرر کر دیا گیا ہے۔ کیا مجال کہ اس سے کوئی شخص یا کوئی سپاہی تجاوز کر سکے۔ اس کا لباس ۔۱۳۹ پر تکلف اور اس زمانہ کی وضع کے موافق ہوتا تھا۔ ابتداء ۔ میں باز سے بہت شکار کھیلا کرتا تھا۔ پھر علم ۔۱۴۱ جانور کے شکار کا شوق ہو گیا تھا۔

آخر میں ظلم و فسق بہت کرنے لگا۔ رات دن شراب کا گلاس منہ سے لگا رہتا تھا۔ بیسیوں خوبصورت غلام پاس رکھا کرتا تھا اس کے ملک میں جہاں کہیں کوئی امرد خوبصورت نظر آتا اس کو ہر طرح پکڑ کر لڑکوں میں داخل کر لیتا تھا۔ یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ اپنے امراء کے بچوں اور کوکہ زادوں بلکہ کوکاؤں تک کو بھی ان میں داخل کر لیا کرے۔ یہ نالائق رسم اس کے زمانہ میں اتنی مروج ہو گئی تھی کہ کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کے پاس امرد نہ ہوا۔ بلکہ امرد نہ رکھنا معیوب تھا۔ انہی بداعمالیوں کی شامت سے اس کے سارے بچے جوان ہی مرے۔ وہ شعر بھی کہا کرتا تھا۔ پورا دیوان مرتب کر لیا تھا۔ شعر تو بہت تھے مگر بے مزہ تھے۔ میرے نزدیک ایسے شعر کہنے سے نہ کہنا بہتر ہے۔ بداعتقاد آدمی تھا۔ حضرت خواجہ عبید اللہ کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ دل کا اچھا نہ تھا۔ مزاج میں حیا بہت کم تھی، لچے اور مسخرے اس کے ہم صحبت تھے جو سر دربار اور علانیہ نالائق حرکتیں اور بیہودہ باتیں کیا کرتے تھے۔ بات اس طرح بری ادا کرتا تھا کہ فوراً سمجھ میں نہ آتی تھی۔

لڑائیاں:۔ وہ دو لڑائیاں تو سلطان حسین مرزا سے لڑا۔ ایک استر آباد ۔۱۴۲ میں جہاں

اس کو شکست ہوئی۔ دوسری مقام جکمن ۱۴۳ میں جو اندخود ۱۴۴ کی نواح میں ہے۔ اس لڑائی میں بھی مغلوب ہوا۔ دو دفعہ بدخشاں کے جنوب کی طرف کافرستان ۱۴۵ پر حملہ کیا۔ اسی سبب سے اس کے فرمانوں کے طغروں ۱۴۶ میں سلطان محمود غازی لکھا جاتا تھا۔

ممالک محروسہ :۔ سلطان ابوسعید مرزا نے اپنے ملک میں سے استرآباد اس کو دے دیا تھا۔ عراق کے جھگڑے کے بعد وہ خراسان بھی گیا۔ اسی زمانہ میں قنبر علی بیگ حاکم حصار سلطان ابوسعید مرزا کے حکم سے ہندی فوج کو لے کر مرزا کی مدد کے لئے عراق کو چلا اور خراسان پہنچ کر سلطان محمود مرزا سے جا ملا۔ جونہی خراسان والوں نے سلطان حسین مرزا کا شہرہ سنا ویسے ہی سب نے بلوہ کر کے سلطان محمود مرزا کو خراسان سے نکال دیا۔ وہ سلطان احمد مرزا کے پاس سمرقند میں آ گیا۔ کئی مہینے کے بعد احمد مشتاق' سید بدر اور خسرو شاہ وغیرہ سلطان محمود مرزا کو لے کر قنبر علی بیگ کے پاس آ گئے۔ پھر قلعہ معہ ان اضلاع کے جو کوہ کوئین ۱۴۷ کے جنوب میں واقع ہیں جیسے ترمذ' چغانیاں' حصار' ختلاں ۱۴۸' قندر اور بدخشاں' کوہ ہندو کش تک تمام ملک سلطان محمود مرزا کے قبضہ میں گئے۔ اس کے بڑے بھائی سلطان احمد مرزا کے مرنے کے بعد سلطان احمد مرزا کا ملک بھی اسی کے تحت میں آ گیا۔

اولاد :۔ اس کے پانچ بیٹے اور گیارہ بیٹیاں تھیں۔ سب سے بڑا مسعود مرزا تھا۔ اس کی ماں خانزادہ بیگم میر بزرگ ترمذی کی بیٹی تھی۔ دوسرا بیٹا بائسنغر مرزا تھا۔ وہ پشہ بیگم کے پیٹ سے تھا۔ تیسرا بیٹا سلطان علی مرزا تھا۔ اس کی ماں ازبک خاندان سے تھی۔ اس کا نام زہرہ بیگی آغا تھا۔ یہ حرم تھی۔ چوتھا بیٹا سلطان حسین مرزا تھا۔ اس کی ماں میر بزرگ کی پوتی تھی اور اس کا نام بھی خانزادہ بیگم تھا۔ یہ لڑکا مرزا کے سامنے تیرہ برس کی عمر میں مر گیا۔ پانچواں بیٹا سلطان ویس مرزا تھا۔ اس کی ماں یونس خاں کی بیٹی اور میری ماں کی چھوٹی بہن سلطان نگار خانم تھی۔ ان چاروں مرزاؤں کے حالات سالہائے آئندہ کے واقعات میں لکھے جائیں گے۔

تین بیٹیاں بائسنغر مرزا کی ہم بطن بہنیں تھیں۔ جن میں سب سے بڑی کی شادی سلطان محمود مرزا نے اپنے چچا منوچہر مرزا کے بیٹے ملک محمد مرزا کے ساتھ کی تھی۔ پانچ بیٹیاں میر بزرگ کی پوتی خانزادہ بیگم کے پیٹ سے تھیں۔ ان میں سے سب

سے بڑی کی شادی سلطان محمود مرزا کے بعد ابابکر کاشغری سے ہوئی تھی۔ ان ہی میں سے دوسری بیٹی بیگہ بیگم تھی۔ جب سلطان حسین مرزا نے حصار کا محاصرہ کیا تھا تو اپنے بیٹے حیدر مرزا (جو پاینده سلطان بیگم بنت سلطان ابو سعید مرزا کے پیٹ سے تھا) سے اس کی شادی کر کے حصار کا محاصرہ اٹھا لیا تھا۔ تیسری بیٹی آق بیگم تھی۔ چوتھی بیٹی عمر شیخ مرزا کے بیٹے جہانگیر مرزا سے اس زمانہ میں نام زد ہوئی تھی جس زمانہ میں سلطان حسین مرزا نے قندز پر چڑھائی کی ہے اور عمر شیخ مرزا نے جہانگیر مرزا کو معہ فوج کمک کے لئے بھیجا ہے۔ جب ۹۰۴ھ ۱۴۹۸ء میں دریائے آمو کے کنارے پر باقی چغانیانی آ کر مجھ سے ملا تو یہ بیگمیں جو اپنی ماں کے ساتھ ترمذ میں تھیں باقی چغانیانی کی بیوی کے ساتھ میرے پاس آ گئیں اور جب ہم کمرو میں پہنچے تو اس کی شادی جہانگیر مرزا سے ہو گئی۔ اس کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ آج کل وہ اپنی نانی خانزادہ بیگم کے ہمراہ بدخشاں میں ہے۔ پانچویں بیٹی زینت سلطان ۱۵۰ بیگم تھی۔ جب میں نے کابل لے لیا ہے تو اپنی والدہ قتلق نگار خانم کے کہنے سے میں نے اس سے شادی کر لی۔ مگر کچھ موافقت نہ ہوئی۔ دو تین برس کے بعد چیچک کے مرض سے اس کا انتقال ہو گیا۔ ایک بیٹی مخدومہ سلطان بیگم تھی۔ سلطان علی مرزا اور یہ دونوں ایک ماں کے پیٹ سے تھے اور مرزا سے یہ بڑی تھی' اب وہ بدخشاں میں ہے۔ دو اور بیٹیاں حرم کے پیٹ سے تھیں۔ ایک رجب سلطان دوسری محب سلطان۔

بیویاں۔ حرمیں :۔ سب میں بڑی خانزادہ بیگم بہت میر بزرگ تھی۔ مرزا اس کو بہت چاہتا تھا۔ سلطان مسعود مرزا اسی کے پیٹ سے تھا۔ جب وہ مری تھی تو مرزا نے بڑا سوگ کیا تھا۔ اس کے بعد میر بزرگ کی پوتی سے نکاح کر لیا۔ جو متوفیہ کی بھتیجی تھی۔ اس کو بھی خانزادہ بیگم ہی کہا کرتے تھے۔ یہ بیوی پانچ بیٹوں اور ایک بیٹی کی ماں تھی۔ ایک بیوی پشہ بیگم تھی۔ علی شیر بیگ بہار لو کی بیٹی۔ یہ علی شیر بیگ ترکمان قراقو ۱۵۱ بلوق کے امراء میں سے تھا۔ محمدی مرزا خلف جہاں شاہ بارانی قراقو بلوق سے پشہ بیگم کی پہلی شادی ہو گئی تھی۔ جن دنوں میں عراق اور آذر بائیجان کو اوزون حسن ابن مرزا آق قویلوق ۱۵۲ نے جو جہانشاہ کی اولاد سے تھا چھین لیا تو علی شیر بیگ کے بچے قراقو بلوق ترکمانوں کے پانچ چھ ہزار گھروں ۱۵۳ کے سمیت سلطان ابوسعید مرزا کی ملازمت میں آ گئے تھے۔ ابوسعید مرزا کے شکست کھانے کے بعد اس ملک میں چلے آئے جس

وقت سلطان محمود مرزا سمرقند سے حصار میں آیا اس وقت یہ لوگ مرزا موصوف کی ملازمت میں آ گئے۔ اسی زمانہ میں ان پشہ بیگم سے مرزا نے نکاح کر لیا۔ اس بیگم سے ایک بیٹا اور تین بیٹیاں ہوئیں۔ ایک بیوی سلطان نگار خانم تھی۔ اس کا حسب و نسب اوپر لکھا جا چکا ہے۔ حرمیں اور سریتیں بہت سی تھیں مگر سب سے چڑھی بڑھی زہرہ بیگی آغا ازبکی تھی۔ سلطان ابوسعید مرزا کی زندگی میں اس سے تعلق ہو گیا تھا۔ یہ ایک بیٹے اور ایک بیٹی کی ماں تھی۔ حرمیں جو بہت سی تھیں ان میں سے دو کے ہاں دو بیٹیاں پیدا ہوئی تھیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

مرزا کے امراء:۔ امراء میں سے اول خسرو شاہ ترکستان کی قوم قپچاق سے ۱۵۳ تھا۔ لڑکپن میں اس نے امرائے ترخان کی جوتیاں جھاڑیں' پھر مزید بیگ ارغون کی نوکری کر لی۔ اسی نے اس کو کسی قدر بڑھا دیا۔ عراق کی تباہی کے زمانہ میں سلطان محمود مرزا کے ساتھ ہو گیا۔ چونکہ راستہ میں مرزا کی اچھی طرح خدمت کی۔ اس لئے مرزا نے بھی اس کے ساتھ بڑی رعایت کی۔ رفتہ رفتہ وہ بڑا آدمی ہو گیا۔ سلطان محمود مرزا کے زمانہ میں اس کے نوکروں کی تعداد پانچ چھ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ دریائے آمو سے کوہ ہندوکش تک سوائے بدخشاں کے سارے ملک کا حاکم وہی تھا۔ وہاں کا تمام محاصل وہی خورد برد کر جاتا تھا۔ مدارات اور سخاوت بہت کرتا تھا۔ اگر وہ ترک تھا مگر مال گذاری وصول کرنے میں بہت ہوشیار تھا۔ ساتھ ہی اس کے جس قدر پیدا کرتا تھا اسی قدر اڑا دیتا تھا۔ سلطان محمود مرزا کے بعد مرزا کے بیٹوں کے زمانہ میں بہت ہی بڑا آدمی ہو گیا تھا۔ ۱۵۵ اس وقت اس کے نوکروں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ گو پابند نماز تھا اور کھانے پینے میں بھی احتیاط کرتا تھا مگر تھا سیہ دل' فاسق' کودن' بے سمجھ' بے وفا اور نمک حرام شخص۔ اس نے اس ہیچ روزہ دنیا کے واسطے اپنے ایک آقا زادے کو جس کی خود اس نے خدمت کی تھی اور پالا تھا اندھا کر دیا اور ایک کو قتل کر ڈالا۔ یہ وہ ناشائستہ حرکتیں تھیں جن کے سبب سے خدا کی درگاہ میں گنہگار اور مخلوق کے نزدیک مردود ہو کر قیامت تک قابل نفرین و لعنت ہو گیا' اور اس دنیا کے لئے اس نے ایسے نالائق کام کئے۔ آخر میں باوجود اس قدر وسیع اور آباد ملک کے اور اتنے سامان جنگ اور نوکروں کے ایک مرغی پر اس کا قابو نہ رہا۔ اس کتاب میں اس کا یہ ذکر آگے لکھا جائے گا۔

ایک اور پیر محمد ایلچی بوغا قوچین تھا۔ بلخ کے دروازے پر جنگ ہزار اسپ میں سلطان ابو سعید مرزا کے سامنے دعویٰ کر کے خوب گھو نسم گھونسا لڑا تھا۔ وہ بہادر آدمی تھا۔ ہمیشہ مرزا کے پاس رہا کرتا تھا اور مرزا اس کی صلاح پر عمل کیا کرتا تھا۔ جس وقت سلطان حسین مرزا نے قندز کا محاصرہ کیا ہے اس وقت اس نے خسرو شاہ کی چوٹ پر تھوڑی سی بے سامان فوج لے کر اندھا دھند شبخون مارا مگر کچھ نہ کر سکا بھلا اتنے بڑے لشکر کے سامنے کیا کر سکتا تھا۔ اس کے پیچھے دشمن کے قلو فوجی نے تعاقب کیا۔ وہ دریا میں کود پڑا اور وہیں ڈوب گیا۔ ایک ایوب تھا۔ سلطان ابو سعید مرزا کے ہاں خراسانی جوانوں کے گروہ میں داخل تھا۔ بہادر آدمی تھا۔ بائسنغر مرزا کی سرکار کا مختار تھا۔ کھانے پہننے میں کفایت شعار تھا۔ بڑا مسخرا اور چالاک آدمی تھا۔ سلطان محمود مرزا اس کو "بے حیا" کہا کرتا تھا۔

ایک ولی تھا۔ خسرو شاہ کا چھوٹا اور سگا بھائی۔ وہ اپنے آدمیوں کو اچھی طرح رکھتا تھا۔ اسی لئے سلطان مسعود مرزا کو اندھا اور بائسنغر کو قتل کرایا تھا۔ وہ ہر کسی کی غیبت کیا کرتا تھا۔ بدزبان' فحش گو' خود پسند اور بدمغز آدمی تھا۔ سوائے اپنے کسی کو کسی کام میں کچھ نہ سمجھتا تھا۔ جب میں نے نواح کیل کائے اور دوشی میں جو نواح قندز میں سے ہے خسرو شاہ کو اس کے ملازموں سے علیحدہ کر کے رخصت کیا تو ولی ازبک کے ڈر سے اندراب و مراب میں آ گیا تھا۔ اس نواح کی قوموں نے بھی اس کو شکست دے کر لوٹ لیا اور وہی قومیں مجھ سے اجازت لے کر کابل میں آ گئی تھیں۔ ولی شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ شیبانی خاں کے پاس چلا گیا۔ شیبانی خاں نے اس کو سمرقند میں مروا ڈالا۔ ایک شیخ عبداللہ برلاس تھا۔ وہ ابو سعید مرزا کے زمانہ ہی میں داخل امراء ہو گیا تھا۔ سنہ ۱۵۶۰ جن دنوں میں ابابکر مرزا نے مزید بیگ ارغون اور امرائے ترکمان قراقربلوق کو ہمراہ لے کر سلطان محمود خاں پر چڑھائی کی ہے اور مرزا اپنے بھائی کے پاس سمرقند چلا گیا ہے تو محمود برلاس نے حصار کو نہ چھوڑا اور اس کو خوب سنبھالے رکھا۔ وہ شاعر تھا اور صاحب دیوان تھا۔

بائسنغر مرزا بادشاہ سمرقند ہوا۔ خسرو شاہ نکالا گیا:۔ سلطان محمود مرزا کے مرنے کی خبر کو خسرو شاہ نے لوگوں سے چھپایا اور خزانہ پر دست اندازی کی۔ بھلا ایسی خبر کیونکر چھپی رہ سکتی تھی۔ فی الفور تمام شہر میں یہ خبر اڑ گئی اور سمرقند والوں کے ہاں

گویا اس دن گھی کے چراغ جل گئے۔ فوج و رعیت نے بلوہ کر کے خسرو شاہ کو گھیر لیا۔ احمد حاجی بیگ اور امرائے ترخان نے اس بلوہ کو فرد کیا۔ اور خسرو شاہ کو اس کشمکش سے نکال کر حصار کی طرف چلتا کر دیا۔ سلطان محمود مرزا نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے مسعود مرزا کو حصار اور بائسنغر مرزا کو بخارا کا حاکم کر دیا تھا۔ اس موقعہ پر ان دونوں میں سے کوئی سمرقند میں نہ تھا۔ خسرو شاہ کے چلے جانے کے بعد امرائے سمرقند اور حصار نے متفق ہو کر بائسنغر بائسنغر مرزا کے پاس آدمی دوڑایا اور اس کو بلا کر سمرقند کے تخت پر بٹھا دیا۔ اس وقت بائسنغر مرزا کی عمر اٹھارہ برس کی تھی۔

اسی زمانہ میں سلطان جنید برلاس اور بعض اکابر سمرقند کی تحریک سے محمود خاں نے سمرقند لینے کے لئے فوج کشی کی اور کبانی ۱۵۷ھ کے نواح میں آ گیا۔ سمرقند سے بائسنغر مرزا بھی بہت سی مسلح فوج لے کر باہر نکلا۔ کبائی کے نواح میں مقابلہ ہوا۔ حیدر کو کلتاش جو مغلوں کے لشکر کا بڑا سردار تھا اور ہر اول تھا معہ اپنے ہمراہیوں کے گھوڑوں پر سے اتر کر شیب ۱۵۸ھ مارنے میں مشغول ہوا۔ سمرقند و حصار کی فوج کے مسلح اور من چلے جوانوں نے سوار ہو کر فی الفور گھوڑے ڈپٹائے جو لوگ حیدر کوکلتاش کے زیر حکم گھوڑوں پر سے اتر پڑے تھے وہ دشمن کے گھوڑوں کی روندن میں آ گئے۔ اس تباہی کے بعد باقی فوج مقابلہ نہ کر سکی۔ آخر مغلوں کو شکست ہوئی اور بہت سے کام آئے۔ بائسنغر مرزا ۱۵۹ھ نے بھی ان میں سے اپنے سامنے بہت سوں کو قتل کروایا تھا۔ مقتولوں کی اس قدر کثرت ہوئی کہ مرزا کا خیمہ تین جگہ سے پلٹا گیا۔

ابراہیم سارو کی بغاوت اور بابر بادشاہ کی چڑھائی:۔ ابراہیم سارو نے (جو قوم مینلیغ سے تھا اور بچپن سے میرے والد کی خدمت میں رہ کر امیری کے مرتبہ پر پہنچ گیا تھا اور آخر کسی جرم کے ارتکاب نکال دیا گیا تھا) قلعہ اسفرہ میں آ کر بائسنغر مرزا کے نام کا خطبہ پڑھوایا اور میری مخالفت اختیار کی۔ شعبان ۹۰۰ھ کے مہینے میں ابراہیم سارو کے فساد و فتنہ دفع کرنے کے قصد سے لشکر کے ساتھ میں سوار ہوا۔ مہینے کے آخر میں اسفرہ کے سامنے میں آن اترا۔ اسی دن ہمارے سپاہیوں نے دلیری کر کے قلعہ قدیم کے قریب کی دیوار کے پاس پہنچتے ہی نئے قلعہ کو جو فی الحال بنا تھا چھین لیا۔ سید قاسم ایشک آغا آج سب سے اول رہا۔ سب سے پہلے فوج میں سے نکل کر اس نے شمشیر زنی کی۔ سلطان احمد تنبل اور دوست محمد طغائی نے بھی بہت کوشش کی مگر اش

؁۱۶۱ بہلوری سید قاسم ہی نے لیا۔ الش بہلوری مغلوں میں ایک قدیم رسم ہے۔ ضیافت اور آش خوری کے موقعہ پر جو شخص سب میں سے تنہا نکل کر تلوار مارتا ہے وہ اس الش بہلوری کو لیتا ہے جب میں شاہرخیہ میں اپنے ماموں سلطان محمود خاں سے ملنے گیا تو الش بہلوری سید قاسم نے لیا۔ پہلے دن کی لڑائی میں خدا بیردی میرے آتکہ نے تیر تخش ؁۱۶۲ کھا کر قضا کی۔ چونکہ ہم بے زرہ بکتر مقابلہ کر بیٹھے تھے اس لئے ہمارے بعض سپاہی کام آئے اور بہت سارے زخمی ہوئے۔ ابراہیم سارو کے پاس ایک شخص نہایت عمدہ تخش انداز تھا۔ ایسا تیر انداز دیکھا نہ سنا۔ اس نے ہمارے اکثر آدمیوں کو زخمی کیا۔ قلعہ فتح ہونے کے بعد وہ میرا ملازم ہو گیا۔ جب محاصرہ کو بہت دن گذر گئے تو میں نے حکم دیا کہ دو تین سرکوب ؁۱۶۳ بنا کر سرنگ لگاؤ۔ غرض لوگ قلعہ گیری کے اسباب جمع کرنے میں مصروف ہوئے اور محاصرہ کو چالیس دن گذر گئے۔ آخر ابراہیم سارو تنگ ہوا اور خواجہ مولانا کی وساطت سے اس نے فرماں برداری اختیار کر لی۔ شوال ؁۱۶۴ کا مہینہ تھا اور وہ ترکش ؁۱۶۵ اور تلوار گلے میں ڈال کر حاضر ہوا اور شہر اس نے ہمارے سپرد کر دیا۔

خجند پر قابض ہونا:۔ مدت سے خجند بھی عمر شیخ مرزا کی عمل داری میں تھا۔ لڑائی جھگڑوں کے زمانے میں مرزا کی سرکار بگڑنے سے سلطان احمد مرزا اس کو دبا بیٹھا۔ جب میں اس کے بہت قریب آ گیا تو اس پر بھی حملہ کر دیا گیا۔ خجند میں میر مغل کا باپ عبدالوہاب شغاول حاکم تھا۔ میرے وہاں پہنچتے ہی اس نے بے تامل شہر حوالے کر دیا۔

محمود خاں سے ملاقات:۔ اسی زمانہ میں محمود خاں شاہرخیہ میں آیا ہوا تھا۔ جن دنوں میں سلطان احمد مرزا نواح اندجان میں آ گیا تھا ان ہی دلوں میں خان نے بھی اخشی کو آ گھیرا تھا' جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ میرے دل میں آئی کہ ہم میں اور اس میں تھوڑا ہی فاصلہ ہے۔ چونکہ وہ باپ اور بڑے بھائی کی جگہ ہے۔ اس لئے اس کی خدمت میں چلنا چاہئے۔ اس سے پچھلی کدورتیں رفع ہو جائیں گی اور اس ترکیب کو جو دیکھنے والے دیکھیں گے اور سننے والے سنیں گے تو میرے حق میں مفید ہو گا۔ یہ سوچ کر چل کھڑا ہوا۔ شاہرخیہ کے باہر ایک باغ میں جس کو حیدر بیگ نے بنایا تھا خان سے میں نے ملازمت حاصل کی۔ خان اس باغ کی چوودری میں اترا ہوا تھا۔ اندر پہنچتے ہی میں نے تین دفعہ جھک کر سلام کیا۔ خان بھی تعظیم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ملنے اور

پچھلے پاؤں ہٹ کر ایک سلام کرنے کے بعد خان نے اپنے پاس بلایا۔ اپنے پہلو میں بٹھلایا اور نہایت شفقت و مہربانی فرمائی۔ دو ایک روز کے بعد کندر ۱۶۶ اور املی کے راستے سے آخشی اور اندجان کی طرف میں روانہ ہوا۔ ۱۶۷ آخشی میں آ کر اپنے باپ کے مزار کی زیارت کی۔ جمعہ کی نماز کے وقت میں آخشی سے چلا۔ بند سالار کے راستہ سے ہوتا ہوا مغرب و عشاء کے مابین اندجان میں آ گیا۔ یہ بند سالار کا راستہ نو فرسنگ کا ہے۔

قوم چکرک سے محصول لینا:۔ اندجان کی صحرائی قوموں میں سے ایک قوم چکرک ۱۶۸ ہے۔ ان کے پانچ ہزار گھر ہیں۔ یہ لوگ کاشغر اور فرغانہ کے بیچ میں جو پہاڑ ہیں ان میں رہتے ہیں۔ ان کے پاس گھوڑے اور بھیڑیں کثرت سے ہیں۔ ان پہاڑوں میں بجائے معمولی بیلوں کے گلوقاس ۱۶۹ یعنی نیل گائے پالتے ہیں۔ اس سبب سے قاس بھی ان کے پاس بہت ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ کوہستان دشوار گزار میں رہتے ہیں اس لئے مال گزاری نہیں ادا کرتے۔ پس میں نے قاسم بیگ کو سردار لشکر کر کے ان کی طرف بھیجا تاکہ اس قوم سے کچھ مال وصول کرے اور ہمارے لشکر کے لئے بھیجے۔ قاسم بیگ نے جا کر بیس ہزار بھیڑیں اور پندرہ سو گھوڑے لے لئے اور اہل لشکر کو بانٹے۔

اوراتیبہ پر چڑھائی کا قصد اور ناکامی:۔ جب لشکر چکرک سے واپس آیا تو اوراتیبہ کا قصد کیا گیا۔ اوراتیبہ مدت سے عمر شیخ مرزا کے قبضہ میں تھا۔ مگر مرزا نے جس سال انتقال کیا ہے اسی سال وہ قبضہ سے نکل گیا تھا۔ آج کل بائسنغر مرزا کی طرف سے اس کا چھوٹا بھائی سلطان علی مرزا وہاں تھا۔ سلطان علی مرزا میرے آنے کی خبر سن کر آپ تو کوہستان بلغرو میسجا ۱۷۰ کی طرف چلا گیا اور اپنے آتکہ شیخ ذوالنون کو اوراتیبہ میں چھوڑ گیا۔ میں خجند سے ہوتا ہوا ادھر چلا۔ اثنائے راہ سے خلیفہ کو شیخ ذوالنون کے پاس بطریق رسالت بھیجا۔ اس مردک بیہوش نے کوئی شافی جواب نہ دیا اور خلیفہ کو گرفتار کر کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ خدا کو بچانا منظور تھا خلیفہ کسی ترکیب سے نکل گیا اور ہزاروں مصیبتیں اٹھا کر دو تین دن کے بعد پیدل اور ننگے بدن اوراتیبہ کی نواح میں آ کر مجھ سے ملا۔ چونکہ جاڑے کا موسم قریب آ گیا تھا اور لوگوں نے غلہ وغیرہ اٹھا لیا تھا۔ اس لئے چند روز کے واسطے اندجان کی طرف مراجعت کی

گئی۔ میرے چلے آنے کے بعد خان کی فوج اوراتیپہ پر آ گئی۔ وہاں والے مقابلہ نہ کر سکے اوراتیپہ محمد حسین گورکان ۱۷۴ کے حوالے کر دیا۔ اس دن سے ۹۰۸ھ ۱۷۱ تک اوراتیپہ محمد حسین گورگان ہی کے قبضہ میں رہا۔

۹۰۱ھ کے واقعات ۱۷۱

سلطان حسین مرزا کا بقصد حصار ترمذ پر جانا۔ مسعود مرزا کا حصار سے سمرقند کی طرف بھاگنا۔ اس کے امراء کا تتر بتر ہونا:۔ سلطان حسین مرزا نے خراسان سے حصار پر لشکر کشی کی اور جاڑے کے موسم میں وہ ترمذ ۱۷۲ میں آ گیا۔ سلطان مسعود مرزا ۱۷۳ بھی اپنا لشکر فراہم کر کے ترمذ ہی کے مقام پر مقابلے میں آ جما۔ ۱۷۴ خسرو شاہ خود تو قندز کو مضبوط کر کے وہاں رہا اور اپنے چھوٹے بھائی ولی کو ایک لشکر کے ساتھ سلطان حسین مرزا کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ ان لشکروں نے جاڑے کے موسم کا اکثر حصہ دریائے مذکور کے کنارے پر گزارا اور پار نہ اتر سکے۔ سلطان حسین مرزا ایک تجربہ کار اور ہوشیار بادشاہ تھا۔ اس نے مقابل کے لشکر کو غافل کر کے بالا بالا پانچ سو چھ سو آدمیوں کا ایک دستہ عبداللطیف بخشی کے تحت حکم کلف ۱۷۵ کے راستہ سے روانہ کیا۔ حریف کے آگاہ ہونے تک عبداللطیف بخشی نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا کو عبور کیا اور دریا کے کنارے کو مستحکم کر لیا۔ جوں ہی سلطان مسعود مرزا کو یہ خبر معلوم ہوئی ویسے ہی وہ یا تو بزدلی سے یا باقی چغانیانی کے بہکانے سے جو ولی کا مخالف تھا بغیر اس کے کہ فوج سے مقابلہ کرے گھبرا کر حصار کی طرف چلتا بنا۔ حالانکہ ولی نے بہت سمجھایا کہ اس لشکر پر جو دریا سے پار ہوا ہے دفعتہ حملہ کرنا چاہئے۔ سلطان حسین مرزا نے دریا سے عبور کر کے بدیع الزمان مرزا ابراہیم حسین، ذوالنون ارغون اور محمد ولی بیگ کو تو فی الفور خسرو شاہ کی طرف روانہ کیا اور مظفر حسین مرزا اور محمد برندق برلاس کو ختلان کی جانب چلتا کیا اور آپ حصار کی جانب آیا۔ ۱۷۶ جب سلطان حسین مرزا کے قریب پہنچنے کی خبر ہوئی تو سلطان مسعود مرزا نے حصار میں اپنا ٹھہرنا مناسب سمجھا اور رود کمرود کے بالائی سمت سرہ تاق کے راستہ سے اپنے چھوٹے بھائی بائسنغر مرزا کے پاس سمرقند چلا گیا۔ ولی بھی ختلان کی طرف بھاگ گیا۔ حصار

کے قلعہ کا بندوبست باقی چغانیانی محمود برلاس اور قوچ بیگ کے باپ سلطان احمد نے کر لیا۔ سلطان حسین مرزا نے یہ خبر سنتے ہی ابوالحسین مرزا کو معہ کچھ فوج کے درہ کمرود کے اوپر کی جانب سلطان مسعود مرزا کے پیچھے روانہ کیا۔ ابوالحسن مرزا نے اس کو راستہ میں جا لیا مگر اس سے کچھ ہو نہ سکا البتہ مرزا بیگ قزانکی ۷۷ا نے خوب داد مردانگی دی۔

مقام قرا تگین پر امرائے حسین مرزا سے حمزہ سلطان وغیرہ کا لڑ کر فتح پانا اور وہاں سے حمزہ سلطان وغیرہ کا اندجان میں آنا:۔ حمزہ سلطان اور مہدی سلطان کئی برس سے شیبانی خان کو چھوڑ کر چلے آئے تھے اور معہ اپنے تمام ازبکوں کے سلطان محمود مرزا کے نوکر ہو گئے تھے۔ یہ بھی معہ اپنے ازبکوں کے اور محمد دغلت و سلطان دغلت بھی اپنے مغلوں سمیت جو حصار میں رہتے تھے اس جھگڑے میں مقام قرا تگین کی طرف بھاگ گئے۔ سلطان حسین مرزا نے ابراہیم ترخان' یعقوب اور ایوب کو کسی قدر فوج کے ساتھ حمزہ سلطان اور مغلوں کی سرکوبی کے لئے جو قرا تگین میں تھے روانہ کیا۔ قرا تگین کے مقام پر دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی۔ حمزہ سلطان وغیرہ نے سلطان حسین مرزا کی فوج کو شکست دی اور اس کے اکثر امراء کو قید کر کے وہاں سے کوچ کیا۔ ۲۰ اسی بازگشت میں حمزہ سلطان' مہدی سلطان' چماق ۱۷۸ سلطان (حمزہ سلطان کا بیٹا) محمد دغلت (جو بعد میں محمد حصاری مشہور ہو گیا تھا) اور سلطان محمود مرزا کے ملازموں میں سے حصار میں رہتے تھے۔ رمضان ۱۷۹ کے مہینہ میں مجھ کو اطلاع کرنے کے بعد اندجان میں میرے پاس آ گئے۔ ان دنوں میں سلاطین تیموریہ کے قاعدہ کے موافق میں توشک پر بیٹھا کرتا تھا۔ حمزہ سلطان' مہدی سلطان اور چماق سلطان جو آئے تو میں ان کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا توشک سے نیچے اتر کر ان سے بغل گیر ہوا اور ان سلاطین کو تکیہ کے پاس دست راست کی طرف بٹھایا۔ وہ مغل بھی جن کا سردار محمد حصاری تھا میرے ملازم ہو گئے۔

سلطان حسین مرزا نے حصار کا محاصرہ کر لیا:۔ وہاں سلطان حسین نے شہر حصار کا محاصرہ کر لیا۔ رات دن وہ نقب لگانے' قلعہ لینے' گولے برسانے اور توپیں جمانے میں مصروف رہتا تھا اور دم بھر چین سے نہ بیٹھتا تھا۔ چار پانچ جگہ اس نے نقب لگائی۔ جو نقب شہر کے دروازے کی طرف لگائی تھی وہ بہت آگے بڑھ گئی تھی۔ شہر

والوں نے بھی نقب لگا کر اس نقب کا حل دریافت کر لیا۔ اہل شہر نے اوپر کی طرف سے محاصرین کی جانب دھواں کرنا شروع کیا۔ مگر محاصرین نے فوراً نقب کا منہ بند کر دیا۔ جس سے یہ دھواں اوپر ہی کی طرف پلٹ گیا اور قلعہ والوں میں جا گھسا۔ قلعہ والے مرنے کے قریب ہو گئے اور بھاگ کر باہر نکل آئے۔ آخر پانی کی ٹھلیاں لا لا کر نقب پر ڈالیں اور باہر والوں کو نقب سے ہٹا دیا۔ ایک بار کچھ لوگوں نے جلدی سے نکل کر ان محاصرین سپاہیوں پر جو نقب کے منہ پر تھے حملہ کیا اور سب کو بھگا دیا۔ پھر ایک بار ایسا ہوا کہ شمال کی جانب جہاں خود مرزا اترا ہوا تھا توپ کے سنگین ۱۸۰ گولے مار کر ایک برج جھوجرا کر دیا تھا۔ عشاء کے وقت وہ برج اڑ گیا۔ کچھ سپاہیوں نے جرات کر کے لڑائی کی اجازت چاہی۔ مگر مرزا نے یہ کہہ کر کہ رات کا وقت ہے' اجازت نہ دی۔ صبح ہوتے تک شہر والوں نے اس برج کو درست کر لیا۔ صبح بھی یہ لوگ مقابلہ نہ کر سکے۔ اس دو ڈھائی مہینے میں سوائے دھمکانے یا دھس بنانے یا نقب لگانے یا گولے مارنے کے کوئی لڑائی جم کر نہیں ہوئی۔

بدیع الزمان مرزا خسرو شاہ سے منہزم ہوا:۔ جب بدیع الزمان مرزا معہ اس فوج کے جو خسرو شاہ کی طرف سلطان حسین مرزا نے بھیجی تھی قندز سے تین چار فرسنگ درے جا اترا۔ تو خسرو شاہ اپنے ہمراہیوں کو درست کر کے قندز سے باہر نکل آیا اور رات گذرنے کے بعد بدیع الزمان کے لشکر پر اس نے حملہ کر دیا۔ یہ لوگ باوجودیکہ ایسے زبردست مرزا سردار اور امیر تھے جن کے ساتھ خسرو شاہ کے لشکر سے دگنی نہیں تو ڈیوڑھی فوج ضرور تھی صرف اپنی احتیاط کرتے رہے اور خندق سے باہر نہ نکلے۔ خسرو شاہ کے پاس اس وقت اچھے برے چھوٹے بڑے شاید چار پانچ ہزار آدمی ہوں گے۔ خسرو شاہ نے (جس نے اس جاتی دنیا اور ان بے وفا نوکروں کے لئے اتنی برائی اور بدنامی اختیار کی اور اس قدر ظلم و ستم کرنا اپنا شعار بنایا اور اتنا بڑا ملک دبا لیا اور اتنے آدمیوں کی بھیڑ بھاڑ کر لی۔ جن کی تعداد آخر بیس تیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ اور جس کا علاقہ اپنے بادشاہ اور مرزاوں سے بڑھ گیا تھا' اپنی تمام عمر میں اگر کوئی کام کیا تو یہی کیا۔ اسی میں خسرو شاہ اور اس کے تابعین سردار اور بہادر بن گئے۔ اور خندق سے باہر نہ نکلنے والے ڈرپوک مشہور ہو گئے۔

بدیع الزماں مرزا یہاں سے چلتا بنا اور تھوڑی دور طالقان ۱۸۱ کے مقام پر الغو

۱۸۲۔ بلخ میں جا پڑا۔ خسرو شاہ تو قندوز ۱۸۳۔ میں رہ گیا تھا اور اس نے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو بہت سی فوج کے ساتھ جو نہایت عمدہ اور باسامان تھی انکمش ۱۸۴۔ قلول اور پہاڑوں کے دامنوں کے ملک میں بھیج دیا تاکہ باہر سے حریف کو دبائے اور تنگ کرے۔ چنانچہ ایک مرتبہ محب علی قورچی کچھ مسلح اور چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لے کر دریائے ختلان کے کنارے پر دشمن سے مقابل ہوا اور اس کو شکست ۱۸۵۔ دی۔ اور کچھ لوگوں کو گھوڑوں پر سے اتار کر ان کے سر کاٹ لئے۔ اس کی دیکھا دیکھی سید بم علی دربان۔ قلی بیگ (آس کا چھوٹا بھائی) بہلول اور ایوب بھی معہ چند پرجوش سپاہیوں کے نکلے اور عنبر کوہ کے دامن میں جو خواجہ چنگل کی نواح میں ہے لشکر خراسان کی روانگی کے موقعہ پر پہنچ کر انہوں نے حملہ کیا۔ سید بم علی دربان اور قلی بابا کو معہ ان کے ہمراہیوں کے گرفتار کر لیا۔

سلطان حسین مرزا نے حصار سے محاصرہ اٹھا لیا:۔ سلطان حسین مرزا کو ایک تو یہ خبر پہنچی۔ دوسرے حصار کے موسم بہار کی بارش سے لشکر نے بہت تکلیف اٹھائی تھی۔ ان وجہوں سے مصالحت کی تجویز کی گئی۔ اندر سے محمود برلاس نکلا اور باہر سے حاجی پیر بکاول آیا۔ عمائد اور گویئے وغیرہ جو مل سکے وہ جمع ہوئے اور سلطان محمود مرزا کی بڑی بیٹی سے جو خانزادہ بیگم کے پیٹ سے تھی۔ حیدر مرزا کی جو پاپندہ سلطان بیگم کے پیٹ سے تھا اور سلطان ابوسعید مرزا کا نواسا تھا شادی کر کے سلطان حسین مرزا نے حصار سے محاصرہ اٹھا لیا اور وہ قندز کی طرف روانہ ہو گیا۔ قندز پہنچ کر کسی قدر سیادت کی اور اس کے محاصرے کی تجویز کی گئی۔ آخر بدیع الزمان مرزا نے بیچ میں پڑ کر صلح کرا دی۔ جانبین کے جو لوگ پکڑے گئے تھے وہ رہا کر دیئے گئے۔ اور محاصرین واپس چلے گئے۔ خسرو شاہ کے اس قدر چڑھنے بڑھنے اور اپنی حد سے آگے قدم رکھنے کا سبب یہی ہوا کہ سلطان حسین مرزا نے دو دفعہ چڑھائی کی اور اس کو چھوڑ دیا۔

مرزا نے بلخ اور استر آباد اپنے دونوں بیٹوں کو دے دیا:۔ جب سلطان حسین مرزا بلخ میں پہنچا تو ماوراء النہر کی عمدہ نگرانی کے خیال سے بدیع الزمان مرزا کو بلخ دیا اور مظفر حسین مرزا کو استر آباد۔ دونوں کو حکم دیا کہ صبح کے دربار میں بلخ اور استر آباد کے عطا ہونے پر آداب بجا لائیں۔ وہ آداب بجا لائے۔ اس انتظام سے بدیع الزمان مرزا کو خوف ہوا۔ بلکہ اتنی مدت جو فساد رہا اور بغاوتیں ہوئیں تو اسی سبب سے

ہوئیں۔

ترخانیوں کا سمرقند میں فساد وغیرہ:۔ اسی رمضان ۱۸۶ھ میں ترخانیوں کا فساد سمرقند میں ہوا۔ اس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ بائسنغر مرزا جس قدر حصار کے امراء اور فوج سے میل جول رکھتا تھا اسی قدر سمرقند والوں سے نہ رکھتا تھا۔ شیخ عبداللہ برلاس بڑا سردار اور وزیر تھا۔ اس کے بیٹے مرزا کے ایسے منہ چڑھے ہوئے تھے کہ عاشق و معشوق سے متہم تھے۔ ترخانی اور سمرقندی امراء اس سے جلتے تھے۔ آخر درویش محمد ترخان بخارا سے آیا۔ سلطان علی مرزا کو قرشی ۱۸۷ھ سے لا کر بادشاہ بنایا اور پھر باغ نو ۱۸۸ھ میں آ گیا۔ یہیں بائسنغر مرزا بھی تھا۔ بائسنغر مرزا کو کسی فریب سے گرفتار کر لیا۔ اور اس کے آدمیوں سے الگ کر کے مرزا کو ارک میں لے آئے اور دونوں مرزاؤں کو ایک جگہ رکھا۔ ان کا خیال تھا کہ ظہر کے وقت مرزا کو کوک سرائے میں بھیج دیا جائے۔ بائسنغر مرزا طہارت کے بہانے سے اس مکان میں جو باغ کی بارہ دری کے مشرق و شمال کے بیچ میں ہے چلا گیا۔ دروازے پر ترخانیوں کے سپاہی کھڑے تھے۔ مرزا کے ساتھ محمد قلی قوچین اور حسن شربتچی اندر آ گئے۔ اتفاقاً" جس مکان میں مرزا طہارت کے لئے آیا تھا اس کے پیچھے ایک دروازہ تھا جو اینٹوں سے تیغا کیا ہوا تھا۔ اور جس کو توڑ کر باہر جا سکتے تھے۔ مرزا نے فورا" اس تیغے کو توڑ ڈالا اور باہر نکل کر ارک سے عاوقر ۲۰ھ کی طرف سے فصیل سے ادھر موری کے راستہ سے نکل فصیل ۱۸۹ھ دو تہی سے کودا اور خواجہ کفشر کے پاس خواجہ کاہ خواجہ کے گھر میں جا پہنچا۔ دروازے پر کھڑے ہونے والے تھوڑی دیر کے بعد اندر آ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ مرزا بھاگ گیا۔ دوسرے دن ترخانی اکٹھے ہو کر خواجہ کے مکان پر گئے اور مرزائے مفرور کو طلب کیا۔ خواجہ نے دینے سے انکار کیا۔ ترخانی بھی زبردستی نہ چھین سکے۔ اس لئے کہ خواجہ کمزور نہ تھا۔ دو ایک روز کے بعد خواجہ ابوالمکارم اور حاجی بیگ وغیرہ امراء اور بہت سے سپاہیوں اور اہل شہر نے ہجوم کر کے مرزا کو خواجہ کے گھر سے نکال لیا اور سلطان علی مرزا کو معہ ترخانیوں کے ارک میں گھیر لیا۔ یہ لوگ ایک دن بھی ارک کو نہ بچا سکے۔ محمد ترخان چار راہ دروازہ سے نکل بھاگا اور بخارا چل دیا۔ سلطان علی مرزا اور درویش محمد ترخان پکڑے گئے۔

بائسنغر مرزا احمد حاجی بیگ کے گھر میں تھا کہ درویش محمد ترخان کو پکڑ لائے۔

اس سے دو ایک باتیں پوچھیں۔ مگر وہ جواب شافی نہ دے سکا۔ سچ یہ ہے کہ اس نے ایسا کام بھی نہ کیا تھا جو جواب دے سکتا۔ مرزا نے اس کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ وہ تھرا کر ستون ۱۹۰؎ سے چمٹ گیا۔ ستون کو چمٹنے سے کیا چھوڑتے تھے فوراً گردن اڑا دی گئی۔ سلطان علی مرزا کی نسبت حکم ہوا کہ کوک ۱۹۱؎ سرائے میں لے جا کر آنکھوں میں تیل کی سلائیاں پھیر دی جائیں۔ امیر تیمور نے جو بڑی عمارتیں بنائی تھیں ان میں سے ایک کوک سرائے ہے۔ یہ مکان سمرقند کے ارک میں واقع ہے۔ اس عمارت کی عجیب خاصیت ہے۔ جو شخص امیر تیمور کی اولاد میں سے ابھرتا ہے اور تخت پر بیٹھتا ہے وہ یہیں تخت پر بیٹھتا ہے اور سلطنت کا دعویٰ کرنے میں جو مارا جاتا ہے۔ وہ اسی مکان میں مارا جاتا ہے۔ چنانچہ کنایتہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بادشاہ کو کوک سرائے میں لے گئے۔" یعنی مار ڈالا۔ سلطان علی مرزا کو کوک سرائے میں لے گئے اور اس کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں۔ معلوم نہیں جراح کے قصد سے یا اناڑی پن سے سلطان علی مرزا کی آنکھوں کو کچھ ضرر نہ پہنچا۔ مرزا اس وقت اس بات کو چھپا گیا اور خواجہ یحییٰ کے گھر میں چلا گیا۔ دو تین دن بعد بھاگ کر ترخانیوں کے پاس بخارا جا پہنچا۔ اس واقعہ سے خواجہ عبید اللہ کی اولاد میں دشمنی ہو گئی۔ ان کا بڑا بڑے کا طرف دار ہو گیا اور چھوٹا چھوٹے کا۔ کچھ دن بعد خواجہ یحییٰ بھی بخارا چلا گیا۔

بائسنغر مرزا کو علی مرزا نے شکست دی:۔ بائسنغر نے فوج جمع کر کے علی مرزا پر جانب بخارا چڑھائی کی۔ جونہی یہ بخارا کے قریب پہنچا۔ سلطان علی مرزا اور ترخانی امرا ساؤنٹے ہو سامنے آئے۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد سلطان علی مرزا کو فتح ہوئی اور بائسنغر مرزا کو شکست۔ احمد حاجی بیگ اور اچھے اچھے سردار گرفتار ہو گئے۔ جن میں سے اکثر کو قتل کر ڈالا۔ احمد حاجی بیگ کو درویش محمد ترخان کے قتل کی تہمت میں اس کے عزیزوں ۱۹۲؎ اور غلاموں نے نکل کر بے عزتی سے قتل کیا۔ سلطان علی مرزا اسی وقت بائسنغر مرزا کے پیچھے پیچھے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔

سمرقند پر بابر بادشاہ کا پہلا حملہ:۔ یہ خبر عید ۱۹۳؎ کے چاند میں مجھے پہنچی۔ میں بھی سمرقند لینے کے لئے مع لشکر اسی مہینے میں روانہ ہوا چونکہ سلطان حسین مرزا حصار و قندز سے واپس ہو گیا تھا اس لئے سلطان مسعود مرزا اور خسرو شاہ مطمئن ہو گئے تھے۔ اب سلطان مسعود مرزا بھی سمرقند لینے کے خیال سے شہر سبز میں آ گیا۔ خسرو شاہ نے

اپنے چھوٹے بھائی ولی کو مرزا کے ساتھ کر دیا۔ تین چار مہینے تک تین چار ۱۹۴ھ طرف سے سمرقند گھرا رہا۔ خواجہ یحییٰ نے سلطان علی مرزا کے پاس سے میرے پاس آ کر میل ملاپ کی باتیں کیں اور ملاقات کی ٹھہرائی۔ سمرقند سے دو تین کوس نیچے کی طرف ہٹ کر مقام سغد کی جانب سے میں اپنے لشکر سمیت گیا اور سلطان علی مرزا اپنے لشکر سمیت آیا۔ ادھر سے علی مرزا معہ چار پانچ آدمیوں کے آیا اور ادھر سے میں چار پانچ آدمیوں کو لئے ہوئے دریائے کوہک ۱۹۵ھ میں جا کر دریا کے اندر ہم دونوں نے گھوڑوں پر بیٹھے بیٹھے باہم ملاقات اور مزاج پرسی کی۔ اس کے بعد وہ اس طرف چلا گیا اور میں اس طرف چلا آیا۔ ملا بنائی ۱۹۶ھ اور محمد صالح کو میں نے وہیں خواجہ کے ساتھ دیکھا۔ محمد صالح سے تو میں جب ہی ایک دفعہ ملا تھا۔ مگر ملا بنائی اس کے بعد آ کر میرے پاس بہت دن تک رہا۔ سلطان علی مرزا کے اس ملنے کے بعد چونکہ جاڑا سر پر آ گیا تھا اور اہل سمرقند بھی کیل کانٹے سے درست تھے اس لئے میں اندجان کی طرف پلٹ آیا۔ اور سلطان علی مرزا بخارا چلا گیا۔ سلطان مسعود مرزا شیخ عبداللہ برلاس کی بیٹی پر بلت شیدا تھا۔ اس نے اس سے شادی کر لی۔ اور ملک لینے کا خیال ترک کر کے حصار کی طرف الٹا پھر گیا بلکہ مسعود مرزا کا آنا اسی غرض سے تھا۔ شیراز اور کنبائی کی نواح سے مہدی سلطان بھاگ کر سمرقند چلا گیا اور حمزہ سلطان مقام رامین سے اجازت لے کر سمرقند پہنچا۔

۹۰۲ ہجری کے واقعات ۱۴۹۷ء

مہدی سلطان نے عبدالکریم کو شکست دی :۔ اس جاڑے میں بائسنتغر مرزا کا کام خاصی ترقی کے ساتھ چل رہا تھا۔ جب عبدالکریم اشرت ۱۹۸ء سلطان علی مرزا کی طرف سے اس نواح ۲ء کے لینے کے لئے آیا تو مہدی سلطان بھی بائسنتغر مرزا کی عمدہ فوج کے ساتھ جھٹ پٹ سمرقند سے نکلا اور فوراً" اس کے سر پر آ دھمکا۔ عبدالکریم اشرت اور مہدی سلطان دونوں دوبدو ہو گئے۔ دونوں میں شمشیر بازی ہوتے ہی عبدالکریم کا گھوڑا اس سمیت گرا۔ وہ اٹھ ہی رہا تھا کہ مہدی سلطان نے ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا جس سے عبدالکریم کا پنچا کٹ گیا۔ مہدی سلطان نے اس کو تو گرفتار کر لیا اور اس کی فوج کو سخت شکست دی۔ ان سلاطین نے جو دیکھا کہ سمرقند کے معاملات بگڑ رہے ہیں اور مرزاؤں کی سرکاریں ڈگمگا رہی ہیں تو ازروئے دور اندیشی سب شیبانی خاں کے پاس چلے گئے۔

بخارائیوں پر سمرقندیوں کی چڑھائی اور ناکامی :۔ سمرقندیوں کا اتنا ہی کام بنا تھا کہ سلطان علی مرزا پر فوج کشی کرنے کو آمادہ ہو گئے۔ بائسنتغر مرزا سرپل پر آیا اور سلطان علی مرزا خواجہ کارزون ۲۰۰ء میں آیا۔ اسی موقعہ پر خواجہ مراوشی ۲۰۱ء کے بھڑکانے سے خواجہ ابوالمکارم نے اور امرائے اندجان میں سے ویس لاغری محمد باقر۔ میر قاسم دولائی اور بائسنتغر مرزا کے ملازمان خاص میں سے ایک جماعت نے بخارا پر چڑھائی کر دی۔ یہ سب شہر کے قریب ہی پہنچے تھے کہ بخارائیوں کو اطلاع ہو گئی اور حملہ آور بے نیل مرام واپس آئے۔

سمرقند پر دوبارہ چڑھائی کرنے کے لئے بابر بادشاہ کا روانہ ہونا :۔ جس وقت میں اور سلطان علی مرزا دونوں ملے تھے۔ اس وقت یہ اقرار ہو گیا تھا کہ گرمی کے موسم میں وہ بخارا سے اور میں اندجان سے آ کر ہم دونوں سمرقند کو گھیر لیں۔ اس وعدے پر میں رمضان ۲۰۲ء میں اندجان سے سوار ہوا۔ یا ریلاق کی نواح میں پہنچتے ہی جو سنا کہ دونوں مرزا باہم مقابلہ میں پڑے ہوئے ہیں تو میں نے تولون خواجہ مغل کو دو سو دو تین قزاق فوج کے ساتھ بطریق ایلغار ادھر روانہ کیا۔ جونہی یہ لوگ قریب پہنچے بائسنتغر مرزا میری خبر سن کر بڑی پریشانی اور بے سامانی کے ساتھ الٹا پھر گیا۔ میری یہ فوج اسی

رات کو ندلان سے چلی اور بہت سے مخالفوں کو تیروں سے مار کر بہتوں کو گرفتار کر کے اور بہت سی لوٹ لے کر واپس آئی۔ ایک دو روز کے بعد میں قلعہ ۲۰۳ شیراز میں پہنچا۔ شیراز قاسم دولدائی کے پاس تھا۔ داروغہ شیراز اس کو نہ بچا سکا اور میرے حوالے کر دیا۔ شیراز ابراہیم سارد کو سونپ دیا گیا۔ دوسرے دن عید کی نماز پڑھنے کے بعد میں سمرقند کی طرف روانہ ہوا اور قوردع ۲۰۴ آبیار میں آن اترا۔ آج ہی قاسم دولدائی' وید لاغری' حسن وغیرہ۔ سلطان محمد مغیل اور سلطان محمد ویس تین چار سو آدمیوں کے ساتھ میرے پاس آئے اور ملازمت حاصل کی۔ کہنے لگے کہ بائسنغر مرزا کے بھاگتے ہی ہم الگ ہو کر حضور کی خدمت میں آ گئے ہیں۔ آخر معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ شیراز کے بچانے کا دعویٰ کر کے سلطان بائسنغر مرزا سے جدا ہوئے تھے۔ جب شیراز کا یہ حال دیکھا تو عاجز ہو کر یہاں آ گئے۔

قاسم بیگ نے چند مغلوں کو مروا ڈالا:۔ جس وقت میں قرابولاق ۲۰۵ میں آ کر اترا اس وقت ان مغلوں کو گرفتار کر کے لائے جنہوں نے خود سری سے بعض دیہات کو جو راستے میں ملے تھے لوٹ لیا تھا۔ قاسم بیگ نے بنظر انتظام حکم دیا کہ ان میں سے دو تین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو۔ چار پانچ برس کے بعد مصیبت و آوارگی کے زمانہ میں جب میں ملک مسیحا سے خان کے پاس جانے لگا تو اسی سبب سے قاسم بیگ مجھ سے علیحدہ ہو کر حصار چلا گیا۔

مقام بام میں لشکر بابری کا قیام:۔ قرابولاق سے چلے اور دریا سے اتر کر بام کی نواح میں ٹھہرے۔ آج ہی بعض امراء خیابان ۲۰۶ پر بائسنغر مرزا کی فوج سے جا بھڑے۔ سلطان احمد تنبل کی گردن میں برچھا لگا مگر وہ بچ گیا۔ خواجگی ملا صدر ۲۰۷ (خواجہ کلاں کا بڑا بھائی) کی گردن میں تیر لگا اسی وقت اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ شخص بہت اچھا جوان تھا۔ میرے باپ نے ازراہ عنایت اس کو مہردار کر دیا تھا۔ یہ صاحب علم آدمی تھا۔ لغت بہت جانتا تھا۔ انشاء پرداز اچھا تھا اور بڑا ۲۰۸ میر شکار تھا۔ جب ہم نواح بام میں تھے تو شہر کے بہت سے دوکان دار اور ان کے علاوہ اور لوگ لشکر کے بازار میں آ کر سودا سلف بیچنے لگے۔ ایک دن ظہر کی نماز کے وقت دفعتہً عام شورش مچ گئی اور یہ سب مسلمان لٹ گئے۔ مگر میرے لشکر کا انتظام اس طرح کا تھا کہ میں نے جو حکم دیا کہ ان لوگوں کا مال اسباب کوئی اپنے پاس نہ رکھے۔ سب واپس دے دیا

جائے تو دوسرے ہی دن پہرون چڑھے سے پہلے پہلے ایک تاگے کا ٹکڑا اور ٹوٹی ہوئی سوئی بھی لشکر والوں کے پاس نہ رہی۔ کل اسباب مالکوں کے حوالے کر دیا گیا۔

یورت خان کی طرف بڑھنا:۔ یہاں سے کوچ کر کے سمرقند کے مشرق کی جانب یورت۲۰۹ خان میں جا اترے۔ یہ مقام سمرقند سے تین کوس کے فاصلہ پر ہو گا۔ یہاں چالیس یا پچاس دن تک ہمارا ٹھہرنا ہوا۔ اس عرصہ میں کئی دفعہ اندر اور باہر کی فوج دل دل چلوں میں خیابان کے مقام پر خوب لڑائیاں ہوئیں۔ ایک بار خیابان میں ابراہیم بیگ چک نے دھاوا کیا۔ اس کے چہرے پر تلوار کا زخم لگا۔ اسی کے بعد سے اس کو ابراہیم چاپوق ۲۱۰ کہنے لگے۔ دوسری دفعہ خیابان ہی میں پل ۲۱۱ مغاک پر ابوالقاسم کوہ ۲۱۲ برجا لڑا اور اس نے اپنی بہادری ۲۱۳ کے خوب ہاتھ نکالے۔ پھر ایک دفعہ خیابان ہی میں نواح برلاؤ ۲۱۴ میں خفیف سی لڑائی ہوئی۔ میر شاہ قوچین نے بہادری کے ہاتھ نکالے۔ میر شاہ قوچین کے اس طرح تلوار لگی کہ اس کی آدھی گردن کٹ گئی۔ تاہم شہ رگ بچ گئی تھی۔

سمرقند پر حملہ اور شہر والوں کی دغا:۔ انہی دنوں میں جب کہ ہم یورت خاں میں تھے سمرقندیوں نے ایک آدمی بھیج کر ازراہ فریب درخواست کی کہ غار عاشقان کی طرف آیئے ہم قلعہ حوالے کر دیں گے۔ ہم لوگ اس خیال سے شب کو پل مغاک پر آئے۔ چیدہ سواروں کا ایک دستہ اور کچھ پیدل مقام موعود پر بھیجے گئے۔ اندر والے چار پانچ پیدلوں ہی کو پکڑ کر لے گئے تھے کہ اور لوگ ہوشیار ہو گئے۔ یہ بڑے بہادر سپاہی تھے۔ جن میں سے ایک کا نام حاجی تھا۔ جو میرے چھٹپن سے میرے پاس رہا تھا۔ دوسرا محمود کوہ برسنگ تھا۔ ان سب کو مار ڈالا۔ جن دنوں میں ہم اسی یورت میں تھے ان دنوں میں سمرقند سے اہل شہر اور اہل بازار اس قدر آتے تھے کہ لشکر شہر نظر آتا تھا۔ جو چیز شہر سے لینی چاہو وہ لشکر میں لے لو۔ اسی زمانہ میں سمرقند کے علاوہ اور قلعوں پہاڑوں اور جنگلوں کے رہنے والے ہمارے پاس آ گئے تھے۔ پہاڑ کے دامن میں قلعہ ارکت کو وہاں والوں نے خوب جنگی کر لیا تھا۔ اس یورت سے ہمیں ارکت پر قبضہ کرانے کے لئے ضرور جانا پڑا مگر وہاں والے ہم سے مقابلہ نہ کر سکے۔ خواجہ قاضی کے توسط سے حاضر ہو گئے ہیں ان کی خطا معاف کر کے سمرقند کا محاصرہ کرنے پھر چلا آیا۔

سمرقند کا پھر آکر محاصرہ کر لیا:۔ باغ میدان کے پیچھے مرغزار قلبہ میں آکر اترتا ہوا سمرقند کے لوگوں میں سے بہت سپاہی اور اہل شہر پل محمد حبیب کے قریب جمع ہوئے اور ہم پر حملہ آور ہوئے۔ چونکہ ہماری فوج تیار نہ تھی۔ اس لئے فوج کے درست ہونے تک سلطان علی اور بابا قلی کو مخالف پکڑ کر قلعہ میں لے گئے۔

ایک لڑائی:۔ چند روز بعد ہم یہاں سے اٹھے اور کوہک پہاڑ پر غلبہ کے قریب جا ٹھہرے۔ آج ہی سید یوسف بیگ سمرقند سے نکل کر یہاں میری ملازمت میں حاضر ہوا۔ میں جو اس پڑاؤ سے اس پڑاؤ پر آگیا تو سمرقندی سمجھے کہ میں الٹا پھر گیا۔ تمام سپاہی اور شہری پل مرزا تک اور شیخ زادہ دروازہ سے پل محمد حبیب تک امنڈ آئے۔ میں نے حکم دیا کہ جو فوج موجود ہے تیار ہو جائے۔ اسی فوج نے دو طرف سے پل مرزا اور پل محمد حبیب پر حملہ کیا۔ خدائے تعالیٰ نے میرا منصوبہ پورا کیا۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ ان کے اچھے اچھے سردار اور سپاہی پکڑے گئے۔ جو لوگ پکڑے گئے۔ ان میں محمد مسکین تھا۔ حافظ دولدائی تھا جس کے تلوار لگ کر کلمہ کی انگلی کٹ گئی تھی۔ محمد قاسم نبیرہ (حسین نبیر کا چھوٹا بھائی) تھا۔ ادنی طبقہ کے لوگوں میں سے دیوانہ جامہ باف اور کل قاشق تھا۔ (یہ لوگ پتھر سے لڑنے والوں کے سرغنہ تھے اور پاک شہرے تھے) غرض ایسے بہت سے سپاہی اور شہر کے لوگ تھے۔ جو پہچانے جاتے تھے۔ سمرقند والوں کو ایسی پوری شکست ہوئی کہ اس کے بعد شہر سے ان کا نکلنا موقوف ہو گیا۔ اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہمارے آدمی خندق کے کنارے تک جانے لگے۔ اور بہت سے لونڈی غلام پکڑ کر لانے لگے۔

تجویز قشلاق:۔ آفتاب برج میزان میں آیا اور سردی شروع ہو گئی۔ جو امراء صلاح کار تھے ان سے مشورہ کر کے یہ بات قرار پائی کہ شہر والے سب عاجز ہو رہے ہیں۔ خدا چاہے تو آج کل میں ہم شہر لئے لیتے ہیں۔ لیکن چونکہ سردی کی تکلیف کا خیال ہے اس لئے شہر کے قریب سے اٹھ کر کسی قلعہ میں قشلاق ۹۱۵ھ کی تجویز کر لینی چاہئے۔ اگر ہم کو چلا جانا ہی منظور ہو گا تو وہاں سے بے تردد ہم چلے جائیں گے۔ قشلاق کے لئے خواجہ دیدار کا قلعہ مناسب معلوم ہوا۔ یہاں سے اٹھ کر اس مرغزار میں جو قلعہ خواجہ دیدار کے سامنے ہے جا اترے۔ قلعہ میں مکانات وغیرہ بنانے کے

لئے مقامات تجویز کئے گئے۔ راج مزدور اور منتظم مقرر کر کے ہم چھاؤنی میں آ گئے۔ قشلاق مکانات تیار ہونے تک ہمارا کیمپ مرغزار ہی میں پڑا رہا۔

شیبانی کا آنا اور ناکام جانا:۔ اس اثناء میں بائسنغر مرزا نے شیبانی خاں کے پاس ترکستان میں متواتر آدمی بھیجے اور اس کو کمک کے لئے بلایا۔ ہمارے قشلاقی گھر تیار ہو کر ہم ان میں آئے ہی تھے کہ شیبانی خاں ترکستان سے مارا مار دوسرے دن صبح ہی ہمارے پڑاؤ پر آن موجود ہوا۔ ہمارا لشکر تتر بتر تھا۔ قشلاق کی فکر میں کچھ لوگ رباط خواجہ کچھ لوگ کاند اور کچھ شیراز گئے ہوئے تھے۔ جو فوج موجود تھی اسی کو درست کر لیا گیا۔ شیبانی خاں ہمارا مقابلہ نہ کر سکا۔ سمرقند چلا گیا اور سواد شہر میں جا اترا۔ چونکہ بائسنغر مرزا کا مدعا نہ بر آیا اس لئے شیبانی خاں میں اور اس میں پورا میل جول نہ ہوا۔ شیبانی چند روز ٹھہرا مگر کچھ کام نہ نکلا۔ آخر مایوس ہو کر ترکستان کی طرف الٹا پھر گیا۔

بائسنغر مرزا سمرقند چھوڑ کر خسرو شاہ کے پاس چلا گیا:۔ بائسنغر مرزا نے سات مہینے تک تکلیف محاصرہ اٹھائی۔ اس کو فقط شیبانی خاں کی مدد کی امید تھی۔ جب ادھر سے مایوس ہو گیا تو ناچار دو تین ننگوں بھوکوں کے ساتھ خسرو شاہ کے پاس قندز میں چلا گیا۔ جس وقت ترمذ کی نواح میں دریائے آمون سے مرزا کا گذر ہوا اور سید حسین اکبر نے جو مسعود مرزا کا خویش اس کا معتبر اور حاکم ترمذ تھا یہ خبر سنی اسی وقت وہ بائسنغر مرزا کے سر پر آ دھمکا۔ مرزا تو دریا کے پار ہو چکا تھا مگر کچھ آدمی اور تھوڑا سا اسباب پیچھے رہ گیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ لگا۔ میرم ترخان وہیں دریا میں ڈوب گیا۔ محمد طاہر نامی بائسنغر مرزا کا غلام گرفتار ہو گیا۔ بائسنغر مرزا سے خسرو شاہ اچھی طرح پیش آیا۔

سلطان حسین مرزا اور بدیع الزمان مرزا کی لڑائی:۔ اسی سال میں سلطان حسین مرزا اور بدیع الزمان مرزا کے ان جھگڑوں کا حال معلوم ہوا جن کا انجام یہ ہوا کہ دونوں باپ بیٹوں میں کھٹ پٹ ہو گئی۔ اس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ پچھلے سال بلخ اور استر آباد بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا کو سلطان حسین مرزا نے دے دیا تھا۔ اس وقت تو اس پر دونوں کی رضامندی حاصل کر لی تھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ پھر جب سے اب تک بہت سے ایلچی آئے گئے۔ علی شیر بھی سفیر ہو کر آیا اور اس نے

بہت کوشش کی لیکن بدیع الزمان مرزا اپنے چھوٹے بھائی کو استر آباد دینے پر راضی نہ ہوا۔ اس نے صاف جواب دے دیا کہ میرے بیٹے مومن مرزا کا جب ختنہ ہوا ہے تو یہ شہر اس کو عنایت ہوا تھا۔

ایک دن مرزا میں اور علی شیر بیگ نے بدیع الزمان کے کان میں کچھ بھید کی باتیں بہت چپکے سے کہیں اور کہا کہ ان باتوں کو یاد رکھنا۔ مرزا نے اسی وقت کہا کہ کون سی باتیں؟ علی شیر بیگ صورت دیکھنے لگا اور رو دیا۔ آخر باپ بیٹوں میں اتنی گفتگو بڑھی کہ باپ نے ۹۰۲ھ میں باپ پر اور بیٹے نے بیٹے پر استر آباد اور بلخ میں فوج کشی کی۔ یعنی مظفر حسین مرزا اور مومن مرزا کے جھگڑے نے اتنا طول کھینچا کہ مظفر حسین مرزا کے باپ سلطان حسین مرزا نے محمد مومن مرزا کے باپ بدیع الزمان مرزا پر بلخ میں اور سلطان حسین مرزا کے بیٹے مظفر حسین نے بدیع الزمان مرزا کے بیٹے مومن مرزا پر استر آباد میں چڑھائی کر دی۔ کوردان کے نیچے سبزہ زار بیک چراغ میں نشیبی جانب سے سلطان حسین مرزا اور بالائی طرف سے بدیع الزمان مرزا آ کر مقابل ہوئے۔

بدیع الزمان مرزا کی شکست :۔ رمضان کی پہلی تاریخ بدھ کے دن ابوالحسن مرزا سرداران حسین مرزا میں سے چند سرداروں اور ایک دستہ فوج کو ہمراہ لے دفعتاً سامنے آیا۔ کچھ بہت لڑائی نہ ہونے پائی تھی کہ بدیع الزمان مرزا کو شکست ہوئی۔ اس کے اچھے اچھے سپاہی گرفتار ہو گئے۔ سلطان حسین مرزا نے سب کو مروا ڈالا۔ نہ صرف اسی موقع پر بلکہ جب کبھی اس کے کسی بیٹے نے سرکشی کی اس نے اس کو شکست دی اور اس کے نوکروں میں سے جو جو ہاتھ لگا اس کو مروا دیا۔ سلطان حسین مرزا کیا کرتا۔ وہ حق پر تھا۔ یہ مرزا اس قدر عیش اور بدکاری میں مشغول ہوئے تھے کہ ان کے باپ جیسے ہوشیار و تجربہ کار بادشاہ کو اتنی دور سے آنا پڑا اور رمضان جیسے متبرک مہینے میں گو ایک ہی رات کا فاصلہ رہ گیا تھا مگر اس نے نہ باپ کا لحاظ کیا اور نہ خدا کا خوف کیا۔ اس کو شراب پینے، جلسے کرنے اور مزے اڑانے سے کام رہا۔ یہ بندھی ہوئی بات ہے کہ ایسے شخص کو ایسی ہی شکست ہونی چاہیے۔ جو لوگ اس طرح عیش و نشاط کے بندے بن جاتے ہیں ان پر ہر کوئی قابو پا جاتا ہے۔ استر آباد کی چند سالہ حکومت میں بدیع الزمان مرزا کے حواشی اور ملازم خوب زرق و برق ہو گئے تھے۔ مرزا کے ہاں سونے اور چاندی کا سامان ڈھیروں ہو گیا تھا۔ ہر قسم کے عمدہ عمدہ کپڑے اور تیپچاق

گھوڑے موجود تھے۔ بھاگتے وقت ساری کائنات یہیں چھوڑی اور پہاڑ کے ناہموار راستہ سے ایک خطرناک گھاٹی میں گھس گیا اور بڑی مشکل سے یہاں سے نکلا۔ اس مقام پر اس کے بہت سے لوگ تلف ہو گئے۔

بلخ بھی لے لیا:۔ سلطان حسین مرزا اپنے بیٹے کو شکست دینے کے بعد بلخ میں آیا۔ بدیع الزمان مرزا کی طرف سے بلخ کا حاکم شیخ علی طغائی تھا۔ اس سے کچھ نہ ہو سکا۔ اس نے بلخ کو حوالے کر دیا۔ سلطان حسین مرزا نے بلخ کو ابراہیم حسین مرزا کے سپرد کیا۔ محمد ولی بیگ اور شاہ حسین چہرہ کو اس کے ساتھ چھوڑ کر آپ خراسان کی طرف مراجعت کی۔

بدیع الزمان مرزا اور خسرو شاہ کی ملاقات:۔ بدیع الزمان مرزا اس شکست کے بعد لٹا کھٹا اپنے ہمراہیوں سمیت خسرو شاہ کے پاس قندز میں آیا۔ خسرو شاہ نے بھی اس کی بہت خاطر و تواضع کی۔ گھوڑے' اونٹ' خیمے' ڈیرے اور تمام فوجی اسباب مرزا کو اور اس کے ہمراہیوں کو اس قدر پیش کیا گیا کہ دیکھنے والے کہتے تھے کہ اس سلمان اور پچھلے سلمان میں کچھ فرق نہ تھا۔ شاید ہو تو سونے چاندی کے اسباب میں ہو۔

خسرو شاہ کا بدیع الزمان مرزا کو مسعود مرزا پر بھیجنا:۔ سلطان مسعود مرزا اور خسرو شاہ میں مرزا کی بے اعتدالیوں اور خسرو شاہ کے اقتدار کے سبب سے ٹھن گئی تھی۔ ولی اور باقی کو ہمراہ کیا اور بدیع الزمان مرزا کو سلطان مسعود مرزا کے مقابلہ کے لئے حصار روانہ کر دیا۔ یہ لوگ قلعہ تک تو نہ پہنچ سکے مگر گرد و نواح میں ایک دو مرتبہ جانبین میں کچھ تلوار چلی۔ ایک دفعہ حصار کے شمال کی طرف سے قوش خانہ ۲۱۷ھ کے مقام پر محب علی قورچی فوج سے علیحدہ ہو کر آیا اور خوب لڑا۔ جس وقت اس کو گھوڑے سے گرا کر لوگوں نے پکڑنا چاہا تو دوسری طرف سے ہمراہیوں نے حملہ کیا اور چھٹا لیا کچھ دن بعد مرزا وغیرہ گرگ آشتی کر کے الٹے پھر آئے۔

بدیع مرزا کا ذوالنون پاس جانا:۔ چند روز کے بعد بدیع الزمان مرزا پہاڑ کے راستہ سے قندھار اور زمین داور ۲۱۸ھ میں ذوالنون ارغون اور اس کے بیٹے شاہ شجاع ارغون کے پاس چلا آیا۔ ذوالنون تھا تو بخیل اور خسیس مگر اس نے مرزا کی جہت خدمت کی ایک ہی دفعہ میں چالیس ہزار بکریاں پیش کیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس چار

شنبہ کو سلطان حسین مرزا نے بدیع الزماں مرزا کو شکست دی اسی چار شنبہ کو استر آباد میں مظفر حسین مرزا کو شکست دی اور یہ اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات ہے کہ چار شنبہ نامی ہی ایک شخص محمد مومن مرزا کو گرفتار کرلایا۔

شہر سمرقند کا فتح ہونا:۔ جونہی بائسنغر مرزا بھاگا اسی وقت ہمیں معلوم ہوگیا۔ ہم فوراً" خواجہ دیدار سے سمرقند کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں اکابر امراء اور سپاہی بھی پے در پے استقبال کے لئے آئے۔ قلعہ میں پہنچ کر بستان سرائے میں جا اترے۔ عنایت الٰہی سے ربیع الاول ۲۱۹ھ کے آخر میں شہر سمرقند معہ توابعات مفتوح و مسخر ہو گیا۔

شہر سمرقند کا بیان:۔ تمام عالم میں سمرقند کے برابر کوئی شہر لطیف نہ ہو گا۔ یہ ملک اقلیم پنجم میں ہے۔ اس کا طول بلد نوے درجہ کچھ دقیقہ ہے اور عرض بلد چالیس درجہ کچھ دقیقہ۔ اس کے شہر کا نام سمرقند ہے اور اس کے متعلقات کو ماوراء النہر کہتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ کوئی غنیم اس پر غالب نہیں آیا ہے اس کو بلدہ محفوظ کہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانہ میں وہاں والے اسلام سے مشرف ہوئے تھے۔ تابعین میں سے قثم ابن عباس وہاں گئے تھے۔ ان کا مزار آہنی دروازے کے پاس ہے جو اب مزار شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ سمرقند کو سکندر ۲۲۰ھ نے بسایا تھا۔ مغل اور ترک کے قبائل اس کو سمرقند کہتے ہیں۔ حضرت امیر تیمور نے اسی کو اپنا دارالسلطنت بنایا تھا۔ امیر تیمور سے پہلے امیر جیسے کسی شہنشاہ کا یہ شہر دارالسلطنت نہ بنا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ قلعہ کی فصیل کا گرد اولا ۲۲۱ھ قدم سے ناپا جائے۔ ناپا تو دس ہزار چھ سو قدم نکلا۔

سمرقند کے باشندے اور اہل کمال:۔ یہاں کے باشندے سب سنی' پاک مذہب' متشرع اور متدین ہیں۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد ائمہ اسلام جتنے ماوراء النہر میں پیدا ہوئے ہیں اتنے کسی ولایت میں نہ پیدا ہوئے ہوں گے۔ شیخ ابو المنصور ماتریدی جو علم کلام کا اماموں میں سے ہے وہ ماترید کے رہنے والے تھے۔ ماترید سمرقند کے ایک محلّہ کا نام ہے۔ ائمہ کلام کے دو فرقے ہیں۔ ایک ماتریدیہ دوسرا اشعریہ۔ ماتریہ یہ شیخ المنصور سے منسوب ہے۔ خواجہ اسماعیل خرسک ۲۲۲ھ جو بخاری شریف کے جامع ہیں

وہ بھی اسی ماوراء النہر کے تھے۔ صاحب ہدایہ (حنفی مذہب میں ہدایہ سے بڑھ کر فقہ کی کوئی کتاب کم معتبر ہوگی) مرغینان کے رہنے والے تھے۔ یہ قصبہ ملک فرغانہ میں ہے اور فرغانہ بھی ماوراء النہر میں داخل ہے جو ملک کے کنارے پر واقع ہے۔

حدود:۔ ماوراء النہر کے مشرق میں فرغانہ اور کاشغر ہے۔ مغرب میں بخارا اور خوارزم۔ شمال میں تاشقند اور شاہرخیہ (جس کو شاش اور بناکت لکھتے ہیں) جنوب میں بلخ اور ترمذ ہے۔

دریا:۔ دریائے کوہک اس کے شمال میں سمرقند سے دو کوس کے فاصلہ پر بہتا ہے۔ سمرقند اور دریا کے بیچ میں ایک ٹیکرا ہے جس کو کوہک کہتے ہیں۔ چونکہ یہ دریا اس پہاڑ کے نیچے سے بہتا ہے اس لئے اس کا نام دریائے کوہک مشہور ہو گیا ہے۔ اس دریائے کوہک سے ایک بڑی ندی نکلتی ہے۔ بلکہ وہ خاصا چھوٹا سا دریا ہے۔ جس کو دریائے درغم کہتے ہیں۔ یہ ندی سمرقند کے جنوب میں بہتی ہے اور سمرقند سے ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر ہوگی۔ سمرقند کے باغات' مقامات اور کئی پرگنے اسی ندی سے سیراب ہوتے ہیں۔ سمرقند سے بخارا اور قراکول تک تخمیناً" چالیس کوس کا فاصلہ ہے۔ یہ سارا ملک دریائے کوہک ہی سے مزروع اور آباد ہے۔ اتنا بڑا دریا تمام زراعت اور عمارت ہی کے کام میں آ جاتا ہے۔ گرمیوں میں تو یہ حال ہے کہ تین چار مہینے بخارا تک اس کا پانی نہیں پہنچنے پاتا۔

میوے:۔ سمرقند میں انگور' خربوزہ' سیب' انار بلکہ سارے میوے عمدہ ہوتے ہیں۔ اور بہت ہوتے ہیں۔ سمرقند کے دو میوے مشہور ہیں۔ سیب اور انگور صاحبی۔

سمرقند کے باغات اور عمارتیں:۔ سمرقند اور اس کی نواح میں امیر تیمور اور رنج بیگ کی بنائی ہوئی عمارتیں اور باغ بہت سے ہیں۔ امیر تیمور نے ارک سمرقند میں ایک بڑا چومنزلہ محل بنایا ہے جس کا نام کوک سرائے مشہور ہے۔ یہ عمارت بہت عالی شان ہے۔ آہنی دروازہ کے پاس شہر میں ایک جامع مسجد سنگین بنائی ہے۔ بہت سے سنگ تراشوں نے (جن کو وہ اپنے ساتھ ہندوستان سے لائے تھے) اس مسجد میں کام کیا ہے اس مسجد کے پیش طاق میں یہ آیت شریفہ اذ یرفع ابراھیم القواعد۔ ایسے جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے کہ ایک کوس کے فاصلہ سے پڑھی جا سکتی ہے۔ یہ بھی بہت

بڑی عمارت ہے۔ سمرقند کے مشرق میں دو باغ امیر کے بنائے ہوئے ہیں۔ ایک بہت فاصلہ پر ہے۔ اس کا نام باغ بولدی ؁۲۲۳ ہے۔ دوسرا قریب ہے اس کا نام باغ دل کشا ہے۔ باغ دل کشا سے فیروزہ دروازہ تک خیابان ؁۲۲۴ ہے۔ جس کے دونوں طرف صنوبر کے درختوں کی قطار ہے۔ دل کشا میں بھی ایک بڑا محل ہے۔ اس محل میں امیر کی ہندوستان والی لڑائی کی تصویر بنائی گئی ہے۔ کوہک پہاڑ کے دامن میں سیاہ آب کان گل ؁۲۲۵ کے کنارہ پر (جس کو دریائے رحمت کہتے ہیں) ایک اور باغ بنایا ہے۔ اس کا نام نقش جہاں ہے۔ جب میں نے دیکھا ہے تو وہ ویران پڑا تھا۔ نام ہی نام رہ گیا ہے۔ سمرقند کے جنوب میں باغ چنار ہے۔ یہ باغ شہر کے قریب ہی ہے۔ سمرقند سے نیچے کی جانب باغ شمال اور باغ بہشت ہے۔

محمد سلطان مرزا ابن جہانگیر مرزا نے جو امیر تیمور کا پوتا تھا قلعہ سنگین کے دروازہ کے پاس ایک مدرسہ بنایا ہے۔ امیر تیمور کا مزار اور امیر کی اولاد میں سے جو سمرقند کا بادشاہ ہوا ہے اس کی قبر اسی مدرسہ میں ہے۔ الغ بیگ مرزا کی عمارتوں میں سے سمرقند کی شہر پناہ کے اندر مدرسہ اور خانقاہ ہے۔ خانقاہ کا گنبد بہت بڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ اتنا بڑا گنبد دنیا میں کہیں نہیں ہے۔ اسی مدرسہ اور خانقاہ کے پاس ایک حمام نہایت عمدہ بنا ہوا ہے۔ جو حمام مرزا کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا فرش ہر قسم کے پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ خراسان اور سمرقند میں اس قطع کا حمام شاید ہی دوسرا ہو۔ مدرسہ کے جنوب میں ایک مسجد ہے۔ اس کو مسجد مقطع کہتے ہیں۔ مقطع اس سبب سے نام رکھا گیا ہے کہ لکڑی کے ٹکڑے تراش کر ان کو اسلیمی اور خطائی نقشوں سے منقش کیا ہے۔ ساری دیواریں چھتیں اسی طرح کی ہیں۔ اس مسجد کے قبلہ میں اور مسجد مدرسہ کے قبلہ میں بہت فرق ہے۔ غالباً" اس مسجد کے قبلہ کا رخ منجموں کے طریقہ پر رکھا گیا ہے۔ کوہک پہاڑ کے دامن میں ایک اور بڑی عمارت رصد کی ہے۔ جس سے زیچ لکھی جاتی ہے۔ یہ مکان سہ منزلہ ہے۔ الغ بیگ مرزا نے اسی رصد سے زیچ کورگانی لکھی ہے۔ آج کل دنیا میں اسی زیچ کا رواج ہے۔ دوسری زیچ پر کم عمل کیا جاتا ہے۔ اس زیچ سے پہلے زیچ ایلخانی رائج تھی جس کو خواجہ نصیر نے ہلاکو خاں کے زمانہ میں مراغہ میں رصد بنا کر لکھا تھا۔ غالباً" اس وقت تک دنیا میں سات آٹھ رصدوں سے زیادہ نہ تیار ہوئی ہوں۔ ان میں سے ایک رصد خلیفہ مامون نے بنائی تھی

جس پر زیچ ماموئی لکھی گئی ہے۔ ایک بطلیموس ؎۲۲۶ نے بھی بنائی ہے۔ ایک رصد ہندوستان میں ہے جو راجہ بکرماجیت کے زمانہ میں اجین اور دھار (ملک مالوہ جس کو اب مندو کہتے ہیں) میں بنائی گئی تھی۔ اہل ہند کے ہندو آج کل اسی سے کام لیتے ہیں۔ اس کو بنے ہوئے ایک ہزار پانچ سو چوراسی برس ہوئے ہیں۔ اور زیچوں کی نسبت یہ زیچ بہت ہی ناقص ہے۔

اسی کوہک پہاڑ کے دامن میں مغرب کی طرف ایک اور باغ بنایا ہے۔ اس کا نام باغ میدان ہے۔ اس باغ میں ایک بڑا مکان بھی ہے جس کو چہل ستون کہتے ہیں۔ ؎۲۲۷ اس کے سارے ستون پتھر کے ہیں۔ اس عمارت کے چار برجوں میں چار مینار کی صورت میں پتھر ہی کے ستون ہیں۔ بعض ستون ؎۲۲۸ مار پیچ قطع کے بنے ہوئے ہیں۔ اوپر کی منزل میں چاروں طرف دالان ہیں۔ اس عمارت کی کرسی اور فرش تمام سنگین ہے۔ اس کے اس طرف جدھر کوہک پہاڑ ہے ایک باغیچہ ہے۔ اس میں ایک بڑی بارہ دری بنائی ہے۔ بارہ دری میں ایک بڑا سنگین تخت رکھا ہے۔ اس تخت کا طول تخمیناً" چودہ پندرہ گز کا۔ عرض سات آٹھ گز کا اور بلندی ایک گز کی ہے۔ اس اتنے بڑے پتھر کو بڑی دور سے لائے ہیں۔ اس میں ایک درز پڑ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ درز یہاں لانے کے بعد پڑی ہے۔ اسی باغ میں ایک اور چوری ہے۔ اس کی تمام دیواروں پر چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ اس کو چینی خانہ کہتے ہیں۔ ملک خطا ؎۲۲۹ سے آدمی بھیج کر اس کو منگوایا تھا۔ شہر کے اندر ایک اور پرانی عمارت ہے جس کو مسجد تلقہ کہتے ہیں۔ اس میں عجیب صنعت ہے کہ مسجد کے صحن میں اگر لات مارو تو لق لق کی آواز آتی ہے۔ اس بھید کو کوئی نہیں جانتا۔

سلطان احمد مرزا کے زمانہ میں بھی ہر طبقہ کے امراء نے بہت سے باغ و باغیچے بنائے تھے۔ ان میں سے درویش محمد ترخان کا چار باغ اپنی طرز۔ صفائی اور ہوا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ باغ میدان کے نیچے کی جانب ایک بلندی پر جو قلبہ کے مرغزار کے اوپر واقع ہے بنایا ہے۔ تمام باغ جو اس مرغزار میں ہیں وہ اس باغ کے زیرپا ہیں۔ چار باغ کے درجے بھی ترکیب کے ساتھ بنائے ہیں۔ نارون ؎۲۳۰۔ سرو اور سفیدار کے درخت لگائے ہیں۔ یہ مقام نہایت ہی عمدہ ہے۔ صرف عیب اتنا ہے کہ کوئی بڑا نہر اس میں نہیں ہے۔ شہر سمرقند عجب ایک آراستہ شہر ہے۔ اس میں ایک خصوصیت یہ ہے

جو اور شہروں میں کم ہو گی کہ ہر پیشے کے بازار الگ الگ ہیں۔ مخلوط نہیں ہیں۔ یہ اچھی رسم ہے۔ نان بائیوں اور آش پزوں کی دوکانیں بہت عمدہ ہیں۔ سمرقند کا کاغذ نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اور تمام عالم میں جاتاہے۔ کاغذ کے کارخانے جن کو جداز کہتے ہیں۔ مقام کان گل میں ہیں اور کان گل سیاہ آب کے کنارے پر ہے جس کو آب رحمت بھی کہتے ہیں۔ سمرقند کی عمدہ اشیاء میں سے دوسری چیز مخمل قرمزی ہے۔ اس کو بھی دور دور لے جاتے ہیں۔

سواد شہر کے مرغزار:۔ شہر کے گرداگرد بہت سے عمدہ سبزہ زار ہیں۔ ایک سبزہ زار کان گل کے نام سے مشہور ہے۔ جو سمرقند سے کوئی کوس بھر شرعی کے فاصلہ پر مشرق میں ذرا مائل بشمال واقع ہے۔ سیاہ آب جس کو دریائے رحمت کہتے ہیں کان گل کے بیچ میں سے جاری ہے۔ یہاں سات آٹھ آسیا ۲۳۱ پانی ہو گا۔ اس کے گرد بالکل دلدل رہتی ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ اس سبزہ زار کا اصلی نام کان آبگیر تھا۔ مگر تاریخوں میں کان گل ہی لکھا دیکھا ہے۔ سمرقند کے بادشاہوں نے ہمیشہ قوروغ ۲۳۲ کی طرح اس سبزہ زار کی حفاظت کی ہے۔ ہر سال مہینے دو مہینے اس میں ضرور آ کر رہے ہیں۔ اس مرغزار کے اوپر کی جانب مشرق و جنوب کے بیچ میں دوسرا مرغزار ہے۔ اس کو یورت خان ۲۳۳ کہتے ہیں جو سمرقند کے مشرق میں ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر ہو گا۔ دریائے سیاہ اس میں ہوتا ہوا کان گل میں جاتا ہے۔ اس یورت خان میں دریائے سیاہ اس طرح چکر کھا کر بہتا ہے کہ اس چکر کے اندر کی زمین میں خاصا ایک لشکر اتر سکتا ہے۔ اس کے نکلنے کے راستے بہت تنگ ہیں۔ اس مقام کو عمدہ خیال کر کے سمرقند کے محاصرہ کے زمانہ میں کئی بار ہم کو یہیں اترنے کا اتفاق ہوا تھا۔ ایک سبزہ زار قوروغ ۲۳۴ بودنہ ہے۔ یہ باغ دلکشا اور سمرقند کے بیچ میں واقع ہے۔ ایک مرغزار کول مغاک ہے۔ سمرقند سے مغرب کی طرف کسی قدر مائل بشمال دو کوس شرعی کے فاصلہ پر ہے۔ یہ بھی اچھا مرغزار ہے۔ اس کے ایک طرف بڑا تالاب ہے۔ لئی سبب سے اس کا نام اولانک کول ۲۳۵ مغاک مشہور ہو گیا ہے۔ محاصرہ سمرقند کے زمانہ میں جب میرا لشکر یورت خان میں تھا تو سلطان علی مرزا اسی کول مغاک مرغزار میں پڑا ہوا تھا۔ ایک اور سبزہ زار قلبہ ہے۔ یہ بہت چھوٹا سا ہے۔ اس کے شمال میں موضوع قلبہ اور دریائے کوہک ہے۔ جنوب میں باغ میدان اور چار باغ درویش محمد

ترخان اور مشرق میں پشتہ کوہک ہے۔

سمرقند کے پرگنے :۔ سمرقند کے پرگنے اور علاقے نہایت عمدہ ہیں۔ بڑا علاقہ سمرقند کے قریب بخارا ہے۔ جو سمرقند کے مغرب میں پانچ ۔۲۲۶ فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ بخارا کے تحت میں بھی کئی پرگنے ہیں۔ بخارا ۔۲۲۷ ایک اچھا شہر ہے۔ اس میں میوے تحفہ اور بکثرت ہوتے ہیں۔ خربوزہ کا تو کیا کہنا ہے۔ ماوراء النہر میں بخارا جیسا اچھا اور کثرت سے خربوزہ کہیں نہیں ہوتا۔ گو ملک فرغانہ میں آخشی کا ایک قسم کا خربوزہ جس کو میر تیموری کہتے ہیں بخارا کے خربوزہ سے بہت میٹھا اور لطیف ہوتا ہے لیکن بخارا میں ہر قسم کا خربوزہ ڈھیروں پیدا ہوتا ہے۔ اور عمدہ ہوتا ہے۔ آلو بخارا وہاں کا مشہور ہے۔ بخارا کا سا آلو کہیں ہوتا ہی نہیں۔ اس کا پوست چھیل کر اور خشک کر کے جا بجا تحفتہ لے جاتے ہیں۔ تلیین کی یہ اچھی دوا ہے۔ یہاں پرندے اور قازیں بہت ہوتی ہیں۔

ماوراء النہر میں بخارا سے بڑھ کر کہیں کی شراب تیز اور تند نہیں ہوتی۔ میں جس زمانہ میں سمرقند میں تھا اور شراب بھی پیتا تھا تو بخارا ہی کی شراب پیتا تھا۔ دوسرا علاقہ خطہ کیش سمرقند کے جنوب میں نو فرسنگ ۔۲۳۰ کے راستہ پر ہے۔ سمرقند اور کیش کے بیچ میں ایک پہاڑ واقع ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں اس کا نام کوہ تن لکھا ہے۔ جو پتھر کہ سنگ تراشی کے کام میں لاتے ہیں وہ اسی پہاڑ سے نکالتے ہیں۔ موسم بہار میں تمام جنگل اور شہر کے درودیوار تک بہت ہی سرسبز ہو جانے سے اس کو شہر سبز کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت امیر تیمور کا وطن مالوف یہی شہر تھا اس لئے انہوں نے اس کو دارالسلطنت بنانے کی طرف بہت توجہ کی تھی۔ اس میں بڑی بڑی عمارتیں بنائی ہیں۔ اپنا دربار کرنے کے لئے ایک عالی شان پیش طاق بنایا ہے۔ اس پیش طاق کے دائیں بائیں جانب اس سے چھوٹے دو پیش طاق بنائے ہیں۔ جن میں امراء اجلاس کرتے تھے۔ ان کے علاوہ اس دیوان خانہ کے ہر ضلع میں اہل مقدمات کے واسطے اور چھوٹے چھوٹے دالان بنائے ہیں۔ بڑے پیش طاق جیسا عالی شان پیش طاق دنیا میں کم ہو گا۔ کہتے ہیں کہ طاق کسری ۔۲۳۹ سے بھی یہ بہت بڑھا ہوا ہے۔

کیش میں ایک مقبرہ اور ایک مدرسہ بھی بنایا ہے۔ جہانگیر مرزا کی اور امیر کی بعض اولاد کی قبریں اسی میں ہیں چونکہ سمرقند کی طرح کیش میں شہر بننے کی قابلیت نہ

تھی اس لئے آخر سمرقند ہی دارالخلافت مقرر ہوا۔ ایک علاقہ قرشی ہے۔ اس کو نسف اور نخشب بھی کہتے ہیں۔ قرشی مغلی زبان کا لفظ ہے۔ مغلوں کی زبان میں قبرستان کو قرشی کہتے ہیں۔ شاید چنگیز خان کے تسلط کے بعد اس کا یہ نام زباں زد ہو گیا۔ پانی یہاں بہت کم ہے۔ یہاں کی بہار کا موسم نہایت اچھا ہوتا ہے۔ خربوزے کی زراعت کثرت سے ہوتی ہے۔ یہ علاقہ سمرقند کے جنوب میں اس بہ مغرب اٹھارہ فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔ باغری قرا جانور کی صورت کا یہاں ایک جانور ہوتا ہے۔ اس کو قیل قویر دغ کہتے ہیں۔ چونکہ یہ جانور اس ملک میں بے شمار ہوتا ہے اس لئے یہاں اس کا نام مرغک قرشی مشہور ہو گیا ہے۔ ایک خراز کا علاقہ ہے۔ ایک علاقہ کرمنیہ کا ہے۔ سمرقند اور بخارا کے درمیان میں ایک علاقہ قراکول ہے۔ جو بہ نسبت اوروں کے دریا سے بہت نشیبی جانب میں بخارا سے سات فرسنگ مغرب اور شمال کے درمیان میں ہے۔ اس میں بہت سے پرگنے ہیں۔

ایک پرگنہ سغد ۲۴۰ ہے۔ اس کے متصل بہت سے پرگنے ہیں۔ ان کی ابتداء یاربیلاق سے ہے۔ اور انتہا بخارا تک ہے۔ ان کے راستہ میں ایک فرسنگ بھی ایسا نہیں ہے کہ جہاں کوئی گاؤں آباد نہ ہو۔ یہ مشہور ہے کہ امیر تیمور فرمایا کرتے تھے کہ میرے پاس ایک باغ ہے جس کا طول تیس فرسنگ کا ہے۔ یہ اشارہ ان ہی پرگنوں سے تھا۔ ایک پرگنہ شادوار ہے۔ شہر اور حوالی شہر سے ملا ہوا۔ یہ بہت اچھا پرگنہ ہے۔ ایک جانب اس کے وہ پہاڑ ہے جو شہر سبز اور سمرقند کے بیچ میں ہے۔ اس کے دیہات اسی پہاڑ کے دامن میں بستے ہیں۔ دوسری طرف دریائے کوہک ہے۔ یہاں ہوا نہایت عمدہ صفائی اچھی پانی کی کثرت سے اور جنس سستی ہے۔ جن لوگوں نے مصر اور شام کو دیکھا ہے وہ بھی اس جگہ کو بے نظیر بیان کرتے ہیں اگرچہ پرگنے بھی ہیں مگر ایسے نہیں ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

اولاد تیمور میں سے سمرقند کے بادشاہ :۔ امیر تیمور نے سمرقند کا حاکم اپنے بیٹے جہانگیر مرزا کو کیا تھا۔ جہانگیر مرزا کے مرنے کے بعد اس کے چھوٹے بیٹے کو حاکم کیا۔ اس کے انتقال کے بعد اس کے بڑے بیٹے محمد سلطان کو یہاں کی حکومت رہی تھی۔ شاہرخ مرزا نے سارا ملک ماوراء النہر اپنے بڑے بیٹے الغ مرزا کو دیا تھا۔ الغ بیگ مرزا سے اس کے بیٹے عبداللطیف مرزا نے لیا اور اس پنج روزہ بے ثبات دنیا کے لئے اپنے

دانشمند اور بڈھے باپ کو شہید کیا۔ الغ بیگ مرزا کے مرنے کی تاریخ اچھی لکھی گئی ہے۔ وہ یہ ہے ۔

الغ بیگ بحر علوم و خرد
کہ دنیاؤ دیں را او بود پشت
زعباس شد شلوت چشید
شدش حرف تاریخ عباس کشت

عبداللطیف نے بھی پانچ چھ مہینے سے زیادہ سلطنت نہیں کی۔
چنانچہ یہ بیت مشہور ہی ہے ۔

پدر کش بادشاہی رانشاید
اگر شاید بجز شش مہ نپاید

اس کے مرنے کی تاریخ بھی اچھی لکھی گئی ہے ۔

عبداللطیف خسرو جمشید فر کہ بود
در سلک بندگانش فرید دن و زرد دہشت
بابا حسین کشت شب جمعہ اش بہ تیر
تاریخ ایں نویس کہ بابا حسین کشت

عبداللطیف مرزا کے بعد عبداللہ مرزا (ابراہیم سلطان مرزا کا بیٹا شاہرخ مرزا کا پوتا۔ اور الغ بیگ مرزا کا داماد) تخت پر بیٹھا۔ یہ مرزا ڈیڑھ برس یا قریب دو برس کے بادشاہ رہا ہو گا۔ اس کے بعد سمرقند کو سلطان ابوسعید مرزا نے لے لیا۔ اور اپنے جیتے جی اپنے بڑے بیٹے سلطان احمد مرزا کو دے دیا تھا۔ سلطان ابوسعید مرزا کے انتقال کے بعد سلطان احمد مرزا سمرقند کا بادشاہ ہوا۔ جب سلطان احمد مرزا کو تخت پر بٹھایا۔ ترخانیوں کے فساد میں بائسنغر مرزا کو تخت سے اتار دیا اور اس کے چھوٹے بھائی سلطان علی مرزا کو دو ایک دن کے لئے بٹھا دیا۔ اس کے بعد پھر وہی بائسنغر مرزا بادشاہ ہو گیا۔ چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے بائسنغر مرزا سے میں نے چھینا آئندہ کے واقعات میں اس کے اور حالات لکھے جائیں گے۔

سمرقند کے تخت پر بیٹھتے ہی میں نے وہاں کے امراء کے ساتھ گذشتہ زمانہ کی طرح عنایت و مہربانی کرنی شروع کی۔ جو امراء میرے ہمراہ تھے ان کے ساتھ بھی ان

کے موافق سلوک کیا۔ سلطان احمد تنبل کے ساتھ بہت سی رعایت کی گئی۔ اوسط درجہ کے امیروں میں تھا۔ میں نے اس کو بڑے درجہ کے امیروں میں کر دیا۔ سمرقند کے علاوہ تمام ملک میرا مطیع ہو گیا تھا یا سلطان علی مرزا کا۔ جو ملک ہمارا ہو گیا تھا اس کو ہم تباہ نہ کر سکتے تھے اور جو ملک لٹ کھٹ گیا تھا بھلا اس سے کچھ وصول ہی کیونکر کیا جا سکتا تھا جو کچھ لشکر والوں کے پاس تھا وہ ہو چکا اور جب سمرقند فتح ہوا ہے تو اس کا یہ دہاڑا تھا کہ الٹی تخم و تقاوی کی احتیاج تھی۔ ایسی صورت میں وہاں سے کوئی لے ہی کیا سکتا تھا۔ ان باعثوں سے لشکر والے بالکل ٹوٹ گئے اور ہم بھی ان کو کچھ نہ دے سکے۔ لوگوں کو اپنے اپنے گھر بھی یاد آنے لگے۔ ایک ایک دو دو کھسکنے لگے۔ سب سے اول جان قلی بیان نے بھاگنے میں پہل کی۔ پھر ابراہیم بیگ چک ۱۴۴۱ھ چل دیا۔ اسی طرح سارے مغل بھاگ گئے۔ اس فساد کے فرو کرنے کے لئے خواجہ قاضی کا بڑا دوست اور معتقد تھا اس لئے خواجہ اور اوزون حسن متفق ہو کر گئے تاکہ ان بھاگے ہوؤں میں سے بعض کو سزا دیں اور بعض کو ہمارے پاس بھیج دیں حقیقت میں فساد کی جڑ اور ان بھگوڑوں کا پھسلانے والا اوزون حسن نمک حرام ہی تھا۔ سلطان احمد تنبل کے جاتے ہی سب کھل کھلا بگڑ بیٹھے اور مخالف ہو گئے۔ اس کئی برس میں کہ میں نے سمرقند کی تسخیر کے قصد سے بہ وقت فوج کشی کی۔ سلطان محمود خاں نے کچھ معتد بہ کمک تو نہ کی مگر سمرقند کی فتح کے بعد وہ اندجان کا طلب گار ہو گیا۔ اس وقت جو اکثر فوج کے لوگ اور سارے مغل جو بھاگ کر اخشی اور اندجان میں چلے گئے تو اوزون حسن اور احمد تنبل نے جہانگیر مرزا کے لئے اس ملک کی خواہش کی لیکن کئی وجہ سے ممکن نہ تھا کہ ان کی خواہش پوری کی جائے۔

ایک تو یہ کہ اگرچہ اس ملک کے دینے کا خان سے وعدہ نہ ہوا تھا مگر انہوں نے طلب تو کیا تھا اور جب کہ خان نے طلب کیا تو پھر جہانگیر مرزا کو کیونکر دیا جاتا۔ مجھے خان سے بگاڑتے بن نہیں پڑتی۔ دوسرے یہ کہ لوگ جو اس نازک موقعہ پر بھاگ کر وہاں جا پہنچے تو مجھے دبا کر لینا چاہے اگر اس سے پہلے کچھ اقرار ہو جاتا تو مضائقہ نہ تھا۔ کوئی وجہ پیدا ہو جاتی۔ ان کے بے مواقع دباؤ کس سے اٹھایا جاتا۔ تمام مغل' اندجان کی فوج اور امراء میں کچھ امرائے مقرب سب کے سب اندجان چلے گئے۔ میرے پاس سمرقند میں چھوٹے بڑے اور اچھے برے امراء کل ہزار آدمی کے قریب رہ گئے ہوں

گے۔ چونکہ جہانگیر مرزا کے طرف داروں کی استدعا منظور نہ ہوئی اس لئے انہوں نے ان لوگوں کو جو مجھ سے کھٹک کر میرے پاس سے بھاگ گئے تھے بلا کر اپنے ساتھ کر لیا۔ بددل اپنی حرکتوں کے ڈر سے خدا سے چاہتے تھے کہ یہ معاملہ پیش آ جائے۔ ان سب نے ملک کر آخشی سے اندجان پر چڑھائی کی اور کھلم کھلا فساد کرنا شروع کیا۔

تولون خواجہ کا روانہ کرنا:۔ تولون خواجہ ایک بہادر آدمی قوم بار بن کے قزاقوں کا سردار تھا۔ میرے والد عمر شیخ مرزا نے بھی اس کے ساتھ بہت رعایت کی تھی۔ اور وہ ہنوز مستحق رعایت ہی تھا۔ میں نے بھی ازراہ پرورش امیروں میں اس کو داخل کر دیا تھا۔ اچھا بہادر قزاق سپاہی اور لائق رعایت آدمی تھا۔ چونکہ مغلوں میں میرا اعتمادی اور چڑھایا بڑھایا ہوا تولون خواجہ ہی تھا اس لئے جس وقت مغلوں کی قومیں سمرقند سے بھاگیں تو میں نے تولون خواجہ کو ان کے پیچھے روانہ کیا۔ تاکہ لوگوں کو نصیحت کر کے ان کے خوف کو دور کر دے اور وہ لوگ مارے ڈر کے برباد نہ ہوں۔ مگر نمک حراموں اور فتنہ انگیزوں نے ان کو ایسا بھڑکا دیا تھا کہ وعدہ و وعید اور نصیحت اور دھمکانے نے کچھ فائدہ نہ دیا۔

جہانگیر مرزا، تنبل، اوزون حسن نے اندجان کا محاصرہ کر لیا:۔ تولون خواجہ میان دو آب میں پہنچا تھا دو آب کو ربا طک اور چینی ۲۴۲ کہتے ہیں کہ اوزون حسن اور سلطان احمد تنبل نے دفعتاً کچھ فوج تولون خواجہ پر بھیجی۔ یہ فوج عین غفلت میں اس پر جا پڑی اور اس کو پکڑ کر مار ڈالا۔ اوزون حسن اور تنبل نے جہانگیر مرزا کو ساتھ لے کر اندجان کو آ گھیرا۔ جب ہم اندجان سے چلے تھے تو علی دوست طغائی کو اندجان میں اور اوزون حسن کو آخشی میں چھوڑ گئے تھے۔ پھر خواجہ قاضی بھی آ گئے تھے اور جو لوگ سمرقند سے چلے آئے تھے وہ بھی بہت سے تھے۔ خواجہ قاضی نے قلعہ بچانے اور میری خیر خواہی کے خیال سے اٹھارہ ہزار اپنی بکریاں ان لوگوں کو دیں جو قلعہ میں تھے اور ان کے اہل و عیال کو دیں جو میرے پاس تھے۔ محاصرہ کے زمانہ میں میری ۲۴۳ ماؤں اور خواجہ قاضی کے پاس سے برابر خطوط آئے کہ ہم بے طرح گھر گئے ہیں۔ اگر تم نہ آئے اور ہماری خبر تم نے نہ لی تو کام بگڑ جائے گا۔ سمرقند کو اندجان کے طفیل لیا ہے۔ اگر اندجان پاس ہے تو خدا چاہے سمرقند پھر ہاتھ آ سکتا ہے۔

علالت مزاج:۔ اس مضمون کے خط پے در پے آئے۔ میں ان دنوں میں سخت بیمار

تھا۔ پہلے ایک مرتبہ بیمار ہو کر اچھا بھی ہو گیا تھا۔ مگر ضعف کی حالت میں پوری احتیاط نہ کر سکا کہ پھر بگڑ گیا۔ اس مرتبہ بری طرح پڑا۔ چنانچہ چار دن تک زبان بند رہی۔ روئی کے پھویوں سے میرے منہ میں پانی ٹپکایا جاتا تھا۔ میرے ہمراہی کیا امراء کیا سپاہی سب میری زندگی سے مایوس ہو گئے تھے۔ اور سب کو اپنی اپنی پڑ گئی تھی۔ اس برے وقت میں اوزون حسن کا جو ایلچی آیا تھا اور کچھ لغو پیغام لایا تھا۔ امراء نے غلطی سے میرا حال اس کو دکھا کر رخصت کر دیا۔ چار پانچ روز بعد اس حال سے کسی قدر مجھے افاقہ ہو گیا۔ مگر زبان صاف نہیں ہوئی۔

سمرقند چھوڑ کر چلے :۔ جب کہ میری والدہ اور نانی ایسن دولت بیگم نے اور میرے استاد و پیر مولانا قاضی نے ایسے مضامین کے خط لکھے ہوں اور بڑی شدومد سے مجھے بلایا ہو تو کون ایسا دل رکھتا ہو گا کہ اس پر خیال نہ کرے اور ٹھہرا رہے۔ پس چند روز بعد رجب ۹۰۴ھ کے مہینے میں ہفتہ کے دن اندجان کی طرف روانہ ہونے کے لئے سمرقند سے میں چلا۔ اس مرتبہ سمرقند میں کچھ دن بادشاہت کرلی۔ دوسرا ہفتہ تھا کہ میں خجند جا پہنچا۔ اسی دن ایک شخص اندجان سے یہ خبر لایا کہ سات دن پہلے جس ہفتہ کے دن میں سمرقند سے چلا تھا اسی ہفتہ کو علی دوست طغائی نے اندجان کا قلعہ دشمنوں کے حوالے کر دیا۔

اندجان چھن گیا :۔ اس کی مفصل کیفیت یہ ہے کہ اوزون حسن کے آدمیوں نے جن کو میری علالت میں میرا حال دکھا کر رخصت کیا تھا اس موقعہ پر کہ قلعہ کا محاصرہ ہو رہا تھا آ کر بیان کیا کہ بادشاہ کی زبان بند ہو گئی ہے۔ روئی کے پھویوں سے منہ میں پانی ٹپکاتے ہیں۔ علی دوست طغائی سے قسمیں کھا کھا کر یوں ہی بیان کیا گیا۔ علی دوست اس وقت خاکان دروازہ میں تھا۔ یہ سنتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ مخالفوں سے عہدوپیمان کر کے قلعہ میں دے دیا۔ قلعہ میں کوئی سپاہی اور ذرا سا ذخیرہ بھی نہ رہا۔ یہ اس نمک حرام منافق کی انتہا درجہ کی نامردی تھی اور یہ باتیں جو بیان ہوئی ہیں صرف اس نے اپنے بچانے کے لئے گھڑلی تھیں۔

خواجہ مولانا قاضی کا حال :۔ جب مخالف اندجان لے چکے تو خجند میں میرے آ جانے کی خبر پہنچی۔ اس خبر کے سنتے ہی مولانا قاضی کو بڑی بے عزتی سے ارک کے

دروازہ میں پھانسی دے کر شہید کر دیا۔ خواجہ مولانا قاضی کا نام عبداللہ تھا۔ اور عرف خواجہ مولانا تھا۔ باپ کی طرف سے ان کا نسب شیخ برہان الدین قلیچ تک پہنچتا ہے اور ماں کی جانب سے سلطان الملک ۲۲۵ھ ماضی تک۔ ملک فرغانہ میں اس خاندان کے لوگ پیشوا' شیخ الاسلام اور قاضی رہے ہیں۔ خواجہ مولانا حضرت خواجہ عبیداللہ کے مرید تھے۔ ان ہی سے تربیت پائی تھی۔ مجھ کو خواجہ قاضی کے ولی ہونے میں کچھ شک نہیں ہے۔ ان کی ولایت کا اس سے بہتر اور کیا ثبوت ہو گا کہ جو لوگ ان کے شہید کرنے میں شریک تھے تھوڑے ہی دنوں میں سب کا نام و نشان نہ رہا۔ مولانائے مرحوم عجب شخص تھے۔ ڈر اور خوف تو ان میں نام کو نہ تھا۔ ایسا دلیر آدمی دیکھا نہ سنا۔ یہ صفت بھی ولایت کی دلیل ہے۔ دنیا دار کیسے ہی بہادر ہوں مگر کچھ نہ کچھ دھڑکا اور اندیشہ رہتا ہی ہے۔ خواجہ اس سے بالکل پاک تھے۔ خواجہ کے شہید ہونے کے بعد خواجہ کے نوکروں' عزیزوں اور لونڈی غلاموں کو ظالموں نے گرفتار کر لیا اور لوٹ لیا۔

پریشاں حالی:۔ میری والدہ اور نانی صاحبہ کو معہ ان لوگوں کے بال بچوں کو جو میرے ہمراہ تھے۔ خجند میں میرے پاس بھیج دیا۔ اندجان کے لئے سمرقند چھوڑا تھا۔ اندجان بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اب ہمارا یہ حال ہے کہ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ جس دن سے میں بادشاہ ہوا تھا اس طرح آدمیوں سے اور ملک سے علیحدہ نہ ہوا تھا اور جب سے میں نے ہوش سنبھالا تھا ایسا رنج اور ایسی مشقت نہ اٹھائی تھی۔ اس سبب سے مجھے بڑا صدمہ تھا۔ بعضے منافقوں ۲۲۶ھ کو میرا سرکار میں خلیفہ کا رہنا کھٹکتا تھا۔ محمد حسین مرزا وغیرہ نے خلیفہ کو تاشقند بھیجنے پر اصرار کیا۔

مدد کے لئے سلطان محمود خاں کا آنا اور الٹا پھر جانا:۔ میں نے مجبوراً" قاسم بیگ کو خان کے پاس تاشقند بھیجا اور ان سے اندجان پر چڑھائی کرنے کی استدعا کی۔ خان بھی ۲۲۷ھ لشکر فراہم کر کے ۲۲۸ھ جاکر آہنگران کی طرف آیا۔ جب وہ کندز لیک اور المانی کے نیچے اترا تو میں بھی خجند سے آیا اور اپنے خان دادا سے ملا۔ کندز لیک ۲۲۹ھ اور المانی کو فتح کر کے آخشی کی طرف آ اترے۔ مخالف بھی اس طرف سے لشکر جمع کر کے آخشی پر آ گئے۔ اس وقت میرے چند طرف داروں نے میرے آنے کی امید میں قلعہ پاپ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ لیکن خان کے چلے جانے کے خیال سے مخالفوں نے قلعہ پاپ کو زبردستی چھین لیا۔ خان کے اور سب اخلاق و اطوار تو اچھے تھے مگر سپاہ

گری اور سرداری کی لیاقت نہ تھی۔ ایسے موقعہ پر کہ اگر ایک منزل بھی اور آگے بڑھ جائیں تو بغیر لڑے بھڑے ہی ملک ہاتھ آ جائے دشمنوں کی فریب آمیز باتوں میں آ کر خان نے صلح کی ٹھیرا دی۔ اور خواجہ ابوالکارم کو معہ بیگ تلبہ کے جو تبل کا بڑا بھائی اور ان دنوں میں خان کا داروغہ دیوان خانہ ۲۵۰ تھا ایلچی بنا کر بھیج دیا۔ دشمنوں نے اپنے بچاوے کے لئے کچھ جھوٹی سچی باتیں ملا کر خان کو اور بیچ والوں کو کسی قدر رشوت دینی قبول کر لی۔ خان نے اسی پر اکتفا کیا اور الٹا پھر گیا۔

لوگوں کا چلا جانا:۔ میرے ساتھ والے امراء اور سپاہی جو تھے ان میں سے بہتوں کے گھر بار اندجان میں تھے۔ جب یہ لوگ اندجان لینے سے مایوس ہو گئے تو چھوٹے بڑے امراء اور سپاہی سات آٹھ سو آدمیوں کے قریب میرے پاس سے چلے گئے۔ جانے والے امراء میں سے علی درویش بیگ، علی مزید قوچین، محمد باقر بیگ، شیخ عبداللہ ایشک آغا اور سیرم لاغری تھے۔ میرے شریک حال اچھے برے کوئی دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم آدمی رہ گئے۔ ان میں امراء یہ تھے۔ قاسم بیگ قوچین، ویس لاغری، ابراہیم ساروی، منکلغ، شیرم طغائی اور سیدیم قرا مصاحبوں اور اہل خدمت میں سے یہ لوگ رہ گئے۔ میر شاہ قوچین، سید قاسم، ایشک آغا جلائر، قاسم عجب، محمد دوست، علی دوست طغائی، مبشر، خدا بیردی توغچی مغل، یارک طغائی، سلطان قلی، بابا قلی، پیرویس، شیخ ویس، یار علی، بلال، قاسم میر آخور اور حیدر رکاب دار۔ اس وقت مجھے بڑا ہی صدمہ ہوا بے اختیار ہو گیا اور خوب رویا۔ میں خجند میں چلا آیا۔

سمرقند پر بار دگر چڑھائی:۔ میری والدہ اور میری نانی اور میرے ہمراہیوں کے اہل و عیال کو خجند میں میرے پاس بھیج دیا تھا۔ یہ رمضان کا مہینہ ہم نے خجند میں گذارا۔ سلطان محمود خان کے پاس آدمی بھیج کر کمک مانگی اور سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ خان نے اپنے بیٹے سلطان محمد خاں اور احمد بیگ کو پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ سمرقند پر چڑھائی کرنے کے لئے معین کیا اور خود بھی اورا تیبہ تک آ گیا۔ میں وہاں خان سے ملا اور یار ایلاق کے راستہ سے سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ سلطان محمد خان اور احمد بیگ دوسرے راستہ سے مار ایلاق میں پہلے سے آ گئے تھے۔ میں بورکہ ایلاق کے راستہ سے شیراز میں جو یار ایلاق میں ایک بڑا شہر اور وہاں کے حاکم کا مستقر ہے آیا۔ سلطان محمد اور احمد بیگ شیبانی خاں کے آنے اور اس کے شیراز و نواح شیراز کے تاراج کرنے کی

خبر سن کر الٹے پھر گئے۔ اب ضرور ہوا کہ میں بھی خجند کو الٹا پھر جاؤں۔

تاشقند کی طرف جانا:۔ جب سلطنت لینے کا خیال اور ملک گیری کا دعویٰ ہو تو ایک دو مرتبہ کے ناکام رہنے سے دل نہیں چھوڑا جاتا۔ اندجان لینے کے خیال سے مدد طلب کرنے کے لئے میں خان کے پاس تاشقند گیا شاہ بیگم اور عزیز و اقارب سے ملے ہوئے ساتھ آٹھ برس ہو گئے تھے۔ اس بہانہ سے ان سے بھی مل لیا۔ تھوڑے دن بعد سید محمد مرزا دوغلت' ایوب بیگ چک اور جان حسن نارین ۹۰۵ھ کو سات سے آٹھ سو فوج کے ساتھ خان نے کمک کے لئے متعین کیا۔ اس کمک کو ساتھ لئے ہوئے میں خجند میں آیا اور آتے ہی نسوخ پر جو خجند سے دس فرسنگ ہے چڑھائی کرنے کے لئے بلاتوقف چل کھڑا ہوا۔ کند بادام کو بائیں ہاتھ کی طرف چھوڑا اور راتوں رات رستہ طے کر کے نسوخ جا پہنچا اور سیڑھیاں لگا کر اچانک اس کو لے لیا۔ خربوزوں کی فصل تھی۔ نسوخ میں ایک قسم کا خربوزہ ہوتا ہے جس کو اسماعیل شیخی کہتے ہیں۔ اس کا پوست زرد کیمخت جیسا بیج تخمینا سیب کے بیج کے برابر اور گودا چار انگل ہوتا ہے۔ عجب مزہ کا خربوزہ ہے۔ اس نواح میں ایسا خربوزہ نہیں ہوتا۔ دوسرے دن امرائے مغول نے عرض کیا کہ ہمارے پاس فوج بہت تھوڑی ہے۔ اس ایک قلعہ کے لینے سے کیا کام چلے گا۔ بے شک یہ بات ٹھیک تھی۔ پس وہاں ٹھہرنا اور قلعہ کو مضبوط کرنا خلاف مصلحت سمجھا گیا اور ہم خجند کی طرف واپس چلے آئے۔

خسرو شاہ وغیرہ کا ذکر:۔ اسی سال خسرو شاہ نے بائسنغر مرزا کو ہمراہ لے کر فوج کشی کی اور چغانیان میں آکر ازراہ فریب سلطان مسعود مرزا کے پاس ایلچی بھیجا کہ تم بھی آؤ۔ ہم تم سمرقند پر حملہ کریں گے۔ اگر سمرقند فتح ہو گیا تو ایک مرزا سمرقند میں رہے اور ایک حصار میں سلطان مسعود مرزا کی فوج اور امراء وغیرہ سب اس سے آزردہ خاطر تھے۔ وجہ یہ تھی شیخ عبداللہ برلاس جو بائسنغر مرزا کے پاس سلطان مسعود مرزا کے پاس گیا تو چونکہ وہ مرزا کا سسر تھا اس لئے اس کی بڑی خاطر ہوئی۔ اگرچہ حصار کی ریاست چھوٹی سی تھی مگر اس کے لئے ہزار تومان فلوس تنخواہ مقرر ہوئی۔ اور ختلان کا علاقہ دروبست اس کو دے دیا۔ ختلان سلطان مسعود مرزا کے بہت سے امراء اور ملازموں کی جاگیر و تنخواہ میں تھا۔ یہ اس پر قابض ہو گیا۔ اور اس کے دونوں بیٹے مسعود مرزا کی سرکار کے بالکل مالک اور مختار بن گئے۔ جو لوگ بددل ہو گئے

تھے وہ بھاگ بھاگ کر بائسنغر مرزا کے پاس آنے لگے۔

حصار چھن گیا:۔ خسرو شاہ اور بائسنغر مرزا نے سلطان مسعود مرزا کو فریب آمیز باتوں سے غافل کر کے چغتائیان سے جھٹ پٹ چل کھڑے ہوئے اور حصار پر حملہ کر کے نقارہ ۔۲۵۲ کے وقت اس کو چھین لیا۔ سلطان مسعود مرزا شہر کے باہر قریب شہر ایک محل میں تھا۔ جس کا نام دولت سرا ہے اور جس کو اس کے باپ نے بنایا تھا۔ مرزا یہاں سے قلعہ میں نہ پہنچ سکا۔ شیخ عبداللہ برلاس کو ساتھ لے کر ختلان کی طرف بھاگ گیا۔ راستہ میں شیخ عبداللہ برلاس سے بچھڑ گیا اور ایواج ۔۲۵۳ کی راہ سے ہوتا ہوا سلطان حسین مرزا کے پاس چلا گیا۔ حصار کے فتح ہوتے ہی خسرو شاہ نے بائسنغر مرزا کو حصار میں رکھا اور ختلان اپنے چھوٹے بھائی ولی کو دے دیا۔

خسرو شاہ نے بلخ لینے کا ارادہ کیا:۔ چند روز کے بعد خسرو شاہ بلخ لینے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ پہلے اپنے ایک سردار نظر بہادر کو تین چار ہزار فوج کے ساتھ بلخ کی طرف بھیجا۔ پھر چار دن کے بعد بائسنغر مرزا کو لے کر خود بھی آ گیا۔ اور بلخ کو گھیر لیا۔ بلخ میں ابراہیم حسین مرزا اور سلطان حسین مرزا کے اکثر امراء موجود تھے۔ خسرو شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی ولی کو ایک بڑا لشکر دے کر شیر خان ۔۲۵۴ پر حملہ کرنے اور اس کی نواح کو تاراج کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ولی گیا اور پاس سے بھی شیر خان پر حملہ نہ کر سکا۔ جو لوگ اس کے ہمراہ تھے ان کو ان قوموں کی تاخت و تاراج کے لئے روانہ کیا جو چول زروک ۔۲۵۵ میں رہتی تھیں۔ ان لوگوں نے چول زروک کو جا لوٹا۔ تخمیناً" ایک لاکھ سے زیادہ بکریاں اور تقریباً" تین ہزار اونٹ ان کے ہاتھ لگے۔ ولی نے یہاں سے سان ۔۲۵۶ اور جاریک کے ملک کو جا لوٹا اور برباد کر دیا جو لوگ پہاڑ میں پناہ گزیں ہوئے تھے ان کو پکڑ لایا اور بلخ میں اپنے بھائی سے آ ملا۔ جس زمانہ میں خسرو شاہ بلخ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا تو ایک دن نظر بہادر اپنے سردار کو جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ سواد بلخ کی نہریں توڑ ڈالنے اور ان کے پانی کو خراب کرنے کے لئے بھیجا۔ تینگری بیروی سمان جی جو سلطان حسین مرزا کا ایک سردار تھا۔ ستر اسی آدمیوں کے ساتھ اندر سے باہر نکلا اور نظر بہادر کے مقابلہ میں آ کر اس کو زیر کیا۔ اور اس کا سر کاٹ کر قلعہ میں لے آیا۔ سچ یہ ہے کہ بڑی بہادری کی اور ایک نمایاں کام کیا۔

ذوالنون ارغون پر سلطان حسین مرزا کی چڑھائی اور بست کی فتح:۔ اسی

سال سلطان حسین مرزا نے ذوالنون ارغون پر اور اس کے بیٹے شاہ شجاع پر فوج کشی کی۔ ذوالنون نے اپنی بیٹی بدیع الزمان مرزا کو دے دی تھی اور دونوں باپ بیٹے مرزا کے ملازم ہو کر باغی ہو گئے تھے۔ سلطان حسین مرزا قلعہ بست ۲۵۷ھ میں آن اترا اس وقت مرزا کے لشکر میں غلہ کا سخت قحط ہو گیا۔ قریب تھا کہ بھوک سے تنگ آ کر لشکر وہاں سے بھاگ جائے۔ مگر قلعہ بست کے داروغہ نے قلعہ حوالے کر دیا۔ جو ذخیرہ قلعہ میں موجود تھا اس کو لے کر انہوں نے خراسان کی طرف مراجعت کی۔

سلطان حسین مرزا کے بیٹوں کی بغاوت :۔ جب سلطان حسین مرزا جیسا بڑا بادشاہ اس قدر سامان اور اسباب کے ہوتے ہوئے کئی دفعہ قندز' حصار اور قندھار پر چڑھائی کر کے بغیر لئے الٹا پھر گیا تو پھر اس کے بیٹے اور امراء بھی اتنے دلیر اور سرکش ہو گئے۔ سلطان حسین مرزا نے اپنے بیٹے محمد حسین مرزا کی بغاوت دفع کرنے کے لئے جو استر آباد کا حاکم مقرر ہوا تھا اور وہاں باغی ہو گیا تھا۔ محمد ولی بیگ کے تحت حکم ایک بڑا لشکر معہ چند امراء ایلغار کے ساتھ روانہ کیا اور آپ مقام النگ ۲۵۸ھ نشین میں ٹھہرا۔ اسی موقعہ پر بدیع الزمان مرزا اور ذوالنون کا بیٹا شاہ بیگ فوج کشی کر کے عین غفلت میں دفعتاً" سلطان حسین مرزا کے سر پر آ موجود ہوا۔ حسن اتفاق سے سلطان مسعود مرزا جو حصار چھوڑ کر سلطان حسین مرزا کے پاس چلا آتا تھا' اسی دن آ پہنچا اور جو لشکر استر آباد پر گیا تھا وہ بھی آج ہی مرزا سے آن ملا۔ سامنے ہوتے ہی بے لڑے بھڑے بدیع الزمان اور شاہ بیگ بھاگ گئے۔ سلطان حسین مرزا سلطان مسعود مرزا سے اچھی طرح ملا۔ اس ۲۵۹ھ کو اپنی بیٹی سے منسوب کرنے کی عزت بخشی اور اس پر بہت عنایت و مہربانی کی۔ لیکن باقی چغانیان کے بہکانے سے جو خسرو شاہ کا چھوٹا بھائی تھا اور اس سے پہلے سلطان حسین مرزا کا نوکر تھا مرزا خراسان میں نہ ٹھہرا۔ ایک بہانہ سے نکل کھڑا ہوا۔ اور سلطان حسین مرزا سے بے رخصت ہوئے خسرو شاہ کے پاس چلا آیا۔ خسرو شاہ نے بائسنغر مرزا کو حصار سے بلا لیا تھا۔ انہی دنوں میں میراں شاہ مرزا الغ بیگ ۲۶۰ھ مرزا کا بیٹا اپنے باپ سے باغی ہو کر ہزارہ میں آیا۔ اپنی بے اعتدالیوں کی بدولت ہزارہ میں بھی نہ ٹھہر سکا اور خسرو شاہ ہی کے پاس چلا آیا۔

بعضے کوتاہ اندیشوں کا قصد تھا کہ تینوں بادشاہ زادوں کو قتل کر کے خسرو شاہ کو بادشاہ کر دیں۔ یہ حرکت تو مصلحت کے خلاف دیکھی۔ مگر سلطان مسعود مرزا کو جس کو

خسرو شاہ نے بچہ سا پالا تھا اور جس کا وہ اتالیق بھی رہا تھا اس پنج روزہ دنیا کے لئے جس نے نہ اس کے ساتھ وفا کی اور نہ کسی اور کے ساتھ وفا کرے گی۔ نمک حرام نے نشتر سے اندھا کرا دیا۔ مسعود مرزا کے چند کوکا' عزیز اور رفقاء اس خیال سے کہ سمرقند میں سلطان علی مرزا کے پاس مرزا کو لے جائیں گے کیش میں لے آئے۔ وہاں والے بھی ہلاک کرنے کے درپے ہوئے۔ یہ لوگ کیش سے بھاگ کر چارجوی کے راستہ سے سلطان حسین مرزا کے پاس چلے گئے۔ سچ یہ ہے کہ جو شخص اس طرح کی بری حرکت کرے اور ایسے کام کا مرتکب ہو اس پر قیامت تک لعنت ہوتی رہے گی۔ جو شخص خسرو شاہ کے یہ اعمال سنے گا اس پر لعنت ہی کرے گا اور جس کو ان افعال پر لعنت کرتے نہ سنے گا اس کو بھی لعنت کا سزاوار جانے گا۔ اس نالائق حرکت کے بعد بائسنغر مرزا کو بادشاہ کیا اور حصار کی طرف بھیج دیا۔ میراں شاہ مرزا کو بامیان کی طرف روانہ کیا اور سید کامل کو بطریق کمک اس کے ساتھ کر دیا۔

۹۰۴ ہجری کے واقعات مطابق ۱۹ اگست ۱۴۹۸ء

سمرقند پر دوبارہ توجہ اور ناکامی :۔ سمرقند اور اندجان لینے کے لئے دوبارہ توجہ ہوئی مگر کچھ کام نہ بنا۔ پھر خجند چلا آیا۔ خجند ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ جب سو دو سو آدمی کا سردار وہاں مشکل سے اوقات بسر کر سکتا ہو تو جس کو سلطنت کا "دعوٰی ہو وہ کس طرح گزر کر سکتا ہے اور نچلا بیٹھ سکتا ہے۔ سمرقند لینے کے خیال سے محمد حسین کورگان و غلات کے پاس جو اوراتیپہ میں تھا آدمی بھیجے گئے اور اس سے کہلا بھیجا کہ یار ایلاق کے دیہات میں سے مقام بشاغرح کو جو حضرات خواجہ کی ملک میں سے تھا اور ان جھگڑوں میں اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔ عاریتاً" اس جاڑے کے موسم میں ہمیں دیدے۔ تاکہ وہاں ٹھہر کر سمرقند کے علاقہ پر چڑھائی کریں اور جو کچھ ہو سکے وہ کیا جائے۔ محمد حسین مرزا بھی راضی ہو گیا۔ خجند سے میں بشاغرح کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت مقام زامین میں ۲۶۱۰ پہنچا مجھے تپ چڑھ آئی بخار ہی میں لملاتا ہوا زامین سے مارا مار پہاڑی راستہ طے کر کے ۲۶۲۰ رباط خواجہ پر آ گیا۔ خیال تھا کہ عین غفلت میں سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھ جائیں گے اور خواجہ رباط کے قلعہ کو جو پرگنہ شادوار کا صدر مقام ہے چھین لیں گے۔ نماز کے وقت وہاں پہنچنا ہوا۔ وہاں والے ہوشیار ہو گئے۔ ہم الٹے پھر آئے اور بغیر کہیں ٹھہرنے کے بشاغرح میں آ گئے۔ بخار ہی میں تیرہ چودہ ۲۶۳۰ فرسنگ کا راستہ

بڑی سختی اور محنت سے میں نے قطع کیا۔

چند روز بعد ابراہیم سارد' شیرم طغائی ویس لاغری اور کچھ امیروں' مصاحبوں اور ملازموں کو بطریق ایلغار مقرر کیا تاکہ یار ایلاق کے قلعوں کو خواہ بزور شمشیر خواہ بمصالحت لے لیں۔ ان دنوں میں یار ایلاق سید یوسف کے پاس تھا۔ سمرقند سے میرے چلے آنے کے بعد وہ وہیں رہ گیا تھا اور سلطان ۔۹۰۴ علی مرزا نے بھی اس کے ساتھ رعایت کی تھی۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی اور اپنے بیٹے کو یار ایلاق کے قلعوں کے انتظام پر مقرر کر دیا تھا۔ احمد یوسف جو آج کل سیالکوٹ کا حاکم ہے ان قلعوں میں تھا۔ ہمارے سب سرداروں اور فوج نے جاڑے بھر یہ کارروائی کی کہ ان قلعوں میں سے بعض کو صلح سے۔ بعض کو لڑ بھڑ کر اور بعض کو عیاری و وزدی سے چھین لیا۔ اس ملک میں ازبکوں اور مغلوں کے ڈر کے مارے کوئی گاؤں ایسا نہ تھا جس میں قلعہ نہ ہو۔

یار ایلاق سے بعد صلح بشاغرح جانا:۔ اسی موقعہ پر سید یوسف بیگ اس کا چھوٹا بھائی اور اس کا بیٹا تینوں ہم سے بدگمان ہو گئے۔ ان کو خراسان کی طرف بھیج دیا گیا۔ یہ جاڑا بھی انہی رگڑوں جھگڑوں میں گزرا۔ جب ۔۹۰۵ گرمی کا موسم آیا تو مخالفوں نے خواجہ یحیٰی کو صلح کے لئے بھیجا اور آپ بھی لشکر کشی کی اشتعالک سے شیراز ۔۹۰۶ اور کابد کے نواح میں آ گئے۔ میرے ساتھ کل سپاہی دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم تھے۔ دشمنوں کا چاروں طرف سے ہجوم۔ اندجان کی طرف پھر پلٹ کر جانے میں نصیب نے کچھ مدد نہ کی اور کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ ضرورتاً کسی قدر صلح کر لی اور بشاغرح کی طرف مراجعت کی گئی۔

اوراتیبہ کے ایلاقوں میں سرواں پھرنا:۔ نجند ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ کسی سردار کی مشکل سے اس میں گزر ہو سکتی ہے۔ ڈیڑھ دو برس کے قریب وہاں میرا ٹھہرنا ہوا۔ وہاں کے مسلمانوں نے جہاں تک ان کا مقدور تھا پیسہ سے مدد دینے اور خدمت کرنے میں کمی نہیں کی۔ اب بار دگر نجند کس منہ سے جایا جائے۔ اور نجند جا کر کوئی کرے ہی کیا۔

نہ جانے کے لئے اپنے میسر ہے کوئی مامن
نہ رہنے کے لئے اپنے مقرر ہے کوئی مسکن

آخر اسی تردّد اور پریشانی میں اوراتیپہ کے جنوب میں جو ایلاق ہیں وہاں چلا گیا۔ اس نواح میں حیران پریشان بے ٹھکانے سرگرداں پھر کر کچھ دن گزارے۔

خواجہ ابوالمکارم سے ملاقات:۔ ان ہی دنوں میں ایک دن خواجہ ابوالمکارم جو میری طرح جلاوطن ہو کر آوارہ پھر رہا تھا مجھ سے ملنے آیا۔ میں نے اس سے اپنے جانے اور اپنے رہنے کے متعلق مشورہ کیا اور پوچھا کہ اب کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ وہ افسوس کر کے میری حالت پر رو دیا۔ اور فاتحہ پڑھ کر چلا گیا۔ میرا بھی دل بھر آیا اور میں رو دیا۔

مرغینان جانا:۔ اسی دن ظہر کا کچھ وقت باقی تھا کہ ناگاہ پہاڑ کی گھاٹی میں سے ایک سوار نمودار ہوا۔ یہ سوار علی دوست طغائی کا نوکر تھا۔ اس کا نام یولجوق تھا۔ علی دوست نے اس کے ہاتھ کہلا بھیجا تھا کہ اگرچہ مجھ سے بہت خطائیں سرزد ہوئی ہیں مگر میں امیدوار ہوں کہ براہ خاوندی میرے گناہ بخش دیجئے اور اس طرف تشریف لے آیئے۔ میں مرغینان نذر کر کے حق خدمت ادا کروں تاکہ میرے گناہ دھوئے جائیں اور میری شرمندگی جاتی رہے۔ ایسی پریشانی اور حیرانی میں اس نوید کے سنتے ہی کوئی توقف اور سوچ نہ کیا۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ اسی وقت مرغینان کی طرف بطریق ایلغار میں روانہ ہو گیا۔ یہاں سے مرغینان تک تقریباً" چوبیں فرسنگ ۲۴۷ء کا راستہ ہو گا۔ اس ساری رات اور دوسرے دن ظہر تک کہیں توقف نہ کیا اور سیدھے چلے گئے۔ ظہر کے وقت تنگ آب نام ایک گاؤں میں جو خجند کے علاقہ میں ہے اترے۔ گھوڑوں کو ذرا ستایا اور دانہ کھلا کر آدھی رات کو نقارہ کے وقت ۲۴۸ء تنگ آب سے چل نکلے۔ اس آدھی رات کو صبح تک۔ دوسرے دن دن بھر اور دن کی رات کو صبح ہونے سے ذرا پہلے تک چلتے رہے۔ جب مرغینان ایک فرسنگ رہ گیا تو ویس بیگ وغیرہ نے سوچ کر عرض کیا کہ علی دوست وہی شخص ہے جس نے کیسی کیسی برائیاں کی ہیں۔ نہ کوئی شخص بیچ میں ایک دو دفعہ آیا گیا اور نہ کچھ عہد و پیمان اور گفتگو ہوئی۔ پھر کس بھروسے پر ہم وہاں جا رہے ہیں۔ سچ یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ اندیشہ بلاوجہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر ٹھہرے اور مشورت کی گئی۔ آخر یہی قرار پایا کہ گو یہ اندیشہ واجبی ہے مگر اس سے پہلے سوچنا چاہئے تھا۔ تین چار دن تکلیف اٹھائی۔ کہیں ٹھہرے نہیں۔ چوبیں پچیس فرسنگ آ گئے۔ نہ گھوڑوں میں دم رہا' نہ آدمیوں میں۔ بھلا یہاں سے کیونکر الٹا

پھرا جائے اور یہاں سے پلٹا بھی جائے تو کہاں جایا جائے۔ جب یہاں تک آ گئے تو اب چلنا ہی چاہئے۔ خدا جو چاہے وہ کرے۔ اسی بات کو ٹھہرا اور خدا پر توکل کر روانہ ہو گئے۔

اب صبح کی نماز کا اوّل وقت تھا کہ قلعہ مرغینان کے دروازہ پر ہم جا پہنچے۔ علی دوست طغائی دروازہ کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ دروازہ بند رکھا اور عہد کرنے کی التجا کی۔ عہد و پیمان ہو گئے تو اس نے دروازہ کھولا اور ملازمت حاصل کی۔ علی دوست سے ملنے کے بعد قلعہ میں ایک مناسب مکان میں ہم اترے۔ میرے ہمراہ چھوٹے بڑے دو سو چالیس آدمی تھے۔ بات یہ تھی کہ اوزون حسن اور احمد تنبل نے اہل ملک پر نہایت ظلم و ستم برپا کر رکھے تھے۔ اس سبب سے سارے اہل ملک نے میرے آنے کی خواہش کی۔ مرغینان میں آنے کے بعد تین دن بعد بشاغرح والوں میں سے جو نئے بھرتی کئے تھے ان کو اور علی دوست ۲۶۹ء بیگ کے نوکروں میں سے سو سے زیادہ آدمیوں کو قاسم بیگ کے ہمراہ اندجان کے جنوب کی طرف اشپاریون' توروق شاریون اور جکراکون ۲۷۰ء جیسی پہاڑی قوموں پر بھیجا گیا۔ تاکہ دریائے خجند سے پار ہو کر اس طرف کے قلعوں کو لے لیا جائے اور وہاں کے پہاڑی لوگوں کو جس طرح ہو سکے ہماری طرف مائل کر لیا جائے۔

اوزون حسن اور تنبل کا مرغینان پر حملہ :۔ تھوڑے دن بعد اوزون حسن اور سلطان احمد تنبل جہانگیر مرزا سمیت جتنی فوج موجود تھی اس کو اور کچھ مغلوں کو فراہم کر کے آخشی اور اندجان سے جس قدر ہو سکا اس قدر لشکر ہمراہ لے کر مرغینان پر حملہ کرنے کے خیال سے آئے اور مرغینان سے ایک کوس شرعی کے فاصلہ پر مشرق کی طرف سنان نامی گاؤں میں ٹھہرے۔ ایک دو روز ستائے اور سامان درست کر کے مرغینان کے قرب و جوار کے مقامات میں آ گئے۔ باوجودیکہ قاسم بیگ' ابراہیم سارو اور ویس لاغری وغیرہ جیسے سرداروں کو دو طرف بطریق ایلغار روانہ کر دیا گیا تھا اور میرے پاس تھوڑی سی فوج رہ گئی تھی مگر جتنی تھی اسی کو درست کر کے مقابلہ میں نکل آیا ان لوگوں نے دشمنوں کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ اس دن خلیل چہرہ دستار پیچ خوب لڑا اور کامیاب ہوا۔ دشمن کچھ نہ کر سکے۔ بار دیگر ان کو شہر کے قریب آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

قاسم بیگ جواند جان کے جنوبی پہاڑی ملک میں گیا ہوا تھا۔ اشپاریون' توروق

شاروں، چکرکون کو اور اس طرف کی رعایا کو جن میں دیہاتی، جنگلی، پہاڑی اور خانہ بدوش قومیں تھیں ساتھ لئے ہوئے آیا۔ دشمنوں کے سپاہی بھی ایک ایک دو دو بھاگ کر آنے شروع ہوئے۔ ابراہیم سارو۔ ویس لاغری وغیرہ جو آخشی کی طرف دریا سے اتر کر گئے تھے انہوں نے بھی قلعہ باب پر اور دو ایک اور قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ اوزون حسن اور تنبل ظالم، فاسق اور کافروش اشخاص تھے۔ ساری رعیت ان سے ناراض تھی۔ آخشی کے عمائد میں سے حسن دیکچی ۲۷ نے اپنے گروہ سمیت کچھ لچے شہدوں کو اپنے ساتھ بلوے پر آمادہ کیا۔ ان سب نے ان لوگوں کو جو آخشی کے قلعہ نگین میں تھے لاٹھیوں سے مارتے مارتے ارک میں دھسا دیا۔ اور ابراہیم سارو، ویس لاغری، سیدی قرا اور سرداران ہمراہی کو قلعہ نگین اخشی میں گھسا لیا۔ سلطان محمود خان نے بندہ علی اور اپنے کوکلتاش حیدر اور حاجی غازی منغت ۲۷ کو جو اسی زمانہ میں شیبانی خان کے پاس سے بھاگ کر خان کے پاس آ گیا تھا معہ امرائے قبیلہ نارین ۲۷ کے ہماری کمک کے لئے بھیجا۔ اسی موقعہ پر یہ کمک آن پہنچی۔ اوزون حسن یہ خبر سنتے ہی گھبرا گیا۔ جن لوگوں کو اس نے بڑھایا تھا اور جو اس کے کام کے آدمی تھے سب کو آخشی کے آرک کی کمک پر معین کر کے بھیج دیا۔ یہ لوگ صبح کو دریا کے کنارہ پر پہنچے۔ ہمارے لشکر کو اور مغلوں کے لشکر کو ان کا حال معلوم ہوا۔ کچھ لوگوں کو حکم دیا گیا کہ اپنے گھوڑوں کے سامان کو اتار کے دریا سے پار ہو جاؤ۔ دشمنوں کی فوج جو کمک کو آئی تھی گھبرا گئی اور کشتی کو اوپر کی طرف نہ کھینچ سکی۔ یہ فوج قلعہ میں جو نہ جا سکی تو اپنی جان بچا کر جس راستہ سے گئی تھی اسی راستہ سے پیچھے ہٹ آئی۔ ہماری فوج اور مغلوں کی فوج میں سے جو جہاں تھا وہ وہیں سے گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر حملہ آور ہوا۔ کشتی نشین ذرا نہ لڑ سکے۔ قارلو غاج بخشی نے مغل بیگ کے ایک لڑکے کو بلایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر تلوار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ اس سے کیا حاصل ہوا۔ کام تو بگڑ چکا تھا۔ کشتی والے اسی حرکت کے سبب سے اکثر قتل ہوئے۔ ایک دفعہ ہی ان لوگوں کو جو دریا میں تھے خشکی میں لا کر سب کو مار ڈالا۔

اوزون حسن کے معتبر آدمیوں میں سے قالوغاج بخشی۔ خلیل دیوانہ اور قاضی غلام تھے۔ ان میں سے قاضی غلام اس بہانہ سے بچ گیا کہ غلام تھا۔ سپاہیوں میں سے سید علی جو آج کل میرے پاس چڑھا بڑھا ہوا ہے اور حیدر قلی کلکہ کاشغری وغیرہ پانچ

چھ آدمی ستر اسی آدمیوں میں سے بچے۔ دشمن یہ خبر سن کر مرغینان کی نواح میں نہ ٹھہر سکے اور اندجان کی طرف بڑی سراسیمگی کے ساتھ چلے گئے۔ اندجان میں ناصر بیگ کو چھوڑ آئے تھے۔ جو اوزون حسن کا بہنوئی تھا۔ اگر اس کا ثانی نہ تھا تو ثالث ضرور تھا۔ وہ ایک تجربہ کار آدمی تھا اور بڑا بہادر بھی تھا۔ ان کیفیتوں کو سن کر اور ان لوگوں کی بے بنیادی سمجھ کر قلعہ اندجان کو اس نے مضبوط کر لیا اور میرے پاس آدمی بھیجا۔ جب مخالف ۲۷۴ اندجان پہنچے تو ان کو قلعہ کی مضبوطی معلوم ہوئی۔ اب کوئی بات قرار نہ پائی اور سب منتشر ہو گئے۔ اوزون حسن تو آخشی کی طرف سے اپنے گھر چلا گیا۔ سلطان احمد تنبل اپنے ملک اوش کو روانہ ہوا۔ جہانگیر مرزا کو اس کے حواشی اور ملازم اوزون حسن سے علیحدہ کر کے تنبل کے پاس لے بھاگے۔ ابھی تنبل اوش نہ پہنچا تھا کہ یہ لوگ اس سے جا ملے۔

فتح اندجان :۔ جوں ہی میں نے یہ سنا کہ اندجان والے میرے طرف دار ہیں ووں ہی میں نے کچھ تامل نہ کیا۔ سورج نکلتے ہی میں مرغینان سے چل نکلا اور دن ڈھلے اندجان میں آ گیا۔ ناصر بیگ اور اس کے دونوں بیٹے دوست بیگ' میرم بیگ حاضر ہوئے۔ میں ان سے ملا۔ میں نے ان کا حال پوچھا۔ ان پر عنایت و مہربانی کی اور شفقت و مکرمت کا امیدوار کیا۔ تقریباً" دو برس ہوئے تھے کہ آبائی ملک ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ اللہ کی عنایت سے ۲۷۵ ذیقعد ۹۰۴ ہجری میں پھر فتح ہو گیا۔ سلطان احمد تنبل جہانگیر مرزا کو لئے ہوئے اوش گیا تھا۔ وہ جو اوش میں پہنچا تو وہاں کے اوباشوں اور بازاریوں نے لاٹھیوں سے مار مار کر اوش سے باہر نکال دیا۔ اور قلعہ کو میرے لئے بچا کر میرے پاس آدمی بھیجا۔ جہانگیر اور تنبل چند آدمیوں کے ساتھ حیران و پریشان اوش سے اور کند ۲۷۶ میں آئے۔

اوزون حسن کا عزل و اخراج :۔ اوزون حسن جب اندجان میں نہ جا سکا تو آخشی کی طرف چلا گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ شہر آخشی میں جا پہنچا چونکہ وہی مفسدوں کا سرغنہ اور فساد کی جڑ تھا اس لئے اس خبر کے سنتے ہی میں اندجان میں چار پانچ دن سے زیادہ نہ ٹھہرا اور آخشی روانہ ہو گیا۔ آخشی میں میرے پہنچتے ہی اس کو کچھ نہ بن پڑی۔ عہد اور امان کا طلب گار ہوا اور قلعہ میرے حوالے کر دیا۔ میں چند روز آخشی میں ٹھہرا۔ آخشی و کاشان کا بخوبی تمام میں نے انتظام کیا اور وہاں کے سب کام درست کئے۔ پھر

امرائے مغول کو جو اس موقعہ پر میری مدد کے لئے آئے تھے رخصت دی اور اوزون حسن کو اس کے متعلقین اور اہل و عیال سمیت اندجان میں اپنے ہمراہ لے آیا۔ ۲۷۷ چونکہ اس سے عہد کر لیا تھا اس لئے اس کی جان و مال کو کوئی نقصان نہ پہنچایا۔ قر اتگین ۲۷۸ کے راستہ ۲۷۹ سے اس کو حصار چلے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنے تھوڑے سے آدمیوں کے ہمراہ حصار چلا گیا اور اس کے باقی ماندہ نوکر چاکر یہاں رہ گئے۔ یہی وہ لوگ تھے جنھوں نے ہمارے اور خواجہ قاضی کے متعلقوں کو لوٹا اور تباہ کیا تھا۔ بعض امیروں نے متفق ہو کر مجھ سے عرض کیا کہ ان برائیوں کے باعث اور ہماری طرف مسلمانوں کی بربادی اور لٹنے کے سبب یہی لوگ ہیں۔ انہوں نے اپنے آقاؤں کے ساتھ کیا کیا جو ہمارے ساتھ کریں گے مگر ان کو گرفتار کر لیا جائے یا لوٹ لیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہمارے گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں۔ ہمارے کپڑے پہنتے ہیں اور ہماری بکریاں کاٹ کاٹ کر کھاتے ہیں۔ بھلا یہ ستم کون سہ سکتا ہے؟ اگر ازروئے ترحم ان کو گرفتار نہ کیا جائے یا تاراج نہ کیا جائے تو کم سے کم اتنا تو ضرور ہونا چاہئے کہ جو لوگ جھگڑوں اور مصیبتوں میں ہمارے ساتھ رہے ہیں ان کو حکم ہو جائے کہ اپنا اپنا مال اسباب جو موجود ہے پہچان کر لے لیں۔ اگر اتنے ہی میں ان کا پیچھا چھوٹ جائے تو ان کو احسان ماننا چاہئے۔ حقیقت میں یہ بات معقول معلوم ہوتی۔ حکم دے دیا گیا کہ ہاں جو لوگ ہمارے ساتھی تھے وہ اپنا مال پہچان کر لے لیں۔ اگرچہ ایسا کرنا ٹھیک تھا اور بے موجب نہ تھا مگر ذرا جلدی ہوئی۔ کیونکہ جہانگیر مرزا جیسا دشمن بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس طرح لوگوں کو جھڑکا دینا اچھا نہ تھا۔ ملک گیری اور ملک داری میں گو بعض کام ظاہرا معقول اور باوجہ معلوم ہوتے ہیں مگر ہر کام کے لئے لاکھ طرح کی اونچ نیچ دیکھنی واجب اور لازم ہے۔ ہم نے جو بے سوچے ایک ایسا حکم دے دیا تو اس سے کس قدر فتنے بپا ہوتے ہیں۔ یہی بے تامل حکم دے دینا اندجان سے ہمارے دوبارہ نکلنے کا باعث ہوا۔ اسی سے مغلوں کو اندیشے پیدا ہوئے۔ یہ لوگ ربا ٹک اور چینی سے جس کو دو آبہ بھی کہتے ہیں اور کند کی طرف روانہ ہوئے اور تنبل کے پاس آدمی بھیجا۔ میری والدہ کے پاس تقریباً ڈیڑھ دو ہزار مغل تھے۔ ان کے علاوہ حصار سے حمزہ سلطان، مہدی سلطان اور محمد دولت کے ساتھی مغل آ گئے تھے جن کی تعداد اتنی ہی ہو گی۔ مغلوں کی قوم نے ہمیشہ

برائیاں اور بغاوتیں کی ہیں۔ آج تک پانچ دفعہ تو مجھ ہی سے بغاوت کی ہے۔ یہ نہیں کہ مجھ کو غیر سمجھ کر مجھ سے ایسا ہوا۔ بلکہ اپنے سرداروں کے ساتھ بھی بار بار ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ مغلوں کی اس بغاوت کی خبر سلطان قلی چناق نے مجھے پہنچائی۔ یہ وہ شخص ہے جس کے باپ خدا بیروی بوقاق کے ساتھ مغلوں میں سب سے زیادہ میں نے سلوک کئے' اور جس کا انتقال ہو چکا تھا۔ یہ خود بھی مغلوں کے ساتھ تھا۔ اس نے بڑا کام کیا کہ اپنے گروہ اور قوم سے جدا ہو کر مجھے یہ خبر دی۔ اگرچہ اس موقعہ پر کام کر گیا لیکن آخر میں اس نے وہ وہ برائیاں کی ہیں کہ اس طرح کی سو خدمتیں بھی ہوں تو اکارت ہیں۔ چنانچہ اس کا ذکر آگے آئے گا۔ اس نے آئندہ جو بدذاتیاں کیں وہ اس کے مغل ہونے کا نتیجہ تھا۔

مغلوں سے لڑائی اور مغلوں کی فتح: اس خبر کے آتے ہی امراء کو جمع کیا گیا اور صلاح لی گئی۔ سب نے عرض کیا کہ یہ چھوٹا سا کام ہے۔ حضور کے چلنے کی کیا ضرورت ہے۔ قاسم بیگ امراء اور لشکر کا سردار ہو کر سب کو لے جائے۔ یہی بات قرار پائی۔ اس کام کو سہل سمجھا گیا۔ ایسا سمجھنا غلط تھا۔ اسی دن قاسم بیگ اپنے لشکر اور امراء کو لئے ہوئے روانہ ہوا۔ یہ لوگ راستہ ہی میں تھے اور ہنوز منزل پر نہ پہنچے تھے کہ تنبل مغلوں میں آن ملا۔ اسی رات کو صبح کو یاسی کیچمت کے گھاٹ سے دریائے ایلامیش کے پار ہوتے ہی مڈبھیڑ ہو گئی اور خوب لڑائی ہوئی۔ قاسم بیگ خود سلطان محمد ارغون کے مقابل ہوا اور دو تین مرتبہ پے در پے ایسی تلواریں ماریں کہ اس کو سر نہ اٹھانے دیا۔ اس کے علاوہ میرے اور بھی بہت سے جوان خوب مقابل ہو کر لڑے مگر آخر کار شکست کھائی۔ قاسم بیگ' علی دوست طغائی' ابراہیم سارد' ویس لاغری' سید قرا اور امراء و مقربین میں سے تین چار اور تو نکل آئے اور باقی اکثر امراء وغیرہ گرفتار ہو گئے۔ گرفتار ہونے والوں میں سے علی درویش بیگ' میرم لاغری' توقد بیگ' طغائی بیگ محمد دوست' علی دوست' میر شاہ توچین اور میرم دیوانہ تھے۔ اس معرکہ میں دو جوان خوب لڑے۔ ہماری طرف سے ابراہیم سارد کے چھوٹے بھائیوں میں سے صمد نامی اور ادھر سے حصاری مغلوں میں سے شہسوار نامی کی مڈبھیڑ ہوئی۔ شہسوار نے ایسی تلوار ماری کہ خود کو کاٹ کر صمد کے سر میں بیٹھ گئی۔ باوجود اس زخم کے صمد نے ایسا ہاتھ مار کہ اس کی تلوار شہسوار کے سر میں سے ہتھیلی برابر ہڈی کا ٹکڑا کاٹتی ہوئی نکل گئی۔

شہسوار کے سر پر خود نہ تھا اور اس کے سر کا زخم اچھی طرح باندھ دیا گیا تھا اس سبب سے وہ اچھا ہو گیا۔ ادھر کوئی نہ تھا جو صمد کی خبر لیتا۔ تین چار دن کے بعد اسی زخم سے صمد مر گیا۔ گویا مصیبت سے اور جھگڑوں سے چھٹ گیا۔ ملک لیتے ہی یہ عجب بے ہنگام شکست ہوئی۔ ہمارے ہاں قنبر علی مغل ایک رکن اعظم تھا جس وقت میں نے اندجان فتح کر لیا تھا تو وہ اپنے ملک کو چلا گیا تھا۔ یہاں نہ تھا۔

تنبل نے اندجان پر چڑھائی کی اور ناکام پھر گیا:۔ اسی نازک موقعہ پر تنبل جہانگیر مرزا کو ساتھ لئے ہوئے اندجان سے ایک شرعی کوس کے فاصلہ پر ایک مرغزار میں جو پشتہ عیش کے سامنے ہے آن ٹھہرا۔ وہ ایک مرتبہ تیار ہو کر چل دختران سے پشتہ عیش کے دامن تک آیا۔ ہمارے جوان بھی محلات اور باغات سے تیار ہو کر باہر نکلے۔ دشمن آگے نہ آ سکا۔ پشتہ عیش کے دامن ہی سے الٹا پھر گیا۔ جب اس نواح پر چڑھائی کی ہے تو اسی چڑھائی کے زمانہ میں ہمارے گرفتار شدہ آدمیوں میں سے میرم لاغری اور توقہ کو قتل کر ڈالا۔ تقریباً" مہینہ بھر تک دشمن یہاں پڑا رہا مگر کوئی کام نہ نکلا۔ آخر اوش کی طرف سب چلے گئے۔ میں نے اوش ابراہیم سارو کو دے دیا تھا چونکہ اس سے۲۸۰ کا کوئی آدمی وہاں نہ تھا اس لئے دشمنوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

۹۰۵ھ کے واقعات مطابق ۸ اگست ۱۴۹۹ء

فوج جمع کر کے جانب اوش تنبل وغیرہ پر چڑھائی:۔ اپنے ملک میں جس قدر سوار اور پیادوں کی فوج تھی اس کے بلانے کے لئے محصل ۲۸۱ اور ہرکارے بھیج کر جلد آنے کی تاکید کی۔ قنبر علی کے پاس اور لشکر میں سے جو سپاہی اپنے اپنے ملک کو چلے گئے تھے ان کے پاس باہتمام ہرکارے دوڑا دیئے گئے۔ تورا' سیڑھیاں' پھاوڑے' کلہاڑیاں اور جو جو سامان لشکر ہے اس کے مہیا کرنے کے لئے محصل مقرر کئے۔ اطراف ملک سے جو سپاہی' سوار اور پیادے آتے گئے ان کو ایک جائے ٹھہرایا گیا۔ جتنے نوکر و سپاہی ادھر ادھر انتظام کے واسطے چلے گئے تھے ان کو بھی جمع کر لیا گیا اور خدا پر توکل کر کے اٹھارویں ۲۸۲ محترم کو حافظ بیگ کے چار باغ کی طرف روانہ ہوا۔ دو ایک روز چار باغ میں رہ کر جس قدر اسباب حرب و ضرب باقی رہ گیا تھا اس کو تیار کر لیا۔ اس کے

بعد لڑائی کی صفیں جرنغار' برنغار' قول اور ہراول سوار اور پیادوں سے مرتب کر کے اوش کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اوش کے نزدیک پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ دشمن اوش کی نواح میں نہ ٹھہر سکے اور رباط ۔۲۸۳ سرہنگ میں جو اوش کے شمال میں ہے بھاگ گئے۔ ہم اس رات لات کند میں ٹھہرے۔ صبح کو اوش سے چلتے وقت خبر آئی کہ دشمن اندجان کی طرف چلے گئے ہیں۔ ہم بھی اور کند کی طرف روانہ ہوئے۔ اور کند کی نواح کے لوٹنے کے لئے فوج کا دستہ اپنے سے آگے روانہ کیا۔ دشمن جو اندجان کی طرف گئے تھے تو راتوں رات خندق میں جا پہنچے۔ جس وقت فصیل پر سیڑھیاں لگانی چاہیں اسی وقت شہر والے ہوشیار ہو گئے۔ حملہ آور کچھ نہ کر سکے اور الٹے پھر گئے۔ ہمارا پیش رفتہ دستہ فوج نے اور کند کی نواح کو لوٹا مگر کچھ ان کے ہاتھ نہ آیا۔ یوں ہی الٹے پھر آئے۔ اوش کے قلعوں میں سے ایک قلعہ مادو ہے جو اس زمانہ میں بہت مضبوط مشہور تھا۔ تنبل نے اپنے چھوٹے بھائی خلیل کو اس قلعہ میں انتظام کے لئے کوئی ڈھائی سو آدمیوں کے ساتھ چھوڑ رکھا تھا۔

قلعہ مادو پر یورش اور اس کا فتح ہونا:۔ ہم پلٹ کر آئے اور مادو کے قلعہ پر ایک سخت لڑائی لڑے۔ مادو کا قلعہ بہت مضبوط قلعہ ہے۔ اس کے شمال کی طرف ایک دریا ہے۔ وہ اتنا اونچا ہو گا کہ اگر وہاں سے تیر ماریں تو شاید فصیل کے اندر نہ پہنچے۔ اس کا ایک نالہ اسی جانب بہتا ہے۔ قلعہ کے نیچے دونوں طرف اس طرح فصیل بنائی ہے کہ گلی سی بن گئی ہے اور اس کو دریا تک پہنچا دیا ہے۔ پشتہ کے گرد خندق ہے چونکہ دریا قریب ہے اس لئے اس میں سے توپ کے گولوں کے برابر بڑے بڑے پتھر قلعہ پر لا کر جمع کر لئے۔ جتنے بے حد اور بڑے پتھر قلعہ مادو پر سے برسائے گئے ہیں اپنے قلعوں پر لڑائیاں ہوئیں مگر کسی قلعہ پر سے اتنے پتھر کسی نے نہیں برسائے۔ عبدالقدوس کوہ برکتہ بیگ کا بڑا بھائی فصیل کے نیچے پہنچ گیا تھا۔ فصیل پر سے اس پر ایسا پتھراؤ کیا کہ اس کا پاؤں کہیں نہ ٹک سکا اور معلق ہو کر اس طرح گرا کہ سر نیچے اور پاؤں اوپر۔ ایسی اونچی جگہ سے اگرچہ لڑکتا ہوا پشتہ کے نیچے آ پڑا لیکن بال بال بچا اور اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر لشکر میں چلا گیا۔ دہری فصیل والے نالہ پر یار علی بلال کے سر میں ایک پتھر لگا۔ اس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے لڑکے نے زخم کو باندھ دیا۔ اس لڑائی میں بہت لوگ پتھروں سے ضائع ہوئے۔ اس کے دوسرے دن جو لڑائی ہوئی

تو چاشت ۲۸۴ھ کے وقت سے پہلے دریائی نالہ چھین لیا گیا یہ لڑائی شام تک رہی۔ ۲۸۵ دریائی نالہ پر جو قبضہ ہو گیا تھا تو دشمن پانی نہ لے سکے۔ صبح کو انہوں نے امان چاہی۔ اور باہر نکل آئے۔ ان کے سردار خلیل کو جو تنبل کا چھوٹا بھائی تھا معہ ستر اسی بلکہ سو آدمیوں کے گرفتار کر کے اندجان بھیج دیا گیا۔ تاکہ احتیاط سے وہاں نظر بند رکھیں۔ ہمارے امراء سردار او ۹ عمدہ سپاہی بھی دشمن کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے تھے۔ یہ اچھا بدلہ مل گیا۔

آنجان میں دونوں لشکر پڑے رہے :۔ ماہ ۲۸۶ھ کو فتح کر کے اونجو تو یہ نام ایک گاؤں میں جو اوس کے علاقہ میں ہے ہم آن اترے۔ ادھر تنبل اندجان سے پلٹ کر مقام آنجان میں جو رباط سرہنگ آور چینی کے دیہات میں سے ہے آ ٹھہرا۔ ان دونوں لشکروں میں ایک فرسنگ کا فاصلہ ہو گا۔ انہی دنوں میں قنبر علی بیماری کی وجہ سے اوش چلا گیا کوئی مہینہ بھر یا چالیس دن یہیں پڑے رہے اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی مگر ہمارے غلہ لانے والے اور دشمنوں کے غلہ لانے والے روز لڑتے رہے۔ ان دنوں میں راتوں کو لشکر کے گرد بہت بندوبست کیا جاتا تھا۔ خندقیں کھودی گئی تھیں۔ جہاں خندق نہ تھی وہاں جھانکڑ لگا دیئے گئے تھے۔ جس قدر فوج تھی سب مسلح خندق کے کنارہ پر رہتی تھی۔ اتنی احتیاط پر بھی تیسرے چوتھے دن رات کو لشکر میں غل غپاڑا ہو جاتا تھا۔ ایک دن غلہ آوروں کا سردار ہو کر سیدی بیگ طغائی گیا تھا۔ غنیم کے سپاہیوں نے دفعتاً آن گھیرا اور اثنائے جنگ میں سیدی بیگ کو پکڑ لیا۔

بائسنقر مرزا کا شہید ہونا :۔ اسی برس میں خسرو شاہ بلخ پر فوج کشی کرنے کے خیال سے بائسنقر مرزا کو بلا کر قندز میں لایا اور پھر بلخ کی طرف روانہ ہوا۔ جس وقت مقام اوباج ۳۰ھ میں پہنچا۔ اس وقت کمبخت کافر نعمت خسرو شاہ کو سلطنت کی ہوس ہوئی۔ اسی ہوس میں اس نے بائسنغر مرزا جیسے خوش طبع' پر فضیلت اور صاحب حسب و نسب بادشاہ زادہ کو امراء سمیت گرفتار کر لیا اور کمان کے چلّہ سے پھانسی دے کر محرم کی دسویں کو شہید کر ڈالا اور اس کے امراء اور مقربوں کو بھی مار ڈالا۔ بھلا سلطنت ایسے نالائق اور بے ہنر آدمی کو کیونکر حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا نہ حسب و نسب درست نہ حیثیت' نہ جس میں ہنر' نہ تدبیر' نہ شجاعت' نہ انصاف اور نہ عدالت۔

بائسنغر **مرزا کا مجمل حال :۔** مرزا کی ولادت اور اس کا نسب۔ وہ ۸۸۲ھ میں بمقام حصار پیدا ہوا تھا۔ سلطان محمود مرزا کا منجھلا بیٹا تھا۔ سلطان مسعود مرزا سے چھوٹا اور سلطان علی مرزا' سلطان حسین مرزا اور سلطان ویس مرزا (جو خان مرزا مشہور ہے) سے بڑا۔ اس کی ماں کا نام پشہ بیگم تھا۔ مرزا کا حلیہ یہ ہے بڑی بڑی آنکھیں' گول چہرہ' میانہ قد' پرملاحت جوان' چہرہ کا ڈول ترکمانوں کا سا' اخلاق و اطوار یہ تھے۔ عادل' خوش طبع انسان اور صاحب فضیلت بادشاہزادہ تھا۔ اس کا استاد سید محمود شیعہ تھا۔ اسی سبب سے بائسنغر مرزا بھی مطعون تھا۔ کہتے ہیں آخر سمرقند میں وہ اس عقیدہ سے پھر گیا تھا اور پاک اعتقاد ہو گیا تھا۔ شراب کا بڑا شوقین تھا۔ جس وقت شراب نہ پیے ہوئے ہوتا اس وقت نماز پڑھتا تھا۔ شراب کے نشہ میں نماز نہ پڑھتا تھا۔ اس کی سخاوت اور فیاضی اعتدال کے ساتھ تھی۔ نستعلیق خط کا خوش نویس تھا۔ مصور بھی برا نہ تھا۔ شعر بھی خاصا کہتا ۲۸۷ تھا۔ عادلی تخلص تھا۔ اس کا کلام اتنا نہ ہوا کہ دیوان مرتب ہو جائے۔ یہ مطلع ۲۸۸ اسی کا ہے ۔

سایہ وار از ناتوانی جا بجا می او فتم
گر نگیرم روئے دیوارے زپائی او فتم

سمرقند میں بائسنغر مرزا کی غزلیں اتنی مشہور ہیں کہ ہر گھر میں ان کے اشعار سن لو۔ لڑائیاں اس کی یہ ہیں۔ وہ دو لڑائیاں لڑا ہے۔ ایک دفعہ سلطان محمود خاں سے۔ بائسنغر مرزا کے تخت پر بیٹھتے ہی سلطان محمود خاں نے سلطان جنید برلاس وغیرہ مفتریوں کے بہکانے اور بھڑکانے سے سمرقند چھیننے کے لئے فوج کشی کی۔ وہ ۲۸۹ آق کوتل سے ہوتا ہوا رباط سغد اور کنبائی کی نواح میں آیا بائسنغر مرزا بھی سمرقند سے نکلا اور کینائی میں مقابلہ کر کے محمود خاں کو شکست فاش دی۔ تین چار ہزار مغل بائسنغر مرزا کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔ حیدر کو کلتاش جو خان کا بہت منہ چڑھا ہوا تھا اس لڑائی میں مارا گیا۔ دوسری بار بخارا میں سلطان علی مرزا سے لڑائی ہوئی اور بائسنغر مرزا مغلوب ہو گیا۔ اس کے قبضہ میں یہ ملک تھے۔ اس کے باپ سلطان محمود مرزا نے اس کو بخارا دیا تھا۔ باپ کے امراء نے متفق ہو کر سمرقند کا بادشاہ کر دیا۔ کچھ مدت تک بخرا بخارا بھی اسی کی قلمرو میں داخل رہا۔ ترخانیوں کی بغاوت کے بعد بخارا قبضہ سے نکل گیا۔ جب میں نے سمرقند فتح کر لیا تو وہ خسرو شاہ کے پاس بھاگ

گیا۔ خسرو شاہ نے حصار چھین کر اس کو دے دیا۔ مرزا کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ خسرو شاہ کے پاس آنے کے زمانہ میں اس نے اپنے چچا سلطان خلیل مرزا کی بیٹی سے شادی کی۔ اس کے سوا اور کوئی بیوی یا حرم نہ تھی۔ اس نے ایسے استقلال کے ساتھ سلطنت نہیں کی کہ ایک شخص کو بھی بڑھایا ہو۔ اور امیر بنایا ہو۔ اس کے امراء وہی باپ اور چچا کے امراء تھے۔

امراء کا آنا تنبل سے لڑائی اور اس پر فتح پانا:۔ بانسنغر مرزا کے واقعہ کے بعد سلطان احمد قراول قوچ بیگ کا باپ اپنے بھائیوں' عزیزوں' بال بچوں اور نوکروں سمیت قرا تگین ۲۹۰ سے چلا اور مجھے اطلاع دے کر میرے پاس آ گیا۔ قنبر علی اوش میں بیمار ہو گیا تھا۔ تندرست ہو کر وہ بھی چلا آیا۔ اس عجیب موقعہ پر سلطان احمد قراول نے اپنے ہمراہیوں سمیت بطور غیبی کمک کے جو آ گیا تو اس کو نیک شگون خیال کیا اور دوسرے دن صبح کو سامان درست کر کے دشمن کے مقابلہ کے لئے ہم روانہ ہو گئے۔ دشمن آنجان میں نہ ٹھہر سکا۔ اپنے پڑاؤ سے چل کھڑا ہوا۔ ہم اسی کے پڑاؤ میں آن اترے۔ کسی قدر سامان' فرش فروش اور خیمے' ڈیرے وغیرہ ہمارے اہل لشکر کے ہاتھ لگے۔ اسی رات تنبل جہانگیر مرزا کو لئے ہوئے ہماری بائیں طرف سے ہوتا ہوا موضع ۲۹۱ خوبان میں جواند جان کی جانب ہمارے پہلو میں ہم سے تین فرسنگ کے راستہ پر ہو گا آ گیا۔ دوسرے دن ہم بھی برانغار' جرانغار' قول اور ہراول کو مرتب کر' گھوڑوں پر سامان ڈال' ہتھیار لگا اور صف بندی کر ان پیادوں کو جو تورا ۔ اٹھائے ہوئے تھے اپنے آگے کیا اور غنیم کی طرف روانہ ہوئے۔

برانغار میں علی دوست طغائی معہ اپنے پیروں کے تھا۔ جرانغار میں ابراہیم سارو' ویس لاغری' سید قرا' محمد علی مبشر' کنجنگ ۲۹۳ بیگ (خواجہ کلاں کا بھائی) بعض اور مصاحین' سلطان احمد قراول اور کوچ بیگ معہ اپنے ہمراہیوں کے مقرر ہوئے۔ قاسم بیگ میرے پاس قول میں تھا۔ قنبر علی ہراول اور ہمارے بعض مصاحین و ملازمین موضع سقا میں جو خوبان کے جنوب و مشرق میں مقام خوبان سے کوس بھر پرے پہنچے ہی تھے۔ خوبان سے غنیم بھی درست ہو کر نکلا۔ ہم بھی پوری احتیاط کے ساتھ بہت جلد آگے بڑھے توروں اور پیادوں کو مرتب کر دیا گیا تھا۔ وہ مقابلہ کے محل پر پیچھے رہ گئے۔ عنایت الٰہی سے ان کی کچھ ضرورت نہ ہوئی۔ ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہماری جرا

نغار اور دشمن کی برانغار کلہ بکلہ لڑنے لگی۔ خواجہ کلاں کا بھائی کنجنگ بیگ یہاں خوب مستعدی سے لڑا۔ کنجنگ ۔۲۹۴ بیگ کے بعد محمد علی مبشر بھی اچھا لڑا۔ دشمن اتنا حملہ بھی نہ جھیل سکا اور بھاگ نکلا۔ براطفد اور ہراول کو لڑنے کا موقع نہ ملا۔ بہت سے لوگ گرفتار ہو کر آئے۔ میں نے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ ہمارے امراء میں سے قاسم بیگ اور علی دوست بیگ نے' لیکن زیادہ تر علی دوست بیگ نے احتیاط اور نقصان کے خیال سے بھگوڑوں کے تعاقب میں دور بھیجنا مناسب نہ سمجھا۔ اس سبب سے ان کے بہت سے لوگ گرفتار نہ ہوئے۔ ہم وہیں موضع خوبان میں اتر پڑے۔ میں پہلے پہل ۔۲۹۵ باقاعدہ لڑائی یہی لڑا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے فضل و کرم سے فتح عنایت کی۔ میں نے اس کو نیک شگون خیال کیا۔ دوسرے دن میری دادی شاہ سلطان بیگم اس خیال سے کہ اگر جہانگیر مرزا پکڑا گیا ہو تو اس کو چھڑا لیں اندجان سے تشریف لائیں۔ جاڑا قریب آ گیا تھا۔ بیرو نجات میں غلہ اور گھاس کا نام نہ تھا۔ اس واسطے اور کند پر یورش کرنی مناسب نہ سمجھی اور اندجان کی طرف مراجعت کی گئی۔

اندجان سے ربا طک اور چینی کی طرف جانا:۔ چند روز کے بعد مشورہ کر کے یہ تجویز قرار پائی کہ اندجان میں قشلاق قائم ۔۲۹۶ کرنے سے دشمن کو کوئی نقصان اور ضرر نہیں پہنچے گا۔ بلکہ گمان غالب ہے کہ چوری اور قزاقی سے وہ اپنا کام بنا لے ایسی جگہ قشلاق کرنا چاہئے جہاں ہمارے لشکر کو کھانے پینے کی تکلیف نہ ہو اور دشمن کو ایک طرح سے ہم تنگ کرتے رہیں۔ اس مصلحت سے ربا طک اور چینی (جس کو میان دو آب بھی کہتے ہیں) کی طرف اندجان سے روانہ ہو کر مواضعات ارمیان و نوشاب کی نواح میں قشلاق کے لئے پہنچے اور وہیں قشلاق مقرر کیا۔ یہاں شکار کھیلنے کے عمدہ مقامات اور کھیل تماشوں کے لئے اچھے اچھے میدان ہیں۔ دریائے اتلامیش ۔۲۹۷ کے قریب کے جنگلوں میں پہاڑی بکریاں' بارہ سنگے اور سور بہت ہوتے ہیں۔ اس جنگل کے ان ٹکڑوں میں جہاں جھاڑیوں کے دور دور جھنڈ ہیں جنگلی جانور اور خرگوش کثرت سے ہوتے ہیں۔ اور رنگ رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہاں کی لومڑی اور جگہ کی لومڑیوں سے بڑی تیز رفتار ہوتی ہے۔ قشلاق کے زمانہ میں دوسرے تیسرے دن میں شکار کھیلنے جاتا تھا۔ بڑے بڑے جنگل کھوند کر بارہ سنگوں اور پہاڑی بکریوں کا شکار کھیلتا تھا۔ اس کے تنگ جنگلوں میں جنگلی پرندوں پر شکاری جانور چھوڑے جاتے تھے اور تیر دو شاخہ سے

بھی گرائے جاتے تھے۔ وہاں کا جنگلی پرندہ بہت فربہ ہوتا ہے جب تک ہم اس قشلاق میں رہے ان جنگلی جانوروں کا گوشت ڈھیروں میں پڑا رہتا تھا۔ قشلاق میں رہنے کے زمانہ میں خدا بیروی تو غچی ۲۹۸ جس کو میں نے مہربانی سے نیا امیر بنایا تھا دو تین مرتبہ تنبل کے قزاقوں ۲۹۹ کو زیر کر کے ان کے سر کاٹ لایا۔ اوش اور اندجان کی نواح کے قزاق ۳۰۰ سپاہی بھی متواتر دشمن کے علاقوں کو عیاری سے تباہ کرتے رہے۔ ان کے گھوڑے پکڑ لائے۔ آدمیوں کو مار ڈالا اور ان کو خوب دق کیا۔ اگر ہم جاڑے بھر اسی قشلاق میں رہتے تو عجب نہ تھا کہ گرمیوں کے آتے تک بے لڑے دشمن تباہ ہو جاتے۔ کیونکہ ہم نے اتنے ہی دنوں میں دشمن کو بہت تنگ اور عاجز کر دیا تھا۔

اس وقت قنبر علی نے اپنے علاقہ میں جانے کی اجازت چاہی۔ ہرچند اس کو یہ باتیں سمجھائیں اور منع کیا مگر وہ اور زیادہ جانے پر اڑ گیا۔ عجب ہلکا اور فندی آدمی تھا۔ مجبوراً اس کو جانے کی اجازت دے دی۔ پہلے اس کے علاقہ میں خجند تھا۔ اس دفعہ جو اندجان لیا ہے تو اسفرہ اور کند بادام بھی اسی کو دے دیا گیا۔ ہمارے امراء میں قنبر علی ہی کے پاس بہت سا ملک اور بہت سے آدمی تھے۔ جتنا یہ ذی مقدار تھا اتنا کوئی نہ تھا۔ ہم چالیس پچاس دن تک اسی قشلاق میں رہے۔ قنبر علی کی وجہ سے لشکر کے اور لوگوں کو بھی رخصت دینی پڑی اور ہم بھی آخر اندجان میں آ گئے۔ جتنے دن ہم قشلاق میں رہے اتنے دن تنبل کے آدمی نچلے نہ بیٹھے۔ خان کے پاس تاشقند لوگوں کے آنے جانے کا لگا لگا ہی رہا۔ احمد بیگ (جو سلطان محمود خاں کے بیٹے محمد سلطان ۳۰۱ کا بیگ آتکہ اور خان کا رعایتی بڑا سردار تھا اور تنبل کا چچیرا بھائی تھا) اور بیگ تلبہ (جو خان کا ایشک ۳۰۲ آغا تھا اور تنبل کا سگا بڑا بھائی تھا) اس نے خان کے اور تنبل کے پاس آمدورفت کر کے خان کو اس پر آمادہ کیا کہ تنبل کی مدد کریں۔ بیگ تلبہ جب سے پیدا ہوا تھا مغلستان ہی میں رہا تھا اور مغلوں ہی میں رہ کر چھوٹے سے بڑا ہوا تھا۔ ہمارے ملک میں کبھی نہ آیا تھا اور اس ملک کے کسی بادشاہ کی خدمت میں نہیں رہا تھا۔ ہمیشہ اس نے ان خواتین ہی کی خدمتیں کی تھیں۔ اپنے گھربار اور اہل و عیال کو تاشقند میں چھوڑ کر یہ خود اپنے چھوٹے بھائی تنبل کے ساتھ ہو گیا۔

قاسم عجب کی گرفتاری:۔ ان دنوں میں ایک عجیب حادثہ ہوا۔ وہ یہ ہے کہ قاسم عجب کو میں آخشی میں عاریتاً چھوڑ گیا تھا۔ وہ تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ قزاقوں

کے تعاقب میں نکلا۔ دریائے خجند سے پار ہو کر مقام ہجراتا۔۳۰۳ میں پہنچا تھا کہ تنبل کی بہت سی فوج سے اس کا مقابلہ ہوا اور مقابلہ ہوتے ہی وہ پکڑا گیا۔ جب تنبل نے ہمارے لشکر کے چلے جانے کی خبر سنی اور اس کا بڑا بھائی بیگ تلبہ خاں سے باتیں کر کے آگیا اور کمک کا آنا اس کو یقینی ہو گیا تو تنبل اور کند۔۳۰۴ سے میان دو آب میں آگیا۔ اس اثناء میں کاشان سے تحقیق خبر آئی کہ خان نے تنبل کی مدد کے لئے محمد سلطان خانیکہ اپنے بیٹے کو (جو سلطانم مشہور تھا) معہ احمد بیگ کے مقرر کیا ہے۔ اس کے ساتھ پانچ چھ ہزار آدمی ہیں۔ ارچہ۔۳۰۵ کنت کے راستہ سے کاشان کو آگھیرا۔ ہم نے بھی کچھ ان لوگوں کا انتظار نہ کیا جو ادھر ادھر گئے ہوئے تھے' جس قدر لوگ موجود تھے ان ہی کو ہمراہ لے کر بلا توقف اسی کڑکڑاتے جاڑے میں اللہ پر توکل کیا اور سلطانم اور احمد بیگ پر چڑھائی کرنے کے لئے اندجان سے براہ بند سالار ہم روانہ ہوئے۔ رات بھر کہیں دم نہ لیا۔ دوسرے دن آخشی میں آکر ٹھہرے۔ اس رات بلا کی سردی تھی۔ یہ حال تھا کہ بعض کے تو ہاتھ پاؤں ٹھٹھر گئے تھے اور بہت لوگوں کے کان ایسے ہو گئے تھے جیسے مرجھائے ہوئے سیب ہوتے ہیں۔

آخشی میں ہم نے زیادہ توقف نہ کیا۔ قاسم عجب کی جگہ یارک طغائی کو عارتاً آخشی میں چھوڑ کر ہم کاشان کی طرف روانہ ہو گئے۔ کاشان کوس بھر رہا ہو گا جو خبر آئی کہ ہمارے آنے کی سن کر احمد بیگ اور سلطانم پریشان ہوئے اور فوراً بھاگ گئے۔ تنبل کو ہمارے آنے کا جو حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بھائی کی کمک کے لئے بطریق ایلغا آن پہنچا۔ تیسرا پہر تھا کہ تنبل کے لشکر کے سپاہی توکند۔۳۰۶ کی طرف سے نمودار ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی کے یوں جلد اور بے موقعہ پلٹ جانے اور ہمارے اس طرح جھٹ پٹ پہنچ جانے پر تنبل حیران رہ گیا۔ میں نے کہا خدا کی کارسازی ہے کہ وہ ان کو اس طرح لے آیا ہے کہ ان لوگوں کے گھوڑوں میں تکان سے دم نہیں رہا ہے۔ لڑائی ہو تو خدا سے امید ہے کہ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جانے پائے گا۔ ویس لاغری نے عرض کیا کہ دن آخر ہو گیا۔ اگر آج مقابلہ نہ بھی ہوا تو کل یہ کہاں بچ کر جائیں گے۔ کل جہاں یہ ہوں گے وہیں ہم ان کو آگے رکھ لیں گے۔ یہی صلاح ٹھہری اور وقت لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ اس طرح غنیم کا قابو میں آنا اور پھر بچ کر نکل جانا اس ترکی مثل کا مصداق ہے۔ قابو میں آئے ہوئے کو چھوڑ دینے سے بڑھاپے تک

افسوس کرنا پڑتا ہے۔ ؎

کار ہارا بوقت باید جست
کار بیوقت ست باشد ست

دشمن نے صبح تک کی فرصت کو غنیمت جانا۔ راتوں رات وہ کہیں نہ ٹھہرا اور قلعہ ارخیان میں آگیا۔ جب صبح کو ہم نے غنیم پر چڑھائی کی اور اس کو اپنی جائے پر نہ پایا تو ہم بھی اس کے پیچھے روانہ ہوئے۔ چونکہ ہم نے قلعہ ارخیان کے قریب محاصرہ مناسب نہ جانا اس لئے کوس بھر کے فاصلہ پر قریہ تمسکان ۳۰۷ میں ڈیرے ڈال دیئے۔

تیس چالیس دن تک ہم تو اسی پڑاؤ میں پڑے رہے اور تنبل قلعہ ارخیان میں رہا۔ کچھ کچھ لوگ ادھر سے اور ادھر سے آتے تھے اور دو دو ہاتھ کر کے پلٹ جاتے تھے۔ ایک رات وہ شبخون لے کر آئے۔ لشکر سے دور ہی سے کچھ تیر مار کر الٹے پھر گئے۔ ہمارے لشکر کے گرد خندق کھود دی گئی تھی اور جھانکڑ لگا دیئے گئے تھے اس سبب سے وہ کچھ نہ کر سکے۔ ہم اسی مقام میں تھے کہ دو تین مرتبہ قنبر علی نے بگڑ کر اپنے علاقہ میں جانا چاہا۔ آخر ایک دفعہ چلا ہی تھا کہ بعض امراء کو بھیج کر بڑی دقت سے اس کو الٹا پھیرا۔ اسی اثناء میں سید یوسف مچمی ۳۰۸ نے سلطان احمد تنبل کے پاس آدمی بھیجے اور اس سے ساز باز کی۔ اندجان کے پہاڑوں کے دامنوں میں جو اضلاع ہیں ان میں دو ضلعے مشہور ہیں۔ ایک اوبغور، دوسرا مچم۔ ۳۰۹ مچم میں سید یوسف بڑا آدمی تھا۔ رفتہ رفتہ میری سرکار میں روشناس ہو گیا۔ وہ اپنی حد سے بڑھ گیا تھا۔ اگرچہ اس کو کسی نے امیر نہ بنایا تھا مگر وہ خود امیری کا دعوٰی کرنے لگا۔ بڑا ہی منافق اور تلون مزاج آدمی تھا۔ اس دفعہ جو میں نے اندجان لیا ہے تو جب سے اب تک دو تین مرتبہ مجھ سے مل کر تنبل سے باغی ہو گیا اور دو تین بار تنبل کے ساتھ ہو کر مجھ سے پھر گیا۔ اس کی آخری بغاوت یہی تھی۔ اس کے ساتھ بہت سے قبائل تھے۔ اس خیال سے کہ وہ تنبل کے پاس نہ پہنچ جائے اور ہم اس کو راستہ ہی میں گھیر لیں۔ ہم بھی سوار ہو گئے۔ تیسرے دن ۳۱۰ ہم پشتغاران کے مقام میں پہنچے لیکن تنبل کی فوج قلعہ پشتغاران میں داخل ہو چکی تھی۔ اس حملہ میں جو سردار ساتھ تھے ان میں سے علی درویش بیگ اور قوچ بیگ معہ اپنے بھائیوں کے پشتغاران کے دروازہ پر جا پہنچے

اور گھمسان کی لڑائی لڑے۔ قوچ بیگ نے اپنے بھائیوں سمیت لڑائی میں کوشش کر کے اکثر ناموری حاصل کی۔ پشغاران سے ایک کوس کے فاصلہ پر ایک اونچی جگہ ہم اترے۔ تنبل جہانگیر مرزا کو لئے ہوئے آیا اور قلعہ پشغاران کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کے اتر پڑا۔

جہانگیر مرزا سے صلح :۔ تین چار دن کے بعد ہمارے ان امراء میں سے جو خلاف میں تھے علی دوست اور قنبر علی سلاخ نے معہ اپنے توابع و لواحق کے صلح کی تجویزیں کرنی شروع کیں۔ ہمارے طرف داروں کو اس کی ذرا خبر نہ ہوئی۔ ہم لوگ س پر اصلا راضی نہ تھے مگر جب بڑے دو امیر یہی دو مردک تھے تو ان کی بات نہ سننے اور صلح نہ کرنے میں اور خوف تھے۔ ضرورتا" اسی طرح صلح کرنی پڑی کہ دریائے خجند سے آخشی کی طرف کا ملک جہانگیر مرزا لے لے۔ اور اندجان کی جانب کا ملک میرے قبضہ میں رہے اور کند کو بھی اپنے اہل و عیال کے بلا لینے کے بعد ہمارے ہی قبضہ میں دے دے۔ اس تقسیم کے بعد میں اور جہانگیر مرزا بہ اتفاق سمرقند پر چڑھائی کریں۔ سمرقند فتح ہو جائے تو سمرقند میں لے لوں اور اندجان جہانگیر مرزا کو دے دیا جائے۔ یہی بات قرار پا گئی۔ دوسرے دن جہانگیر مرزا اور تنبل آئے۔ رجب ۹۱۲ھ کے مہینے کا آخر تھا۔ جب انہوں نے مجھ سے ملازمت حاصل کی اور جو بات مقرر ہوئی تھی اس کا عہد و پیمان کر لیا۔ جہانگیر مرزا کو آخشی کی طرف رخصت دی گئی اور میں اندجان میں آ گیا۔ اندجان میں آتے ہی میں نے تنبل کے چھوٹے بھائی خلیل وغیرہ کو جو قید تھے رہائی دی اور سب کو خلعت دے کر رخصت کر دیا۔ انہوں نے بھی ہمارے امراء اور مصاحبوں کو (جو مقید تھے جیسے طغائی بیگ' دوست محمد' میر شاہ قوچین' سیدی بیگ' قاسم عجب' پیرولیس اور میرم دیوان) رہا کر کے بھیج دیا۔

علی دوست کا فروغ :۔ اندجان میں آنے کے بعد علی دوست کا اور ہی ڈھنگ ہو گیا۔ جو لوگ مصیبتوں اور جھگڑوں میں میرے رفیق تھے۔ ان سے برے سلوک کرنے لگا۔ پہلے تو خلیفہ کو نکالا پھر ابراہیم سارد اور ویس لاغری کو بے سبب اور بے گناہ ماخوذ کر کے ان کا گھر بار لوٹ لیا اور ان کو ان کے علاقوں سے نکال دیا۔ آخر قاسم بیگ کی بھی خبر لی۔ ظاہر میں یہ بہانہ کہ اور ابراہیم سارد خواجہ قاضی کے دوست ہیں۔ مجھ سے ان کا بدلہ لیں گے۔ اس کا بیٹا محمد دوست تو بادشاہت ہی کے ڈھنگ برتنے لگا۔ اس کی

مجلس و ضیافت کا طریق' دربار کا قرینہ اور سامان آرائش بالکل بادشاہوں کا سا ہونے لگا۔ ان دونوں باپ بیٹوں نے تنبل کے برتے پر یہ حرکتیں کرنی اختیار کیں۔ مجھے بھی اتنا اقتدار اور اختیار نہ رہا کہ ان کو ایسی نامعقول حرکتوں سے روک سکوں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ تنبل جیسا دشمن ان کی حمایت پر میری بغل میں بیٹھا ہوا تھا۔ جو ان کا جی چاہتا تھا وہ کرتے تھے کیا نازک موقع تھا کہ میں دم نہ مار سکتا تھا۔ اس زمانہ میں ان دونوں باپ بیٹوں سے میں نے بڑی ذلت برداشت کی۔

پہلی شادی :۔ عائشہ سلطان بیگم میرے چچا سلطان احمد مرزا کی بیٹی جس سے میرے باپ اور چچا کی زندگی میں منگنی ہو گئی تھی وہ خجند میں آ گئی۔ شعبان کے مہینے میں میں نے اس سے شادی کی۔ اگرچہ ابتداء میں جب کہ نئی نئی شادی ہوئی ہے مجھے اس سے بہت محبت تھی مگر مارے شرم کے دسویں' پندرھویں' بیسویں دن میں اس کے پاس جایا کرتا تھا۔ آخر خود ہی وہ محبت نہ رہی اور حجاب اور زیادہ ہو گیا۔ مہینے ڈیڑھ مہینے کے بعد میری والدہ خانمیر نے بہت دھمکایا اور بڑی دقتوں سے مجھے اس کے پاس بھیجا۔

عاشق ہونا :۔ اردوبازار میں ایک لڑکا تھا۔ بابری نام۔ جس میں ہم نامی کی بھی ایک مناسبت تھی۔ انہی دنوں میں مجھے اس کے ساتھ عجیب لگاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ ؎

اس پری وش پہ کیا ہوا شیدا
بلکہ اپنی خودی بھی کھو بیٹھا

اس سے پہلے میں کسی پر فریفتہ نہ ہوا تھا۔ کسی سے مہر و محبت کی بات تک نہ نہ تھی بلکہ دل لگی کا نام بھی نہ سنا تھا۔ اس زمانہ میں ایک آدھ شعر فارسی میں بھی کہا کرتا تھا۔ ان میں سے ایک شعر یہ ہے۔ ؎

ہیچ کس چوں من خراب و عاشق و رسوا مباد
ہیچ محبوبے چو تو بے رحم و بے پروا مباد

مگر حال یہ تھا کہ اگر کبھی بابری میرے سامنے آ جاتا تھا تو مارے شرم کے نگاہ بھر کر اس کی طرف نہ دیکھ سکتا تھا۔ چہ جائیکہ اس سے مل سکوں اور باتیں کر سکوں۔ اضطراب دل کی یہ حالت تھی کہ اس کے آنے کا شکریہ تک ادا نہ کر سکتا تھا۔ یہ تو کہاں کہ نہ آنے کا گلہ زبان پر لا سکتا اور زبردستی بلانے کی تو مجال ہی کس کو تھی۔ اس شیفتگی کے زمانہ میں ایک دن اپنے حشم و خدم کے ساتھ میں ایک گلی میں چلا جاتا تھا۔

دفعتاً" بابری سے میرا آمنا سامنا ہو گیا میری عجب حالت ہوئی۔ قریب تھا کہ اپنے آپے میں نہ رہوں۔ آنکھ اٹھا کر دیکھنا یا بات کرنا تو ممکن نہ تھا۔ بہت جھینپتا ہوا اور گھبراتا ہوا میں آگے بڑھ گیا۔ محمد صالح کی یہ بیت بے اختیار یاد آ گئی ۔

شوم شرمندہ ہر گہ یار خودرا اور نظر بینم
رفیقاں سوئے من بینند و من سوئے دگر بینم

یہ بیت بالکل میرے حسب حال تھی۔ ان دنوں میں عشق و محبت کا ایسا زور اور جوانی اور جنون کا انتہائی غلبہ ہوا کہ کبھی کبھی ننگے سر ننگے پاؤں میں۔ باغوں میں اور باغیچوں میں ٹہلا کرتا تھا۔ نہ اپنے اور بیگانے کی طرف التفات تھا نہ اپنی اور دوسرے کی پروا تھی۔ ۔

نہ تھا معلوم مجھ کو مجھے الفت میں پیش آیا
کسی کو کوئی دل دے تو یہی گت اس کی ہوتی ہے

اسی سال میں سلطان۔۳۱۳ علی مرزا اور محمد مزید ترخان کا بگاڑ ہو گیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ترخانی بہت مقتدر و معتبر ہو گئے تھے۔ باقی تو دروبست بخارا کو دبا بیٹھا تھا۔ یہاں تک کہ بخارا کی آمدنی میں سے ایک حبہ کسی کو نہ دیتا تھا۔ محمد مزید ترخان بھی سمرقند کا بالکل مالک بن بیٹھا تھا۔ اس نے سارا ملک اپنے بیٹوں' متعلقوں اور عزیزوں کے لئے گھیر لیا تھا۔ شہر کی آمدنی سے جو تھوڑی سی رقم راتبہ کے طور پر مقرر کر دی گئی تھی اس کے سوائے ایک پیسہ سلطان علی مرزا کو کسی طریقہ سے نہ پہنچتا تھا۔ سلطان علی مرزا جوان ہو گیا تھا۔ وہ اس طریقہ کا تحمل کب تک کرتا۔ اپنے رفیقوں کے بل پر محمد مزید ترخان کے درپے ہوا۔ ۔۳۱۴ محمد مزید ترخان اس بات کو تاڑ گیا۔ مرزا کو اور اس کے نوکروں' چاکروں' متعلقوں' عزیزوں اور ان امراء کو جو اس سے ملے ہوئے تھے جیسے سلطان حسین ارغون' پیر احمد' اوزون حسن کا چھوٹا بھائی خواجہ حسین' قرابرلاس' صالح محمد اور بعض اور امراء اور سپاہیوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر آ گیا۔ اسی زمانہ میں سلطان محمود خان نے محمد حسین وغلت' احمد بیگ اور اپنے بہت سے مغلوں کو خان ۔۳۱۵ مرزا کے بیگ آتکہ ہی تھے۔ حسن نبیرہ' ہندو بیگ اور کچھ اور لوگ جو حافظ بیگ اور طاہر بیگ سے لگاؤ رکھتے تھے سلطان علی مرزا کے پاس سے بھاگ کر خان مرزا کے پاس چلے گئے۔ محمد مزید ترخان نے یہ کیا کہ لوگوں کو بھیجا اور خان

مرزا اور لشکر مغل کو بلایا۔ شاہ دار کی نواح میں آ کر خان مرزا اور امرائے مغل سے ملاقات کی۔ چونکہ امرائے مغل کا محمد مزید بیگ اور ان لوگوں سے خوب میل جول نہ ہوا۔ بلکہ مغلوں نے محمد مزید ترخان کی گرفتار کا ارادہ بھی کر لیا تھا۔ مزید ترخان اور اس کے امرا اس چال کو سمجھ گئے اور بہانہ کر کے مغلوں سے کنارہ کر گئے۔ ان کے الگ ہوتے ہی مغلوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ جب یہ لوگ یار یلاق میں آ کر ٹھہرے تو سلطان علی مرزا سمرقند سے تھوڑی سی فوج کے ساتھ دفعتاً" خان مرزا پر مغلوں کے لشکر پر آ پڑا۔ مغل بے لڑے بھاگ نکلے۔ آخر میں سلطان علی مرزا سے یہ ہی ایک عمدہ کام ہوا۔

مزید ترخان وغیرہ کی اشتعالک سے سمرقند جانا اور ناکام ہونا:۔ محمد مزید ترخان اور سب لوگ علی مرزا وغیرہ مرزاؤں سے مایوس ہو گئے تھے۔ عبدالوہاب مغل کو جب اس سے پہلے میرے پاس تھا اور جس نے اندجان کے گھر جانے کے موقع پر خواجہ قاضی کا خوب ساتھ دیا تھا اور اپنی جان لڑا دی تھی میرے پاس بھیجا اور مجھے اپنی مدد کے لئے بلایا۔ میں خود اس معاملہ کے واسطے خراب و خستہ ہو رہا تھا۔ سمرقند ہی پر چڑھائی کرنے کے لئے جہانگیر مرزا سے صلح کر لی تھی۔ فورا" میر مغل کو جہانگیر مرزا کے پاس ڈاک چوکی میں آخشی بھیجا اور آپ سمرقند کی جانب جانے کو آمادہ ہوا۔ ذیقعد ھ کا مہینہ تھا جو سمرقند کی طرف لشکر کی روانگی ہوئی۔ چوتھے دن مقام قبا میں ہم پہنچے۔ ظہر کے وقت خبر آئی کہ تنبل کے چھوٹے بھائی خلیل نے اوش کا قلعہ چوری سے آ کر چھین لیا ہے۔ اس کا مفصل حال یہ ہے کہ ان قیدیوں کو جن کا سردار تنبل کا چھوٹا بھائی خلیل تھا رہا کر دیا گیا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ تنبل نے خلیل کو اہل و عیال وغیرہ کے لانے کے واسطے جو اور کند سنہ ۹۰۲ھ میں تھے بھیجا تھا۔ یہ اس بہانہ سے اور کند میں آ کر ٹھہر گیا۔ لگا حیلے حوالے کرنے کہ آج آتا ہوں کل آتا ہوں۔ جب میں مع لشکر سوار ہو گیا تو میدان صاف دیکھا اور اوش کو خالی پایا۔ راتوں رات چوری سے آ کر دفعتاً" اوش کو لے لیا۔ یہ خبر ہم نے سنی مگر ٹھہرنا اور اس سے لڑنا کئی وجہ سے خلاف مصلحت دیکھا اور سمرقند کی طرف ہم متوجہ ہو گئے۔

وہ وجوہات یہ تھیں کہ ایک تو میرے سارے سپاہی سامان جنگ درست کرنے کے لئے اپنے اپنے گھر مختلف مقامات میں چلے گئے تھے اور ہم سب صلح کے بھروسے پر

دشمنوں کے فریبوں سے غافل اور بے خبر تھے۔ دوسرے علی دوست اور قنبر علی جیسے ہمارے دو بڑے سرداروں سے ایسی حرکتیں ظاہر ہو چکی تھیں کہ ان پر اعتماد نہ رہا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ تیسرے تمام امرائے سمرقند نے جن کا سردار محمد مزید ترخان تھا مغل عبدالوہاب کو میرے پاس میرے بلانے کے لئے بھیجا تھا۔ بھلا سمرقند جیسے پائے تخت کو چھوڑ کر اندجان جیسے چھوٹے سے ملک میں کون اوقات ضائع کرتا۔ میں تو قبا سے مرغینان میں آ گیا۔ مرغینان میں قوچ بیگ کے باپ سلطان احمد بیگ کو مقرر کیا تھا۔ وہ اپنے تعلقات کی وجہ سے میرے ہمراہ نہ ہو سکا۔ مرغینان ہی میں رہ گیا۔ ہاں قوچ بیگ اپنے دو ایک بھائیوں سمیت میرے ساتھ ہو گیا۔ میں اسفرہ کے راستہ پر ہو لیا۔ مجن نام ایک موضع میں جو اسفرہ کے توابعات میں سے ہے آ کر اترا۔ اتفاقات حسنہ سے قاسم بیگ معہ اپنی فوج کے اور علی دوست معہ اپنی فوج کے اور سید قاسم اور بہت سے عمدہ سپاہی اسی رات مجن ۳۱۷ کے مقام میں اس طرح جیسے کوئی ڈاک میں آتا ہے آئے اور میرے ساتھ ہو لئے۔ یہاں سے چلے دشت ۳۱۸ خیان کا راستہ طے کرتے ہوئے پل خوبان ۳۱۹ پر ہو کر مقام اوراتیبہ میں ہم آئے قنبر علی اپنے علاقہ خجند سے تنبل کے پاس اس پر بھروسہ کر کے فوج کشی کے باب میں گفتگو کرنے آخشی آیا۔ جوں ہی وہ آخشی آیا ووہیں تنبل نے اسے قید کر لیا۔ اور اس کے علاقہ پر چڑھائی کر دی۔ ترکی مثل مشہور ہے کہ ۔

بھروسہ نہ کر دوست پر اپنے تو
کہ بھر دے گا وہ بھس تری کھال میں

جس وقت قنبر علی کو ایک جائے سے دوسری جائے لے جا رہے تھے اس وقت رستہ میں سے وہ پیادہ پا ہزار دقتوں سے بھاگ نکلا اور ہم مقام اوراتیبہ ہی میں تھے کہ ہم سے آ ملا اوراتیبہ ہی میں خبر آئی کہ شیبانی خاں قلعہ بوسی میں باقی ترخان کو زیر کر کے بخارا کی طرف روانہ ہوا ہے۔ ہم اوراتیبہ سے پیلاغ بور کہ ہوتے ہوئے ۳۲۰ سنگراز میں آئے۔ سنگراز کے داروغہ نے قلعہ حوالے کر دیا۔ چونکہ قنبر علی تباہ اور برباد ہو کر آیا تھا اس لئے اس کو تو سنگراز میں چھوڑا اور ہم آگے بڑھے۔

جب ہم مقام یورت خان میں اترے تو امرائے سمرقند نے جن کا سردار محمد مزید ترخان تھا آ کر ملازمت ۳۲۱ کی۔ سمرقند کی تسخیر کے باب میں میں نے ان سے مشورہ

کیا۔ سب نے کہا کہ خواجہ یحییٰ بھی بادشاہ کا خواستگار ہے۔ اگر خواجہ اس بات پر جم جائے تو سمرقند بڑی آسانی سے بے کھٹکے ہاتھ آ جائے گا۔ اس خیال سے کئی بار خواجہ یحییٰ کے پاس بات چیت کرنے کے لئے آدمی بھیجے۔ خواجہ نے مجھے سمرقند میں بلا لینے کے باب میں کوئی پختہ جواب نہ بھیجا۔ مگر کوئی ایسی بات بھی نہ کہی کہ جس سے میں مایوس ہو جاؤں۔ یورت خان سے کوچ کیا اور مقام درغم کے قریب میں اترا۔ یہیں سے خواجہ یحییٰ کے پاس محمد علی کتاب دار کو بھیجا وہ جواب لایا کہ آیئے شہر حاضر ہے۔ شام ہوتے ہی ہم درغم سے سوار ہو کر شہر کی طرف چلے۔ سلطان محمود دولدائی۔ سلطان محمد دولدائی کا باپ یورت خان سے بھاگ کر دشمنوں کے پاس چلا گیا اور ان کو اس ارادہ کی خبر کر دی۔ جب یہ بھید ان پر کھل گیا تو جو خیال ہم نے کیا تھا وہ پورا نہ ہوا۔ ناچار ہم الٹے پھر آئے اور درغم کے پاس آن اترے۔

اور امراء کا آنا اور علی دوست کا جانا:۔ ابراہیم سارد منکلیغ نے (جو سب سے زیادہ میرا مورد عنایت تھا اور اس زمانہ میں یار ییلاق تھا اس زمانہ میں علی دوست نے اس کو برباد کر کے نکال دیا تھا) میرے بیٹے محمد یوسف کے ساتھ آ کر ملازمت حاصل کی۔ غرض میرے تمام امراء اور مصاحبین علی دوست بیگ جن کے خلاف تھا۔ جن میں سے اس نے بعض کو جلا وطن' بعض کو تاراج اور بعض کو برباد کر دیا تھا' ایک ایک کر کے سب میرے پاس آ گئے۔ اب علی دوست کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ چونکہ تنبل کے بل پر مجھ کو اور میرے دولت خواہوں کو بہت تنگ کیا تھا اور ستایا تھا اس لئے مجھ کو اس مردک سے نفرت ہو گئی تھی۔ وہ بھی مارے ڈر کے اور مارے شرمندگی کے میرے پاس نہ ٹھہر سکا۔ مجھ سے اس نے رخصت چاہی۔ میں نے بھی خوشی سے بے تامل رخصت دے دی۔ علی دوست اور محمد یوسف دونوں رخصت لیتے ہی تنبل کے پاس چلے گئے۔ اس کے مقرب ہو گئے اور دونوں نے بہت سی برائیاں اور بغاوتیں میرے ساتھ کیں۔ دو ایک برس کے بعد علی دوست کے ہاتھوں میں سرطان پھوڑا ہو گیا اور وہ اسی سے مر گیا۔ محمد دوست ازبکوں کے پاس آ گیا تھا۔ اگرچہ ازبکوں میں چلے آنے سے اس کو خاصی کامیابی حاصل ہوئی اور اس کا چلا آنا اس کے حق میں برا نہ تھا مگر وہ وہاں سے بھی نمک حرامی کر کے بھاگ گیا اور اندجان کے پہاڑوں میں فتنہ و فساد برپا کرتا رہا۔ آخر کار ازبکوں نے پکڑ کر اس کو اندھا کر دیا۔ یہ مثل سچ ہے کہ فلاں شخص کے

نمک نے اس کی آنکھیں پھوڑ دیں۔

شیبانی خاں بخارا لیتا ہے:۔ ان دونوں کو رخصت دینے کے بعد میں نے غوری برلاس کو کچھ فوج کے ساتھ بخارا کی طرف سن گن لینے کے واسطے بھیجا معلوم ہوا کہ شیبانی خاں نے بخارا کو لے لیا۔ اور وہ سمرقند کی جانب چلا آتا ہے۔ میں نے اس نواح میں اپنے ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیش کی طرف چلا گیا۔ امرائے سمرقند کے گھر بھی اکثر کیش میں تھے۔ کیش میں آنے کے بعد دو ایک ہفتے گزرے تھے جو خبر آئی کہ سلطان علی مرزا نے سمرقند شیبانی خاں کے حوالے کر دیا۔ اس کا مفصل حال یہ ہے کہ سلطان علی مرزا کی ماں زہرہ بیگی آغا نے اپنی نادانی اور بیوقوفی سے خفیہ شیبانی خاں کے پاس آدمی بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر شیبانی خان مجھ سے نکاح کر لے تو میرا بیٹا سمرقند اس کو دے دے گا۔ لیکن شیبانی ۔۳۲۳ خان سمرقند لینے کے بعد سلطان علی مرزا کے باپ کا ملک پر اس کو دیدے۔ اس کارروائی سے یوسف ارغون واقف تھا بلکہ اسی غدار نے یہ سمجھائی تھی۔

۹۰۶ھ/۳۲۴ کے واقعات

شیبانی خاں کا سمرقند میں آنا اور علی مرزا کا قتل ہونا:۔ شیبانی خاں اس عورت کے وعدہ پر چلا آیا اور باغ میدان میں آن اترا۔ سلطان علی مرزا نے یہ کیا کہ نہ کسی امیر، سردار، ملازم اور سپاہی کو خبر کی نہ کسی سے صلاح لی۔ دوپہر کے قریب صرف تھوڑے سے چھوٹے بڑے خانگی ملازموں کے ساتھ چار راہہ دروازہ سے باہر نکل باغ میدان میں شیبانی خاں کے پاس آگیا۔ شیبانی خاں مرزا سے کچھ اچھی طرح نہ ملا۔ ملاقات کے بعد اپنے سے بہت نیچی جگہ بٹھایا۔

خواجہ یحییٰ نے جو مرزا کے جانے کی خبر سنی تو گھبرا گیا۔ خواجہ سے سوائے اس کے اور کچھ نہ بن پڑی کہ وہ بھی شیبانی خاں کے پاس چلا آیا۔ شیبانی خاں نے ملاقات کے وقت خواجہ کی تعظیم نہ دی اور شکایت آمیز باتیں کیں۔ جب خواجہ چلنے لگا تو شیبانی خاں خواجہ کی تعظیم کو اٹھ کھڑا ہوا۔ خواجہ علی کا بیٹا خان علی پائی مقام رباط خواجہ میں تھا۔ اپنے مرزا کے نکل آنے کی سنتے ہی وہ بھی شیبانی خاں کے پاس آگیا۔ اس کمبخت عورت نے جو ناقص العقل تھی خاوند کرنے کی ہوس میں اپنے بیٹے کی عزت کو اور گھ

بار کو برباد کر دیا۔ شیبانی خاں نے اس کی ذرا پروا نہ کی بلکہ اس کو حرم اور سریت کے برابر بھی نہ سمجھا۔

سلطان علی مرزا بھی اپنے معاملہ میں حیران اور اپنے چلے آنے سے بہت پشیمان تھا۔ اس کے بعض مقربوں نے یہ کیفیت دیکھ کر چاہا کہ مرزا کو لے بھاگیں۔ مگر سلطان علی مرزا راضی نہ ہوا۔ چونکہ موت آہی گئی تھی اس لئے اس سے نہ بچ سکا۔ تیمور سلطان کے پاس چلا گیا۔ چار پانچ دن بعد مرغزار قلبہ میں اس کو قتل کر ڈالا۔ وہ اس ناپائیدار اور جانے والی جان کے لئے بدنام ہو کر مرا کیونکہ ایک عورت کے کہنے میں آگیا اور نیک ناموں کے زمرے سے نکل گیا۔ ایسے شخص کے حالات اس سے زیادہ نہ لکھنے چاہئیں۔ خان نے جان علی کو بھی مرزا کے پاس بھیج دیا۔ چونکہ خواجہ یحیٰی سے شیبانی خاں خائف تھا اس لئے خواجہ کو دونوں بیٹوں خواجہ محمد ذکریا اور خواجہ باقی سمیت خراسان چلے جانے کی رخصت دے دی۔ مگر پیچھے پیچھے کچھ ازبک بھی گئے۔ انہوں نے حضرت خواجہ کو معہ دونوں لڑکوں کے نواح خواجہ کارزون۔۳۲۵ میں شہید کر دیا۔ شیبانی خاں کہا کرتا تھا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا بلکہ قنبر علی۔۳۲۶ اور کپک بے نے کیا ہے۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ "عذر گناہ بدتر از گناہ" جب کسی بادشاہ اور خان کے امراء ایسا کام بغیر اس کے پوچھے کریں تو پھر ان کی بادشاہی اور خانی ہی کیا۔

کیش کا چھوڑنا: جونہی ازبکوں نے سمرقند پر قبضہ کیا فوراً ہم بھی کیش سے حصار کی طرف چلے گئے۔ محمد مزید ترخان اور امرائے سمرقند مع اپنے متعلقوں اور بال بچوں کے ہمارے ساتھ چلے۔ علاقہ چغانیان کے مرغزار میں پہنچنے کے بعد محمد مزید ترخان اور سمرقند کے امراء ہم سے علیحدہ ہو کر خسرو شاہ کے پاس چلے گئے اور اس کے نوکر ہو گئے۔ ہماری یہ حالت ہو گئی کہ ہم شہر اور ملک سے محروم نہ کہیں ہمارے پاس رہنے کا موقع نہ جانے کا ٹھکانا۔ گو خسرو شاہ نے ہمارے خاندان سے بہت کچھ برائیاں کی تھیں مگر ناچار اسی کے ملک میں سے جانا پڑا۔ مجھے ایک خیال تھا کہ ملک قراتگین۔۳۲۷ اور الائی۔۳۲۸ کے راستہ سے ہوتے ہوئے اپنے چھوٹے خان دادا الچہ خان کے پاس چلنا چاہئے۔ مگر یہ خیال پورا نہ ہوا۔ کمرود سے بہت اونچی جانب پھر کر سرہ۔۳۲۹ تنگ اور ایانی کے اوپر سے ہمارا چلنا ہوا۔ جب ہم نونداک کی نواح میں پہنچے تو خسرو شاہ کا ایک نوکر آیا۔ نو گھوڑے اور نو پارچے اپنے آقا کی طرف سے اس نے نذر کئے۔

کمرود کی گھاٹی میں ہم پہنچے۔ اس وقت شیر علی چہرہ خسرو شاہ کے بھائی ولی کے پاس چلا گیا۔ دوسرے دن قوچ بیگ الگ ہو گیا اور حصار روانہ ہو گیا۔ درہ ۳۳۰ کمرود میں آکر ہم اوپر کی جانب ۳۳۱ چلے۔ ان تنگ راستوں' کڈھب گڑھوں اور نہایت خوفناک گھاٹیوں میں ہمارے بہت سے گھوڑے اور اونٹ تھک کر چلنے کے قابل نہ رہے۔ تین چار منزلیں کر کے ہم سرہ تق کی گھاٹی میں پہنچے۔ گھاٹی اور کس بلا کی گھاٹی! میں نے کبھی ایسی ڈھلواں اور تنگ گھاٹی نہیں دیکھی تھی اور کبھی ایسے تنگ راستوں اور کڈھب گڑھوں میں سے مجھے چلنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ بڑی تشویش اور صعوبت کے ساتھ ان خطرناک تنگیوں اور گڑھوں سے نکل کے نہایت رنج مشقت اٹھانے کے بعد اونچی تنگ اور مہلک گھاٹیوں کو طے کر کے قان کی نواح میں پہنچنا ہوا۔

قان کے پہاڑوں میں بڑی جھیل ہے۔ جس کا محیط تخمیناً" کوس بھر ہو گا۔ نہایت خوبصورت جھیل ہے۔ اس مقام پر خبر آئی کہ ابراہیم ترخان قلعہ شیراز میں ہے اور اس نے قلعہ کو خوب مضبوط کر لیا ہے۔ یاریبلاق کے علاقہ کے قلعوں کو بھی قنبر علی اور ابو القاسم کوہ بردرست کر کے وہاں ہو بیٹھے ہیں۔ یہ دونوں خواجہ دیدار میں تھے۔ جب ازبکوں نے سمرقند لیا ہے تو یہ خواجہ دیدار میں نہ ٹھہر سکے۔ اور یاریبلاق میں چلے آئے۔ میں نے مقام قان کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑا ۳۳۲ اور مقام کسود کی طرف رخ کیا۔ ملک قان مہمان نوازی' سخاوت' خدمت گزاری اور انسانیت میں مشہور تھا۔ جس زمانہ میں سلطان حسین مرزا نے حصار چھینا ہے اس زمانہ میں سلطان مسعود مرزا اپنے چھوٹے بھائی بالسنغر مرزا کے پاس سمرقند میں اسی راستہ سے گیا تھا۔ ملک قان نے ستر اسی گھوڑے اس کی نذر کئے تھے اور بہت خاطر و مدارات کی تھی۔ میرے لئے ایک صرف ایک مریل سا بھیج دیا اور آپ نہ آیا۔ خدا کی قدرت ہے۔ جب ہم پر وقت پڑا ہے تو جو لوگ سخاوت میں مشہور تھے وہ خسیس ہو گئے اور جو لوگ بامروت تھے وہ مروت کو بھول گئے۔ خسرو شاہ بھی بہت ہی سخی و کریم مشہور تھا۔ بدیع الزمان مرزا کے ساتھ اس نے کیسی خدمت گزاریاں کیں جن کا بیان ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ باقی ترخان وغیرہ کے ساتھ اس نے کیسی خدمت گزاریاں کیں جن کا بیان ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ باقی ترخان وغیرہ کے ساتھ اس نے بہت انسانیت و سخاوت برتی۔ دو دفعہ ہم کو اس کے ملک سے گذرنے کا موقع ہوا۔ ابنائے جنس تو درکنار جو

بات ہمارے ادنیٰ نوکر کے ساتھ کرنی چاہئے تھی وہ ہمارے ساتھ نہ کی۔ بلکہ ہمارے نوکروں کے برابر بھی ہم کو نہ سمجھا۔

کی کس کے ساتھ اے دل اہل جہاں نے نیکی
جو آپ ہی برا ہوا اس سے امید کیسی

اس خیال سے کہ شاید کسود کے قلعہ میں ازبک ہوں قلن سے نکلتے ہی کہیں دم نہ لیا اور قلعہ کسود کو جاگھیرا۔ لیکن قلعہ پہلے ہی ویران تھا۔ مدت سے کوئی اس میں نہ تھا۔ وہاں سے چل کر ہم دریائے کوہک کے کنارے پر آن اترے۔ مقام یاری کے موڑ سے بذریعہ پل دریائے کوہک کے پار ہوئے۔ قاسم بیگ کے زیر حکم بعض امراء کو قلعہ ربلط خواجہ کی طرف بھیجا تاکہ اس کو دھوکے سے فتح کر لیا جائے۔ ہم یاری اور کوہ شقار خانہ ۳۳۳ سے نکل یار ییلاق میں آئے۔ جو سردار ربلط خواجہ کی طرف گئے تھے وہ فصیل کے نیچے ٹھیرے۔ سیڑھیاں لگاتے وقت یا تو یہ لوگ خود سمجھ گئے یا ان کو سمجھا دیا گیا کہ قلعہ فتح ہونا دشوار ہے۔ یہ لوگ الٹے پھر آئے۔ قنبر علی جو سنگزار ۳۳۴ تھا ہم سے آکر ملا۔ ابو القاسم کوہ بر اور ابراہیم ترخان نے اپنے چند معتبر ملازم میری خدمت میں بھیجے اور اخلاص ظاہر کیا۔

یار ایلاق سے سمرقند جانا اور ناکام آنا:۔ یار ییلاق کے دہلت سے ہم قلعہ اسفندک میں آئے۔ اس وقت شیبانی خاں خواجہ دیدار کی نواح میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ تین چار ہزار ازبک تھے اور اسی قدر وہ فوج جمع ہو گئی تھی جو مختلف مقامات کی تھی۔ خان وفا مرزا ۳۳۵ کو اس نے سمرقند کا داروغہ کر دیا تھا جو پانچ سے چھ سو آدمیوں کے ساتھ سمرقند پر قبضہ کئے ہوئے تھا۔ حمزہ سلطان اور مہدی سلطان اپنی اپنی فوجیں لئے ہوئے سمرقند کے قریب قوروغ بدنہ میں پڑے ہوئے تھے۔ میرے پاس اچھے برے کل دو سو چالیس آدمی تھے۔ سب سرداروں اور افسروں سے مشورت لی گئی۔ آخر یہ بات قرار پائی کہ شیبانی خان نے ابھی سمرقند لیا ہے۔ ابھی تک شہر والوں کو اس سے اور اس کو شہر والوں سے دلچسپی نہیں ہوئی ہے۔ اس موقع پر اگر ہم کچھ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اگر شہر پر سیڑھیاں لگا کر چپ چپاتے ہم چڑھ جائیں اور اس پر قبضہ کر لیں تو سمرقند والے چونکہ ہم ہی میں سے ہیں سوائے ہماری مدد کے اور کیا کر سکتے ہیں۔ ازبکوں کے لئے ہم سے لڑنے سے تو رہے۔ سمرقند ہاتھ آجانے کے بعد جو

خدا کو منظور ہو گا وہ ہو گا۔ یہ صلاح کر کے ظہر کی نماز کے بعد یاریبلاق سے چل کھڑے ہوئے۔ اول شب میں اکثر راستہ چلتے رہے اور آدھی رات کو یورت خاں میں جا پہنچے۔ یہ سن کر شہر والے ہشیار ہیں اس رات شہر کے قریب نہ گئے۔ یورت خاں ہی سے الٹے پھر آئے۔ صبح ہو گئی تھی کہ خواجہ رہلا سے نیچے کی طرف دریائے کوہک سے پار ہو پھر یار ییلاق میں آگئے۔ ایک دن اسفندک کے قلعہ میں مصاحبوں میں سے دوست ناصر۔ نویان کوکلتاش۔ قاسم کوکلتاش۔ خان قلی۔ کریم داد۔ شیخ درویش۔ خسرو کوکلتاش۔ اور میرم ناصر وغیرہ سب حاضر تھے اور میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر ادھر کی باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے کہا آؤ حکم تو لگائیں کہ خدا کے فضل سے ہم سمرقند کو کب تک لے لیں گے۔ بعض نے کہا بہار کے موسم میں لے لیں گے (اس وقت تیر ۹۰۶ھ کا مہینہ تھا) کسی نے کہا مہینہ بھر میں۔ بعض نے کہا چالیس دن میں بعض نے کہا بیس دن میں۔ نویان کوکلتاش نے کہا کہ ہم چودہ دن میں لے لیں گے۔ خدا نے اس کا کہا پورا کیا۔ چودہ ہی دن میں ہم نے سمرقند کو فتح کر لیا۔

خواب دیکھنا:۔ ان ہی دنوں میں میں نے ایک عجیب خواب دیکھا کہ حضرت خواجہ عبیداللہؒ آئے ہیں میں ان کے استقبال کے لئے اٹھا ہوں۔ خواجہ آکر بیٹھ گئے ہیں خواجہ کے سامنے دستر خوان بچھایا۔ شاید پر تکلف نہ ہونے کے سبب سے حضرت کے دل میں کچھ خیال آیا ہو۔ ملا بابا میری طرف دیکھ کر اشارہ کرتا ہے۔ میں بھی اشارہ سے جواب دیتا ہوں کہ میرا قصور نہیں ہے۔ دستر خوان بچھانے والے کا قصور ہے۔ خواجہ سمجھ گئے اور یہ عذر قبول کر کے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں پہنچانے کے واسطے ساتھ ہوا۔ اسی مکان کے دالان میں میرے سیدھے بازو کو یا الٹے بازو کو پکڑ کر اس طرح اٹھاتے ہیں کہ میرا ایک پاؤں زمین سے اونچا ہو گیا۔ اور ترکی میں فرماتے ہیں شیخ مصلحت لبیردی اس کے چند روز ہی بعد میں نے سمرقند فتح کر لیا۔

سمرقند پر یورش اور اس کا فتح ہونا:۔ دو ایک دن کے بعد قلعہ اسفندک سے قلعہ وسمند میں آنا ہوا۔ اگرچہ ایک دفعہ نواح سمرقند میں پہنچ گئے تھے اور دشمنوں کو چوکنا کر کے واپس آگئے تھے مگر پھر خدا پر بھروسہ کیا اور وہی خیال پیش نظر رکھ کر وسمند سے ظہر کی نماز کے بعد سمرقند پر ہم نے ہلا کر دیا۔ خواجہ ابو المکارم بھی میرے ساتھ تھا۔ آدھی رات گئے ہم خیادان ۹۲۸ھ میں پل مغاک پر پہنچے۔ میں نے ستر اسی

عمدہ آدمی معہ سیڑھیوں کے آگے روانہ کئے تاکہ غار عاشقاں کے سامنے سے سیڑھیاں لگا کر چڑھ جائیں جو لوگ دروازہ فیروزہ میں ہیں ان سے دروازہ چھین لیں اور ہمارے پاس آدمی بھیجیں۔ یہ لوگ گئے اور غار عاشقاں کے سامنے سے سیڑھیاں لگا کر اس طرح چڑھ گئے کہ کسی کو خبر نہ ہوئی۔ پھر دروازہ فیروزہ میں آئے جہاں فاضل ترخان تھا۔ یہ فاضل ترخان ترخانی سرداروں میں سے نہیں تھا بلکہ ترکستان کے ترخانی سوداگروں میں سے تھا۔ ترکستان میں شیبانی خاں کی خدمت کر کے ذی رتبہ ہو گیا تھا۔ یہ لوگ فاضل ترخان پر ٹوٹ پڑے اس کو معہ اس کے کئی نوکروں کے قتل کر ڈالا۔ دروازے کے قفل کو تیر سے توڑ ڈالا اور دروازہ کھول دیا ان کے وہاں پہنچتے ہی میں بھی دروازہ فیروزہ سے اندر داخل ہو گیا۔ ابوالقاسم کوہ برخود تو اس موقع پر نہ آیا تھا مگر اپنے چھوٹے بھائی احمد قاسم کو اپنے تیس چالیس آدمیوں کے ساتھ اس نے بھیج دیا تھا۔ ابراہیم ترخان کا کوئی آدمی نہ تھا۔ ہاں شہر میں گھس جانے اور خانقاہ میں ٹھہرنے کے بعد احمد ترخان نامی اس کا چھوٹا بھائی کچھ آدمی ساتھ لئے ہوئے آیا۔

شہر والے ابھی سوتے تھے۔ البتہ دوکان دار اپنی دوکانوں پر سے ہمیں دیکھ کر اور پہچان کر دعائیں دینے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد تمام شہر والوں کو خبر ہو گئی۔ ہمارے ۲۳۹ ساتھ اور شہر والوں کو عجب طرح کی خوشی اور مسرت تھی۔ لوگوں نے ازبکوں کو گلی کوچوں میں پتھروں اور لکڑیوں سے اس طرح مار ڈالا جس طرح دیوانے کتوں کو مار ڈالتے ہیں۔ تخمیناً" چار سو پانچ سو ازبک اسی طرح مارے گئے۔ شہر کا حاکم جان وفائی اریکین خواجہ یحییٰ کے مکان میں تھا۔ وہ شیبانی خاں کے پاس بھاگ کر چلا گیا۔ میں دروازہ میں گھستے ہی مدرسہ اور خانقاہ کی طرف آیا تھا اور خانقاہ کی محراب میں ٹھہرا تھا۔ صبح ہونے تک چاروں طرف شور و غل رہا۔ بعض اکابر شہر اور دوکان دار جن کو معلوم ہو گیا خوشی خوشی مبارکبادیں دیتے ہوئے آئے۔ کھانے وغیرہ میں جو حاضر تھا وہ لائے اور دعائیں دینے لگے۔ صبح کو معلوم ہوا کہ ازبکوں نے دروازہ آہنی پر قبضہ کر لیا ہے اور وہاں وہ جم کر لڑ رہے ہیں۔ میں فی الفور سوار ہو کر دروازہ آہنی کی طرف روانہ ہوا۔ میرے ساتھ کوئی پندرہ بیس آدمی ہوں گے مگر نئے فتح شدہ شہر کے لفنگے جو ازبکوں کو کونے کونے ڈھونڈتے پھرتے تھے میرے پہنچنے سے پہلے ان کو آہنی دروازہ سے باہر نکال چکے تھے۔ شیبانی خاں نے جو یہ خبر سنی تو گھبرا کر سورج نکلتے ہی سو ڈیڑھ سو آدمیوں کو ساتھ لئے دروازہ آہنی پر آموجود ہوا۔ قابو میں آہی گیا تھا۔ لیکن میرے

ساتھ بہت تھوڑے سے آدمی تھے۔ جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا۔ شیبانی خاں نے دیکھا کہ کچھ کام نہیں چلنے کا۔ دم بھر نہ ٹھہرا اور الٹا پھر گیا۔

شہر کے باہر قیام کرنا:۔ یہاں سے پلٹ کر میں بستان سرائے میں آن اترا۔ شہر کے اکابر اشراف اور بڑے بڑے لوگ آئے۔ مجھ سے ملے اور سب نے مجھے مبارکباد دی۔ تقریباً ایک سے چالیس برس تک سمرقند ہمارے خاندان کا دارالسلطنت رہا ہے۔ یہ اجنبی لٹیرا خدا جانے کہاں سے آگھسا تھا اور مالک بن بیٹھا تھا۔ اللہ تعالٰی نے گیا ہوا ملک پھر عنایت کیا اور ہمارا لٹا کھٹا شہر پھر ہمارے قبضہ میں آگیا۔ سلطان حسین مرزا نے بھی ہری کو اسی طرح غفلت دے کر فتح کیا تھا جس طرح میں نے اب سمرقند کو لیا ہے مگر اندازہ شناس اور اہل انصاف پر روشن ہے کہ اس کام میں اور اس کام میں بڑا فرق ہے۔ اس کا لینا اور تھا اور اس کا لینا اور ہے۔ اول تو یہ کہ سلطان حسین مرزا بہت طاقتور، نہایت تجربہ کار اور بڑی عمر کا بادشاہ تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کا مقابل یادگار محمد مرزا سترہ اٹھارہ برس کا ناآزمودہ کار لڑکا تھا۔ تیسرے یہ کہ دشمن کے ہاں سے میر علی۔ ۳۴۰ میرا خور نے جو ساری باتوں سے واقف تھا مرزا کے پاس آدمی بھیجے اور عین غفلت میں اس کو بلایا۔ چوتھے یہ کہ مرزا کا مقابل قلعہ میں نہ تھا۔ باغ زاغان۔۳۴۱ میں تھا۔ جس وقت سلطان حسین مرزا نے ہرات لیا ہے اس وقت یادگار مرزا اور اس کے ساتھی شراب خواری کے ایسے عادی تھے کہ اس رات کو بھی یادگار محمد مرزا کی دروازہ پر جو تین پہرہ دار تھے وہ بھی مرزا کی طرح نشہ میں چور تھے۔ پانچویں اسی غفلت کی حالت میں جس کا ذکر ہوا ہے حملہ آور نے پہلی ہی بار میں فتح پائی۔

میں سمرقند لینے کے زمانہ میں کل انیس برس کا تھا۔ نہ اس قدر معاملات سے واقف تھا۔ نہ صاحب تجربہ تھا۔ دوسرے یہ کہ میرا مقابل شیبانی خاں جیسا ترقی یافتہ گرگ باراں دیدہ اور گھاگ آدمی تھا۔ تیسرے یہ کہ سمرقند میں سے کسی نے مجھ سے ساز و باز نہ کی تھی۔ مانا کہ شہر والے دل سے میرے ساتھ تھے مگر شیبانی خاں کے ڈر سے کوئی کان نہ ہلا سکتا تھا۔ چوتھے یہ کہ میرا دشمن قلعہ میں تھا۔ میں نے قلعہ بھی لیا اور دشمن کو بھی بھگایا۔ پانچویں یہ کہ پہلی بار جو سمرقند پر حملہ کرنے کے لئے آیا تو الٹا دشمن کو چوکنا کر گیا۔ باوجود اس کے اب دوسری دفعہ آیا اور خدا کے حکم سے شہر کو فتح کر لیا۔ اس کہنے سے میری غرض کسی کی حقارت کرنی نہیں ہے۔ یہ ایک واقعہ بات

تھی جو بیان کی گئی اور اس لکھنے سے اپنی شیخی کرنی میرا مقصود نہیں ہے۔ جو سچ تھا وہ لکھ دیا۔ شعراء نے اس کی بہت سی تاریخیں لکھی تھیں۔ ان میں سے ایک بیت یاد رہ گئی ہے۔

باز گفتہ خرد کہ تاریخش
فتح بابر ۳۴۲ بہ لوز است بداں

شاہ دار وغیرہ علاقہ جات کے لوگوں کا طرف دار ہونا:۔ سمرقند کی فتح کے بعد تومان شاہ دار۔ تومان سغد اور تو اور ہاموں کے قلعوں کے لوگ آگے پیچھے میرے پاس آنے شروع ہوئے۔ بعضے قلعوں میں سے تو ازبکوں کو مار کر نکال دیا۔ اور ہمارے طرف دار ہو گئے۔ بعض نے اپنے قلعہ داروں کو قید کر کے ہماری خاطر قلعوں کو مستحکم کر لیا۔ اسی زمانہ میں شیبانی خاں۔۳۴۳ کے اور ازبکوں کے اہل و عیال معہ اسباب ترکستان سے آگئے۔ شیبانی خاں خواجہ دیدار اور علی آباد کی نواح میں پڑا ہوا تھا۔ اب جو قلعہ والوں کا قلعوں کو حوالے کر دینا اور لوگوں کا اس طرح میری طرف رجوع ہونا اس نے دیکھا تو وہ بخارا کی طرف چلا گیا۔ عنایت الٰہی سے تین چار مہینے میں سغد اور میان۔۳۴۴ کار قلعے میرے قبضے میں آگئے۔ باقی ترخان بھی موقع دیکھ کر قرشی کے قلعہ میں آگیا۔ قرشی اور۔۳۴۵ خزاز دونوں ازبکوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ قراکول۔۳۴۶ کو بھی ابو الحسن مرزا کی فوج نے مرو سے آکر دبا لیا۔ اس وقت میں اقبال مندی کے ساتھ کامیاب ہو رہا تھا۔

اہل و عیال وغیرہ کو سمرقند میں بلانا۔ لڑکی پیدا ہونی:۔ میرے چلے آنے کے بعد اندجان سے میری۔۳۴۷ مائیں۔ اہل و عیال معہ اسباب وغیرہ بڑی دقت اور مصیبت سے اور اتیبہ میں آگئے تھے۔ میں نے آدمی بھیج کر سب کو سمرقند میں بلا لیا۔ انہی دنوں میں سلطان احمد مرزا کی بیٹی عائشہ سلطان بیگم (جو میری پہلی بیوی تھی) کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام فخر النساء بیگم رکھا۔ میری پہلوٹی کی اولاد یہی تھی۔ اس وقت میری عمر انیس برس کی تھی۔ چلّہ ہی کے اندر یہ لڑکی مر گئی۔

سرحدی امراء سے مدد چاہنی:۔ سمرقند کی فتح کے بعد سرحد اور گرد و نواح کے بادشاہوں' سرداروں اور امیروں کے پاس مدد طلب کرنے کے لئے متواتر میرے ایلچی

اور ہرکارے گئے اور آئے۔ بعض نے تو باوجود تجربہ کار ہونے کے آنکھ چرائی اور بعض نے اس ڈر سے کہ ہمارے خاندان کے ساتھ ان سے بے ادبیاں اور رنجشیں واقع ہو گئی تھیں جان کر کالی دی۔ جنہوں نے کمک بھیجی وہ معتد بہ نہ تھی۔ چنانچہ ہر ایک کا حال اپنے اپنے موقع پر لکھا جائے گا۔ اس دوبارہ سمرقند لینے کے زمانہ میں علی شیر بیگ ۳۴۸؎ زندہ تھا۔ ایک دفعہ اس کا خط بھی آیا تھا۔ جس کے جواب میں میں نے بھی اس کو خط لکھا تھا۔ اور خط کی پشت پر ترکی کا ایک شعر لکھ بھیجا تھا۔ اس کے جواب آنے تک یہاں معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ شیبانی خاں نے جب سمرقند لیا ہے تو ملا بنائی کو نوکر رکھ لیا تھا۔ اس زمانہ سے وہ شیبانی خاں کے ساتھ رہتا تھا۔ پھر میں نے جو سمرقند فتح کیا تو چند روز بعد ملاً سمرقند میں آگیا۔ قاسم بیگ نے اس سے بدظن ہو کر اس کو شہر سبز بھیج دیا۔ چونکہ وہ ایک قابل آدمی تھا اور اس سے کوئی خطا بھی سرزد نہ ہوئی تھی۔ اس لئے چند روز بعد میں نے پھر اسے سمرقند میں بلا لیا۔ وہ ہمیشہ غزلیں اور قصیدے لکھا کرتا تھا۔ اس نے نوا۳۴۹؎ کے مقام میں ایک غزل میرے نام پر لکھ کر پیش کی تھی۔ اسی زمانہ میں ایک رباعی کہہ کر گزارنی۔ وہ رباعی یہ ہے۔ رباعی

نہ غلہ مرا کزو تو انم نوشید

نہ مہمل۳۵۰؎ غلہ تا نوا نم پوشید

آنرا کہ نہ خوردن است نے پوشیدن

در علم و ہنر کجا تواند کوشید

میں ان دنوں میں ایک آدھ بیت کہا کرتا تھا۔ پوری غزل نہ کہتا تھا۔ میں نے یہ رباعی ترکی میں لکھی اور اس کو بھیجی۔ رباعی

ہر کام ترے دل کے موافق ہو گا

مل جائے گا سب کچھ ترا ایما سمجھ

چھپ جائے گا جسم اور بھر جائے گا گھر

کپڑا غلہ تجھے مل جائے گا اتنا

ملا نے اس کے بعد رباعی کے پہلے مصرعہ کے قافیہ کو ردیف کر دیا اور دوسرے قافیہ میں ایک اور رباعی لکھ کر پیش کی۔ رباعی

ہو گا شہ بحر و بر ہمارا مرزا

مہمل ہی اگر ہمیں کچھ انعام ملا
اور اپنی طبیعت سے ممیز ہو گا
تو اس سے چلے گا کس طرح کام اپنا

اسی زمانہ میں خواجہ ابو البر فراقی شہر سبز سے آیا تھا اس نے کہا "تم کو اسی قافیہ میں کہنی چاہئے تھی"۔ وہ رباعی خواجہ ابو البرکہ نے لکھی۔

معاملات کا سنور کر بگڑنا:۔ اس جاڑے میں میرے معاملات نہایت ترقی پر تھے اور شیبانی خاں کے تنزل پر۔ مگر اس اثناء میں دو ایک واقعے بہت برے ہوئے۔ جن لوگوں نے مرو سے آکر قراکول پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اس کو نہ تھام سکے۔ قراکول پھر ازبکوں کے ہاتھ آگیا۔ دبوسی کے قلعہ میں ابراہیم ترخان کا چھوٹا بھائی احمد ترخان تھا۔ شیبانی خان نے دبوسی کو آگھیرا۔ جب تک کہ ہم لشکر جمع کریں اور مقابلہ کے قابل ہوں شیبانی خاں نے حملہ کر کے قلعہ چھین لیا۔ اور خوب قتل عام کیا۔ سمرقند لینے کے زمانہ میں میرے ساتھ کل دو سو چالیس آدمی تھے۔ پانچ چھ مہینے میں فضل الٰہی سے اتنی فوج ہو گئی کہ شیبانی خاں جیسے شخص سے سرپل کے مقام پر کیسی بھاری لڑائی ہوئی جیسا کہ آگے بیان کیا جائے گا۔ گرد و نواح والوں میں سے صرف خان کے پاس سے ایوب بیگ چک اور قشقہ محمود بیگ چار سے پانچ سو آدمی ساتھ لئے ہوئے مدد کے لئے آگئے تھے۔ اور جہانگیر مرزا کی جانب سے تنبل کا چھوٹا بھائی دو سو آدمیوں کے ساتھ آگیا تھا۔ افسوس ہے کہ سلطان حسین مرزا جیسے تجربہ کار بادشاہ کے پاس سے جن سے زیادہ شیبانی خاں کو کوئی نہ جانتا تھا ایک آدمی نہ آیا۔ بدیع الزماں مرزا نے بھی خبر نہ لی۔ خسرو شاہ نے اس ڈر سے کہ ہمارے خاندان کے ساتھ بہت برائیاں کی تھیں جیسا کہ اوپر بیان ہوا اور مجھ سے ان کا دم بند ہوتا تھا کسی کو نہ بھیجا۔

شیبانی خاں سے مقابلہ اور شکست کھا کر سمرقند چھوڑنا:۔ شوال ۹۰۶ھ کے مہینے میں شیبانی خاں نے نبرد آزمائی کے لئے میں باغ نو میں آیا۔ پانچ چھ دن لشکر جمع کرنے اور سامان جنگ تیار کرنے کے واسطے باغ نو میں ٹھہرنا پڑا۔ باغ نو سے میں سوار ہوا۔ کوچ در کوچ چلا اور مقام پل سے گذر کر آن اترا۔ لشکر کے گرد خندق اور لکڑی کے کٹہرے سے خوب احتیاط کر دی گئی۔ شیبانی خاں ادھر سے مقابلہ کے واسطے چلا۔ اور نواح خواجہ گاوزون میں آٹھہرا۔ دونوں لشکروں میں تخمیناً" ایک فرسنگ کا فاصلہ ہو گا۔

چار پانچ دن تک انہی مقاموں میں پڑے رہے۔ اور ہمارے آدمی ادھر سے اور دشمن کے آدمی ادھر سے نکلتے اور کسی قدر لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ ایک دن دشمن کی فوج بہت آگے بڑھ آئی۔ اس دن اچھی لڑائی ہوئی مگر کوئی غالب نہ آیا۔ ہماری طرف والوں میں سے ایک نشان بردار نے یہ بری حرکت کی کہ بھاگ نکلا اور خندق میں آگیا۔ کہتے ہیں کہ وہ نشان سیدی قرار۔۳۵۲ بیگ کا تھا۔ سیدی قرار بیگ اگرچہ ڈینگیا تو بہت تھا مگر تلوار کا بٹیا تھا۔ اسی موقعہ پر شیبانی خاں نے ایک رات کو شب خون مارنا چاہا۔ ہمارے لشکر کا گردا ولا کٹہرے اور خندق سے مضبوط کر دیا گیا۔ دشمن کچھ نہ کر سکا۔ خندق کے کنارے پر سواروں نے غل شور مچایا اور تھوڑے سے تیر مار کر الٹے پھر گئے۔ اب میں نے لڑائی کے انتظام میں پوری توجہ اور کوشش کی۔ قنبر علی میرا مددگار تھا۔ باقی ترخان ہزار دو ہزار آدمیوں کے ساتھ پہلے کیش میں آیا پھر دو روز بعد ہم سے آن ملا۔ سید محمد۔۳۵۳ دغلت مرزا پہلے ہی سے ہزار پانے آدمیوں کے ساتھ میرے خان دادا کی طرف سے میری مدد کے لئے مقام دیوں۔۳۵۴ میں جو سولہ کوس پر ہے آگیا تھا۔ وہ بھی دوسرے دن ہم سے آملا۔ اس عمدہ موقع پر ذرا میں نے لڑنے میں جلدی کی۔

به تندی سبک دست بردن به تیغ
بدنداں گزو پشت دست و دریغ

میں نے لڑائی میں اس دن اس لئے جلدی کی کہ شکر یولد۔۳۵۵ وز دونوں لشکروں کے بیچ میں تھے۔ اگر وہ دن گزر جاتا تو تیرہ چودہ دن تک وہ دشمن پر مبارک ہوتے۔ یہ لحاظ بالکل لغو تھے حقیقت میں بے موقع جلدی کر بیٹھا۔ صبح ہی مقابلہ کرنے کے لئے جنگی لباس پہن لیا۔ گھوڑوں پر ساز ڈال' جز نغار' بر نغار' قول اور ہراول سے لشکر کو مرتب کر کے میدان کی طرف چلا۔ برانغار میں ابراہیم سارد' ابراہیم جانی' ابو القاسم کوہ بر اور بعض اور امراء تھے۔ جرا نغار میں محمد مزید ترخان ابراہیم ترخان اور امرائے سمرقند یعنی سلطان حسین ارغون' قرابرلاس' پیر احمد اور خواجہ حسین تھے۔ قول میں قاسم بیگ اور بعض ملازمان خاص تھے۔ ہراول میں قنبر علی سلاخ' بندہ علی' خواجہ علی میر شاہ قوچین' سید قاسم ایشک آغا' خالدار (بندہ علی کا چھوٹا بھائی) قوچ بیگ' حیدر قاسم۔۳۵۶ بیگ (قاسم بیگ کا بیٹا) تھے اور جس قدر عمدہ اور اوچھی سپاہی اور میرے

مصاحب تھے وہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ادھر سے ہم تیار ہو کر نکلے۔ ادھر سے دشمن بھی صفیں باندھ نمودار ہوا۔ اس کے برانغار میں محمود سلطان جانی بیگ سلطان، تیمور سلطان اور جرانغار میں حمزہ سلطان مہدی سلطان اور بعض اور سلطان تھے۔

دونوں لشکروں کی مٹھ بھیڑ ہوتے ہی دشمن کے برانغار کا اوج ہمارے بائیں سے چکر کھا کر ہماری پشت پر چلا۔ میں نے بھی اپنا منہ اس کی طرف پھیر لیا۔ ہمارا ہراول جس میں تمام ہوشیار، تجربہ کار، تکورپے اور اچھے اچھے جوان و سردار مقرر ہوئے تھے۔ دست راست پر رہ گیا۔ ہمارے ۳۵۷ آگے کوئی نہ رہا۔ باوجود اس کے ان لوگوں کو جو آگے بڑھے تھے ہم نے مارتے مارتے اور بھگاتے بھگاتے ان کے قول میں جا دھنسایا۔ یہاں تک نوبت پہنچی کہ شیبانی خاں سے ان کے ہمراہیوں میں سے بعض بوڑھے سردار چلا اٹھے کہ شیبانی! بھاگنا چاہئے۔ اب ٹھیرنے کا موقع نہ رہا۔ مگر وہ استقلال کے ساتھ جما رہا۔ دشمن کے برانغار نے ہمارے برانغار کو ہزیمت دے کر پیچھے ہم پر حملہ کیا۔ چونکہ ہمارا ہراول سیدھے ہاتھ کی طرف رہ گیا تھا اس لئے ہمارا آگا کھل گیا تھا۔ پس آگے اور پیچھے سے غنیم کی فوج حملہ کر کے لگی تیر مارنے۔ مغلوں کا لشکر جو کمک کے لئے آیا تھا اس نے دشمن سے لڑنے کے بدلے الٹا ہمارے ہی لوگوں کو لوٹنا اور گھوڑوں پر سے گرانا شروع کیا۔ ہمیشہ سے ان کمبخت مغلوں کی عادت یہی ہے کہ اگر فتح پائیں تو جھٹ دشمنوں کو لوٹنے لگیں اور اگر شکست کھائیں تو اپنی ہی طرف والوں پر ہاتھ صاف کریں۔ دشمن کی فوج جو سامنے تھی اور جس نے کئی بار سخت حملے کئے تھے اس کو مار کر ہٹا دیا۔ پھر ۳۵۸ وہ سب سانوٹے ہو گئے۔ پیچھے سے بھی حملہ ہوا۔ اور جو دشمن کی فوج عقب میں آگئی تھی اس نے بھی پیچھے سے حملہ کر کے نشان پر تیر برسانے شروع کئے۔ غرض آگے اور پیچھے سے سب نے ہلا کر کے ہماری فوج کے پاؤں اکھیڑ دیئے۔ لڑائی کے وقت ازبکوں مین ایک تو تولغمہ ۳۵۹ بہت بڑی ہے۔ ان کی کوئی لڑائی تو لغمہ بغیر نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ آگے پیچھے سردار و سپاہی سب تیر برساتے ہوئے جلو ریز آتے ہیں اور جب شکست کھاتے ہیں تو اسی طرح جلوریز الٹے پھر جاتے ہیں، میرے ساتھ اس وقت دس پندرہ آدمی رہ گئے تھے۔ دریائے کوہک قریب تھا۔ میرے برانغار کا اوج دریا پر پہنچ گیا تھا۔ ہم بھی دریا کی طرف چل کھڑے ہوئے دریا پر پہنچتے ہی آدمی اور گھوڑے لباس و ساز سمیت دریا میں کود

پڑے۔ آدھے سے زیادہ دریا میں پایاب چلنا ہوا۔ اس کے بعد گہرا پانی تھا۔ ایک۔۳۶۰ تیر کے پرتلب تک مع لباس و ساز گھوڑے تیر کو پار ہو گئے۔ دریا سے نکلنے کے بعد گھوڑوں کے جنگی ساز کاٹ ڈالے اور ان کو ڈپٹایا۔ جب دریا سے شمال کی طرف نکل گئے تو دشمن سے دور ہو گئے۔ مگر اکیلے دو اکیلے کو لوٹنے والے اور ننگا کرنے والے یہی کمبخت مغل تھے۔ ابراہیم خان کو اور بہت سے عمدہ سپاہیوں کو مغلوں ہی نے لوٹ لیا۔ گھوڑوں سے نیچے گرا دیا اور مار ڈالا۔

بعض سرداروں کا بھاگنا اور بعض کا ساتھ دینا:۔ دریائے کوہک کے شمال کی طرف بڑھ کر قلبہ کی نواح میں دریا سے پار ہوا۔ دو غاروں کے درمیان میں شیخ زادہ دروازہ سے نکل میں ارک میں آگیا اس لڑائی میں ہمارے بڑے بڑے سردار' چیدہ چیدہ جوان اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ ان میں ابراہیم ترخان' ابراہیم سارو' ابراہیم جانی۔ یہ عجیب بات ہے کہ تینوں سردار ابراہیم نام کے ایک لڑائی میں تلف ہوئے۔ ابو القاسم کوہ (حیدر قاسم بیگ کا بڑا بیٹا) خدا بیروی نشان دار' خلیل (سلطان احمد تنبل کا چھوٹا بھائی جس کا ذکر کئی دفعہ ہو چکا ہے) اس لڑائی میں کام آئے۔ ان کے علاوہ اور بہت لوگ اوھر ادھر بھاگ گئے۔ بھاگے ہوؤں میں سے محمد مزید ترخان۔۳۶۱' خسرو شاہ کے پاس حصار اور قندز چلا گیا۔ قنبر علی سلاخ مغل نے بھی جس کو میں نے اپنی مہربانی اور پرورش سے بڑا سردار بنا دیا تھا باوجود ان رعایتوں کے ایسے نازک وقت میں میرا ساتھ نہ دیا۔ آتے ہی سمرقند سے اپنے گھربار کو لے کر خسرو شاہ کے پاس چل دیا۔ بعض سردار اور سپاہی جیسے کریم داد' خدا داد' ترکمان' جانکہ کوکلتاش۔۳۶۲ اور ملّا بابا ساغرچی۔۳۶۳ اور اتبہ چلے گئے۔ ملّا بابا اس زمانہ میں میرا نوکر نہ تھا بطور مہمان کے تھا۔ البتہ شیرم طغائی وغیرہ مع اپنے ہمراہیوں کے میرے ساتھ سمرقند میں آئے۔ مشورہ کر کے ہم سب نے اپنا مرنا جینا قلعہ سمرقند ہی میں ٹھان لیا۔ اور قلعہ کو مضبوط کرنے میں ہم مصروف ہو گئے۔ ان لوگوں نے تو یہ کیا اور میری والدہ صاحبہ اور بہنوں نے یہ کیا کہ قلعہ میں آتے ہی اپنا مال اسباب اور نوکر چاکر تو اور اتبہ میں بھیج دیئے اور آپ جریدہ تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ قلعہ میں رہ گئیں۔ کچھ ایکے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کڑی سہنے اور سختی جھیلنے کے وقتوں میں ان صاحبوں نے ایسا ہی ہلکا پن اور دونی برتی ہے۔

سمرقند میں محصور ہو کر لڑنا اور شکست کھا کر سمرقند چھوڑنا:۔ دوسرے دن خواجہ ابو المکارم' قاسم بیگ اور تمام مقرب سرداروں کو جو لائق صلاح تھے جمع کر کے مشورت کی۔ بعد مشورے کے یہ بات ٹھیری کہ قلعہ کا انتظام کیجئے اور مرنا ہو تو جینا ہو تو یہیں رہئے۔ میں اور قاسم بیگ معہ فوج خاص کے کمک کے واسطے مقرر ہوئے۔ اسی واسطے ہم شہر کے بیچوں بیچ مدرسہ الغ بیگ مرزا کے دروازہ کی بڑی محراب میں۔ ۳۶۴ سفید خیمہ نصب کر کے ہو بیٹھے۔ دوسرے سرداروں اور سپاہیوں کے لئے شہر کے دروازوں پر اور شہر کے گرد فصیل پر مورچے تقسیم کر دیئے گئے۔ دو تین دن بعد شیبانی خان آیا اور شہر سے کسی قدر دور آن اترا۔ شہر کے لفنگے اور اوباش گلی گلی اور کوچہ کوچہ سے علیحدہ علیحدہ جتھے بنا کر لفنگانہ نعرے مارتے ہوئے مدرسہ کے دروازے پر آئے اور جوش و خروش کے ساتھ لڑنے کے لئے آگے بڑھے شیبانی خاں لڑنے کے لئے سوار تو ہو گیا تھا مگر قلعہ کے قریب بھی نہ آسکا۔ چند روز اسی طرح گزرے۔ شہر کے اوباش اور لفنگے جنھوں نے کبھی تیر و تلوار کا زخم نہ کھایا تھا۔ حملہ کا زور اور لڑائی کا ہنگامہ نہ دیکھا تھا۔ اس طریقہ سے دلیر ہو گئے۔ اور دور دور تک پیش قدمی کرنے لگے۔ اگر آزمودہ کار لوگوں نے ان کو ان بیہودہ پیش قدمیوں سے روکا تو لگے ان پر طعن کرنے۔

ایک دن شیبانی خاں نے آہنی دروازہ کی طرف حملہ کیا۔ شہر کے لفنگوں کا ہواؤ تو کھل ہی گیا تھا ہمیشہ کی طرح دلیری سے دور تک مقابلہ کر کے چلے گئے۔ ان کے پیچھے میں نے سواروں کی ایک ٹکڑی ان کی بازگشت کے لئے روانہ کی۔ ملازمان خاص' مقربین اور کوکلتاشوں میں سے نویان کوکلتاش' قل نظر طغائی اور مزید وغیرہم اشترگردن ۳۶۵۔ کی طرف نکل آئے تھے۔ ادھر سے دو تین ازبکوں نے ان کی طرف گھوڑے ڈالے۔ قل نظر سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ جس قدر ازبک تھے پیدل ہو کر حملہ آور ہوئے۔ شہر کے لفنگوں کے پاؤں انھوں نے اکھیڑ دیئے اور ہٹاتے ہٹاتے دروازہ آہنی میں ان کو دھکیل دیا۔ قوچ بیگ اور میر شاہ قوچین خواجہ خضر کی پیدلوں سے میدان صاف کرنے کے بعد خواجہ خضر کی مسجد کی طرف دشمن کے سواران کے مقابلہ میں آئے۔ قوچ بیگ نے حملہ کر کے ان ازبکوں کے جو آگے بڑھ آئے تھے مارے تلواروں کے ٹکڑے اڑا دیئے اور ایسا نمایاں کام کیا جس کو سب لوگ کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ بھگوڑوں کو

اپنے بھاگنے کی پڑ رہی تھی۔ کیسا تیر مارنا اور کس کا لڑنا۔ میں دروازے کے اوپر سے تیر برسا رہا تھا اور میرے ساتھی بھی تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ ان اوپر کے تیروں کی بھرمار دشمنوں کو خواجہ خضر کی مسجد سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ وہ وہیں سے الٹے پھر گئے۔ ہمارا قاعدہ تھا کہ محاصرہ کے زمانہ میں روز رات کو قلعہ کی فصیل پر ہم نگہبانی کے لئے پہرہ دیا کرتے تھے۔ کبھی میں ۳۶۶ کبھی قاسم بیگ اور کبھی کوئی سردار یا کوئی مقربین میں سے گشت کیا کرتا تھا۔ دروازۂ فیروزہ سے دروازۂ شیخ زادہ تک فصیل کے اوپر ہم گھوڑے پر پھیر سکتے تھے اور اور جگہ پیدل ہو جاتے تھے۔ ایک ہی پھیرے میں شام سے صبح ہو جاتی تھی۔ ایک دن شیبانی خاں نے دروازہ آہنی اور دروازۂ شیخ زادہ کے بیچ میں حملہ کیا۔ میں کمک پر تھا۔ یہاں لڑائی پڑتے ہی ادھر آموجود ہوا۔ دروازۂ گاذرستان ۳۶۷ اور دروازہ سوزنگران کا کچھ دھیان نہ رکھا۔ اسی دن دروازۂ شیخ زادہ کے اوپر سے میں نے ایک چمکتے ہوئے سفید گھوڑے کو ایسا تاک کر تیر مارا کہ تیر لگتے ہی وہ مر گیا۔

اس عرصہ میں دشمنوں نے اس قدر زبردست حملہ کیا کہ شترگردن کے قریب سیدھے فصیل کے نیچے آگئے۔ ہم یہاں لڑائی میں مشغول ہو کر دوسری طرف سے غافل ہو گئے۔ شیبانی خاں نے پچیس چھبیس سیڑھیاں ایسی چوڑی کہ جن پر دو تین آدمی ساتھ ہی چڑھ جائیں تیار کر کے سات سو آٹھ سو چیدہ جوانوں کو ان سیڑھیوں کے ہمراہ دروازۂ آہنگران اور دروازۂ سوزن گراں کی درمیانی فصیل کے سامنے پوشیدہ مقرر کر دیا اور خود دروازۂ آہنگران ۳۶۸ اور دروازۂ شیخ زادہ کے بیچ میں دھاوا کیا۔ ہم سب تو اس طرف لڑائی میں مصروف رہے۔ اس طرف کے مورچے غیر محفوظ ہوتے ہی چھپے ہوئے لوگ جھٹ پٹ کمیں گاہ سے نکل دروازہ ہائے مذکورہ کی درمیانی فصیل پر محمد مزید ترخان کی حویلی کے روبرو سیڑھیاں لگا کر ایک دفعہ ہی چڑھ آئے۔ یہاں توچ بیگ اور محمد قلی قوچیں مع اپنی اپنی فوجوں کے اور ایک اور گروہ کے متعین تھے۔ یہ فوج محمد مزید ترخان کی حویلی میں پڑی ہوئی تھی۔ دروازۂ سوزنگران میں قرابر لاس کا مورچہ تھا۔ دروازہ گاذرستان میں شیرم طغائی اور اس کے بھائیوں اور قتلق خواجہ کوکلتاش کا مورچہ تھا۔ چونکہ لڑائی دوسری طرف تھی۔ اس لئے ان مورچوں کے تمام سپاہی بے فکر ہو کر اپنے اپنے کاموں کے لئے تتر بتر ہو گئے تھے کوئی اپنے گھر چلا گیا تھا

اور کوئی بازار چلا گیا تھا۔ صرف مورچوں کے سردار دو دو تین تین اور ایک اور شخص نے بڑی جرات و بہادری کی۔ دشمن کے سپاہی کچھ تو فصیل پر آ گئے تھے اور کچھ چڑھ رہے تھے کہ یہ چاروں سردار (جن کا ذکر ہوا) جھپٹ کر وہاں جا پہنچے۔ لڑتے لڑتے اور مارتے مارتے دشمنوں کو دیوار کے نیچے اتار دیا۔ اور نوک دم بھگا دیا۔

قوچ بیگ نے سب سے بڑھ کر عمدہ کام کئے۔ اس کا قابل قدر اور نمایاں ایک کام یہ تھا کہ اس محاصرہ کے زمانہ میں دو دفعہ اس نے داد مردانگی دی تھی۔ قرار لاس دروازۂ سوزنگران کے مورچہ پر اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ بھی خوب جما رہا۔ تتلق خواجہ کوکلتاش اور قل نظر مرزا دروازۂ گازرستان والے مورچہ میں تھے۔ یہ بھی تھوڑے ہی سے آدمیوں کے ساتھ یہاں خوب ڈٹے رہے اور تعاقب کر کے اچھی طرح لڑتے رہے۔۳۶۹ پھر ایک دفعہ قاسم بیگ حملہ کرنے کے لئے تھوڑی سی فوج کے ساتھ دروازۂ سوزن گران سے باہر نکل آیا۔ مقام خواجہ کفشیر تک ازبکوں کا پیچھا کر کے کئی ازبکوں کو گرایا اور ان کے سر کاٹ لایا۔ اب غلہ کاٹنے کا وقت آ گیا تھا لیکن شہر میں کوئی نئے اناج کا ایک دانہ نہ لایا۔ اور محاصرہ کی مدت نے طول کھینچا۔ لوگ بھوکے مرنے لگے۔ یہ نوبت پہنچی کہ غریب غربا کتوں اور گدھوں کے گوشت کھانے لگے۔ گھوڑوں کے لئے دانہ گھاس جو کا نام نہ رہا تو گھوڑوں کو درختوں کے پتے کھلانے لگے۔ اس موقع پر تجربہ ہوا کہ سب پتوں میں شہتوت اور قرایغاچ۔۳۷۰ کے پتے گھوڑوں کو زیادہ موافق آتے ہیں۔ بہت لوگوں نے خشک لکڑیوں کی چھلن پانی میں بھگو کر گھوڑوں کو کھلائی۔ تین چار مہینے تک شیبانی خاں شہر کے پاس نہ پھٹکا۔ دور ہی دور سے شہر کے گرد ادھر ادھر جائے بدلتا رہا۔

ایک دن کوئی آدھی رات گئے جب کہ لوگ عین غفلت میں تھے دروازۂ فیروزہ کی جانب آیا اور نقارے بجا کر حملہ کرنے کا غل مچانے لگا۔ میں اس وقت مدرسہ میں تھا۔ بہت ہی تردد اور خوف پیدا ہوا۔ اس کے بعد اس نے یہ طریقہ اختیار کر لیا کہ ہر رات آتا۔ نقارے بجاتا۔ حملہ غل مچاتا اور ایک ہل چل ڈال دیتا۔ ہر چند۔۳۷۱ میں نے چاروں طرف ایلچی اور آدمی بھیجے مگر کسی نے بھی مدد نہ کی۔ بھلا جس وقت میں طاقت ور تھا اور شکست و نقصان کا نام نہ تھا جب اس وقت کسی نے بات نہ پوچھی تو اس برے وقت میں کوئی کیوں خبر لیتا۔ ان صاحبوں کی امید پر قلعہ میں ٹھہرنا بیوقوفی

تھی۔ اگلوں کا قول ہے کہ قلعہ بچانے کے لئے ایک تو سر کی حاجت ہے دوسرے دو ہاتھوں کی۔ تیسرے دو پاؤں کی۔ سر سردار ہے۔ دونوں ہاتھ دو کمکیں ہوتی ہیں جو دو طرف سے آتی ہیں۔ دونوں پاؤں پانی اور خوراک کا وہ ذخیرہ ہیں جو شہر میں ہو۔ جو ہمارے اطراف و جوانب میں تھے ہم نے ان سے مدد چاہی مگر جن سے مجھے کمک کی امید تھی اور وہ میرے گرد و نواح میں تھے ان میں سے ہر ایک اپنے خیال میں تھا۔ سلطان حسین مرزا جیسے جوانمرد۔ صاحب تجربہ بادشاہ نے میری مدد نہ کی اور نہ میرا دل بڑھانے کے لئے کوئی ایلچی بھیجا۔ بلکہ شیبانی خاں کے پاس کمال الدین حسین گازر گہی کو محاصرہ کے زمانہ میں ایلچی بنا کر بھیجا۔ تنبل اندجان سے بشکنت کی نواح تک آگیا۔ احمد بیگ وغیرہ خان کو تنبل کے مقابلہ میں لائے۔ لک لکان اور چار باغ ترک کی نواح میں دونوں کی مڈ بھیڑ ہوئی اور بے لڑے بھڑے دونوں پلٹ گئے۔ سلطان محمود خاں سپاہی نہ تھا۔ فن سپاہ گری سے بالکل عاری تھا۔ جب تنبل کا اور خان کا یہاں مقابلہ ہوا ہے تو خان کی بزدلی کا حال کھل گیا۔ احمد بیگ تھا تو اجڈ مگر دولت خواہ اور بہادر تھا۔ اپنے اسی اجڈ پن کے ساتھ کہہ بیٹھا کہ یہ تنبل چیز ہی کیا ہے۔ جس سے اتنا ڈرتے ہو گھبراتے ہو۔ اگر تم کو اسے دیکھ کر خوف آتا ہے تو اپنی آنکھیں بند کر کے اس کے سامنے آجاؤ۔

۹۰۷ھ ۲ء ۳-۱۵۰۱ء کے واقعات

سمرقند چھوڑ کر تاشقند جانا:۔ محاصرہ کی مدت نے طول کھینچا۔ نہ کہیں سے رسد آئی۔ نہ کسی نے مدد بھیجی۔ آخر کار فوج اور رعیت کے دل ٹوٹ گئے۔ ایک ایک دو دو نے شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگنا شروع کیا۔ شیبانی خاں محصورین کے دق ہونے کو سمجھ گیا اور غار۔۳۷۳ عاشقاں میں آن اترا۔ میں بھی شیبانی خاں کے روبرو کوئے پایاں۔۳۷۴ میں ملک محمد مرزا کے مکانوں میں آ گیا۔ انہی دنوں میں اوزون حسن۔۳۷۵ جو جہانگیر مرزا کی بغاوت میں سرغنہ اور سمرقند سے میرے نکلنے کا باعث تھا اور جس نے بعد میں بہت کچھ فتنے اور فساد برپا کئے تھے (جن کا بیان ہو چکا ہے) دس پندرہ آدمیوں کو لئے ہوئے شہر میں آیا۔ اب شہر والوں اور سپاہیوں کی عسرت اور تکلیف بے انتہا ہو گئی تھی۔ میرے مصاحب اور معتبر لوگ فصیل کود کر بھاگنے لگے۔ چنانچہ امراء میں سے ویس شیخ اور ویس بابری کود کر بھاگ نکلے۔ میں سب طرف کی کمک سے مایوس ہو گیا۔ کہیں سے رسد بھی نہ آئی۔ اسی موقع پر شیبانی خاں نے صلح کی گفتگو شروع کی۔ اگر کسی طرف سے کوئی امید ہوتی یا کھانے کو پاس ہوتا تو صلح کی گفتگو کون سنتا مجبوراً ایک ۵۰۔ طرح کی صلح کر لی۔ آدھی رات آئی ہو گی جو اپنی والدہ خانم کو ساتھ لے کر شیخ زادہ دروازہ سے نکل کھڑا ہوا۔ دو عورتیں اور بھی ساتھ نکلیں۔ ایک بیبکا حنیفہ۔ ۳۷۶۔ دوسری منکلیک۔۳۷۷ کوکلتاش۔ میری بڑی بہن خانزادہ بیگم اسی بھگدڑ میں رہ گئیں اور شیبانی خاں کے ہاتھ آ گئیں۔ اندھیری رات تھی۔ سغد کی بڑی بڑی نہروں میں پھنس کر ہم راستہ بھول گئے۔ آخر بڑی مشکل سے صبح ہوتے خواجہ دیدار سے نکلے اور سنتوں کے وقت پشتہ قاربوغ پر جا پہنچے۔ پشتہ قاربوغ کے شمال سے چل کر موضوع خوزک۔۸ کے نیچے نیچے ہوتے ہوئے ایلان اوتی کی طرف جانے کے لئے ہم روانہ ہوئے۔

راستے میں قنبر علی اور قاسم بیگ کے ساتھ گھوڑے دوڑائے گئے۔ میرا گھوڑا آگے نکل گیا۔ میں نے ٹیڑھے ہو کر اور مڑ کر دیکھا کہ ان کے گھوڑے کتنے پیچھے رہ گئے ہیں۔ گھوڑے کا تنگ ڈھیلا ہو گیا تھا۔ زین الٹ گیا۔ میں سر کے بل زمین پر گر پڑا۔ اگرچہ میں اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ لیکن شام تک میری

عقل بے ٹھکانے رہی۔ یہ عالم اور واقعات گزشتہ آنکھوں کے سامنے اور دل میں خواب و خیال کی طرح آتے تھے اور مٹ جاتے تھے۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا کہ ہم ایلان اوتی میں جا اترے ایک گھوڑا ذبح کیا اور گوشت کے تکے کر کے کباب لگائے۔ تھوڑی دیر گھوڑوں کو آرام دیا۔ پھر ہم سوار ہو گئے۔ صبح ہونے سے پہلے موضع خلیلہ میں ہم آئے۔ خلیلہ سے درخ۔۳۷۸ میں پہنچے۔ اس۔۳۷۹ زمانہ میں وہاں حافظ محمد بیگ دولدائی کا بیٹا اور طاہر دولدائی تھے۔ نہایت فربہ گوشت اور میدہ کی روٹیاں وہاں خوب سستی تھیں۔ میٹھے خربوزے اور عمدہ انگور ڈھیروں تھے۔ ایسی نامیسری کے بعد یہ ارزانی اور ایسی آفت کے بعد یہ امن نصیب ہوا۔

وہ	ساری	مصیبت	گئی	اور	تنگی
ملا	خوب	آرام	اور	گوشت	روٹی
موت	کا	خوف	اٹھ	گیا	دل سے
بھوک	آگ	ہو	گئی		کافور

اپنی عمر بھر میں ہم کو نہ کبھی ایسا لطف آیا اور نہ کبھی امن و ارزانی کی اتنی قدر ہوئی تھی۔ سچ ہے کہ عسرت کے بعد عشرت کی بڑی لذت آتی ہے۔ اور محنت کے بعد فراغت کی بہت قدر ہوتی ہے۔ ساری عمر میں پانچ چار دفعہ اسی طرح تکلیف کے بعد راحت اور محنت کے بعد فراغت میسر ہوئی ہے۔ لیکن یہ پہلا ہی موقع تھا کہ دشمن کے ہاتھ سے اور بھوک کی بلا سے رہائی پا کر امن اور ارزانی کی راحت اور خوشی نصیب ہوئی ہے۔ غرض درخ میں تین چار دن تک استراحت کی۔ اس کے بعد اتیبہ جانے کا قصد ہوا۔

ساغرج جانا:۔ مقام ساغرج۔۳۸۰ راستہ سے تھوڑی دور ہٹا ہوا ہے۔ چونکہ میں ایک مدت تک وہاں رہا تھا اس لئے چلتے چلتے وہاں کی بھی سیر کر لی۔ وہ آتون جو بہت مدت سے میری والدہ خانیم کے پاس رہتی تھی اور اس ہڑبوم میں گھوڑوں کی کمی کے سبب سے مجبوراً سمرقند میں رہ گئی تھی ناگاہ قلعہ ساغرج میں نظر آئی۔ اس سے بات چیت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ سمرقند سے یہاں تک بیچاری پیدل آئی تھی۔ میری چھوٹی خالہ خوب نگار۔۳۸۱ خانم کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور اتیبہ میں میرے پاس اور خانیم کے پاس یہ سناؤنی آئی۔ دادی جان بھی اندجان میں فوت ہو گئی تھیں۔ یہیں ان کی بھی

خبر آئی۔ اماں جان۔۳۸۲ میرے نانا جان۔۳۸۳ کے مرنے کے بعد اپنی ماؤں۔۳۸۴ اور چھوٹے بھائی بہنوں یعنی شاہ بیگم' سلطان محمود خاں' سلطان نگار خانم۔۳۸۵ اور دولت سلطان۔۳۸۶ بیگم سے نہ ملی تھیں اور ان سے تیرہ چودہ برس تک بچھڑی رہیں۔ انہی عزیزوں اور قریبوں سے ملنے کے لئے وہ تاشکند کی طرف روانہ ہوئیں۔

محمد حسین مرزا سے صلاح کر کے میں نے موضع دہکت میں جو تو ابعات اور اتیبہ سے ہے قشلاق کرنے کی ٹھیرائی۔ اسباب وغیرہ سمیت میں دہکت میں آیا اور اسباب کو وہیں چھوڑ کر چند روز بعد میں بھی شاہ بیگم اور اپنے خان دادا وغیرہم سے ملنے کے لئے تاشکند پہنچا۔ شاہ بیگم اور خان دادا سے ملا۔ تھوڑے دن وہاں رہا۔ والدہ صاحبہ کی سگی بہن مہر نگار۔۳۸۷ خانم بھی جو سب میں بڑی تھیں سمرقند سے چلی آئیں۔ میری والدہ بیمار ہو گئیں اور ایسی بیمار ہو گئیں کہ بچنے کی امید نہ تھی۔ حضرت خواجگان۔۳۸۸ خواجہ بھی سمرقند سے نکل کر فرکت میں آ گئے تھے۔ میں فرکت گیا اور خواجہ سے ملا۔ میری استدعا تھی کہ خان دادا براہ مہربانی و شفقت کچھ ملک اور علاقہ مجھے دیں۔ انہوں نے مجھے اور اتیبہ عنایت کیا۔ مگر محمد حسین مرزا نے حوالہ نہ کیا۔ معلوم نہیں کہ اس نے خود ہی نہیں دیا یا حضرت کا ایما نہ تھا۔ بہرحال تھوڑے دن بعد میں مقام دہکت۔۳۸۹ میں آ گیا۔

دہکت کا بیان:۔ دہکت اور اتیبہ کے پہاڑی مواضعات میں سے ہے۔ یہ موضع ایک اونچے پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ اس پہاڑ سے نکلتے ہی ملک مسیحا آ جاتا ہے۔ اس ملک کے باشندے گو تاجیک ہیں۔۳۹۰ مگر ترکوں کی طرح بھیڑوں اور گھوڑیوں کے ریوڑ رکھتے ہیں۔ دہکت میں جس قدر بھیڑیں ہیں ان کا تخمینہ چالیس ہزار کا کیا جاتا ہے۔ یہاں کسانوں کے مکانوں میں ٹھیرا ہوا۔ میں وہاں کے ایک چودھری کے ہاں اترا۔ یہ شخص تقریباً ستر اسی برس کا آدمی تھا۔ اس کی ماں بھی اب تک زندہ تھی۔ یہ عورت بڑی عمر رسیدہ تھی۔ کوئی ایک سو گیارہ برس کی ہو گی۔ امیر تیمور جب ہندوستان میں آئے ہیں تو اس کے عزیزوں میں سے ایک شخص ان کے لشکر میں تھا۔ یہ بات بڑھیا کو یاد تھی۔ کبھی کبھی وہ کہانی کے طور پر بیان کیا کرتی تھی۔ اس دہکت میں اسی عورت کے اپنے پیٹ کے بچے پوتا پوتی' پرو تا پروتی اور سرو تا سروتی سب مل کر چھیانوے آدمی اس وقت زندہ تھے اور مرے ہوؤں سمیت دو سو آدمی بیان کئے

جاتے تھے۔ اس کا ایک پوتا اس وقت پچیس چھبیس برس کا جوان تھا جس کی ڈاڑھی سیاہ تھی۔

جب میں دہکت میں تھا تو دہکت کے پہاڑوں میں ہمیشہ پیدل سیر کیا کرتا تھا۔ بیشتر ننگے پاؤں پھرتا تھا۔ ننگے پاؤں پھرتے پھرتے پاؤں ایسے سخت ہو گئے تھے کہ پہاڑ اور پتھریلی زمین میں فرق نہ معلوم ہوتا تھا۔ اسی سیر کی اثناء میں ایک دن عصر اور مغرب کے بیچ میں ہم نے دیکھا کہ ایک پگڈنڈی پر ایک شخص گائے لئے چلا جاتا ہے۔ میں نے پوچھا یہ راستہ کدھر جاتا ہے؟ اس نے کہا۔ گائے کی طرف دیکھو اور اس پر سے نظر نہ ہٹاؤ۔ تم کو خود معلوم ہو جائے گا کہ یہ راستہ کدھر نکلتا ہے۔ خواجہ اسد نے ہنسی سے کہا "اگر گائے خود راستہ بھول جائے تو ہم کیا کریں؟" اسی جاڑے میں بہت سے سپاہیوں نے جو میرے ساتھ مار دھاڑ میں نہ پھر سکتے تھے اندجان جانے رخصت مانگی۔ قاسم بیگ نے باصرار عرض کیا کہ یہ لوگ جاتے ہیں۔ کوئی ملبوس خاص جہانگیر مرزا کے لئے ضرور بھیجے۔ میں نے اپنی ٹوپیوں میں سے ایک قاقم کی ٹوپی مرزا کو بھیجی۔ قاسم بیگ نے پھر بہ تکرار عرض کیا کہ تنبل کو بھی کچھ بھیج دیجئے تو کیا مضائقہ ہے۔ اگرچہ میرا دل نہ چاہتا تھا مگر قاسم بیگ کے بضد ہونے سے نویان ۳۹۱ کوکلتاش سے ایک بڑی تلوار جو اس نے اپنے سمرقند میں بنوائی تھی لے کر تنبل کو بھیج دی۔ خدا کی قدرت ہے کہ یہی تلوار آخر میرے سر پر پڑی۔ چنانچہ سال آئندہ کے واقعات میں لکھا جائے گا۔

کئی دن بعد میری نانی اماں ا-سن دولت بیگم جو اس بھگڑ میں سمرقند رہ گئی تھیں اپنے متعلقوں اپنے اسباب اور چند ننگوں اور بھوکوں سمیت میرے پاس آ گئیں۔ اسی جاڑے میں شیبانی خاں دریائے خجند کی برف کھوندتا ہوا شاہرخیہ اور شکنت کے علاقہ میں آیا۔ اور اس کو تاراج کرنے لگا۔ اس خبر کو سنتے ہی میں نے اپنے ساتھیوں کی کمی پر ذرا خیال نہ کیا۔ اور میں فوراً سوار ہو کر خجند کے ان پایالی دیہات کی طرف روانہ ہو گیا۔ جو مقام ہشتک کے سامنے واقع ہیں۔ غضب کا جاڑا نویان کوکلتاش اس وقت حضرت کے ہمراہ تھا۔ ؟؟ پڑ رہا تھا۔ اس نواح میں ہادرویش ۳۹۲ کی ہوا تھمتی ہی نہیں اور جھکڑ کی چلتی رہتی ہے۔ آج کل ایسی ٹھنڈی تھی کہ ان دو تین دن میں ہمارے دو تین آدمی جاڑے کی شدت سے مر گئے۔ مجھے وہاں نہانے کی احتیاج ہوئی۔ ایک نہر میں

جس کے کناروں پر تمام برف جمی ہوئی تھی مگر بیچ میں پانی کے بہاؤ کے سبب سے برف نہ تھی اتر کر نہایا۔ سولہ غوطے لگائے۔ پانی کی سردی بدن میں بیٹھ گئی۔ دوسرے دن خاص یدر کے سامنے برف پر سے دریائے خجند کے پار ہوئے۔ اور دوسرے دن شکنت میں پہنچے۔ لیکن شیبانی خاں نواہ شاہر خیہ کو لوٹ مار کر چل دیا تھا۔ ان دنوں میں ملا حیدر کا بیٹا عبدالمنان بشکنت ۔۹۴۳ کا حاکم تھا۔ جس زمانہ میں سمرقند میں تھا اس زمانہ میں عبدالمنان کا ایک چھوٹا بھائی مومن نام ناکارہ اور پریشان میرے پاس سمرقند میں آیا تھا۔ میں نے کسی قدر اس کی پرورش کی تھی۔ معلوم نہیں کہ لویان کوکلتاش نے سمرقند میں اس کے ساتھ کیا بدسلوکی کی تھی جس کا غل وہ دل میں رکھتا تھا۔

نویان کوکلتاش کا مرنا:۔ ازبکوں کی لٹیری فوج کے چلے جانے کی خبر سننے کے بعد میں نے خان کے پاس آدمی بھیجا اور شکنت سے کوچ کر کے موضع آہنگران میں تین چار دن تک توقف کیا۔ ملا حیدر کے چھوٹے بیٹے مومن نے سمرقند میں ملاقات ہو جانے کی وجہ سے نویان کوکلتاش اور احمد قاسم وغیرہ کی دعوت کی۔ میں تو شکنت سے چلا گیا اور سب شکنت میں ٹھیر گئے۔ یہ جلسہ ایک کھڈ پر ہوا تھا۔ میں موضع شام سیرک میں جو آہنگران کے توابع میں سے ہے جا اترا۔ دوسرے دن خبر آئی کہ نویان کوکلتاش نشہ میں کھڈ پر سے گر مر گیا۔ حق نظر کو جو اس کا سگا ماموں تھا بہت سے آدمیوں کے ہمراہ وہاں بھیجا۔ یہ لوگ موقع واردات پر گئے اور تحقیقات کے بعد نویان کو شکنت میں دفن کر کے واپس آئے۔ ان لوگوں نے اس مقام سے جہاں یہ جلسہ تھا ایک تیر کے فاصلہ پر ایک گہرے کھڈ کے اندر نویان کی لاش کو پڑا ہو دیکھا بعض کو گمان ہوا کہ مومن نے نویان سے سمرقند والے کینہ کا بدلہ لیا ہے۔ مگر کسی کو پورا تحقیق نہ ہوا۔ مجھ کو اس واقعہ کا بہت ہی رنج ہوا۔ اتنا رنج کسی کے مرنے کا نہیں ہوا تھا۔ آٹھ دن تک میں برابر روتا رہا۔ اس کے مرنے کی تاریخ "فوت شد نویان" ہاتھ آئی۔ تھوڑے دن بعد پلٹ کر میں دہکت میں آگیا۔

مسیحا کی طرف جانا:۔ بہار کے موسم میں خبر آئی کہ شیبانی خاں اوراتیپہ پر چڑھ آیا ہے۔ چونکہ دہکت پست زمین تھا۔ اس لئے آب برون اور الملی سے گزر کر ہم کوہستان مسیحا میں چلے آئے۔ آب برون ایک قریہ ہے جو مسیحا کی انتہا پر واقع ہے۔ اس آب برون سے نیچے کی جانب ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ پر ایک قبر ہے۔ چشمہ کی

بلائی طرف مسیحا کا علاقہ ہے اور نشیبی جانب ملغزکا۔ اس چشمہ کے کنارے پر جو پتھر تھا اس پر میں نے یہ اشعار کندہ کرا دیئے۔ مثنوی

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت
بسر چشمہ شد بسنگے نوشت

بریں چشمہ چوں مابسے دم زدند
برفتند تا چشم برہم زدند

گرفتیم عالم بہ مردی وزور
ولیکن نبردیم باخود بہ گور

اس کوہستان میں پتھروں پر اشعار اور کتبے کندہ کرنے کی بہت رسم ہے۔ ان ہی دنوں میں جب کہ میں مسیحا میں تھا۔ ملا ہجوی۔۲۹۴ شاعر نے حصار سے آکر ملازمت حاصل کی۔

شیبانی خاں اور اتیبہ کی نواح میں آیا اور لوٹ مار کر کے چل دیا۔ جن دنوں میں وہ اور اتیبہ کی نواح میں تھا۔ میں نے اپنے لشکر کی کمی اور بے سلانی پر کچھ خیال نہ کیا۔ گھربار کو مسیحا میں چھوڑا۔ اور خود آب برون اور املی سے نکل پہاڑوں پر سے ہوتا ہوا دہکت کی نواح میں آگیا۔ ارادہ تھا کہ صبح جھٹپٹے کے وقت اکٹھے ہو کر جو بس چلے جو بن پڑے ان میں کمی نہ کیجئے۔ مگر چونکہ شیبانی خاں جلدی سے چل دیا تھا اس لئے ہم بھی اسی پہاڑی راستہ سے مسیحا میں آگئے۔ دل میں آیا کہ یوں پہاڑوں میں ٹکرانا بے سود ہے۔ نہ گھرشورنہ ملک' نہ چین نہ آرام' اس سے بہتر یہ ہے کہ خان کے پاس تاشکند چلے چلیں۔ قاسم بیگ وہاں چلنے پر راضی نہ ہوا۔ غالباً" اس کو اس لئے وہاں چلنے میں اندیشہ ہوا کہ قرا بولاق میں لوٹ مار کے انتظام کے خیال سے اس نے تین چار مغلوں کو قتل کر دیا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ہرچند میں نے اصرار کیا مگر اس نے نہ مانا۔ وہ تو اپنے بھائیوں اور ہمراہیوں سمیت مجھ سے علیحدہ ہو کر حصار چلا گیا۔ اور میں آب برون کے پہاڑ۔۲۹۵ سے نکل کرخان کے پاس تاشکند کی طرف روانہ ہوا۔

اسی زمانہ میں تنبل لشکر جمع کر کے مرغزار آہنگ ان پر چڑھ آیا۔ اس وقت تنبل کے اہل لشکر میں سے محمد دغلت (جو محمد حصاری مشہور تھا) سلطان حسین دغلت

(جو اس کا چھوٹا بھائی تھا) اور قنبر علی سلاغ نے بلااتفاق تنبل کے خلاف میں سازش کی۔ مگر تنبل پر یہ راز فاش ہوتے ہی یہ لوگ وہاں ٹھیر نہ سکے۔ اور بھاگ کر خان کے پاس آگئے۔ بقر عید ہمیں شاہرخیہ میں ہوئی۔ ہم یہاں ذرا نہ ٹھیرے اور سیدھے تاشکند میں خان کے پاس چلے آئے۔ میں نے یہ رباعی معمولی قافیہ میں کہی تھی۔ مگر مجھے اس کے قافیہ کی صحت میں کسی قدر شک تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں مصطلحات شعر سے میں اچھی طرح واقف نہ تھا۔ خان تھا تو طبیعت دار آدمی اور شعر بھی کہہ لیتا تھا۔ مگر اس کی غزل جیسی چاہئے ویسی نہ ہوتی تھی۔ میں نے رباعی خان کو سنائی اور اپنا تردد بھی عرض کیا۔ اس نے کوئی ایسا شافی جواب نہ دیا جس سے دل کو تسلی ہو جاتی معلوم ہوتا ہے کہ خان بھی کلام کی حسن و قبح سے کم واقف تھا۔ وہ رباعی یہ ہے۔

آفت زدہ کو پوچھتا ہے کب کوئی
آوارہ وطن کو خاک حاصل ہو خوشی
اس بے وطنی سے کیوں نہ ہو مجھ کو الم
غربت میں تو سعد ما بھی خوش ہو نہ کبھی

آخر میں معلوم ہوا کہ ترکی زبان میں تاوال سے اور عین قاف اور کاف سے قافیہ کے موقع پر آپس میں بدل جاتے ہیں۔

تنبل اور اتیہ میں آیا:۔ چند روز کے بعد تنبل اور اتیہ پر چڑھ آیا یہ سنتے ہی خان نے بھی تاشکند سے فوج کشی کی۔ بشکنت اور سام سیرک کے بیچ میں فوج کے دائیں بائیں صفیں ہالہ کی صورت میں قائم کیں اور مغلوں نے اپنے قاعدہ کے موافق یوں نشان باندھے۔ خان گھوڑے سے نیچے اتر کھڑا ہوا۔ نشان۔۴۹۶ کولا کر خان کے آگے کھڑا کیا۔ ایک مغل گائے کے ہاتھ کی ہڈی کو ایک سفید لمبے سوتی کپڑے سے باندھ کر اور اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔ دوسرے نے تین سفید لمبے کپڑے نشان کو قطاس کے نیچے باندھ کر نشان کی لکڑی کے نیچے سے نکالے۔ کپڑوں میں سے ایک کپڑے کا کونا خان اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر کھڑا ہو گیا۔ ان ہی کپڑوں میں سے دوسرے کپڑے کا کنارہ جو اسی طرح ایک نشان میں باندھا گیا تھا میں اپنے پاؤں کے نیچے دبا کر کھڑا ہو گیا۔ تیسرے کپڑے کا کنارہ سلطان محمد خانیکہ۔۴۹۷ یوں ہی دبا کر کھڑا ہو گیا۔ پھر جس مغل نے ان کپڑون کو باندھا تھا گائے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر مغلی

زبان میں کچھ تقریر کی اور اثنائے تقریر میں اکثر نشان کی طرف دیکھتا رہا۔ اور اشارے کرتا رہا۔ خان نے اور سب کھڑے ہونے والوں نے نشان کی طرف عنبر افشانی کی۔ ایک وقعہ ہی ساری ترھیاں اور نقارے بجنے لگے جتنے سپاہی صف بستہ کھڑے تھے وفعتاً" لڑائی کے نعرے مارنے لگے۔ تین بار یہ رسم ادا کی۔ پھر سب سوار ہو گئے اور نعرے مارتے ہوئے گھوڑے اڑانے لگے۔

چنگیز خاں نے جو قاعدے مقرر کئے تھے وہ اب تک مغلوں میں جاری ہیں پھر برانغار والا برانغار میں اور قول والا قول میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر جو باپ دادا کے وقت سے مقرر تھی جا کھڑا ہوا۔ معمول ہے کہ جو لوگ بہت عزت دار اور بھروسے کے ہوتے ہیں وہ برانغار اور جرانغار کے اوج یعنی فوج کے کناروں پر کھڑے ہوتے ہیں برانغار والوں میں سے قوم چراس اور بیگ چک باہم اس بات پر جھگڑ پڑے کہ اوج میں کون رہے۔ اس وقت چراس کا سردار رقشقہ محمود تھا جو بڑا بہادر تھا۔ اور قوم بیگ چک (جو قوموں میں ایک نامی قوم ہے) کا سردار ایوب یعقوب تھا۔ دونوں قومیں اوج کے لئے ایسی جھگڑیں کہ تلوار کھینچ گئیں۔ آخر ظاہرایہ مصالحت ہو گئی کہ ایک ان میں سے جرکاہ۳۹۸ میں اعلیٰ جگہ اور دوسری لڑائی میں صف بندی کے وقت اوج میں کھڑی ہو۔ دوسرے دن سام سیرک کی نواح میں لشکر نے جرگا ڈال کر شکار کھیلا۔ پھر آگے چلے اور چار باغ براق میں آکر اترے۔ اسی منزل میں آج میں نے پہلے پہل ایک ساری غزل لکھی۔ اس غزل کا مطلع یہ ہے۔

روح سا ہم کو نہ دنیا میں وفادار ملا
راز داں کوئی بھروسے کا نہیں دل کے سوا

اس غزل کے سات شعر ہوئے۔ پھر جو غزل لکھی اسی ترتیب سے لکھی۔ یہاں سے کوچ بہ کوچ دریائے خجند کے کنارہ پر پہنچے۔ ایک دن سیر کرنے گئے اور دریا کے پار جا کے آش پکائی۔ سرداروں اور سپاہیوں کو خوب جلسے اڑوائے۔ آج ہی میرے کمر بند کا طلائی حلقہ چوری ہو گیا۔ دوسرے دن خان قلی۳۹۹ بیان قلی اور محمد ویس بھاگ کر تنبل کے پاس چلے گئے۔ سب کو گمان ہوا کہ وہ حرکت انہی سے صادر ہوتی تھی۔ مگر تحقیق نہیں ہوا۔ احمد قاسم کوہ بر بھی اجازت لے کر اور اتیہ چلا گیا۔ اس جانے کے بعد پھر وہ نہ آیا اور تنبل کے پاس چلا گیا۔

۹۰۸ھ مطابق ۷ جولائی ۱۵۰۲ کے واقعات

مصیبت پڑنی:۔ خان کی یہ یورش بہت ہی بے فائدہ تھی۔ ؟؟ قلعہ لیا نہ دشمن کو زیر کیا گئے اور چلے آئے۔ میں جتنے دن تاشکند میں رہا اتنے دن میں نے بے حد تنگی اور مصیبت اٹھائی۔ نہ ملک قبضہ میں تھا۔ نہ پھر اس کے ملنے کی امید تھی۔ نوکر چاکر اکثر چلے گئے تھے۔ جو کچھ پاس رہ گئے تھے وہ مفلسی کے سبب سے میرے ساتھ ساتھ پھر نہ سکتے تھے۔ جب میں ماموں جان کے دربار میں حاضر ہوتا تھا تو کبھی ایک آدمی اور کبھی دو آدمی ساتھ ہوتے تھے۔ بڑی بات یہ تھی کہ اس موقع پر کوئی غیر نہ تھا۔ سب اپنے جگر ہی تھے۔ ماموں جان کو آداب کیا اور شاہ بیگم کے پاس چلا آیا۔ اپنے گھر کی طرح آزادی کے ساتھ ننگے سر ننگے پاؤں چلا آیا تھا۔ آخر ایسی سرگردانی اور اس بے گھرے ہونے سے میں تنگ آ گیا۔ اور زندگی سے بیزار ہو گیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسی سختی کے جینے سے جدھر سینگ سائے ادھر چلا جاؤں۔ اور ایسا چھپ جاؤں کہ کسی کی نظر نہ پڑے۔ لوگوں کے سامنے ایسی ذلت و بدحالی میں رہنے سے بہتر ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اتنی دور نکل جاؤں جہاں مجھے کوئی نہ پہچانے۔ یہ سوچ کر خطا جانے کا ارادہ مصمم کر لیا۔ مجھے بچپن سے ملک خطا کی سیر کا شوق تھا مگر سلطنت اور تعلقات کے سبب سے نہ جا سکتا تھا۔ اب سلطنت جاتی رہی۔ والدہ ان کی ماں اور بھائی سب ایک جا ہو گئے ہیں۔ جو سیر کرنے کے مواقع تھے وہ جاتے رہے اور سارے اندیشے رفع ہو گئے۔ میں نے خواجہ ابو المکارم کی معرفت سب سے یہ بات کہی کہ شیبانی خان جیسا دشمن پیدا ہو گیا ہے۔ مغلوں کو اور ترکوں کو اس سے یکساں مضرت پہنچے گی۔ ابھی تک اس نے ان قوموں کو پورے طور سے زیر نہیں کیا ہے۔ اور اس کی طاقت نہیں بڑھی ہے۔ اس وقت میں اس کا تدارک کرنا واجب ہے۔ چنانچہ بزرگوں کا قول ہے۔

امروز بکش چومی تواں کشت
آتش چو بلند شد جہاں سوخت
مگزار کہ زہ کند کماں را
دشمن چو بہ تیری تواں دوخت

چوبیس پچیس برس سے کچک خاں یعنی چھوٹے ماموں اور بڑے ماموں میں بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی اور میں نے بھی چھوٹے ماموں کو نہیں دیکھا تھا۔ اچھا ہے کہ میں بھی چھوٹے ماموں سے ملوں اور دونوں میں باعث ملاقات بھی ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اس بہانہ سے یہاں سے چلا جاؤں۔ اب بالکل دل میں ٹھان لی کہ مغلستان اور طرخسان چلئے۔ پھر۹۰۴ کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ میں نے اس منصوبہ سے کسی کو آگاہ نہیں کیا تھا اور نہ یہ کسی پر ظاہر کر سکتا تھا۔ اس لئے اپنی والدہ سے بھی اس راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ اور نہ ان لوگوں سے جو میرے ساتھی تھے اور طرح طرح کی امیدوں سے میرے ساتھ مصیبتیں جھیلتے پھرتے تھے۔ خواجہ ابو المکارم نے جب یہ باتیں شاہ بیگم اور بڑے خان دادا سے کہیں تو پہلے ان کی مرضی پائی گئی۔ پھر سمجھے کہ شاید مواسات نہ کرنے سے مکرر رخصت چاہی ہے۔ اس وجہ سے انہوں نے رخصت دینے میں ذرا تامل کیا۔ اتفاقاً" ان ہی دنوں میں چھوٹے خان دادا کے پاس سے ایک آدمی آیا اور صحیح خبر لایا کہ چھوٹے خان آتے ہیں۔ میرا منصوبہ یونہی رہ گیا۔ اتنے میں ایک اور آدمی آیا اور اس نے بیان کیا کہ خان موصوف قریب آگئے ہیں۔ شاہ بیگم چھوٹے خان دادا کی چھوٹی بہنیں سلطان نگار خانم و دولت نگار خانم سلطان محمد خانیکہ اور مرزا خان سب مل کر ماموں کچک خاں کی پیشوائی کرنے کو گئے۔ تاشکند اور سیرام کے درمیان میں یغما ایک گاؤں ہے۔ اور اور کئی گاؤں ہیں جن میں ابراہیم اتا اور اسحاق اتا کی قبریں ہیں۔ ہم ان دیہات تک گئے ہم یہ نہ جانتے تھے کہ کچک خاں اسی وقت آجائیں گے۔ ہم انجانی سے سیر کرنے کے لئے سوار ہو گئے تھے۔ دفعتہ" خان سے آمنا سامنا ہو گیا۔ میں آگے بڑھا۔ جوں ہی میں گھوڑے پر سے اترا دونہی کچک خاں دادا مجھے پہچان گئے۔ بہت ہی گھبرائے۔ شاید یہ خیال دل میں ہو گا کہ کسی جگہ میں اتر کر بیٹھوں اور یہ پورے ادب قاعدہ کے ساتھ مجھ سے ملے۔ میں نے یہ کیا کہ جھٹ پٹ ان کے پاس پہنچ گھوڑے پر سے کود پڑا۔ اور گو کسی رسم کے ادا کرنے کا موقع نہ تھا مگر گھوڑے سے اترتے ہی میں گھٹنوں کے بل جھکا اور بغل گیر ہوا۔ وہ بہت ہی سٹپٹائے اور جھینپے۔ فوراً سلطان سعید خاں اور بابا خان سلطان سے کہا کہ گھوڑوں پر سے اترو اور جھک کر ان سے ملو۔ خاں کے بچوں کے بچوں میں سے یہی دونوں ہمراہ آئے تھے۔ دونوں تیرہ چودہ برس کے ہوں گے۔ ان دونوں سے ملنے کے

بعد سب سوار ہو کر شاہ بیگم کے پاس آئے۔ ماموں کیچک خاں شاہ بیگم سے اور سب بیگموں سے ملے۔ بغل گیر ہوئے۔ بیٹھے اور اپنی اپنی رام کہانیاں آدھی رات تک کہتے سنتے رہے۔ دوسرے دن چھوٹے ماموں نے مغلوں کی رسم کے موافق خلعت۔ اپنے ہتھیار اور اپنے خاصے کا گھوڑا معہ زین مجھے عنایت کیا۔ خلعت میں یہ چیزیں تھیں۔ مغلی ٹوپی مقتول۔۴۰۲ دار چکن کے کام کی اطلس خطائی کی الخالق اور پرانی وضع کی قور خطائی۔۴۰۳ جس میں پتھر کی ایک تختی اور ایک تھیلی لگی ہوئی تھی۔ تھیلی کے گرد تین چار چیزیں انگوٹھیوں کی وضع کی جن کو عورتیں عطر دان اور بٹوے کی طرح گلوں میں لٹکاتی ہیں لٹکی ہوئی تھیں۔ اسی طرح الٹی طرف بھی اسی ترکیب کی تین چار چیزیں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہاں سے سب تاشکند کی طرف روانہ ہوئے۔ بڑے ماموں بھی تاشکند سے تین چار فرسنگ پیشوائی کے لئے آئے اور ایک مقام پر شامیانہ کھڑا کر کے ٹھیرے۔ چھوٹے خان سامنے سے آئے جب قریب آگئے تو بڑے خان کے الٹے ہاتھ کی طرف سے خان کے پیچھے پھر کر آگے آئے اور اترے۔ آداب گاہ پر پہنچے تو نو دفعہ جھکے۔۴۰۴ پھر آکر بغل گیر ہوئے۔ بڑے خان بھی چھوٹے خان کے پاس آتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور چمٹ گئے۔ بہت دیر تک لپٹے کھڑے رہے۔ الگ ہونے کے بعد بھی چھوٹے خان کے سارے ہمراہی بڑی طمطراق سے مغلوں کی رسم کے موافق آراستہ تھے۔ مغلی ٹوپیاں سروں پر تھیں۔ چکن کے کام کی خطائی اطلس کی الخالقین پہنے ہوئے تھے۔ مغلوں کی رسم کے موافق ترکش لگائے ہوئے سبز ساغری زین کسے ہوئے گھوڑوں پر سوار تھے۔ چھوٹے خان تھوڑے آدمی ساتھ لائے تھے۔ یہ سب ہزار سے زیادہ اور دو ہزار سے کم ہوں گے۔ ہمارے چھوٹے ماموں ایک خاص ڈھنگ کے آدمی تھے۔ تلوار کے دھنی تھے۔ بڑے قوی' مضبوط اور جواں مرد تھے۔ سارے ہتھیاروں میں تلواروں پر غش تھے اور ان پر بھروسا رکھتے تھے۔ ان کا قول تھا کہ شش۔۴۰۵ پر' پہازی' کبستن' تبرزین۔۴۰۶ اور تبرتیشہ اگر لگے تو ایک جگہ زخم دے اور تلوار لگے تو سر سے پاؤں تک کام کر جائے۔ اپنے بھروسے کی تیز تلوار کو کبھی اپنے سے علیحدہ نہ کرتے تھے۔ وہ تلوار ان کی کمر میں لگی رہتی تھی۔ یا ان کے ہاتھ میں رہتی تھی۔ چونکہ ملک کے کنارہ اور گوشہ میں انہوں نے پرورش پائی تھی اس لئے کسی قدر درشت گو اور گنوار آدمی تھے۔ جب میں چھوٹے ماموں کے ساتھ واپس آیا ہوں تو اسی

آرائش اور ہیئت سے تھا جس کا بیان اوپر ہوا ہے۔ خواجہ ابو المکارم بڑے خان دادا کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے مجھے نہ پہچانا۔ پوچھنے لگا کہ یہ کون سے سلطان ہیں میں نے بات کی تو وہ پہچان گیا۔

دونوں خان کا اخشی پر چڑھائی کرنا اور بابر کو آگے روانہ کرنا:۔ تاشقند آتے ہی انہوں نے سلطان احمد تنبل پر فوج کشی کر دی۔ کندزلیک ۴۰۷؎ اور امانی کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ بلکہ آہنگران میں پہنچتے ہی چھوٹے خان کو اور مجھ کو آگے روانہ ۴۰۸؎ کر دیا۔ ایان ۴۰۹؎ کے پہاڑ کو طے کر کے نواہ زیرقان اور کرسان میں دونوں خان پھر آ ملے۔ نواح کرسان ۴۱۰؎ میں ایک دن لشکر کا جائزہ لیا۔ تیس ہزار سوار کا تخمینہ ہوا۔ جو دیہات ہمارے سامنے تھے ان میں سے خبر آئی کہ تنبل بھی اپنی فوج کو جمع کر کے اخشی میں آ گیا ہے۔ دونوں خانوں نے مشورہ کیا اور یہ بات قرار دی کہ لشکر میں سے کچھ فوج میرے ساتھ کر دی جائے۔ میں دریائے خجند سے عبور کر کے دوش اور اورکند کی طرف بڑھوں اور اس کے پیچھے ۴۱۱؎ جا پہنچوں۔ یہی بات قرار پا گئی۔ ایوب بیگ چلک کو معہ اس کی قوم کے۔ جان حسن ۴۱۲؎ نارین کو معہ اس کے نارینوں کے۔ ۴۱۳؎ محمد حصاری وغلت' سلطان حسین وغلت اور سلطان احمد مرزا دغلت کو معہ اس کے دغلتوں کے میرے ہمراہ کیا۔ قنبر علی ساریق ۴۱۴؎ پاش مرزا انبارچی ۴۱۵؎ کو بھی اس لشکر کا سردار مقرر کر کے ہمارے ساتھ کر دیا۔ ہم مقام کرسان ۴۱۶؎ میں دونوں صاحبوں سے رخصت ہوئے۔ نواح پیکان ۴۱۷؎ میں سیڑھی کے ذریعہ سے دریائے خجند کو عبور کیا۔ پھر رباط خوقان سے چل کر ہم نے مقام قبا کو فتح کیا۔ اور رباط الایلوق ۴۱۸؎ کے راستہ سے اوش پر چڑھائی کر دی۔ صبح کے وقت اوش والے بالکل غافل تھے کہ ہم وہاں جا پہنچے۔ وہاں والوں سے کچھ نہ بن پڑا۔ اوش ہمارے حوالے کر دیا۔

اہل ملک بالطبع میری طرف مائل تھے۔ مگر تنبل کے خوف سے اور مجھ سے دور ہونے کے باعث سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ جونہی میں اوش میں آیا ویسے ہی اندجان کے مشرق اور جنوب کے پہاڑوں اور میدانوں سے تمام قومیں امنڈ آئیں اور کند ۴۱۹؎ جو اگلے زمانہ میں فرغانہ کا دارالسلطنت تھا اس کا قلعہ بہت عمدہ ہے اور سرحد پر واقعہ ہے۔ وہاں والوں نے بھی میری اطاعت اختیار کر کے ایک آدمی بھیجا اور اظہار اطاعت

کیا۔ چند روز بعد مرغینان نے بھی اپنے حاکم کو مار کر نکال دیا اور مجھ سے مل گئے۔ دریائے خجند سے اندجان کی جانب جتنے قصبے تھے سوائے اندجان کے سب کے باشندے میرے مطیع ہو گئے۔ اس وقت اگرچہ اتنے قلعے میرے قبضہ میں آ گئے تھے اور ایسا فتنہ و فساد ملک میں بپا ہو گیا تھا مگر تنبل کے مغز کا کیڑا نہ جھڑا۔ آخشی اور کرسان ۹۲۰ کے بیچ میں اپنے لشکر کے سوار اور پیادوں سمیت بڑے خان اور چھوٹے خان کے مقابلہ میں آ موجود ہوا۔ خندق اور شاخ بند سے اپنے لشکر کی حفاظت کر کے ہو بیٹھا۔ کئی دفعہ جانبین میں ہلکی ہلکی لڑائی ہوئی مگر کوئی غالب اور مغلوب ہوتا ہوا معلوم نہ ہوا۔ چونکہ اطراف اندجان کے اہل ملک اکثر میرے تابع ہو گئے تھے اس لئے اندجان والے بھی دل سے میرے خواستگار تھے مگر موقع نہ پاتے تھے۔

اندجان کی فتح کی کوشش کی جاتی ہے :۔ میرے دل میں آئی کہ کسی دن رات کو اندجان کے قریب جایئے اور کوئی آدمی بھیج کر وہاں کے امراء و شیوخ سے کچھ باتیں کیجئے۔ کیا عجب ہے کہ وہ ہمیں کسی طرف سے بلا لیں یہ خیال کر کے میں اوش سے سوار ہوا اور آدھی رات آ گئی ہو گی کہ اندجان سے ایک کوس کے فاصلہ پر چل کر وخزان ۹۲۱ کے سامنے آ کر ٹھہرا۔ قنبر علی بیگ اور کئی سرداروں کو آگے بھیجا اور سمجھا دیا کہ شہر میں خفیہ آدمی بھیجو اور شیوخ و امراء سے باتیں کر لو۔ ہم ان سرداروں کے آنے کے انتظار میں اسی طرح گھوڑوں پر سوار رہے۔ ہم میں سے کوئی اونگھ رہا تھا' کسی کی آنکھ لگ گئی تھی۔ شاید تین پہر رات گزری ہو گی کہ ایک دفعہ ہی غل غپاڑے کے ساتھ طبل جنگ کی آواز آئی۔ ہمارے ساتھی نیند میں تو تھے ہی۔ نہ انہوں نے دشمنوں کی کمی بیشی پر خیال کیا اور نہ ایک نے دوسرے کی خبر لی۔ دفعتاً سب کے سب بھاگ نکلے۔ مجھے بھی اتنی فرصت نہ ملی کہ ان لوگوں کو اکٹھا کروں۔ مگر میں باغیوں کی طرف چلا۔ میر شاہ قوچین' بابا شیراز اور دوست ناصر میرے ساتھ چلے۔ ہم چاروں کے علاوہ سارے بھاگ گئے۔ ہم تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ وہ لوگ تیر مارتے ہوئے اور غل مچاتے ہوئے ہم پر آ پڑے۔ ایک سوار جو قشقہ گھوڑے پر تھا میرے قریب آ گیا۔ میں نے ایک تیر مارا۔ تیر گھوڑے کے لگا۔ گھوڑا فوراً مر گیا وہ لوگ ذرا ٹھہر گئے۔ یہ تینوں آدمی جو میرے ہمراہ تھے کہنے لگے کہ اندھیری رات ہے دشمنوں کی تعداد معلوم نہیں اور لشکر سارا بھاگ گیا۔ ہم چار سے کتنے آدمی مارے

جائیں گے۔ یہاں سے چل دیجئے۔ پہلے بھاگے ہوؤں کو سمیٹئے اور پھر لڑیئے۔

ہم دوڑے اور اپنے لوگوں میں پہنچے۔ ہر چند چابک تک مارے اور ٹھہرانا چاہا مگر کوئی نہ ٹھہرا۔ آخر ہم ہی چاروں الٹے پھرے اور تیر مارنے لگے' ادھر والے ذرا ٹھہر گئے۔ جب دو ایک دفعہ ہم کو انہوں نے دیکھا کہ تین چار آدمیوں سے زیادہ نہیں تو پھر وہ ہمارے تعاقب میں اور گرانے میں مشغول ہوئے۔ اسی طرح تین چار دفعہ اپنے لوگوں کو میں نے ٹھہرانا چاہا جب کوئی نہ رکا تو ناچار ان ہی تینوں کے ساتھ پلٹ کر ایسے تیر مارے کہ دشمنوں کا منہ پھیر دیا۔ دشمن تین کوس برابر پشتہ قراقون ۲۲۲ اور پشامون کے سامنے تک ہم لوگوں کا تعاقب کرتے رہے۔ جب ہم پشتہ کے پاس پہنچے تو میثر ۲۲۳ اور محمد علی ملے۔ میں نے کہا کہ یہ گنتی کے آدمی ہیں۔ آؤ ہم ان سے کپٹ لیں۔ جب ہم نے ان کی طرف گھوڑے دوڑائے تو وہ ٹھہر گئے۔ اس کے بعد ہمارے جو لوگ بھاگ گئے تھے اور متفرق ہو گئے ادھر ادھر سے جمع ہو کر آنے لگے۔ اس بھگدڑ میں بعض اچھے اچھے سپاہیوں نے پیچھے مڑ کر نہ دیکھا اور سیدھے اوش پہنچے۔

یہ بات یوں ہوئی کہ ایوب بیگ چک کے تومان میں سے کچھ مغل ہم سے جدا ہو کر لوٹ مار کرنے اور اندجان کی نواح میں آئے تھے۔ ہمارے لشکر کا جو غل سنا تو دبکے ہوئے آگے آئے اور پلول میں غلطی ہو گئی۔ یہ پلول دو قسم پر ہے۔ ایک تو قومی ہوتی ہے مثلاً" بعض قوم میں لفظ "دروانہ" بعض میں لفظ "توقبائی" اور بعض قوم میں لفظ "لولو" مقرر کر لئے ہیں۔ دوسری یہ کہ تمام لشکر میں لڑائی کے وقت دو لفظ پلول کے قرار پا جاتے ہیں تاکہ معرکہ جنگ میں جس وقت دو آدمی آپ کے ملیں اس وقت کوئی ایک لفظ مقرر کہے اور دوسرا جواب میں دوسرا لفظ معہود کہے۔ اس سے مدعا یہ ہے کہ اپنے اور دشمن کے آدمی میں شناخت ہو جائے۔ اور یگانہ و بیگانہ میں تمیز رہے۔ اس یورش میں پلول کے الفاظ "تاشقند" اور "سیرام" تھے۔ یعنی اگر ایک "تاشقند" کہے تو دوسرا "سیرام" اور اگر ایک "سیرام" کہے تو دوسرا "تاشقند" اس موقع پر خواجہ محمد علی سب سے آگے تھے۔ مغل تاشقند تاشقند کہتے ہوئے آئے۔ خواجہ محمد علی جو تاجیک تھا گھبرا کر جواب میں "تاشقند" "تاشقند" کہنے لگا۔ مغل اس خلاف جواب سے باغی تصور کر کے شوروغل مچانے لگے اور طبل جنگ بجا کر تیر برسانے لگے۔ اسی غلط شوروغل سے ایک دفعہ ہی ہم تتر بتر ہو گئے۔ میرا منصوبہ پورا نہ ہوا۔ پھر میں اوش ہی

میں واپس آ گیا۔

اندجان پر چڑھائی :۔ جب ہم سے شہر والے' میدانی اور کوہستانی رجوع ہو گئے تو تنبل اور اس کے ہمراہی بیدل اور عاجز ہو گئے۔ اس کے پانچ چھ دن بعد اس کا لشکر پہاڑوں اور جنگلوں کی طرف بھاگنے لگا۔ جو لوگ اس کے پاس سے بھاگ آئے تھے وہ بیان کرنے لگے کہ تنبل میں کچھ دم نہیں رہا ہے۔ اب تین چار دن میں کھل جائے گا کہ وہ تباہ ہو گیا۔ اس خبر کے سنتے ہی میں اندجان جانے کے لئے تیار ہوا۔ اندجان میں تنبل کا چھوٹا بھائی سلطان محمد گل بیگ ۔۴۲۴ تھا۔ ہم تو تلوق ۔۴۲۵ کے راستہ سے چلے۔ اندجان ۔۴۲۶ کے جنوب کی طرف سے مقام جاکان ۔۴۲۷ سے فوج کی ایک ٹکڑی ظہر کے وقت روانہ کی اور میں خود اس کے پیچھے پیچھے چل کر پشتہ عیش کے دامن میں جو جاکان کی طرف ہے آیا۔ قراولوں نے خبر دی کہ سلطان محمد گل بیگ اپنے سب آدمیوں کے ساتھ باغات اور محلات کے باہر پشتہ عیش کے دامن میں نکل آیا ہے۔ ہماری فوج کی وہ ٹکڑی جو آگے روانہ ہوئی تھی ابھی جمع نہ ہونے پائی تھی۔ میں نے اس کے جمع ہونے کا انتظار نہ کیا اور میں فوراً" دشمن کی طرف قدم بڑھائے ہوئے روانہ ہو گیا۔ گل بیگ ۔۴۲۸ کے ساتھ پانچ سو آدمیوں سے زیادہ ہوں گے اگرچہ میری فوج زیادہ تھی مگر اہل لشکر متفرق ہو رہے تھے۔ مقابلہ کے وقت شاید اتنی ہی فوج میرے پاس بھی ہو۔ ترتیب اور صف بندی کا کچھ خیال نہ کیا۔ باگیں اٹھائے ہوئے میں غنیم کے سر پر جا دھمکا۔ ہمارے پہنچتے ہی ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور تلوار کے دو دو ہاتھ بھی نہ ہونے پائے کہ وہ بھاگ نکلے۔

ہمارے لوگ دروازہ جاکان تک دشمنوں کو مارتے اور گراتے ہوئے گئے۔ جب ہم دشمن کو شکست دیتے ہوئے آبادی کے قریب محلہ خواجہ کتہ میں پہنچے تو شام ہو گئی تھی۔ میرا ارادہ تھا کہ بہت جلد میں دروازہ پر پہنچ جاؤں بوڑھے اور تجربہ کار امراء میں سے ناصر بیگ (دوست بیگ کے باپ) اور قنبر علی بیگ وغیرہ نے عرض کیا کہ شام ہو گئی ہے۔ اندھیرے میں شہر کے پاس پہنچنا عقل کے خلاف ہے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی قدر ہٹ کر ٹھہر جائیں۔ صبح کو سوائے اس کے کہ یہ لوگ شہر ہم کو دے دیں اور کیا کر سکتے ہیں؟ ان تجربہ کار امراء کے کہنے میں آ کر ہم وہاں سے پلٹ آئے اگر اس وقت شہر کے دروازہ پر ہم جا پہنچتے تو بے شک و شبہ شہر ہمارے ہاتھ آ جاتا۔

جوئے جاکان سے ہٹنا:۔ عشاء کا وقت تھا جو جاکان کی ندی سے اتر کر رباط قورون ۳۲۹ھ گلوں کے پاس خیمہ زن ہوئے۔ اگرچہ تنبل ۳۳۰ھ کی بربادی کی خبر اندجان میں پہنچ گئی مگر ناتجربہ کاری کی وجہ سے ہم چوک گئے۔ جوئے خاکان جیسے مضبوط مقام کو تو درست کر کے نہ ٹھہرے۔ دریا سے اتر کر رہا قورون گلوں ۳۳۱ھ کے پاس چٹیل میدان میں جا اترے روند نہیں۔ چوکی پہرہ نہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ بے خبر ہو کر سو رہے۔ صبح ہونے ہی کو تھی اور ہمارے لوگ میٹھی نیند میں پڑے اینڈ رہے تھے کہ اتنے میں قنبر علی دوڑتا ہوا اور چلاتا ہوا آیا کہ غنیم آ گیا ہے اٹھو! اٹھو! وہ یہ کہتا ہوا بلا توقف چلا گیا۔ میرا قاعدہ تھا کہ امن کے زمانہ میں بھی میں ہمیشہ کپڑے پہنے ہوئے سویا کرتا تھا۔ میں جلدی سے اٹھتے ہی تلوار و ترکش لگا سوار ہو گیا۔ نشان بردار کو نشان درست کرنے کی بھی فرصت نہ ہوئی۔ وہ یوں ہی نشان کی لکڑی ہاتھ میں لئے ہوئے سوار ہو گیا۔ جس طرف سے کہ دشمن چلا آتا تھا اسی جانب سے ہم چلے۔ اولہ دہلہ میں دس پندرہ ہی آدمی میرے ہمراہ تھے۔ ایک تیر کے پرتاب پر ہم آئے ہوں گے کہ غنیم کے اگلے دستہ فوج سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ اس وقت میرے ساتھ کوئی دس آدمی ہوں گے۔ ہم ان پر جھپٹے تیر مارتے ہوئے اور جو آ گئے تھے ان پر حملہ کر کے ان کو پسپا کرتے ہوئے آگے بڑھے۔ ان کے پیچھے کوئی ایک تیر کے فاصلہ تک ہم پہنچے ہوں گے کہ غنیم کے قول سے جا بھڑے۔

سلطان احمد تنبل تخمیناً" سو آدمیوں کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ تنبل معہ ایک آدمی کے صف لشکر کے سامنے کھڑا ہوا حکم دے رہا تھا۔ "ان کو مارو۔ ان کو مارو" مگر اس کی فوج کچھ ایسی حالت میں کھڑی ہوئی تھی کہ گویا اس شش و پنج میں ہے کہ بھاگ جائیں یا نہ بھاگیں۔ اس وقت میرے ساتھ صرف تین آدمی رہ گئے تھے۔ ایک دوست ناصر' دوسرا مرزا قلی کوکلتاش اور تیسرا کریم داد خدا داد ترکمان۔ ایک تیر جو اس وقت میری چٹکی میں تھا میں نے تنبل کے خود پر مارا۔ پھر میں نے ترکش پر ہاتھ ڈالا۔ میرے خان دادا نے ایک تیر غار مار سبز لکڑی کا مجھ کو دیا تھا۔ وہی ہاتھ میں آیا۔ اس کو مارتے ہوئے میرا جی دکھا۔ میں نے اس کو پھر ترکش میں ڈال دیا۔ اس نکالنے اور ڈالنے میں اتنی دیر لگی جتنی دیر میں وہ تیر مارے جائیں۔ دوسرا تیر چلّہ میں رکھ کر میں آگے چلا۔ یہ تینوں ہمراہی بھی بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ میرے سامنے جو دو آدمی آئے ان میں ایک

تنبل تھا۔ وہ بھی آگے بڑھا۔ بیچ میں ایک شاہراہ تھی۔ میں شاہراہ کے اس جانب سے اور وہ اس طرف سے آیا۔ یہیں ہم دونوں کا مقابلہ یوں ہوا کہ میرا سیدھا ہاتھ دشمن کی طرف اور تنبل کا سیدھا ہاتھ میری طرف ہو گیا۔ تنبل کے پاس گھوڑے کی زرہ کے علاوہ سارا سامان جنگ تھا۔ میرے پاس تلوار اور تیر کمان کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے کمان کو کان تک کھینچ کر ایک تیر جو میرے ہاتھ میں تھا تنبل کو مارا۔ اس وقت ایک تیر شیبہ میری سیدھی ران میں لگا اور وار پار ہو گیا۔ میرے سر پر لوہے کی ٹوپی تھی۔ تنبل نے جھپٹ کر تلوار کا ایک ایسا ہاتھ اس پر مارا کہ میرا سر سن ہو گیا اگرچہ ٹوپی کا تو ایک تار نہ کٹا مگر میرا سر اچھی طرح زخمی ہو گیا میں نے تلوار صاف نہ کی تھی وہ کسی قدر زنگ آلودہ ہو گئی تھی اس کے نکالنے کی مہلت نہ ملی۔ بہت سے دشمنوں میں میں اکیلا گھر گیا۔ اب ٹھہرنے کا موقعہ نہ تھا۔ میں نے گھوڑے کی باگ الٹی پھیر دی۔ ایک اور تلوار کا ہاتھ میرے تیروں پر پڑا۔ میں سات آٹھ قدم الٹا پھرا ہوں گا کہ پیدل سپاہیوں میں سے تین آدمی آئے اور میرے ساتھ ہو گئے۔

میرے بعد تنبل نے دوست ناصر کے بھی تلوار ماری۔ ایک تیر کے پرتاب تک لوگ میرے پیچھے پیچھے آئے۔ الغ چاکان ۔۴۳۲ شلہ ایک بڑی اور گہری ندی ہے ہر جائے سے ندی پایاب تھی۔ ندی کے پار ہوتے ہی دوست ناصر کا گھوڑا جو تھک گیا تھا گر پڑا۔ ہم نے ٹھہر کر اسے پھر سوار کیا۔ اور قرابوق ۔۴۳۳ و فرا غینہ کے بیچ میں جو ٹیلے ہیں ان کو یکے بعد دیگرے طے کرتے ہوئے غیر راستہ سے اوش کی طرف ہم چلے۔ جس وقت ہم ان ٹیلوں سے نکل رہے تھے اس وقت مزید طغائی آ کر ہمارے ہمراہ ہو گیا۔ ان کے بھی سیدھے پاؤں میں ران کے نیچے کی طرف تیر لگا تھا۔ اگرچہ وہ وار پار نہ ہوا تھا۔ لیکن اوش تک وہ بڑی تکلیف سے پہنچا۔ اس لڑائی میں ہمارے اچھے اچھے آدمیوں کو دشمنوں نے گرفتار کر لیا۔ ناصر بیگ، محمد علی، مبشر، خواجہ محمد علی، خسرو کوکلتاش اور نعمان چہرہ یہیں کام آئے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے بڑے سپاہی مارے گئے۔

دونوں ماموؤں سے اندجان کے قریب ملنا:۔ دونوں خان تنبل کا تعاقب کرتے ہوئے اندجان کے نواح میں اترے۔ خان کلاں شکار گاہ کے کنارہ پر میری نانی ا۔سن دولت بیگم کے باغ میں، جس کو قوش تنکیریان ۔۴۳۴ کہتے ہیں خیمہ زن ہوا۔

خان خورد لنگر بابا توکل ۔۴۳۵ کے قریب اترا۔ میں دو دن کے بعد اوس سے آیا۔ خان کلاں سے قوش تنکیریاں میں ملاقات کی۔ خان سے ملتے ہی مجھے معلوم ہوا کہ جو مقامات میرے قبضہ میں تھے وہ خان خورد کو دے دیئے گئے ہیں۔ مجھ سے یہ عذر کیا کہ شیبانی خاں جیسے دشمن نے سمرقند جیسے شہر کو چھین لیا ہے اور وہ روز بروز مقتدر ہوتا جاتا ہے۔ اسی مصلحت سے ہم خان خورد کو اتنی دور سے لائے ہیں چونکہ خان خورد کے قبضہ میں یہاں کوئی جگہ نہیں ہے اور اس کا ملک دور ہے اس لئے خجند کے جنوب میں جتنا ملک اندجان تک ہے خان خورد کو دینا چاہئے تھا تاکہ وہ یہاں اپنی چھاؤنی ڈال دے۔ دریائے خجند کے شمال سے آخشی تک کے ملک کو مجھے دینے کا وعدہ کیا اور یہ اقرار کیا کہ اس ملک پر پورا قبضہ ہو جائے تو سمرقند کا علاقہ فتح کر کے تمہیں دے دیں گے۔ پھر سارا فرغانہ خان خورد کا ہو جائے گا۔ غالباً" یہ ساری باتیں میرے دھوکا دینے کی تھیں۔ کام نکلنے کے بعد یہ وعدہ پورا ہونا معلوم نہ ہوتا تھا۔ میں کیا کر سکتا تھا۔ خواہی نخواہی راضی ہو گیا۔

خان کلاں کے پاس سے اٹھ کر میں خان خورد سے ملنے گیا۔ راستہ میں قنبر علی بیگ جو سلاخ مشہور ہے میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ آپ نے دیکھا! ان لوگوں نے ابھی سے ہمارا ملک ہتھیا لیا ہے۔ ان سے آپ کا کوئی کام نہیں نکلنے کا۔ اس وقت اوش، مرغینان، اور کند وغیرہ اور قومیں آپ کے تحت میں ہیں۔ ابھی اوش چلے چلئے۔ تمام قلعوں کا انتظام کیجئے۔ سلطان احمد تنبل کے پاس آدمی بھیجے۔ اس سے مل جائیے۔ مغلوں کو مار کر نکال دیجئے اور ملک کو دونوں بھائی مل کر بانٹ لیجئے میں نے کہا کہ خان میرے سگے اور اپنے ہیں۔ مجھ کو ان کے ساتھ ایسا کرنا ہرگز روا نہیں ہے۔ مجھ کو تنبل پر حکومت کرنے سے ان کی اطاعت کرنی بہتر ہے۔ اس نے دیکھا کہ میری بات کارگر نہ ہوئی۔ اس کہنے سے پشیمان ہوا اور الٹا پھر گیا۔ میں جا کر اپنے ماموں چھوٹے خان سے ملا پہلی دفعہ جو میں ان سے ملا تھا تو اچانک چلا گیا تھا۔ ان کو گھوڑے پر سے اترنے کا موقع نہ ملا تھا۔ اس سبب سے اس ملاقات میں میری پوری تعظیم نہ ہوئی تھی۔ اب کی بار جوں ہی میں قریب پہنچا، خان اپنے خیمہ کی رسیوں کے باہر تک دوڑ کر نکل آیا۔ میرے پاؤں میں تیر کا جو زخم تھا تو عصا ٹیکتا ہوا بڑی دقت سے میں چلتا تھا۔ خان دوڑ کر مجھ سے بغل گیر ہوئے اور یہ کہتے ہوئے "بھئی تم بڑے بہادر ہو"

میرا بازو پکڑ کر خیمہ میں لے گئے۔ چھوٹا سا خیمہ استادہ تھا۔ چونکہ دور اور سخت ملک میں ہوش سنبھالا تھا اس لئے خیمہ اور نشست گاہ بے تکلف اور سپاہیوں کی سی تھی۔ خربوزے' انگور اور اصطبل کا اسباب غرض سارا کرکری خانہ اسی خیمہ میں پھیلا ہوا تھا جس میں خود بیٹھتے تھے۔

خان کے جراح کا علاج :۔ میں خان خورد کے پاس سے اٹھ کر اپنے لشکر میں آیا۔ خان نے میرے زخم کے معالجہ کے لئے اپنے جراح آتیکہ بخشی نامی کو بھیجا۔ ۴۳۶ مغل جراح کو بھی بخشی ۴۳۷ کہتے ہیں۔ یہ شخص بڑا کاریگر جراح تھا۔ جس کا بھیجا نکل جاتا تھا اس کو بھی دبا دیتا تھا۔ رگوں میں کیسا ہی زخم آئے بہت آسانی سے اس کا علاج کرتا تھا۔ بعض زخموں پر مرہم کی طرح دوا لگاتا تھا اور بعض موقع پر دوا کھلاتا تھا۔ میری ران کے زخم پر میووں کے چھلکے جو خشک کئے ہوئے تھے باندھے اور زخم میں بتی رکھی جیسے بتے ہوتے ہیں ۴۳۸ ایسی دوا بھی ایک مرتبہ کھلائی۔ اس کا بیان تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا۔ مٹھی کی برابر ہڈی چورا چورا ہو گئی تھی۔ میں نے وہاں کا گوشت چیر کر ہڈی کی ساری کرچیاں نکالیں اور اس کی جگہ ایک پسی ہوئی دوا بھر دی۔ وہ دوا ہڈی کی جگہ مثل ہڈی کے ہو گئی اور ٹانگ کو آرام ہو گیا۔ اپنے ایسے عجیب و غریب علاجوں کے جن سے ہمارے ملک کے جراح بالکل ناواقف ہیں بہت سے تذکرے کرتا رہا۔ تین چار دن کے بعد قنبر علی ان باتوں کے کہنے سے جو مجھ سے کہی تھیں خوف زدہ ہو کر بھاگا اور اندجان پہنچا۔

نوکند اور کاشان پر چڑھائی :۔ چند روز کے بعد خانوں نے مشورہ کیا اور ایوب بیگ چک کو مع اس کے تومان کے۔ حسین ۴۳۹ نارین ۴۴۰ کو مع تومان نارین کے اور ساریق باش مرزا کو سردار لشکر کر کے میرے ہمراہ کیا اور مجھے آخشی روانہ کیا۔ یہ لشکر ہزار دو ہزار آدمی کا تھا۔ آخشی میں تنبل کا چھوٹا بھائی شیخ بایزید تھا اور کاشان میں شہباز قارلوق ۴۴۱ تھا۔ مگر ان دونوں میں شہباز قلعہ نوکند کے سامنے آن پڑا تھا۔ ہم آتا کے سامنے سے چپکے سے دریائے خجند کو عبور کر کے نوکند کی طرف شہباز پر حملہ کرنے کے لئے تیز تر روانہ ہوئے صبح ہونے سے پہلے ہم نوکند میں پہنچ گئے تھے۔ اس وقت امراء نے عرض کیا گمان غالب ہے کہ شہباز ہمارے قصد سے واقف ہو گیا ہے۔ مناسب ہے کہ لشکر کی صفیں آراستہ کر کے آہستگی کے ساتھ ہم آگے بڑھیں۔

اس مشورہ کے بموجب ہم بہت آہستہ آہستہ روانہ ہوئے۔ شہباز حقیقت میں غافل تھا۔ جس وقت ہم اس کے نزدیک پہنچے ہیں اس وقت وہ ہوشیار ہوا اور باہر سے بھاگ کر قلعہ میں چلا گیا۔ اکثر اسی طرح ہوا ہے کہ غنیم کو ہوشیار خیال کر کے تساہل کیا ہے اور موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔ تجربہ اسی کا نام ہے۔ چاہئے کہ قابو پانے کے وقت کوشش فروگذاشت نہ کی جائے۔ ورنہ پچھتانا پڑتا ہے اور پھر پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔ صبح کو قلعہ کے گرد کچھ لڑائی ہوئی۔ لیکن میں جم کر نہ لڑا۔ لوٹ مار کرنے کے لئے نوکند کو چھوڑ پہاڑوں کی طرف پشتاران کے قریب ہم چلے گئے۔ شہباز قارلوق موقع اور وقت غنیمت سمجھا۔ نوکند سے بھاگ کر کاشان چلا گیا۔ ہم جو پلٹ کر آئے تو نوکند میں ٹھہرے۔ ان دنوں میں ہمارے لشکر نے ادھر ادھر کئی بار لوٹ مار کی۔ ایک بار آخشی کو تاراج کر ڈالا۔ دوسری دفعہ کاشان والوں کو جا لوٹا۔ شہباز اور اوزون حسن کا متبنے بیٹا میرم دونوں مقابلہ کے لئے نکلے۔ لڑے اور انہوں نے شکست کھائی۔ میرم وہیں مارا گیا۔

قلعہ پاپ کو چھیننا:۔ آخشی کے قلعوں میں سے قلعہ پاپ ۲۴۲ ایک جنگی قلعہ ہے۔ قلعہ والوں نے اس کو مضبوط کر کے میرے پاس آدمی بھیجا۔ میں نے سید قاسم کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں بھیجا۔ آخشی کے اوپر کی جانب جو گاؤں ہیں ان کے سامنے دریا ۲۴۳ سے اتر کر یہ لوگ قلعہ پاپ میں پہنچے۔ تھوڑے دن کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ اس وقت ابراہیم چاپوق طغائی' احمد قاسم کوہ بر' قاسم ۲۴۴ خسکہ ارغون اور شیخ بایزید آخشی میں تھے۔ تنبل نے ان سرداروں کو کوئی دو سو چیدہ سپاہیوں کے ساتھ ایک رات عین غفلت میں قلعہ پاپ کی طرف بھیجا۔ سید قاسم نے کچھ احتیاط نہ کی تھی۔ غافل پڑا سوتا تھا وہ لوگ قلعہ کے پاس پہنچے۔ سیڑھیاں لگا کر چڑھے۔ دروازہ لے لیا اور پل تختہ لگا کر ستر اسی عمدہ آدمی اندر گھس آئے۔ اتنے میں سید قاسم کو خبر ہوئی۔ وہ نیند ہی میں شب خوابی کپڑے پہنے ہوئے دوڑا۔ پانچ چھ آدمیوں کے ساتھ تیر مارنے شروع کئے۔ مارتے مارتے دشمنوں کو باہر نکال دیا۔ کئی کے سر کاٹ لئے اور میرے پاس بھیجے۔ اگرچہ اس کو ایسا غافل سو رہنا نہ چاہئے تھا۔ مگر ساتھ ہی اس کے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ ایسے بہلور اور اونچی سپاہیوں کو مار کے نکال دینا بڑی جوانمردی کی بات تھی۔

آخشی میں جانا:۔ اس عرصہ میں دونوں خان شہر اندجان کے محاصرہ میں مشغول رہے۔ شہر والے ان کو شہر کے پاس نہ پھٹکنے دیتے تھے۔ شہر میں سے سواروں کی ٹکڑیاں اکثر باہر آتی تھیں اور خفیف سی لڑائی ہو جاتی تھی۔ آخشی سے شیخ بایزید نے دولت خواہی کا اظہار کر کے آدمی بھیجا اور مجھ کو کوشش کے ساتھ بلایا۔ اس بلانے سے اس کی غرض یہ تھی کہ کسی نہ کسی بہانہ سے مجھے دونوں خان سے الگ کر دے۔ میرے الگ ہو جانے کے بعد دونوں خان پھر یہاں نہ ٹھہر سکتے تھے۔ یہ بلانا اس کے بڑے بھائی تنبل کی صلاح سے تھا۔ دونوں خان سے میرا الگ ہونا اور ان سے متفق ہو جانا ناممکن تھا۔ میں نے دونوں خان سے اس بلانے کی اطلاق کی۔ انہوں نے فرمایا کہ جاؤ اور جس طرح ہو سکے بایزید کو پکڑ لو۔ مگر ایسا مکروفریب کرنا خصوصا" اس شخص کے ساتھ جس سے عہد کیا ہو میرا طریقہ نہ تھا۔ بھلا مجھ سے ایسی بدعہدی کیونکر ہو سکتی۔ البتہ یہ میرے بھی دل میں آیا کہ بہرطور آخشی میں جا پہنچو۔ تاکہ شیخ بایزید تنبل سے ٹوٹ کر میرے ساتھ ہو جائے اور شاید کوئی ایسی صورت نکل آئے جو میری سلطنت کے لئے مفید ہو۔ میں نے بھی ایک آدمی بھیجا۔ اس نے عہد و پیمان کر کے مجھے آخشی میں بلایا۔ میں حسب الطلب گیا۔ شیخ میری پیشوائی کے لئے آیا۔ میرے چھوٹے بھائی ناصر مرزا کو بھی ساتھ لایا اور ہم کو آخشی میں لے گیا۔ قلعہ بیگمین میں میرے باپ کے محل میں سے ایک کمرہ میرے ٹھہرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ میں وہاں جا اترا۔

دونوں خان کا اندجان سے بھاگنا:۔ تنبل نے شیبانی خان سے رجوع کی تھی۔ اپنے بڑے بھائی بیگ تلبہ کو بھیج کر اور اظہار اطاعت کر کے اس کو اپنی مدد کے لئے بلایا تھا۔ ان ہی دنوں میں شیبانی خان نے لکھا کہ میں آتا ہوں۔ شیبانی خاں کے آنے کی خبر سنتے ہی دونوں خان گھبرا گئے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور دونوں نے اندجان کا محاصرہ چھوڑ دیا۔ خان خورد خود تو عدل اور دین داری میں مشہور تھے لیکن ان مغلوں نے جن کو انہوں نے اوش کو مرغینان وغیرہ شہروں میں (جو میرے قبضہ میں آ گئے تھے) تعینات کیا تھا خلاف امید ظلم اور زیادتیاں کی تھیں۔ اس سبب سے جوں ہی دونوں خان اندجان سے ہٹے' اوش و مرغینان وغیرہ والوں نے بلوہ کر کے مغلوں کو جو قلعوں میں تھے لوٹا' پکڑا' مارا اور نکال دیا۔ دونوں خان وہیں کے وہیں تو دریائے نجند سے نہ اترے۔ مرغینان اور کند بادام کے راستہ سے پلٹ کر مقام نجند سے دریا کے پار

ہوئے۔ تنبل ان کے پیچھے پیچھے مرغینان تک پہنچا۔ میں اس وقت بہت متردد تھا۔ نہ تو ٹھہرنے میں یہاں والوں پر اعتماد تھا نہ بلاوجہ بھاگنا اچھا معلوم ہوتا تھا۔

جہانگیر مرزا کا آنا۔ شیخ بایزید کی گرفتاری۔ تنبل سے مقابلہ :۔ ایک دن صبح ہی جہانگیر مرزا تنبل سے الگ ہو کر مرغینان سے بھاگ کر میرے پاس چلے آئے۔ جس وقت مرزا آئے ہیں تو میں حمام میں تھا۔ میں اسی وقت ان سے ملا۔ اس وقت شیخ بایزید کے بھی چھکے چھوٹے ہوئے تھے۔ حیران تھا کہ کیا کروں۔ مرزا نے اور ابراہیم بیگ نے صلاح دی کہ شیخ بایزید کو گرفتار کر لینا اور قلعہ پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ حقیقت میں موقع یہی تھا مگر میں نے کہا کہ میں نے عہد کر لیا ہے۔ میں عہد شکنی نہیں کر سکتا۔ شیخ بایزید قلعہ میں چلا گیا۔ پل پر کسی کو معین کرنا لازم تھا۔ مگر ہم نے ایک آدمی بھی وہاں نہ مقرر کیا۔ یہ ساری غلطیاں ناتجربہ کاریوں کا نتیجہ تھیں۔ سویرا ہی تھا جو تنبل دو تین ہزار مسلح سپاہیوں کو ہمراہ لئے ہوئے پل پر سے اتر کر قلعہ میں آگیا۔ اول تو اصل میں میرے پاس جمعیت ہی کم تھی۔ اس پر جب میں آخشی میں آیا تو کچھ لوگ قلعوں پر' کچھ اضلاع کی حکومت پر اور کچھ تحصیل کے لئے ہر طرف بھیج دیئے تھے۔ میرے پاس آخشی میں سو آدمیوں سے کسی قدر زیادہ رہ گئے ہوں گے۔ اسی قلیل فوج کو لئے ہوئے جو میرے پاس تھی سوار ہو کر میں ہر گلی کوچہ کے سرے پر آدمی معین کر رہا تھا۔ اور سامان جنگ کے درست کرنے میں مصروف تھا کہ اتنے میں تنبل کے پاس سے شیخ بایزید' قنبر علی اور محمد دوست صلح کرنے کے لئے دوڑے ہوئے آئے۔ جن لوگوں کو جہاں لڑائی کے لئے مقرر کیا تھا وہیں ان کو ٹھہرا کر میں مشورہ کرنے اپنے باپ کے مقبرہ میں آیا۔ میں نے جہانگیر مرزا کو بھی بلا لیا۔ محمد دوست تو چلا گیا۔ شیخ بایزید اور قنبر علی میرے ہمراہ رہ گئے۔

ہم مقبرہ کے جنوبی دالان میں بیٹھے ہوئے مشورہ کر رہے تھے کہ جہانگیر مرزا اور ابراہیم چاپوق نے ان کے گرفتار کرنے کا منصوبہ کیا۔ جہانگیر مرزا نے میرے کان میں کہا کہ ان کو پکڑ لینا چاہئے۔ میں نے کہا کہ جلدی نہ کرو۔ اب پکڑنے کا وقت نہیں رہا۔ توقف کرو۔ شاید سیدھی آنکھوں کوئی ایسی بات نکل آئے جو مفید ہو۔ کیونکہ یہ بہت ہیں اور ہم تھوڑے ہیں۔ اس پر یہ باوصف کثرت قلعہ میں اور باوجود قلت ہم شہر میں۔ شیخ بایزید اور قنبر علی تو مشورہ کرنے میں مصروف تھے۔ جہانگیر مرزا نے ابراہیم

۔۔۔۲۲۵ بیگ کی طرف دیکھ کر اس کام سے منع کرنے کا اشارہ کیا۔ نہ معلوم کہ وہ الٹا سمجھا یا دیدہ دانستہ ایسا کر بیٹھا۔ بہرحال اس نے شیخ بایزید کو پکڑ لیا۔ جو سپاہی وہاں موجود تھے سب نے لپٹ لپٹا کر ان دونوں کا سرتا برتا کر لیا۔ صلح اور مصلحت سب دھری رہ گئی۔ ان دونوں کو پہرہ میں سپرد کیا اور ہم لڑنے کے لئے سوار ہوئے۔ شہر کی ایک سمت میں نے جہانگیر مرزا کے سپرد کی۔ مرزا کے پاس فوج کم تھی۔ میں نے کچھ اپنے آدمی ان کی کمک کے لئے متعین کئے۔ سب سے پہلے میں مرزا کی طرف گیا۔ جگہ جگہ ناکہ بندی کرتا ہوا پھر میں دوسری طرف ۔۔۔۲۲۶ آیا۔ شہر کے بیچ میں ایک کھلا ہوا اور صاف میدان تھا۔ وہاں بھی سپاہیوں کا ایک غول معین کر دیا تھا۔ دشمن کے بہت سے پیادوں اور سواروں نے حملہ کر کے ہمارے ان آدمیوں کو وہاں سے ہٹا دیا اور ایک تنگ گلی میں دھنسا دیا۔ اسی وقت میں وہاں جا پہنچا۔ پہنچتے ہی میں نے گھوڑا ڈپٹایا۔ دشمن کی فوج مقابلہ نہ کر سکی اور بھاگ نکلی۔ میں سب کو گلی سے بھگا کر میدان میں لا رہا تھا اور تلواریں مار رہا تھا کہ کسی نے میرے گھوڑے کے پاؤں میں تیر مارا۔ میرا گھوڑا چمک کر اچھلا اور میں دشمنوں میں زمین پر آ رہا۔ میں جھٹ اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے بھی ایک تیر مارا۔ صاحب ۔۔۔۲۲۷ قدم کے پاس ایک مریل سا گھوڑا تھا وہ اس پر سے اتر پڑا۔ اس کو میرے آگے پیش کیا۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ اور وہاں کچھ آدمی معین کر کے دوسرے کوچہ کی طرف چلا گیا۔

سلطان محمد ویس نے میرے گھوڑا کا جو برا حال دیکھا تو خود اترا اور اپنا گھوڑا مجھے دے دیا میں اس پر سوار ہو گیا۔ اس وقت قنبر علی بیگ (قاسم بیگ کا بیٹا) زخم خوردہ جہانگیر مرزا کے پاس سے آیا اور کہنے لگا بہت دیر ہوئی کہ جہانگیر مرزا پر دشمنوں نے بڑا سخت حملہ کیا۔ ان کے پاؤں اکھیڑ دیئے۔ آخر وہ نکل بھاگے۔ یہ سنتے ہی میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اسی حال میں سید قاسم بھی جو قلعہ پاپ میں تھا آ گیا۔ اس وقت اس کا چلا آنا بڑا ہی بے موقع ہوا۔ ایسا مضبوط قلعہ اگر اس وقت قبضہ میں رہتا تو بہت مفید ہوتا۔ میں نے ابراہیم سے کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ وہ کسی قدر زخمی تھا۔ نہ معلوم اس زخم کے سبب سے یا اس کا دل ہی چھوٹ گیا تھا کافی جواب نہ دے سکا۔ یکت خیال آیا کہ پل پر سے اتریئے اور پھر اس کو توڑ کا اندجان چل دیجئے۔ بابا شیرزاد کے کہنے ۔۔۔ دروازہ کی طرف ہم چلے۔ خواجہ میر میراں نے بھی اس وقت بہادرانہ

باتیں کیں۔ جب ہم کوچہ میں آئے تو سید قاسم اور دوست ناصر بلاق ۲۲۸ء تیز سے لڑنے لگے جس سے ہم بھی رک گئے۔ خوب لڑے۔ میں ابراہیم بیگ اور مرزا قلی کوکلتاش ان کے آگے تھے۔ دروازہ کے سامنے پہنچتے ہی میں نے دیکھا کہ شیخ بایزید کپڑوں پر فرجی پہنے ہوئے تین چار سواروں کے ساتھ دروازہ میں سے آ رہا ہے۔ جو تیر میری شست میں تھا میں نے اس کو کھینچا مارا وہ اس کی گردن کو زخمی کرتا ہوا نکل گیا۔ میرا نشانہ پورا بیٹھا۔ وہ دروازہ میں آتے ہی اس کوچہ کی طرف جو سیدھے ہاتھ کی طرف تھا گھبرا کر بھاگا ہم نے بھی اس کا پیچھا کیا۔ صبح کو جب شیخ بایزید اور اس کے ہمراہیوں کو میری مرضی کے خلاف گرفتار کیا تھا تو جہانگیر مرزا کے آدمیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ مرزا کے آدمی بھاگتے وقت شیخ بایزید کو بھی اپنے ساتھ لے نکلے۔ ایک بار ان کا ارادہ ہوا کہ اس کو مار ڈالیں۔ مگر خوش قسمتی سے چھوڑ دیا۔ مارا نہیں۔ یہ ان سے رہائی پا کر دروازہ کی طرف آیا اور دروازہ میں گھستے ہی میرے روبرو ہوا۔ مرزا قلی کوکلتاش نے ایک پیادہ کے پیازی کا ہاتھ دیا۔ مرزا قلی کے نکل جانے کے بعد دوسرے پیادہ نے ابراہیم بیگ کی طرف تیر کا نشانہ باندھا۔ ابراہیم بیگ "ہاے ہائے" کہہ کر غل مچاتا ہوا اور اسے ڈراتا ہوا آگے بڑھا۔ وہی تھا کہ اتنے فاصلہ سے جتنا دالان اور ڈیوڑھی میں ہوتا ہے اس نے ایک تیر میرے مارا جو میری بغل میں لگا۔ میں قلماقی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ اس کے دو پترے چھد کر کٹ گئے۔ وہ تو تیر مار کر بھاگا اور میں نے اس کے پیچھے سے ایک تیر مارا۔ اتفاقاً اسی وقت ایک پیادہ فصیل پر بھاگا جاتا تھا۔ میرے اس تیر نے اس کی ٹوپی کو کنگورہ میں چپکا دیا۔ ٹوپی تو یونہی کنگورے میں چپکی ہوئی لٹکتی رہی اور وہ پگڑی اپنے ہاتھ پر لپیٹتا ہوا بھاگ گیا۔ اسی گلی میں جہاں شیخ بایزید گیا تھا ایک اور سوار میرے پہلو میں سے جا رہا تھا۔ میں نے اس کی کنپٹی میں تلوار کی نوک سے ایک ہولی ماری وہ ٹیڑھا ہو گیا۔ گھوڑے پر سے گرنے ہی کو تھا کہ گلی دیوار کے سہارے سے سنبھل گیا اور بڑی مشکل سے بھاگ کر بچ گیا۔ جتنے پیادے اور سوار دروازہ میں تھے ان کو منتشر کر کے دروازہ ان سے لے لیا گیا۔ اب تدبیر کا کام نہ رہا تھا۔ اس لئے کہ دشمن کے دو تین ہزار آدمی ہتھیار بند قلعہ میں تھے۔ ہماری یہ کیفیت کہ ہم سو انتہا دو سو آدمی قلعہ سے باہر شہر میں۔ اس کے علاوہ جہانگیر مرزا کو بھاگے ہوئے اتنی دیر ہو چکی تھی جتنی دیر میں دودھ جوش ہوتا ہے۔ میرے آدھے آدمی مرزا

کے ہمراہ باہر چلے گئے۔ باایں ہمہ ناتجربہ کاری سے دروازہ پر ہم ٹھہرے رہے۔ اور جہانگیر مرزا کے پاس اس واسطے آدمی بھیجا کہ اگر مرزا قریب ہو تو چلا آئے تاکہ ایک دفعہ پھر ہم حملہ کریں لیکن اس کا موقعہ نہیں رہا تھا۔ ابراہیم بیگ نے یا تو اس سبب سے کہ اس کا گھوڑا تھک چکا تھا یا اس وجہ سے کہ وہ زخمی تھا مجھ سے کہا کہ میرا گھوڑا بیکار ہے۔ محمد علی مبشر کا ایک نوکر سلیمان نامی تھا۔ فی الفور بغیر اس کے کہ کوئی کہے وہ اپنے گھوڑے پر سے کود پڑا اور اپنا گھوڑا ابراہیم بیگ کو اس نے دے دیا۔ بے شک اس نے بڑی مروت کا کام کیا۔

جس وقت کہ ہم اس دروازہ میں کھڑے تھے اس وقت کیچک علی (جو اب کول کا شقدار ۹۴۹ھ ہے) نے بڑی بہادری کی۔ ان دنوں میں وہ سلطان محمد ویس کا ملازم تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ اور بھی اس ۹۵۰ھ نے عمدہ کام کیا تھا۔ جہانگیر مرزا کے پاس جو آدمی گیا تھا اس کے آتے تک ہم کو دروازہ میں ٹھہرنا پڑا۔ وہ آیا اور اس نے کہا کہ جہانگیر مرزا کو گئے ہوئے دیر ہوئی۔ اب کھڑے رہنے سے کیا فائدہ تھا۔ ہم بھی چل کھڑے ہوئے۔ بے شک جتنا ٹھہرے تھے وہ بھی بیکار تھا۔ میرے ساتھ بیس تیس آدمی رہ گئے ہوں گے۔ ہمارے چلتے ہی دشمن کے بہت سے آدمی ہمارے تعاقب میں دوڑے۔ ہم پل پختہ سے نکلے ہی تھے کہ غنیم کے آدمی شہر سے پل پختہ کی طرف آن پہنچے۔ قاسم بیگ کے بیٹے بندہ علی بیگ (حمزہ بیگ کے نانا نے) ابراہیم بیگ سے چلا کر کہا کہ ہمیشہ شیخیاں بگھارا کرتا تھا ذرا تو ٹھہر۔ ہمارے تیرے تلوار کے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ ابراہیم بیگ میرے پہلو میں تھا اس نے جواب دیا کہ آ۔ روکتا کون ہے؟ ارے بیوقوف! اس شکست کے وقت پر دباتا ہے۔ یہ کیا دبانے کا محل ہے۔ دیر لگانے اور ٹھہرنے کا موقع نہ تھا ہم باگیں اٹھائے ہوئے چلے گئے۔ دشمن کے آدمی ہمارے پیچھے پیچھے ٹپکتے ہوئے اور ہمارے لوگوں کو گراتے ہوئے چلے آتے تھے۔ گنبد چمن ایک مقام ہے آخشی سے ایک شرعی فاصلہ پر۔ وہاں سے ہم نکلے ہی تھے کہ اتنے میں ابراہیم بیگ نے مدد کے لئے چلا کر مجھے آواز دی۔ میں نے پیچھے مڑ کے دیکھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ شیخ بایزید کے ایک غلام نے ابراہیم بیگ کو آ لیا ہے۔ میں نے فوراً باگ موڑی۔ جان قلی ۹۵۱ھ بیان قلی میرے پہلو میں تھا۔ کہنے لگا۔ یہ کیا وقت پلٹنے کا ہے؟ یہ کہہ کر میرے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور زیادہ قدم بڑھا دیا۔

مقام سنگ تک دشمن ہمارے اکثر آدمیوں کو گراتے رہے۔ سنگ آخشی سے دو شرعی کے فاصلہ پر ہو گا۔ جب ۴۵۲ ہم سنگ سے نکل گئے تو دشمن کا کوئی آدمی پیچھے نظر نہ آیا۔ ہم دریائے سنگ سے نکل گئے تو دشمن کا کوئی آدمی پیچھے نظر نہ آیا۔ ہم دریائے سنگ کے اوپر کی جانب بڑھے چلے گئے۔ اس وقت ہم آٹھ آدمی رہ گئے تھے۔ دوست ناصر ۱؎ قنبر ۲؎ علی اسم بیگ' جان قلی ۳؎ بیان قلی' مرزا قلی ۴؎ کوکلتاش' شاہم ۵؎ ناصر' عبدالقدوس ۶؎ سیدی قرا' خواجہ ۷؎ حسینی اور آٹھواں میں۔ لوگوں کی گزرگاہ سے دور کھڈوں میں ایک بٹیا دریا کے اوپر جاتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اسی تنہائی کے راستہ سے دریا کے اوپر ہم چلے اور دریا کو سیدھے ہاتھ کی طرف چھوڑ کر ایک اور خشکی ۴۵۰ کے راستہ پر آ گئے۔ عصر کے قریب ہم کھڈوں میں سے میدان میں نکل آئے۔ میدان میں دور سے ایک سیاہی نمودار ہوئی۔ ہمراہیوں کو ایک آڑ کی جگہ ٹھہرا کر میں خود پیدل ہوا۔ ایک ٹیلے پر چڑھا۔ اور تجسس کرنے لگا۔ اتنے میں بہت سے سوار ہمارے پیچھے کی طرف سے پشتہ پر دوڑ کر چڑھ آئے۔ میں یہ تحقیق نہ کر سکا کہ وہ کم ہیں یا زیادہ۔ ہم گھوڑوں پر سوار ہوکر وہاں سے چل دیئے۔ جو سوار پیچھا کئے ہوئے آتے تھے وہ کل بیں یا پچیس کے قریب ہوں گے۔ اور ہم آٹھ آدمی تھے۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا اگر ہم اول سے یہ جان جاتے کہ وہ اتنے ہیں تو ہم خوب ان کی خبر لیتے۔ ہم نے خیال کیا کہ ان کی مدد کے لئے کوئی دستہ فوج تعاقب میں ضرور ہو گا۔ اس وجہ سے ہم بھاگے چلے گئے۔ سچ یہ ہے کہ بھاگے ہوئے بہت ہی کیوں نہ ہوں اور پیچھا کرنے والے تھوڑے سے مگر بھگوڑے مقابلہ نہیں کر سکتے چنانچہ مشہور ہے کہ۔

صف مغلوب را ہوئے بسند است

جان قلی ۴۵۴ نے کہا کہ یہ ترکیب اچھی نہیں ہے۔ اس طرح تو دشمن ہم سب کو پکڑ لیں گے۔ آپ اور مرزا قلی کوکلتاش سب میں سے دو عمدہ گھوڑے چن لیں اور قوس ۳؎ بنا کر باگیں اٹھائے چلے جائیں۔ شاید اس ترکیب سے آپ نکل جائیں۔ اس نے ٹھیک بات کہی تھی۔ اس لئے کہ جب لڑائی نہ ہوئی تو یہی سہی۔ نکل جانا ممکن تھا۔ مگر اس وقت اپنے ساتھیوں میں سے ایک کا بھی پیدل چھوڑ دینا مجھے گوارا نہ ہوا۔ مگر آخر کار خود ایک ایک کر کے سب رہ گئے۔ یہ گھوڑا جس پر میں سوار تھا لنگا مستی کرنے۔ جان قلی گھوڑے پر سے اتر پڑا اور اس نے اپنا گھوڑا مجھے دے دیا۔ میں اپنے

گھوڑے پر سے کود پڑا اور اس کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ جان قلی میرے گھوڑے پر ہو بیٹھا۔ اسی حالت میں شام ناصر' عبدالقدوس سیدی قراکو جو پیچھے رہ گئے تھے دشمنوں نے گھوڑوں پر سے گرا دیا۔ جان قلی بھی پیچھے رہ گیا۔ اس کی مدد اور حمایت کرنے کا وقت نہ تھا۔ جہاں تک گھوڑوں کی طاقت دیکھی وہاں تک دوڑائے چلے گئے۔ جس کا گھوڑا بیکار ہوتا گیا وہ رہتا گیا۔ دوست بیگ کا گھوڑا بھی تھک کر گر گیا۔ اور جس گھوڑے پر میں سوار تھا وہ بھی سستی کرنے لگا۔ قنبر علی نے اپنا گھوڑا دیا۔ میں اس پر سوار ہو گیا۔ قنبر علی میرے گھوڑے پر چڑھ بیٹھا اور پیچھے رہ گیا۔

خواجہ حسینی لنگڑا تھا۔ وہ پشتوں کی طرف بھاگ گیا۔ اب صرف میں اور مرزا قلی کوکلتاش رہ گئے۔ ہمارے گھوڑوں میں قوس بنا کر اڑانے کا دم نہ رہا تھا۔ مگر ہم پویَا کئے ہوئے چلے گئے۔ مرزا قلی کا گھوڑا بھی کمی کرنے لگا۔ میں نے اس سے کہا کہ تجھ کو اکیلا چھوڑ کر کہاں جاؤں؟ جلد آ۔ ہمارا تیرا ایک ہی جگہ مرنا جینا بہتر ہے۔ میں بار بار مرزا قلی کو دیکھنا چاہتا تھا اور آگے بڑھتا جاتا تھا آخر مرزا قلی نے کہا کہ میرا گھوڑا تھک چکا ہے۔ اگر آپ میرا ساتھ کریں تو رہ جائیں گے اور پکڑے جائیں گے۔ آپ جائیے۔ شاید آپ نکل جائیں۔ اس وقت میری عجیب حالت ہو گئی۔ مرزا قلی بھی پیچھے رہ گیا اور میں اکیلا ہو گیا۔ دشمنوں میں سے دو آدمی نظر آئے۔ ایک بابا سیرامی تھا دوسرا بندہ علی۔ دونوں میرے پاس آ گئے۔ میرا گھوڑا تھک گیا تھا۔ پہاڑ بھی کوئی کوس بھر کے فاصلہ پر ہو گا۔ میں ایک چھوٹی سی ٹیکری پر پہنچا۔ مجھے خیال آیا کہ گھوڑا بیکار ہو چکا ہے اور پہاڑ ذرا دور ہے! کہاں جاؤں؟ کوئی بیس تیر میرے ترکش میں رہ گئے تھے۔ اتر کر اسی ٹیکری پر بیٹھ جاؤں اور جب تک تیر ہیں مارتا رہوں؟ پر دل میں آیا کہ شاید پہاڑ تک جا پہنچوں اور پہاڑ کے قریب پہنچنے کے بعد کچھ تیر اپنے کمر بند میں گھرس کر پہاڑ پر چڑھ جاؤں۔ مجھے اپنی تیز روی پر بھی بہت اعتماد تھا۔ میں اس دھن میں آگے بڑھا۔

میرے گھوڑے میں دوڑنے کا دم نہ رہا تھا۔ دونوں پیچھا کرنے والے ایک تیر کی زد پر آن پہنچے۔ میں نے بھی اپنے تیر بچائے اور نہ مارے۔ وہ بھی بچتے رہے اور زیادہ میرے قریب نہ آئے لیکن اسی طرح پیچھے لگے ہوئے چلے آئے۔ مغرب کے وقت میں پہاڑ کے پاس پہنچا۔ ایک دفعہ ہی انہوں نے للکار کر کہا کہ یوں بھاگ کر کہاں جاتے ہو؟

ناصر مرزا تو ان کے پاس گرفتار ہی تھا۔ جہانگیر مرزا کو بھی پکڑ لائے ہیں۔ ان کی ان باتوں سے میرے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خوف کی وجہ یہ تھی کہ اگر ہم سب پکڑے گئے تو بڑے اندیشہ کا مقام ہے۔ میں نے کچھ جواب نہ دیا اور سیدھا پہاڑ کی طرف ہو لیا۔ تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ پھر انہوں نے کچھ باتیں کرنی شروع کیں۔ اب کی بار اول کی نسبت کسی قدر نرمی سے بولے اور گھوڑوں سے اتر کر باتیں کرنے لگے۔ میں نے ان کی ایک نہ سنی۔ آگے بڑھا چلا گیا۔ اب میں درے کے اوپر چڑھا چلا جاتا ہوں۔ عشاء کے وقت تک چلتا ہی رہا۔ آخر پہاڑ کی ایک بڑی چٹان کے پاس جو خاصی ایک مکان کے برابر تھی پہنچا۔ میں اس کے پیچھے کی جانب گیا اور ایسے ڈھلواں پشتوں کی چڑھائی کے راستہ پر پہنچا جہاں گھوڑے کا قدم نہ ٹک سکتا تھا وہ لوگ بھی گھوڑوں پر سے اتر پڑے اور اب نہایت ادب اور نرمی سے باتیں کرنے لگے۔

کہنے لگے۔ رات اندھیری ہے۔ رستہ ہے نہیں۔ یوں کہاں تک ٹکراتے پھرو گے؟ دونوں نے قسم کھائی کہ آپ کو سلطان احمد بیگ بادشاہ کرنا چاہتا ہے میں نے کہا مجھے یقین نہیں آتا۔ میرا وہاں جانا ممکن نہیں ہے۔ اگر تم کو کوئی بڑی خدمت کرنی منظور ہے تو خدمت کرنا کا ایسا موقع جو اب ہے برسوں میں بھی میسر نہیں ہوتا۔ مجھے ایک ایسا راستہ بتا دو جس سے میں دونوں خانوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ تمہاری خواہش سے بڑھ کر تمہارے ساتھ میں سلوک کروں گا۔ یہ نہیں کرتے تو جدھر سے آئے ہو ادھر چلے جاؤ۔ جو کچھ قسمت میں ہو گا وہ ہو رہے گا یہ بھی ایک عمدہ خدمت ہے۔ وہ کہنے لگے کاش ہم نہ آتے۔ جب ہم آ گئے ہیں تو ایسے برے وقت میں آپ کو چھوڑ کر ہم کس طرح پلٹ جائیں۔ اگر آپ وہاں نہیں چلتے تو جہاں جی چاہے چلئے۔ ہم آپ کے ساتھ حاضر ہیں۔ میں نے کہا کہ عہد کرو۔ انہوں نے حلف اور قسم کے ساتھ عہد کیا۔ مجھے ذرا اطمینان ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ اسی گھاٹی کے قریب ایک چوڑا راستہ لوگوں نے مجھے بتایا تھا۔ اسی راستہ سے چلو۔ اگرچہ انہوں نے عہد کر لیا تھا مگر مجھے ان پر پورا بھروسہ نہ تھا۔ اس لئے میں نے انہیں آگے رکھ لیا اور آپ پیچھے ہو لیا۔ کوئی دو کوس چلے تھے کہ بڑے دریا پر پہنچے۔ میں نے کہا کہ جس کشادہ گھاٹی کے راستہ کا میں نے ذکر کیا تھا یہ وہی نہ ہو۔ انہوں نے بلاستبعاد کہا کہ وہ راستہ ابھی بہت دور ہے مگر اصل میں وہ راستہ یہی تھا۔

انہوں نے مجھے جھانسا دیا تھا۔ آدھی رات تک چلے اور پھر ایک ندی پر پہنچے۔ اس وقت انہوں نے کہا کہ ہم بھول گئے۔ بے شک وری کشلوہ ۴۵۵ کا راستہ پیچھے رہ گیا۔ میں نے کہا پھر اب کیا کرنا چاہئے؟ کہنے لگے کہ یہاں سے تھوڑی دور آگے غوا کی سڑک ہے۔ وہی سڑک فرکت کو بھی جاتی تھی۔ اسی راستہ پر ہم ہو لئے۔ چلتے چلتے پچھلے پہرے دریائے کرنان ۴۵۶ پر جو غوا سے، بہتا ہوا آتا ہے پہنچے۔ بابا سرای نے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو۔ میں غوا کا راستہ دیکھ کر آتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ آیا اور کہنے لگا کہ میدان میں کئی آدمی اسی راستہ سے چلے آتے ہیں۔ ادھر سے چلنا نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر میں گھبرایا اس لئے کہ ملک کے تو منجھ میں ہوں۔ صبح قریب ہے اور منزل مقصود دور ہے میں نے کہا کہ کوئی جگہ بتاؤ جہاں دن کو چھپ رہیں۔ جب رات ہو گی تو گھوڑوں کے لئے کچھ لے دے کر دریائے خجند سے پار ہوکر دریا کے اس جانب خجند چلے جائیں گے۔ کہنے لگے یہاں ایک پشتہ ہے وہاں ہم چھپ سکتے ہیں۔ بندہ علی کرنان کا دراوغہ تھا۔ کہنے لگا کہ ہم اور ہمارے گھوڑے اب بھوکے نہیں رہ سکتے۔ میں کرنان جانا چاہتا ہوں جو کچھ ملتا ہے وہ لاتا ہوں ہم نے ادھر سے کرنان کی طرف رخ کیا کرنان سے کوس بھر کے فاصلہ پر ہم ٹھہر گئے۔

بندہ علی گیا اور اس کو بہت دیر لگی۔ صبح ہوتی چلی آتی تھی اور اس مردک کا پتہ نہ تھا۔ اب میں بہت ہی گھبرایا۔ دن نکل آیا تھا کہ بندہ علی دوڑ آیا۔ گھوڑوں کے لئے تو کچھ نہ لیا مگر تین روٹیاں لایا۔ ہم تینوں نے ایک ایک روٹی بغل میں مار لی اور جلدی سے اس پشتے کے پاس پہنچے گئے جہاں ہم نے چھپنا چاہا تھا۔ گھوڑوں کو تو نیچے اس جگہ باندھ دیا جہاں پانی کے بہاؤ نے گڑھے ڈال دیئے تھے اور ترائی تھی اور ہم خود اوپر چڑھ کر ہر ایک ایک طرف جا بیٹھا۔ اور پہرہ دینے لگا۔ دوپہر کے قریب ہم نے دیکھا کہ احمد قوشچی ۴۵۷ چار سواروں کے ساتھ غوا سے آخشی کی جانب جا رہا ہے۔ ایک خیال آیا کہ اس کو بلایئے اور وعدہ وعید کر کے اس سے گھوڑے لیجئے کیونکہ ہمارے گھوڑے بالکل بے دم ہو گئے تھے۔ ایک شبانہ روز سے تو وہ دوڑ دھوپ میں تھے۔ اس پر ان کو دانہ گھاس بھی میسر نہ ہوا تھا۔ مگر پھر دل نے نہ مانا اور ان لوگوں پر پورا بھروسہ نہ ہوا۔ ہم نے آپس میں صلاح کی کہ یہ لوگ رات کو کرنان میں ٹھہرنے والے ہیں۔ رات کو ان کے گھوڑے چرا لائیں تاکہ یہاں سے کسی دوسری جگہ جا پہنچیں۔ دوپہر کو اتنی دور

پر جہاں تک نظر پہنچتی ہے یہ معلوم ہوا کہ گھوڑے پر کوئی چیز چمک رہی ہے۔ ہم کچھ نہ پہچان سکے۔ کہ یہ کیا چیز ہے۔ اصل میں وہ محمد باقر بیگ تھا جو آخشی میں ہمارے ساتھ تھا۔ آخشی سے بھاگتے وقت جس کا جدھر سینگ سمایا وہ ادھر چلا گیا۔ محمد باقر بیگ اس طرف آ نکلا تھا۔ اور اپنے آپ کو چھپائے پھرتا تھا۔

بندہ علی اور بابا سیرا جی نے کہا کہ دو دن سے گھوڑے بھوکے ہیں۔ سبزہ زار میں چل کر گھوڑوں کو گھاس چرنے کے لئے چھوڑ دینا چاہئے۔ ہم وہاں سے سوار ہوئے۔ سبزہ زار میں آ ٹھہرے اور گھوڑوں کو چرنے کے لئے چھوڑ دیا۔ عصر کا وقت تھا کہ جس پشتہ پر ہم چھپتے تھے اس پر ایک سوار جاتا ہوا نظر آیا۔ میں پہچان گیا کہ قادر بردی ہے (جو غوا کے بڑے آدمیوں میں سے تھا) ہمراہیوں سے کہا قار بردی کو بلا لو۔ انہوں نے بلا لیا۔ ہم اس سے ملے۔ حالات دریافت کرنے کے بعد میں نے اس کے ساتھ عنایت و وعید کر کے گھاس کاٹنے کی درانتی' کلہاڑی' دریا سے پار ہونے کا سامان' گھوڑوں کے لئے دانہ' اپنے لئے کھانا اور نیز ممکن ہو تو ایک گھوڑا لانے کے لئے بھیجا۔ اور میعاد لگائی کہ عشاء کے وقت تک یہ سب چیزیں یہیں لے آئے۔ مغرب کے بعد ہم نے دیکھا کہ ایک سوار کرنان سے غوا کی طرف چلا جاتا ہے۔ اس سے پوچھا کون ہے؟ اس نے ہمیں جواب دیا۔ وہ محمد باقر بیگ ہی تھا۔ کل جہاں چھپا تھا وہاں سے نکل کر دوسری جگہ چھپنے جاتا تھا۔ اب اس نے ایسی آواز بدلی کہ اگرچہ مدتوں میرے پاس رہا ہے مگر میں ذرا نہ پہچان سکا۔ اگر اس کو پہچان لیتا اور اپنے ساتھ لے لیتا تو بہتر تھا۔ اس کے چلے جانے سے بڑا اندیشہ پیدا ہوا۔ قاری بردی غوائی سے جتنی دیر وہاں ٹھہرنے کا وعدہ کیا تھا اتنی دیر ہم نہ ٹھہر سکے۔

بندہ علی نے کہا کہ کرنان کے گرد چھپنے کے قابل باغ بہت سے ہیں۔ وہاں کسی کو ہمارا گمان بھی نہ ہو گا۔ وہاں چل کر قادری بردی کے پاس کسی کو بھیج دیا جائے گا۔ وہ وہیں چلا آئے گا۔ اس خیال سے سوار ہو کر ہم کرنان کی نواح میں آئے۔ جاڑے کا موسم تھا۔ سردی خوب پڑی تھی۔ ایک پرانی دنبے کی پوستین جس کے اندر واہیات سا اونی استر بھی لگا ہوا تھا کہیں سے میرے لئے لے آئے۔ میں نے وہ پہن لی۔ کسی سے ایک پیالہ آش ہمدان کا جو ارزن ۲۵۸ کے آٹے کی ہوتی ہے۔ لے آئے۔ میں نے اسی کو پی لیا۔ بڑی تسکین ہوئی۔ میں نے بندہ علی سے پوچھا کہ قادر بردی کے پاس تو

نے کسی کو بھیجا؟ اس نے کہا ہاں بھیجا ہے۔ حقیقت میں ان کمبخت نمک حرام گزاروں نے اتفاق کر کے قلوری بروی کو آخشی میں تنبل کے پاس بھیجا تھا۔ میں ایک ایسے مکان میں جس کی چہار دیواری تھی چلا آیا اور آگ سلگا کر ایک لحظہ بھر سو رہا۔

۹۱۰ ہجری کے واقعات

اندجان چھوڑ کر کابل جانا:۔ ماہ محرم میں خراسان جانے کے لئے ملک فرغانہ سے نکل کر ایلاق الماک میں جو ملک حصار کے ایلاقوں میں سے ہے میں آیا۔ اسی پڑاؤ میں تیئسواں سال مجھے شروع تھا کہ میں نے ڈاڑھی منڈوائی۔ جو لوگ ایک امید پر میرے ساتھ پھرتے تھے وہ چھوٹے بڑے سب مل کر دو سو سے زیادہ اور تین سو سے کم تھے۔ ان میں اکثر پیدل تھے۔ بہت سوں کے پاس صرف لاٹھیاں تھیں۔ کوئی ننگے پاؤں تھا اور کسی کے پاؤں میں موزے تھے۔ مفلسی اس درجہ کی تھی کہ ہمارے فقط دو خیمے تھے۔ میرا خیمہ میری والدہ کے لئے لگا دیتے تھے۔ میرے لئے ہر پڑاؤ پر ایک چھولداری کھڑی کر دیتے تھے۔ میں اس میں ہو بیٹھتا تھا۔ اگرچہ خراسان جانے کا ارادہ ہو گیا تھا مگر پھر بھی یہاں والوں سے اور خسرو شاہ کے نوکروں سے ایک امید تھی۔ روزمرہ کوئی نہ کوئی آتا تھا اور اہل ملک اور قبیلوں کی طرف سے ایسی گفتگو کرتا تھا جس سے ڈھارس بندھ جاتی تھی۔ ان ہی دنوں میں ملا بابا ساغرچی جسے خسرو شاہ کے پاس بھیجا تھا آیا۔ اس نے خسرو شاہ کی طرف سے کوئی بات ایسی نہ بیان کی جس سے تسلی ہوتی۔ مگر ہاں اقوام کی طرف سے پیغام لایا۔ مقام املاک سے تین چار منزل چل کر مقام خواجہ عماد میں جو حصار کی نواح میں سے ہے اترتا ہوا اسی منزل میں محب علی قورچی خسرو شاہ کے پاس سے آیا۔ خسرو شاہ اگرچہ سخاوت اور مروت میں مشہور تھا لیکن دو مرتبہ اس کے ملک میں سے ہم کو گزرنے کا اتفاق ہوا۔ جیسی آدمیت کہ وہ ادنیٰ آدمی سے کرتا تھا۔ ہمارے ساتھ نہ کی۔ بہرحال چونکہ اہل ملک اور قبیلوں سے ناامیدی نہ تھی اس لئے ایک ایک دن ہر منزل میں مقام ہوتا تھا۔

شیرم طغائی جس سے بڑا سردار ان دنوں میں میرے ہاں کوئی نہ تھا۔ خراسان جانا نہ چاہتا تھا اور مجھ سے الگ ہونے کا اس کو خیال تھا۔ جس وقت کہ پل پر میں نے شکست کھائی ہے اس وقت بھی اس نے اپنے گھربار کو الگ کر دیا تھا اور آپ تنہا ہو کر قلعہ بچانے کے لئے رہ گیا تھا۔ بے مروت آدمی تھا۔ کئی دفعہ اس نے یہی حرکت کی

تھی۔ ہم مقام قبلوبان میں جب پہنچے تو خسرو شاہ کے چھوٹے بھائی چغانیانی نے جو شہر صفا اور ترمذ پر قابض تھا۔ خلیب قریشی کو بھیجا۔ اور دوستی ظاہر کر کے ہماری ہمراہی اختیار کی۔ میں نے یہ تدبیر سوچی کہ یوں تو کام نہ چلا اور ملک توران تقدیر سے ہاتھ نہ آیا۔ اب شاہ اسماعیل صفوی سے مدد لینی چاہیے۔ ایواج کے راستہ سے دریائے آمو کے پار ہو چغانیانی سے ملاقات کی۔ باقی چغانیانی ترمذ سے آیا۔ باقی کے گھر والوں اور اسباب کو دریا سے اتروا کر اس کو اپنے ہمراہ لیا اور کھمرود بانیان کی طرف ہم روانہ ہوئے۔ یہاں ان دنوں میں باقی کا بیٹا احمد قاسم جو خسرو شاہ کا بھانجا تھا حاکم تھا۔ ارادہ ہوا کہ اجر نام قلعہ میں جو کھمرد کے مضافات سے ہے اہل و عیال کو رکھ کر اور وہاں کا انتظام کر کے پھر جو مصلحت ہو گی اور مناسب ہو گا وہ کریں گے۔ جب مقام ایبک میں ہم پہنچے تو یار علی بلال (جس نے ابتداء میں میرے پاس خوب کارگزاری کی تھی اور ان بھگدڑوں میں مجھ سے الگ ہو کر خسرو شاہ کے پاس رہنا اختیار کر لیا تھا) کچھ آدمیوں سمیت بھاگ کر آیا۔ خسرو شاہ کے پاس جو مغل تھے ان کی طرف سے اس نے دولت خواہانہ باتیں عرض کیں۔ درہ اندان میں پہنچتے ہی قنبر علی بیگ جس کو قنبر علی سلاخ بھی کہتے ہیں آن ملا۔ تین چار منزلیں چل کر کھمرو پہنچے۔ اور قلعہ اجر میں قیام کیا۔ یہیں جہانگیر مرزا کا نکاح سلطان محمود خاں کی بیٹی سے جو خانزادہ بیگم کے پیٹ سے تھی اور مرزاؤں کی حیات میں جہانگیر مرزا کی منگیتر ہو گئی تھی کر دیا۔ اسی اثناء میں باقی بیگ نے کئی بار میرے گوش گزار کرایا کہ ایک ملک میں دو بادشاہوں کا اور ایک لشکر میں دو سرداروں کا رہنا تفرقہ و ویرانی کا باعث اور فتنہ و پریشانی کا سبب ہوتا ہے۔ سعدی کا قول ہے۔ "دہ درویش در گلیمے بخسپند دو پادشاہ درا قلیمے نہ گنجند"۔

نیم نانے گر خورد مرد خدا نے
بذل در ویشاں کند نیمے دگر
ہفت اقلیم اربگیرد بادشاہ
ہم چنان در بند اقلیمے دگر

یہ امید ہے کہ آج کل میں خسرو شاہ کی فوج اور حشم و خدم کی، فوج اور حشم و خدم حضور کے تابع ہو جائیں گے۔ ان میں فتنہ پرداز لوگ بہت ہیں۔ جیسے ایوب بیگ کے بیٹے اور لوگ۔ جنھوں نے مرزاؤں میں جھگڑے ڈلوائے ہیں۔ اس وقت جہانگیر

مرزا کو خوشی خوشی خراسان کی طرف رخصت کر دینا مناسب ہے۔ کل کو ندامت اور پشیمانی نہ ہو گی۔

میری یہ عادت نہ تھی کہ اپنے بھائی اور عزیز گو میرے ساتھ بے ادبیاں کریں۔ میں ان کو تکلیف پہنچاؤں۔ مانا کہ جہانگیر مرزا میں اور مجھ میں ملک اور آدمیوں کی وجہ سے مدتوں تک سخت نقاض رہا لیکن اب وہ سب کو چھوڑ چھاڑ کر میرے ساتھ چلا آیا۔ میرا سا ہے۔ عزیز ہے۔ تابعدار ہے۔ اور اس وقت اس سے ایسی حرکت بھی ظاہر نہیں ہوئی جو باعث کدورت ہو۔ باقی بیگ نے بتیرا عرض کیا مگر میں نے نہ مانا۔ بے شک آخر وہی ہوا جو باقی بیگ نے کہا تھا۔ وہی مفسد یوسف ایوب اور بہلول ایوب میرے پاس سے بھاگے۔ جہانگیر مرزا کے پاس گئے۔ جھگڑے مچائے اور جہانگیز مرزا کو مجھ سے علیحدہ کر کے خراسان لے گئے ہیں۔ ان ہی دنوں میں سلطان حسین مرزا کے پاس سے بڑے بڑے لمبے چوڑے مضمون کے خطوط بدیع الزماں مرزا کے پاس۔ میرے پاس۔ خسرو شاہ کے پاس اور ذوالنون بیگ کے پاس آئے۔ وہ خط میرے پاس اب تک موجود ہے۔ مضمون یہ تھا کہ سلطان احمد مرزا' سلطان محمود مرزا اور سلطان علی مرزا نے جس وقت اتفاق کر کے مجھ پر چڑھائی کی ہے اس وقت میں نے دریائے مرغاب کے کنارہ کا بندوبست کر لیا تھا۔ مرزا قریب آئے اور کچھ نہ کر سکے۔ الٹے پھر گئے۔ اب جواز بک متوجہ ہے تو میں مرغاب کے کنارے کا بندوبست کرتا ہوں۔ بدیع الزمان مرزا بلخ اور سیر خان کے قلعوں کا انتظام اپنے معتبر آدمیوں سے کر کے خود مقام کرزوان' درہ رنگ اور اس جانب کے پہاڑوں کا بندوبست کر لیں۔ چونکہ اس نواح میں میرے آنے کی خبران کو ہو گئی تھی اس لئے مجھے لکھا تھا کہ تم کہمرد' اجرا اور اس طرف کی پہاڑ کی تلیٹی کا بندوبست کر لو۔ خسرو شاہ حصار اور قندز کے قلعوں میں تو اپنے معتبر آدمی مقرر کرے اور خود مع اپنے چھوٹے بھائی ولی کے بدخشاں اور ختلان کے پہاڑوں کا انتظام کرے۔ اس ترکیب سے ازبک بے نیل مرام الٹا پھر جائے گا۔ سلطان حسین مرزا کے یہ خطوط باعث ناامیدی ہوئے۔ کیونکہ تیموریہ خاندان میں آج عمر میں' لشکر میں اور ملک میں اس سے بڑا اور بہادر دوسرا بادشاہ نہیں ہے۔ امید یہ تھی کہ متواتر ایلچی اور نامہ بر آ کر تاکیدا" حکم پہنچائیں گے کہ ترمذ' کلف اور کرکی کے گھاٹوں پر پل باندھنے کے اسباب اور کشتیاں تیار رکھو۔ گھاٹوں کی خوب احتیاط کرو۔ ان باتوں سے

ان لوگوں کی ہمت بندھ جاتی جو اس مدت میں ازبکوں کے ہاتھوں سے شکستہ دل ہو گئے تھے۔ جبکہ سلطان حسین مرزا جیسا شخص جو امیر تیمور کا جانشین ہو اور اتنا بڑا بادشاہ ہو وہ غنیم پر فوج کشی نہ کرے بلکہ اس کے بدلے اپنے مقامات کا انتظام کرے تو لوگوں کو کیا امید رہے کہ ہمارے پاس جس قدر لوگ ہیں وہ بھی اور ان کے گھوڑے بھی ننگے بھوکے اور مریل۔ خیر میں نے یہ کیا کہ باقی چغانیانی اس کے بیٹے احمد قاسم اور ہمراہیوں کے گھربار اور اسباب کو اجر میں چھوڑا۔ اسی لشکر کو لے کر نکل کھڑا ہوا۔

خسرو شاہ کے مغلوں نے متواتر آدمی بھیجے کہ ہم نے آپ کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ ہمارے تمام قبائل ا یمکش اور قلعوں میں آ گئے ہیں۔ آپ بہت جلد ہمارے پاس آ جائیں۔ خسرو شاہ کے اکثر ملازم تباہ ہو کر آپ کے مطیع ہوتے جاتے ہیں۔ انہی دنوں میں خبر آئی کہ شیبانی خاں نے اندجان لے لیا۔ حصار اور قندز پر فوج کشی کی ہے۔ خسرو شاہ قندز سے بھاگ گیا۔ وہ ساری فوج کے ساتھ کابل جاتا ہے۔ قندز سے خسرو شاہ کے نکلتے ہی ملا محمد ترکستانی نے جو خسرو شاہ کا معتبر ملازم تھا قندز کا بندوبست کر لیا ہے۔ جس وقت ہم شیمون کے راستہ سے سرخاب چلے اس وقت مغلوں کے تین چار ہزار خانہ دار جن کو خسرو شاہ سے تعلق تھا اور جو حصار اور قندز میں تھے مع اپنے اسباب وغیرہ کے آئے اور ہمارے ساتھ ہو گئے۔ قنبر علی جس کا ذکر اکثر ہوا ہے بڑا بے ہودہ تھا۔ اس کے اطوار باقی بیگ کو پسند نہ آئے۔ باقی بیگ کی خاطر سے اس کو علیحدہ کر دیا۔ اس کا بیٹا عبدالشکور اسی زمانہ سے پھر جہانگیر مرزا کا نوکر ہو گیا۔ خسرو شاہ مغلوں کا ہمارے ساتھ ہو جانا سن کر گھبرا گیا۔ مجبور ہو کر اپنے داماد یعقوب بیگ کو ایلچی کر کے بھیجا اور ہماری اطاعت ظاہر کی۔ درخواست کی کہ اگر معاہدہ ہو جائے تو میں حاضر خدمت ہوتا ہوں۔ باقی چغانیانی میری سرکار میں مختار تھا۔ اگرچہ میری خیر خواہی کا دم بھرتا تھا مگر اپنے بھائی کا بھی پاس کر گیا۔ اس لئے تجویز کی کہ اس کی جان کو بھی امان دی جائے اور جتنا مال وہ لینا چاہے مزاحمت نہ ہو۔ یہی معاہدہ ہو گیا۔

اجازت دینے کے بعد یعقوب اور ہم لوگ دریائے سرخ سے کوچ کر کے وہاں اترے جہاں دریائے اندراب اور دریائے سرخ آپس میں ملتے ہیں۔ دوسرے دن کہ ماہ ربیع الاول کا اوسط تھا دریائے اندراب سے میں نے جریدہ عبور کیا اور نواح دوشی میں ایک بڑے چنار کے درخت کے نیچے میں بیٹھا۔ ادھر سے خسرو شاہ بڑے طمطراق سے

آیا اور دستور کے موافق دور سے اتر پڑا۔ سامنے آتے ہی تین دفعہ زانو مارا اور پلٹتے وقت بھی تین ہی دفعہ زانو مارا۔ مزاج پرسی اور پیش کش حاضر کرنے کے وقت ہر بار زانو مارتا رہا۔ جہانگیر مرزا اور مرزا خان کے ساتھ بھی یہی برتاؤ کیا۔ بڈھا بوبک (جو مردک مدتوں اپنے تئیں لئے رہا اور سوائے اس کے کہ اپنے نام کا خطبہ نہ پڑھوایا۔ سلطنت کے سارے لوازم رکھتا تھا' پچیس چھبیس دفعہ برابر زانو مارنے' آگے بڑھنے اور پیچھے ہٹنے میں خوب تھکا۔ قریب تھا کہ گر پڑے۔ کئی برس کی امیری اور سلطنت ساری ناک کے راستہ نکل گئی تھی اور پیش کشوں کے لینے کے بعد میں نے حکم دیا کہ بیٹھو۔ کوئی گھڑی بھر بیٹھا۔ ادھر ادھر کی گپیں شپیں ہوتی رہیں۔ باوجود نامرد اور نمک حرام ہونے کے باتیں بھی اس کی لغو اور بے مزہ تھیں۔ حال تو یہ کہ اس کے اعتباری اور اعتمادی نوکروں کی ٹولیاں اس کی آنکھوں کے سامنے پاس آ گئیں۔ اور یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ مردود یا تو بادشاہ بنا پھرتا تھا یا اس قدر ذلیل و خوار ہو گیا۔ اس پر بھی عجب عجب طرح کی باتیں اس کے منہ سے نکلیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے اس کے آدمیوں کے جدا ہونے سے اس کی دل داری کی۔ اس کے جواب میں کہنے لگا کہ یہ لوگ چار مرتبہ اسی طرح میرے پاس سے چلے گئے ہیں اور پھر آ گئے ہیں۔

دوسری بات یہ ہوئی کہ میں نے اس کے چھوٹے بھائی ولی کو پوچھا کہ وہ کب آئے گا۔ اور دریائے آمو کے کون سے گھاٹ سے اترے گا۔ کہنے لگا کہ جہاں سے اترنا موقع دیکھے گا خود چلا آئے گا کیونکہ دریا کی طغیانی سے گھاٹ پلٹ جاتے ہیں اور یہ مثل مشہور ہے۔ "آں گزر را آب برد" خدائے تعالیٰ نے اس کی بربادی کی فال اس کے منہ سے نکلوائی۔ دو ایک گھڑی کے بعد میں سوار ہوا اور اپنے لشکر میں آیا۔ جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا وہاں وہ چلا گیا۔ اسی دن سے چھوٹے بڑے' اچھے برے امراء اور نوکر معہ مال و اسباب کے اس سے الگ ہو ہو کر میرے پاس آنے لگے۔ دوسرے دن ظہر کی نماز کے وقت تک ایک چڑیا اس کے پاس نہ رہی۔ قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشآء وتنزع الملک من تشآء تعز من تشآء وتذل من تشآء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر۔ خدا کیا قادر ہے؟ اس نے ایسے بڑے شخص کو جو بیس تیس ہزار آدمی کا آقا تھا قلعہ (جس کو بند آہنی بھی کہتے ہیں) سے ہندوکش (جو ملک سلطان محمود مرزا کے تحت و تصرف میں تھا) تک کے ملک کا

مالک تھا۔ جس کے ایک تحصیل دار حسن برلاس نام (جو بوڑھا مروک ایلاق بلب واج سے زبردستی تحصیل کیا کرتا تھا) نے مجھ کو دھکے دے کر نکلا تھا۔ ڈیڑھ مدون میں ہم جیسے دو ڈھائی سو مفلسوں اور محتاجوں کے سامنے ایسا ذلیل اور بے بس کر دیا کہ نہ اس کو کسی آدمی پر اختیار رہا اور نہ اپنی جان و مال پر۔

جس دن میں خسرو شاہ سے مل کر آیا ہوں اسی رات مرزا خان میرے پاس آیا اور اس نے اپنے بھائی کے خون کا دعوٰی کیا ہم میں کئی آدمی ایسے ہی مدعی تھے۔ فی الواقع شرعاً" اور عرفاً" بھی لازم تھا کہ ایسا مجرم اپنے کیئے کی سزا پائے مگر چونکہ عہد ہو گیا تھا۔ خسرو شاہ کو آزاد کر دیا اور حکم دیا کہ جس قدر لے جا سکے اپنے اسباب لے جائے۔ اونٹوں اور خچروں کی چار قطاریں سونے اور چاندی کے اسباب اور جواہر سے بھری ہوئی اس کے پاس تھیں۔ ان سب کو وہ لے گیا۔ شیرم طغائی کو اس کے ساتھ کر دیا۔ اور حکم دیا کہ خسرو شاہ کو غوری دوہانہ کے راستہ سے خراسان کی طرف پہنچا دے۔ اور خود کمرو جا کر ہمارے گھر بار کو لے آئے۔ اس کے بعد اس مقام سے کابل کی طرف کوچ کیا۔ مقام خواجہ زید میں آ کر ٹھہرے۔ آج ہی ازبکوں کے چاپتونچی نے آکر دوشی کی نواح کو لوٹنا شروع کیا۔ سید قاسم ایشک آقا اور محمد قاسم کوہ بر وغیرہ ان کے مقابلہ کے لئے بھیجے گے۔ ان لوگوں نے جا کر ان کی خوب خبر لی۔ کئی آدمیوں کے سر کاٹ لائے۔ اسی مقام پر خسرو شاہ کے اسلحہ خانہ کو تقسیم کیا۔ سات سے آٹھ سو جوشن اور گرز تھے۔ خسرو شاہ کے اسباب میں سے یہی یہاں رہ گیا تھا یہی ہاتھ لگا اور اسباب نہ تھا۔

خواجہ زید سے تین چار منزلیں چل کر غور بزر میں ہم پہنچے۔ جس وقت ہم شہر اسیر میں آ کر اترے اس وقت ہم کو خبر لگی کہ شیر کہ ارغون (جو مقیم ارغون کے امرائے ذی اقتدار میں سے تھا) دریائے باران کے کنارہ پر لشکر لئے ہوئے پڑا ہے۔ مگر اس کو ہمارا حال معلوم نہیں ہے۔ جو کوئی پیچھے سے عبدالرزاق مرزا کے پاس (یہ مرزان دنوں میں کابل سے بھاگ کر نواح لمغان میں افغانوں کے ایک سردار کے پاس چلا گیا تھا) جاتا ہے اس کو نہیں جانے دیتا۔ اس خبر کے سنتے ہی دو نمازوں کے درمیان میں ہم نے وہاں سے کوچ کر دیا۔ رات بھر چلتے رہے ہوبیان کے گھاٹ سے اترے۔ پہاڑ پر جب پہنچے تو جنوب کی طرف نشیب میں ایک چمکتا ہوا ستارہ دکھائی دیا۔ میں نے

کہا کہ یہ سہیل تو نہیں ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سہیل ہے۔ میں نے کبھی سہیل نہ دیکھا تھا۔ باقی چغانیانی نے یہ شعر پڑھا۔

تو سہیلی تاکجا تابی و کے طالع شوی
چشم تو برہر کہ می افتد نشان دولت است

آفتاب ایک نیزہ پر آیا ہو گا کہ ہم درہ سنجد میں آن اترے۔ کچھ فوج قراولی کے لئے آگے بھیجی گئی تھی۔ قراباغ کے نیچے ابکری کے نواح میں پہنچتے ہی اس نے شیرکہ پر حملہ کر دیا اور تھوڑی بہت جنگ کے بعد اس کو گرفتار کر لیا۔ شیرکہ ستر اسی آدمیوں کے ساتھ ہماری خدمت میں حاضر ہوا۔ خسرو شاہ جب اپنے ایل والوس کو چھوڑکر قندز سے کابل جانے کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا تو اس کی فوج اور ایل والوس کی پانچ چھ جماعتیں تھیں۔ بدخشانیوں کی ایک جماعت تھی۔ ایک جماعت سیدم علی دربان کی تھی جو ہزارہ وغیرہ میں تھا۔ یہ سب اسی مقام پر آکر ایک ساتھ ہو گئے۔ ایک اور جماعت یوسف ایوب اور بہلول کی یہیں ہمارے پاس آئی۔ کچھ لوگ ختلان سے خسرو شاہ کے چھوٹے بھائی ولی کے ساتھ ہوئے۔ ایلا الجق و قاشال کا ایک گروہ اور چند قبیلے قندز میں ٹھہرے تاکہ کوتل سے نکل جائیں۔ کچھ قبائل پیچھے مقام سراب میں رہ گئے۔ اتنے میں ولی پیچھے سے آیا۔ بعض فرقوں نے اس کا راستہ روکا۔ اور مقابلہ کیا۔ ولی کو شکست ہوئی۔ ولی شکست کھا کر ازبک کے پاس پہنچے۔ شیبانی خاں کے حکم سے سمرقند کے بازار میں ولی قتل کر دیا گیا۔ جو لوگ بچے وہ لٹے کھٹے پکڑے ہوئے قبیلوں کے ساتھ اسی منزل میں ہمارے پاس آئے۔ سید یوسف بیگ اغلاقچی بھی انہی کے ساتھ حاضر ہوا۔ ار اقسرائی میں جو قراباغ کے کنارہ پر ہے اترا۔ خسرو شاہ کے لوگ ظلم و زیادتی کرنے کے عادی تھے۔ ہر وقت بندگان خدا پر ظلم کرنے لگا۔ آخر سید علی دربان کے ایک عمدہ ملازم کو اس جرم میں کہ اس نے کسی کی گھی کی ہنڈیا چھین لی تھی محل کے دروازہ پر پکڑوا بلوایا اور حکم دیا کہ اس کو لکڑیاں مارو۔ تو لکڑیوں میں اس کا دم نکل گیا۔ اس سزا دینے سے سب کانپ گئے۔ اسی منزل میں کابل چلنے اور نہ چلنے کی صلاح کی۔

سید یوسف بیگ وغیرہ کی رائے ہوئی کہ جاڑے کا موسم قریب ہے۔ اب تو لمغان چلنا چاہئے وہاں پہنچ کر جو مناسب ہو گا وہ کریں گے۔ باقی چغانیانی وغیرہ کی رائے

ہوئی کہ کابل چلنا مصلحت ہے۔ آخر کابل چلنا قرار پایا۔ یہاں سے کوچ کیا اور مقام قوروق میں اترے۔ اس منزل میں میری والدہ مع ہمراہیوں کے جو کھمرد میں رہ گئی تھیں بڑی مصیبتوں سے آئیں۔ ان کے واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ شیرم طغائی کو خسرو شاہ کے خراسان پہنچانے کے لئے ساتھ بھیجا تھا اور کہہ دیا تھا کہ خسرو شاہ کو خراسان کی طرف روانہ کر کے ہمارے لوگوں کو لے آئے۔ جس وقت یہ سب درہ کے منہ پر پہنچے اس وقت شیرم بے اختیار ہو گیا۔ اور خسرو شاہ اس کے ساتھ تھا۔ میرو اور احمد قاسم (خسرو شاہ کا بھانجا) کھمرد میں تھے۔ خسرو شاہ نے احمد قاسم کو کہلا بھیجا کہ وہاں جو لوگ ہیں ان کا سرتا برتا کر لو۔ باقی چغانیانی کے بہت سے مغل ملازم کھمرد میں ہمارے گھر والوں کے ہمراہ تھے۔ انہوں نے خفیہ شیرم سے کہلا بھیجا کہ خسرو شاہ اور احمد قاسم کو گرفتار کر لیا جائے۔ خسرو شاہ اور احمد قاسم کو یہ حال معلوم ہو گیا درہ اجر کے قریب جو راستہ ہے دونوں وہاں سے بھاگ کر خراسان کی طرف روانہ ہو گئے۔ مغلوں کی غرض اس سازش سے یہ تھی کہ ان سے الگ ہو جائیں۔ جو لوگ ہمارے گھر والوں کے ساتھ تھے وہ خسرو شاہ کی طرف سے بے فکر ہو گئے اور درہ اجر سے باہر نکل آئے۔ جس وقت یہ لوگ کھمرد میں پہنچے۔ سائی قانچی والے باغی ہو گئے۔ انہوں نے راستہ گھیر لیا۔ باقی بیگ کے اکثر اہل والوں وغیرہ کو لوٹ لیا۔ بایزید کا چھوٹا بیٹا کم سن تھا۔ اس کو پکڑ لیا۔ وہ تین چار برس بعد کابل میں آیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے گھر والے لٹے کھٹے قپچاق کوتل کے راستے سے جہاں سے میں آیا تھا قوروق میں ہمارے پاس پہنچے۔

ہم نے یہاں سے کوچ کیا۔ بیچ میں ایک منزل کر کے مرغزار چالاک میں ٹھہرے اور مشورہ کیا۔ کابل کا محاصرہ کر لینے کی تجویز قرار پائی۔ یہاں سے چلے۔ میں اپنے ہمراہیوں سمیت جو قول میں تھے حید تقی کے باغ اور قل بایزید بکاول کے مقبرہ کے درمیان میں اترا۔ جہانگیر مرزا برنفار کو لئے ہوئے ہمارے بڑے چار باغ کے پاس ٹھہرا۔ ناصر مرزا جرنغار سمیت اس مرغزار میں مقیم ہوا جو کورخانہ قتلق قدم کے پیچھے ہے۔ مقیم (حاکم کابل) کے پاس ہمارا آدمی گیا اور باتیں کیں۔ کبھی وہ عذر کرتا تھا اور کبھی نرم نرم باتیں کرنے لگتا تھا۔ اس کو ایک خیال تھا اور اسی سبب سے وہ ٹال رہا تھا۔ بات یہ تھی کہ جب ہم نے شیرکہ کو گرفتار کیا ہے تو اسنے اپنے باپ اور بڑے بھائیوں

کے پاس آدمی دوڑے۔ اپنے بڑے بھائی سے اس کو امید تھی۔ ایک دن میں نے حکم دیا کہ قول' برغار اور جرنغار کی تمام فوج ہتھیار اور سامان سے درست ہو کر شہر کے بہت قریب جائے اور اندر والوں کو ذرا دھمکائے۔ جہانگیر مرزا برغار کو لئے ہوئے کوچہ باغ کی طرف بڑھا۔ قول کے آگے کی طرف دریا تھا۔ میں قول کو لے کر کور خانہ قتلاق قدم کی طرف سے ایک ٹیلہ پر جو پشتہ سے اونچا ہے آ چڑھا۔ ایراول والے قتلق قدم کے پل پر جھپٹ کر چلے گئے۔ اس موقع پر سپاہیوں نے یہ دلیری کی کہ دروازہ چرم گراں تک جا پہنچے۔ کچھ لوگ مقابلہ کے لئے آئے تھے۔ وہ بھاگ نکلے اور قلعہ میں جا گھسے۔ ارک کے نیچے ایک بلند مقام کے قریب بہت سے اہل کابل سیر کرنے نکل آئے تھے۔ مقابلہ والے جو بھاگے تو بہت گرد اڑی اور بلندی پر سے لوگ گر پڑے۔ پل اور دروازہ کے بیچ میں زمین کھود کر حریف نے ایک گلی بنا دی تھی اور اس کو خس پوش کر دیا تھا۔ سلطان علی چپاق اور کچھ سپاہی حملہ کرتے وقت اس میں گر پڑے۔ برغار کے دو ایک جوانوں نے جو کوچہ باغ کی طرف سے آئے تھے۔ دو دو ہاتھ تلوار کے بھی کئے۔ چونکہ لڑائی کا حکم نہ تھا اس لئے اتنا ہی کر کے الٹے پھر آئے۔

فتح کابل :۔ قلعہ والے بہت ہی ڈرے اور لگے دل چرانے۔ مقیم نے امراء کو بیچ میں ڈالا اور شہر کے حوالہ کر کے اطاعت قبول کرنے کی درخواست کی۔ باقی بیگ چغانیانی کے توسط سے اس نے ملازمت حاصل کی۔ میں نے بھی اس پر بہت عنایت و مہربانی کی اور اس کا اطمینان کیا۔ یہ بات قرار پائی کہ کل اپنے آدمیوں اور مال اسباب کو شہر سے نکال لے اور شہر حوالہ کر دے۔ خسرو شاہ کے لوگ لوٹ مار کے خوگر تھے۔ اس واسطے میں نے مقیم کے مال و اسباب کی حفاظت کے لئے جہانگیر مرزا اور ناصر مرزا وغیرہم کو متعین کیا۔ تاکہ مقیم کو اور اس کے متعلقوں کو مع اسباب کابل سے بحفاظت نکال دیں۔ مقیم کے قیام کرنے کے لئے پنجتر کا مقام مقرر کیا۔ دوسرے دن دونوں مرزا اور امراء شہر کے دروازہ پر گئے۔ وہاں خلقت کا بہت ہجوم دیکھا۔ مجھے کہلا بھیجا کہ آپ آئیے۔ آپ کے سوائے کوئی ان کو نہیں روک سکتا۔ آخر میں خود پہنچا۔ چار پانچ آدمیوں کو تیروں سے مارا۔ دو ایک کو قتل کروایا۔ شور و غل دب گیا۔ مقیم اپنے متعلقوں سمیت صحیح سلامت چلا آیا اور پنجتر جا اترا۔ ربیع الاول کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے کابل و غزنی اور اس کے توابعات کو بے لڑے بھڑے مسخر کرا دیا۔

ملک کابل کا بیان :- کابل کا علاقہ اقلیم چہارم میں سے ہے اور ملک کے وسط میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں لمغانات' پشاور' کاشغر اور ہندوکش کے بعض علاقے ہیں۔ مغرب میں کوہستان ہے جس میں کرنو اور غور ہے۔ شمال میں قندز اور اندراب کا ملک ہے۔ جو ہندوکش پہاڑوں کے بیچ میں ہے۔ جنوب میں فرمل' نغز' بنو اور افغانستان ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اور لمبوترا ہے۔ اس کا طول مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ اردگرد پہاڑ ہیں۔

اس کا قلعہ پہاڑ سے ملا ہوا ہے۔ قلعہ کے مغرب و جنوب کے بیچ میں ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے چونکہ اس پہاڑی کی چوٹی پر شاہ کابل نے ایک مکان بنایا تھا اس لئے اس پہاڑی کا نام شاہ کابل مشہور ہو گیا۔ یہ پہاڑی تنگی اونورین سے شروع ہوتی ہے۔ اور تنگی وہ یعقوب تک تمام ہو جاتی ہے۔ اس کا گرداوار ایک میل کا ہو گا۔ اس پہاڑ کے سارے دامنہ میں باغات ہیں۔ میرے چچا الغ بیگ مرزا کے زمانہ میں ولیٔ آتکہ نے اسی پہاڑ کے دامن میں ایک نہر نکالی تھی۔ دامنہ کے سارے باغات میں یہ نہر پھرتی ہے نہر کی انتہا پر ایک مقام ہے۔ اس کا نام کلکتہ ہے۔ سنسان مقام ہے۔ یہاں آ کر ہم نے بہت ہی لطف اٹھایا۔ افوہ نداق خواجہ حافظ شیراز کا ایک شعر تصرف کر کے یہاں پڑھا گیا۔

اے خوش آں وقت کہ بے پاؤ سر آیاے چند
ساکن کلکتہ بودیم بہ بد نامے چند

قلعہ کے جنوب میں اور شہر کابل کے مشرق میں ایک بڑا تالاب ہے۔ جس کا دور ایک میل شرعی کا ہو گا۔ شہر کی جانب تین چھوٹے چشمے اور ہیں۔ ان میں سے دو کلکتہ کی نواح میں ہیں ایک چشمہ پر خواجہ شمسو نام ایک مزار ہے۔ دوسرے چشمہ پر خواجہ خضر لی قدم گاہ ہے۔ یہ دونوں مقام کابلیوں کی سیرگاہیں ہیں۔ ایک چشمہ مقام خواجہ عبدالصمد کے سامنے ہے۔ اس کو خواجہ وشانی کہتے ہیں۔ شہر کابل سے ایک بنی گاہ نکلی ہے جس کو عقابین کہتے ہیں۔ اس سے علیحدہ ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے۔ ارک کابل اسی پہاڑی پر ہے۔ قلعہ ارک کے شمال میں ہے۔ یہ ارک نہایت بلند ہے اور ہوا دار مقام ہے۔ اسی بڑے تالاب کے گرد تین مرغزار ہیں۔ ایک کو سیہ سنگ۔ دوسرے کو سونک قورغان اور تیسرے کو چالاک کہتے ہیں۔ یہ سب نیچے کی جانب ہیں۔

سرسبز ہو کر یہ مرغزار بہت ہی اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں بہار کے موسم میں باد شمال ہمیشہ چلتی رہتی ہے اس کو باد پراں کہتے ہیں۔ ارک میں شمال کی طرف کھڑکیوں دار مکان بہت ہی عمدہ بنے ہوئے ہیں۔ ملا محمد طالب معمائی نے کابل کی تعریف میں یہ شعر بدیع الزمان مرزا کے زمانہ میں کہا تھا۔

بخور درارک کابل مے بگرواں کا سہ پے در پے
کہ ہم کوہ است و ہم دریاؤ ہم شہر است و ہم صحرا

کابل کی تجارت :۔ اہل عرب جس طرح سوائے ملک عرب کے سب کو عجم کہا کرتے ہیں اسی طرح ہندوستانی ہندوستان کے علاوہ ملکوں کو خراسان کہتے ہیں۔ ہندوستان اور خراسان کے بیچ میں دو بند ہیں۔ ایک کابل دوسرا قندھار۔ فرغانہ۔ ترکستان۔ سمرقند۔ بخارا۔ بلخ۔ حصار اور بدخشاں سے کابل میں قافلے آتے ہیں۔ خراسان سے قندھار میں آتے ہیں۔ یہ ملک گویا خراسان اور ہندوستان میں ایک واسطہ ہے۔ تجارت کی عمدہ منڈی ہے۔ اگر سوداگر روم اور خطا جائیں تو اتنا ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جتنا یہاں اٹھاتے ہیں۔ سال بہ سال آٹھ ہزار گھوڑے کابل میں آتے ہیں۔ ہندوستان سے غلام' سفید کپڑا' قند' مصری' شکر اور عقاقیر وغیرہ اسباب لاتے ہیں۔ بہت سے سوداگر ایسے ہیں کہ تگنے اور چوگنے نفع سے بھی خوش نہیں ہوتے۔ کابل میں خراسان۔ عراق۔ روم اور چین کا اسباب مل جاتا ہے۔ اور ہندوستان کا تو یہ بندر ہی ہے۔ گرم سیر اور سرد سیر ملک دنوں یہاں سے قریب ہیں۔ کابل سے ایک دن کے راستہ پر وہ ملک ہے جہاں ہمیشہ برف رہتی ہے۔ شاید کوئی ایسی گرمی کا موسم آ جاتا ہو جس میں وہاں برف نہ رہتی ہو۔ کابل سے قریب علاقوں میں گرم سیر اور سرد سیر میووں کی کثرت سے پیداوار ہے۔

کابل کی آب و ہوا :۔ کابل کی ہوا بڑی لطیف ہے۔ ایسی ہوا وار جگہ دوسری معلوم نہیں ہوتی۔ گرمی کی راتوں میں بغیر پوستین پہنے نیند نہیں آتی۔ جاڑے میں برف کثرت سے پڑتی ہے مگر اس کی ٹھنڈ بہت نہیں ہوتی۔ سمرقند اور تبریز ہوا کی عمدگی میں مشہور ہیں۔ لیکن ان کی سردی ستم کی ہوتی ہے۔

میوے :۔ کابل اور اس کے مواضعات میں سرد سیر میووں میں سے انگور۔ انار۔

سیب۔ زرد آلو۔ بہی۔ امرود۔ شفتالو۔ آلو بالو۔ بادام اور چار مغز منوں پیدا ہوتے ہیں۔ آلو بالو کے درخت میں نے منگوا کر بوائے ہیں۔ نہایت عمدہ آلو بالو ان میں لگے۔ وہ اب تک خوب پھل رہے تھے۔ گرم سیر میوے جیسے نارنج۔ ترنج۔ املوک۔ گنا۔ لمغانات سے لاتے ہیں۔ نیشکر کی زراعت میں نے کرائی ہے۔ چلغوزہ بجزاد سے آتا ہے اور بہ افراط آتا ہے۔ نواح کابل میں بھی اچھا ہوتا ہے۔ اس ملک میں شہد بہت پیدا ہوتا ہے۔ مگر غزنی کے پہاڑوں کے سوا اور کہیں سے نہیں آتا۔ بہی اور آلو بھی عمدہ ہوتا ہے۔ کھیرا بھی بلور ہوتا ہے۔ ایک قسم کا انگور ہوتا ہے۔ اس کو آب انگور کہتے ہیں۔ وہ نہایت لذیز ہوتا ہے۔ اس کی شراب بہت تیز ہوتی ہے خواجہ خان سعید پہاڑ کے دامن کی شراب تیزی میں مشہور ہے۔ ہم تو اب "تقلیدا" یہ تعریف کر رہے ہیں ؂

لذت مے مست دارد ہوشیاراں راچہ خط

زراعت :۔ کابل کے علاقہ میں زراعت اچھی نہیں ہوتی۔ اس کی عمدہ زراعت چوتھائی اور پانچواں حصہ ہے۔ یہاں خربوزہ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ اگر خراسانی تخم بویا جائے تو کسی قدر برا نہیں ہوتا۔

مرغزار :۔ کابل کے اطراف میں چار عمدہ مرغزار ہیں۔ مشرق اور شمال کے گوشہ میں مرغزار سونک قورغل ہے۔ کابل سے کوئی دو کوس ہو گا۔ اچھا سبزہ زار ہے۔ اس کی گھاس گھوڑوں کو بہت موافق ہے۔ کھیاں وہاں کم ہوتی ہیں۔ مغرب اور شمال کے بیچ میں مرغزار چالاک ہے۔ یہ مرغزار کابل سے کوس بھر ہو گا۔ بڑا مرغزار ہے۔ یہاں کی کھیاں بہار کے موسم میں گھوڑوں کو بہت ستاتی ہیں۔ مغرب میں مرغزار دیورتن ہے۔ یہ دو مرغزار ہیں۔ ایک کو مرغزار پنجیہ کہتے ہیں اور دوسرے کو قوتی۔ اگر یہ حساب رکھا جائے تو پانچ مرغزار ہو جائیں گے۔ یہ دونوں مرغزار کابل سے ایک کوس شرعی پر ہیں اور مختصر سے مرغزار ہیں۔ وہاں کی گھاس گھوڑوں کو بہت موافق ہے کھیاں ان میں نہیں ہوتیں۔ کابل کے مرغزاروں میں ان جیسے مرغزار نہیں ہیں۔ مشرق میں ایک مرغزار ہے۔ اس کو سیاہ سنگ کہتے ہیں۔ دروازہ چرم گران کے اور اس مرغزار کے بیچ میں کتلق قدم کا کورخانہ ہے۔ چونکہ موسم بہار میں یہاں کھیاں کثرت سے ہوتی ہیں۔ اس لئے اس کی حفاظت کم کی جاتی ہے۔ اس کے متصل مرغزار کمری بھی ہے۔ اس اعتبار سے کابل کے گرد چھ مرغزار ہوئے۔ مگر مشہور چار ہی ہیں۔

نواح کے پہاڑ اور راستے:۔ کابل ایک مضبوط مقام ہے۔ اس ملک میں غنیم کا جلدی سے چلا آنا ذرا مشکل ہے۔ کابل۔ بدخشاں۔ بلخ اور قندز کے بیچ میں کوہ ہندوکش ہے۔ اس پہاڑ سے سات راستے جاتے ہیں۔ تین راستے پنج شیر سے ہیں۔ سب سے بلند پہاڑ خواک ہے۔ اس سے کم کوہ طول ہے۔ اس سے نیچا کوہ بازاوک ہے سب میں عمدہ طول ہے۔ مگر کسی قدر اس کا راستہ لمبا ہے۔ عجب نہیں کہ اسی سے اس کا نام طویل ہو گیا ہو۔ سب سے سیدھا بازارک ہے۔ ان دونوں میں ہو کر مقام سراب میں اترتے ہیں چونکہ موضع بارندی میں یہ پہاڑ تمام ہو جاتا ہے اس لئے سراب کے لوگ اس کو کوتل بارندی کہتے ہیں۔ ایک راستہ پروان کا ہے۔ کوہ کلاں اور پروان کے بیچ میں سات پہاڑ اور ہیں۔ ان کو ہفت و بچ کہتے ہیں۔ اندراب سے دو راستے جاتے ہیں۔ اور کوہ کلاں کے نیچے دونوں ایک ہو کر ہفت و بچ کے راستہ سے پروان میں آ جاتے ہیں۔ یہ بڑا کٹھن راستہ ہے۔ اور تین راستے غوربند میں ہیں۔ پروان کے راستہ کے نزدیک پہاڑ کا راستہ ایک مرغزار تک ہے۔ جو مقام دلیان اور خنجان میں اتر کر آتا ہے۔ ایک راستہ شیرتو پہاڑ کا ہے۔ گرمی کے موسم میں اس پہاڑ سے اتر کر بامیان اور سایقان کے راستہ سے جاتے ہیں اور جاڑوں میں آب درہ کے راستہ سے جاتے ہیں۔ جاڑوں میں چارپانچ مہینے تک سب راہیں بند ہوتی ہیں۔ شیرتو کے راستہ سے اس پہاڑ پر ہوتے ہوئے درہ آب کے راستہ میں چلتے ہیں جو راستہ خراسان کا ہے وہ قندھار سے آتا ہے یہ ہموار سڑک ہے۔ یہاں کوئی پہاڑ نہیں ہے۔

ہندوستان کی طرف کے چار راستے ہیں۔ ایک راستہ لمغانات سے ہے۔ اس میں خیبر کے پہاڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے ہیں۔ دوسرا راستہ بنگش کا ہے۔ تیسرا راستہ نغز کا ہے۔ چوتھا راستہ فرمل سے ہے۔ ان راستوں میں بھی تھوڑی بہت پہاڑیاں ہیں۔ دریائے سندھ کے تین گھاٹوں سے اتر کر ان راستوں میں آتے ہیں۔ جو لوگ نیلاب کے گھاٹ سے اترتے ہیں وہ لمغانات کے راستے سے آتے ہیں۔ جاڑے میں دریائے کابل دریائے سندھ اور دریائے سوات کے مقام اتصال کے بالائی گھاٹ سے اترنا پڑتا ہے۔ میں جو ہندوستان آیا ہوں تو اکثر ان دریاؤں کے گھاٹوں سے اترا ہوں۔ اس دفعہ جو میں نے آ کر سلطان ابراہیم کو شکست دی اور ہندوستان فتح کیا تو نیلاب کے گھاٹ سے کشتی کے ذریعہ سے اترا ہوں۔ یہاں کے علاوہ کسی مقام پر دریائے سندھ سے بغیر

کشتی کے پار نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ بن کوٹ کے گھاٹ سے بنگش میں آتے ہیں اور جو بارہ کے گھاٹ سے اترتے ہیں' وہ فرل کے راستہ سے غزنی میں آتے ہیں۔ اگر دشت کے راستہ سے چلتے ہیں تو قندھار جا پہنچتے ہیں۔

قومیں :۔ کابل کے علاقہ میں مختلف قومیں بہت ہیں۔ میدانوں اور گھاٹیوں میں اتراک اور اعراب وغیرہ قومیں بستی ہیں۔ شہر میں اور بعض دیہات میں تاجیک ہیں۔ بعضے دیہات اور مقامات میں پشتوری' پرانچہ' تاجیک' ترک اور افغان آباد ہیں۔ غزنی کے پہاڑوں میں ہزارہ اور نوکدرتی ہیں۔ ہزارہ میں بعض قومیں مغلی بولتی ہیں۔ جو کہ کوہستان مابین مشرق و شمال ہے وہ ملک کافرستان ہے۔ جیسے کتور اور کیرک۔ جنوب میں افغانستان ہے۔

زبانیں :۔ اس ملک میں عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ مغلی۔ ہندی۔ افغانی۔ پشتو۔ پراچی۔ کیری۔ کتوری اور لمغانی وغیرہم گیارہ بارہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ شاید کسی ملک میں اس قدر قومیں آباد ہوں اور اتنی متغائر زبانیں بولی جاتی ہوں۔

اضلاع :۔ یہ ملک چودہ تومانوں پر منقسم ہے۔ (سمرقند اور بخارا میں اور اس کے نواح میں تومان اس حصہ ملک کو کہتے ہیں جو ایک بڑے علاقہ کے تحت میں ہو۔ اندجان۔ کاشغر۔ چین اور ہندوستان میں اس کو پرگنہ کہتے ہیں) اگرچہ دیجور۔ پشاور اور ہشغر کے علاقے سے پہلے کابل کے تحت میں تھے۔ مگر آج کل بعض ان میں سے افغانوں نے ویران کر دیئے ہیں۔ اور بعض افغانوں کے تصرف میں ہیں۔ اب وہ ایسے ہیں کہ ان کو ملک نہیں کہہ سکتے۔ کابل کا شرقی علاقہ لمغانات ہے۔ اس میں پانچ تومان اور دو بلوک ہیں۔ لمغان ۴۵۹ کا بڑا تومان تیکنہار ہے۔ (بعض تاریخوں میں اس کو نگیرہار بھی لکھا ہے) اس کا صدر مقام آدینہ پور ہے۔

آدینہ پور :۔ جو کابل سے تیرہ فرسنگ کے راستہ پر ہے' کابل اور تیکنہار میں بڑا سخت راستہ ہے۔ تین چار جگہ چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں۔ دو تین جگہ تنگ گھاٹیاں ہیں۔ خلجی اور افغانوں کے سارے ڈاکو اسی میں لوٹ مار کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں یہ مقامات بالکل ویران تھے۔ توروق سائی اور قرانو کے انتہا میں سے نے آبادی کرائی۔ اس سبب سے راستہ میں امن ہو گیا۔ گرم سیر اور سرد سیر ملک کے بیچ میں ایک پہاڑ حائل

ہے۔ جس کو بادام چشمہ کہتے ہیں۔ اس پہاڑ میں کابل کی جانب برف پڑتی ہے اور توروق و لنسان کی طرف برف نہیں پڑتی۔ اس پہاڑ سے نکلتے ہی دوسرا عالم نظر آتا ہے۔ ندیاں اور طریق کی۔ باغ اور وضع کے۔ جانور کچھ اور صورت کے۔ آدمیوں کی رسم و راہ دوسری۔ تیکنہار میں نو ندیاں بہتی ہیں۔ وہاں چاول اور گیہوں عمدہ پیدا ہوتا ہے۔ نارنج، ترنج اور انار کثرت سے ہوتا ہے۔ قلعہ آدینہ پور کے پاس جنوب کی طرف ایک بلندی پر ۹۱۴ھ میں میں نے ایک باغ لگایا۔ اس کا نام باغ وفا رکھا۔ یہ باغ ندی کے کنارے پر ہے۔ ندی باغ اور قلعہ کے بیچ میں بہتی ہے۔ جس سال میں نے پہاڑ خان کو شکست دی ہے اور لاہور و دیپال پور کو فتح کیا ہے اس سال کیلے کے درخت یہاں لا کر بوائے۔ سب درخت لگ گئے۔ اس سے پہلے سال میں گنا بھی بویا گیا تھا۔ عمدہ گنا ہوا تھا۔ ان گنوں میں سے کچھ بدخشاں اور بخارا بھیجے گئے تھے۔ اس کی زمین اونچی ہے۔ آب رواں قریب ہے۔ اس کی ہوا جاڑوں میں معتدل ہوتی ہے۔ باغ کے اندر ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ سارے باغ میں اسی پشتہ پر سے پانی جاتا ہے۔ جو چار چمن اس باغ میں ہے وہ اسی ٹیلہ پر ہے۔ باغ کے جنوبی و مغربی حصہ کے بیچ میں ایک دہ دردہ حوض ہے۔ اس کے گرد چاروں طرف نارنج اور انار کے درخت ہیں۔ حوض کے گرد چھوٹی چھوٹی تین نہریں ہیں۔ اصل باغ یہی مقام ہے۔ جس وقت نارنج پک کر زرد ہوتے ہیں اس وقت نہایت عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ یہ باغ اچھا تیار ہوا ہے۔ تیکنہار اور بنگش کے بیچ میں جنوب کی طرف کوہ سفید ہے۔ اس پہاڑ میں سوار نہیں چل سکتا۔ نہ اس سے کوئی ندی جاری ہے۔ یہاں برف بھی ہمیشہ رہتی ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ اسی سبب سے اس کا نام کوہ سفید رکھ دیا ہو۔ یہاں سے نیچے کے مقاموں میں کبھی برف نہیں پڑتی۔ باغ اور پہاڑوں میں اتنا فاصلہ ہے کہ بیچ میں ایک لشکر اتر سکے۔ اس پہاڑ کے دامن میں عمدہ اور ہوادار مقامات بہت ہیں۔ اس کا پانی ایسا سرد ہے کہ برف کی حاجت نہیں ہوتی۔ آدینہ پور کے جنوب میں دریائے سرخ ہے۔ قلعہ بلندی پر ہے اور ندی کی طرف چالیس پچاس گز تک پہاڑ چلا گیا ہے۔ اس کے شمال میں ایک پہاڑی ہے یہ قلعہ بہت مضبوط ہے۔ یہی پہاڑ تیکنہار اور لمغانات کے بیچ میں ہے۔ جب کابل میں برف پڑتی ہے تو اس پہاڑ کی چوٹی پر بھی برف پڑتی ہے۔ لمغانات والے اس پہاڑ پر برف پڑنے سے جان جاتے ہیں کہ کابل میں برف پڑ رہی ہے۔ جہاں سے کہ کابل سے

ان لغانات میں آتے ہیں۔ اگر توروق سائی میں آئیں تو ایک اور راستہ کوتل دیری سے اور بولان سے ہوتا ہوا لمغانات کی طرف نکلتا ہے۔ دوسرا راستہ توروق سائی سے آخر میں قراتو۔ اولوق پور۔ آب باران اور کوتل ملاوپنچ سے ہوتا ہوا لمغانات کو جاتا ہے اور اگر نجراد سے آئیں تو بدراو اور قرنا بکریق سے ہوتے ہوئے کوتل ملاوپنچ میں نکل آتے ہیں۔ اگرچہ لمغان کے پانچ تومانوں میں سے ایک تیکنہار بھی ہے۔ لیکن لمغان یہی تین تومان سمجھے جاتے ہیں۔ جن میں سے۔

ایک تومان علیسک ہے :۔ جس کا شمالی حصہ ہندوکش سے ملا ہوا ہے۔ اس میں بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ اور سب برف سے ڈھکے ہوئے ہیں۔ یہ سارا پہاڑ کافرستان کا ہے۔ کافرستان کے بہت قریب علیسک کے علاقہ میں سے مقام میل ہے۔ علیسک کی ندی میل سے ہی نکلتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے باپ مہترلام کی قبر تومان علیسک ہی میں ہے۔ (بعض تاریخوں میں مہترلام کو لمک ملکان لکھا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ وہاں والے بعض موقع پر کاف کو غین بولتے ہیں۔ شاید اسی سبب سے اس ملک کو لمغان کہتے ہوں۔

دوسرا تومان النکار ہے :۔ کافرستان کے قریب النکار کے علاقہ میں سے مقام کورا ہے۔ النکار کی ندی یہیں سے نکلتی ہے۔ یہ دونوں ندیاں علیسک اور النکار سے ہوتی ہوئی باہم مل جاتی ہیں اور مل کر تومان مند اور سے پرلے سرے پر آب باران میں جا ملتی ہیں۔ جو دو بلوک اوپر بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک درہ نور ہے۔ یہ تنگ مقام ہے۔ اس زمانہ میں درہ بنی گاہ کے اوپر ہے۔ اس کے دونوں طرف ندی ہے۔ اس کا پایہ اتنا ہے کہ راستہ چل سکتے ہیں۔ نارنج' ترنج اور گرم سیر میوے یہاں بہت ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں کھجور کے درخت بھی ہیں۔ ندی کے کناروں پر جو پہاڑ کی چوٹی کے دونوں طرف ہیں درخت ہی درخت ہیں۔ الوک کے درخت کثرت سے ہیں۔ اس میوہ کو ترکوں کی بعض قومیں قراعش کہتی ہیں۔ یہ میوہ جتنا درہ نور میں ہوتا ہے اتنا اور کہیں نہیں ہوتا۔ یہاں انگور بھی پیدا ہوتا ہے۔ سارے انگور درخت پر لگتے ہیں۔ لمغانات میں درہ نور کی شراب مشہور ہے۔ وہ دو قسم کی ہوتی ہے ایک توارہ تاشی اور دوسری کو سوہان تاشی کہتے ہیں۔ توارہ تاشی زرد ہوتی ہے اور سوہان تاشی سرخ خوش رنگ ہوتی ہے۔ توارہ تاشی میں نشہ زیادہ ہے لیکن جیسی شہرت ہے ویسی نہیں ہے۔ ان پہاڑوں

کے دروں کی چوٹیوں پر بندر کثرت سے ہوتے ہیں یہاں والے پہلے سور پالا کرتے تھے۔ میرے زمانہ میں کوئی نہیں پالتا۔

ایک اور تومان کنیر :- نورکل اورکر ہے۔ یہ تومان لمغانات سے کسی قدر الگ ہے۔ ملک کی سرحد پر کافرستان میں واقع ہے۔ اگرچہ اور تومانوں سے چھوٹا نہیں ہے۔ لیکن اس کی آمدنی جو کم ہے تو اوروں سے اس کو چھوٹا جانتے ہیں۔ دریائے چغانی سرائے مشرق و شمال کے بیچ میں سے کافرستان میں بہتا ہوا اور اس ملک سے گزرتا ہوا بلوک کامہ میں دریائے باران سے جا ملتا ہے اور مشرق کی طرف چلا جاتا ہے۔ نورکل اس دریا کے مغرب میں ہے اور کونز مشرق میں۔ میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں جہاد کیا ہے اور مقام کنز سے ایک کوس شرعی اوپر جا کر انتقال فرمایا ہے۔ حضرت کے مرید جنازہ یہاں سے ختلان لے گئے ہیں اور جہاں انتقال ہوا ہے اب وہاں ایک مزار بنا ہوا ہے۔ ۹۲۰ھ میں جب میں نے چغانی سرائے کو فتح کیا ہے تو اس مقام کی زیارت بھی کی ہے۔ یہاں نارنج۔ ترنج۔ کرنج کثرت سے ہوتے ہیں۔ کافرستان سے یہاں شراب لاتے ہیں۔ جو بہت تیز ہوتی ہے۔ یہاں کے لوگ ایک عجیب بات بیان کرتے ہیں جو بالکل غلط معلوم ہوتی ہے۔ مگر متواتر سننے میں آئی ہے۔ استومان کی انتہا میں جو مقام ہے اس کو تمہ کندی کہتے ہیں۔ اس کے آخر میں درہ تور اور اتر کا علاقہ ہے۔ اس تمہ کندی سے اوپر کنیر' نورکل' بجور' سوات وغیرہ کے پہاڑ ہیں۔ ان سب میں یہ رسم ہے کہ جو عورت مرتی ہے اس کو ایک تختہ پر ڈال دیتے ہیں اور چاروں طرف سے تختہ کو پکڑ کر اٹھاتے ہیں۔ اگر پارسا ہوتی ہے تو ان اٹھانے والوں میں خود بخود اس درجہ کی حرکت پیدا ہوتی ہے کہ اگر سنبھلے نہ رہیں تو مردہ تختہ پر سے گر پڑے اور جو عورت پارسا نہیں ہوتی تو حرکت بھی پیدا نہیں ہوتی۔ یہ بات کچھ یہیں والوں نے بیان نہیں کی بلکہ بجور وغیرہ کے تمام پہاڑیوں نے متفق اللفظ بیان کی۔ حیدر علی بجوری جو حاکم بجور تھا اور جس نے اس ملک کا اچھا انتظام کیا تھا جب اس کی ماں مری ہے تو وہ نہ رویا۔ نہ اس نے عزاداری کی رسم ادا کی۔ نہ سیاہ لباس پہنا۔ لوگوں سے کہا کہ اس کو تختہ پر ڈال دو۔ اگر حرکت نہ پیدا ہو تو میں لاش جلوا دوں گا۔ تختہ پر ڈالتے ہی حرکت معہود لاش میں پیدا ہو گئی۔ یہ سن کر اس نے ماتمی کپڑے بھی پہنے اور عزاداری بھی کی۔

دوسرا بلوک چغان سرائے ہے :- یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ کافرستان کے

سرے پر واقع ہے۔ کافرستان جو قریب ہے تو یہاں کے لوگ گو مسلمان ہیں مگر کافروں کی بہت رسمیں برتتے ہیں۔ ایک بڑی ندی جس کو دریائے چغان سرائے کہتے ہیں۔ چغان سرائے کے مشرق و شمال سے (جو بجور کے پیچھے ہے) آتی ہے۔ مغرب کی جانب سے کافرستان کے مقام پیچ میں سے بہتا ہوا ایک اور چھوٹا دریا اس میں مل جاتا ہے چغان سرائے میں زرد رنگ کی شراب بہت تیز ہوتی ہے۔ لیکن درہ نور کی شرابوں سے اس کو کچھ نسبت نہیں ہے۔ چغان سرائے میں انگور وغیرہ نہیں ہوتے۔ دریائے کافرستان کے بالائی حصہ سے پیچ میں لائے جاتے ہیں۔ جب میں نے چغان سرائے کو فتح کیا ہے تو پیچ کے کافروں نے یہاں والوں کی بہت کمک کی تھی۔ کافروں میں شراب کا رواج اس قدر ہے کہ ہر شخص کے گلے میں شراب کی چھاگل لٹکی رہتی ہے پانی کی جگہ شراب ہی کا استعمال کیا جاتا ہے۔ کامہ گو کوئی علیحدہ جگہ نہیں ہے۔ نیکنہار ہی کے توابع میں سے ہے۔ مگر اس کو بھی بلوک کہتے ہیں۔

ایک تومان بخراد ہے :۔ کابل کے مشرق و شمال کی جانب کوہستان میں واقع ہے۔ اس کے پیچھے تمام کافرستان کا پہاڑ ہے۔ یہ ایک اچھے گوشہ کا مقام ہے۔ اس میں انگور وغیرہ میوے افراط سے ہوتے ہیں۔ شراب بھی کثرت سے ہوتی ہے۔ یہاں کی شراب جوشیدہ ہوتی ہے۔ یہاں جاڑے میں جانوروں کو بہت اڑاتے ہیں۔ یہاں کے لوگ شراب خور' بے نماز' بیوقوف اور کافروش ہیں۔ پہاڑوں میں انار' چلغوزہ' چوب بلوط اور بنجک کی کثرت ہے۔ ان کے درخت نشیبی مقامات میں ہوتے ہیں۔ بخراد سے بالائی مقاموں میں اصلا نہیں ہوتے۔ یہ درخت گویا ہندوستان کے درختوں میں سے ہے۔ ان ساری پہاڑیوں میں چلغوزہ کی لکڑی چراغ کا کام دیتی ہے۔ یہ لکڑی شمع کی طرح روشن رہتی ہے اور اچھی معلوم ہوتی ہے۔ بخراد کے پہاڑوں میں روباہ پراں ہوتی ہے۔ یہ ایک جانور ہے گلہری سے بہت بڑا اس کے دونوں ہاتھوں رانوں کے بیچ میں ایک پردہ ہوتا ہے۔ چمگادڑ کے پر کا سا اس کا رنگ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک درخت سے دوسرے درخت پر نیچے کی جانب گز بھر کے قریب یہ جانور اڑ جاتا ہے۔ میں نے اس کا اڑنا نہیں دیکھا۔ ہاں یہ دیکھا کہ یہ ایک درخت سے وہ لپٹی ہوئی تھی۔ اچھلی اور پرندہ کی طرح بازو کھول کر جھٹ سے نیچے آ گئی۔ اس کوہستان میں یوحہ جانور ہوتا ہے۔ اس کو بوقلمون کہتے ہیں۔ سر سے دم تک پانچ چھ طرح کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔

کبوتر کی گردن جیسا براق اور کبک دری کے برابر قدوقامت میں ہوتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ ہندوستان کی کبک دری یہی ہو۔ وہاں والوں نے بیان کیا کہ جاڑے کے موسم میں یہ جانور دامن کوہ میں اڑتا پھرتا ہے۔ اگر اس کو اڑاؤ اور یہ انگوروں کے تختہ پر سے اڑ جائے تو پھر نہیں اڑ سکتا۔ وہیں اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ بجزاد میں ایک چوہا ہوتا ہے۔ اس کا نام موش مشکیں ہے۔ اس میں سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔ یہ چوہا میرے دیکھنے میں نہیں آیا۔

ایک تومان پنج شیر ہے :۔ مقام پنج شیر سرراہ واقع ہے۔ کافرستان یہاں سے بہت قریب ہے۔ ڈاکوؤں کی آمدورفت پنج شیر ہی میں سے ہے کفار کے قریب ہونے سے لوگ ادھر کم آتے ہیں۔ اب کے جو میں نے ہندوستان کو فتح کیا تو کافروں نے پنج شیر میں آکر لوگوں کو بہت ستایا اور قتل کیا۔

ایک تومان غور بند ہے :۔ (اس ملک میں بند کوتل کو کہتے ہیں) غور کی طرف اسی پہاڑ میں سے جاتے ہیں۔ شاید اسی سبب سے غور بند مشہور ہو گیا ہو۔ درہ کے سرے پر ہزارہا مکان ہیں۔ اس تومان میں چند گاؤں ہیں۔ یہاں کی آمدنی بہت ہی کم ہے۔ کہتے ہیں کہ غوربند کے پہاڑوں میں چاندی اور لاجورد کی کان ہے۔ پہاڑ کے دامن میں دس گاؤں آباد ہیں۔ اوپر کی طرف متہ۔ پکھ اور پروان ہیں۔ نیچے کی جانب بارہ تیرہ گاؤں ہیں۔ سارے دیہات میں میوہ پیدا ہوتا ہے۔ ان ہی دیہات میں شراب بنتی ہے۔ اس زمانہ میں خواجہ سعید خان کی شرابیں سب سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔ چونکہ یہ تمام دیہات دامن میں اور پہاڑ کے اندر اور اوپر واقع ہیں اس لئے محاصل اس طرح ادا کرتے ہیں کہ کبھی دیا اور کبھی نہ دیا۔ ان دیہات کے آخر کی طرف پہاڑ کے دامن میں پہاڑ اور دریائے باران کے مابین دو قطعے ہموار جنگل کے واقع ہیں۔ ایک کو کرہ تاریان کہتے ہیں۔ دوسرے کو دشت شیخ۔ گرمی کے موسم میں کا جنگیں مالہ بہت عمدہ ہوتا ہے۔ اتراک وغیرہ کے قبیلے یہاں آتے ہیں۔ اس دامن میں کئی طرح کا لالہ پیدا ہوتا ہے۔ میں نے ایک بار گنتی کروائی بتیس تینتیس طرح کا لالہ گننے میں آیا۔ ایک قسم کا لالہ ہوتا ہے کہ اس میں کسی قدر گلاب کی خوشبو آتی ہے۔ میں نے اس کو لالہ گلبو کا خطاب دیا۔ دشت شیخ کے ایک قطعہ میں یہ لالہ ہوتا ہے۔ دوسری جگہ نہیں ہوتا۔ اسی دامن میں پروان سے نیچے کی جانب لالہ صد برگ ہوتا ہے۔ وہ بھی اس قطعہ میں ہوتا

ہے جو غوربند کے تنگ مقاموں سے نکلنے کے بعد واقع ہے۔ ان دونوں جنگلوں کے بیچ میں ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ میں ایک توپ پڑی ہوئی ہے۔ پہاڑ کی چوٹی سے نیچے تک۔ اس کو خواجہ دیک رواں کہتے ہیں۔ گرمیوں میں اس توپ میں سے نقارہ اور ڈھول کی آواز آتی ہے۔ ان کے علاوہ اور دیہات بھی کابل کے علاقہ میں ہیں۔

کابل کے جنوب مغرب میں ایک بڑا پہاڑ برف سے ڈھکا ہوا ہے۔ اس پہاڑ پر ایک سال کی برف دوسرے سال تک رہتی ہے۔ کوئی برس ایسا نہ ہوتا ہو گا کہ جس میں اس سال کی برف اگلے سال تک نہ رہتی ہو۔ کابل کے برف خانوں میں اگر برف ہو چکتی ہے تو اسی پہاڑ سے لائی جاتی ہے اور پانی ٹھنڈا کر کے پیا جاتا ہے۔ یہ پہاڑ کابل سے ایک میل شرعی کے فاصلہ پر ہے۔ کوہ بامیان اور یہ پہاڑ دونوں بڑے پہاڑ ہیں۔ دریائے ہیرمند' سندھ دو عامہ قندر اور مخاب اسی پہاڑ سے نکلتے ہیں۔ مشہور ہے کہ ایک دن میں ان چاروں دریاؤں سے پانی پی سکتے ہیں۔ یہاں کے دیہات اکثر پہاڑ کے دامن میں ہیں۔ یہاں انگور بلکہ ہر قسم کا میوہ ڈھیروں پیدا ہوتا ہے۔ ان مواضعات میں استالف اور اشرغنج کے برابر کوئی موضع نہیں ہے۔ الغ بیگ مرزا ان دونوں موضوعوں کو خراسان فرمایا کرتے تھے۔ مغمان ان دونوں کے قریب ہے۔ مگر اس کی آب و ہوا کو ان سے کچھ نسبت نہیں ہے۔ جس پہاڑ پر برف ہوتی ہے وہ کوہ مغمان ہے۔ استالف جیسا مقام تو کہیں نہ ہو گا۔ ان مواضع کے بیچ میں ایک بڑی ندی ہے جس کے دونوں طرف سرسبز اور پرفضا باغات ہیں۔ اس کا پانی ایسا ٹھنڈا ہے کہ برف کی حاجت نہیں ہوتی۔ پانی صاف بہت ہے۔

اس مقام پر ایک بڑا باغ ہے۔ جس کو الغ بیگ مرزا نے تو زبردستی چھین لیا تھا۔ مگر میں نے اس کے مالکوں کو قیمت دے کر وہ باغ لے لیا۔ باغ کے باہر چنار کے بڑے بڑے درخت ہیں۔ ان کے سایہ کے نیچے سبزہ زار اور صاف مقامات ہیں۔ باغ میں ایک نہر ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اس نہر کے کنارہ پر چنار وغیرہ کے بہت درخت ہیں۔ پہلے یہ نہر ٹیڑھی بنگڑی تھی۔ میں نے اس کو درست کروایا۔ اب بہت ہی عمدہ ہو گئی ہے اس موضع کے بہت آخر میں جنگل سے کوئی ڈیڑھ کوس بلندی کی طرف پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ ہے۔ اس کو خواجہ سلیمان کہتے ہیں۔ اس چشمہ کے اطراف میں کئی قسم کے درخت لگے ہوئے ہیں۔ چشمہ کے قریب خیار کے درخت بہت ہیں ان کا

سایہ بڑا عمدہ ہے۔ پشتہ کے اوپر جو پایان کوہ ہے وہاں بلوط کے درخت بہت ہیں۔ ان دو قلعوں کے سوا پہاڑ کی مغربی سمت میں بلوط کے درخت مطلق نہیں ہوتے۔ چشمہ کے سامنے جو دشت کی جانب ہے ارغوان زار ہے۔ اس ملک میں یہی ایک ارغوان زار ہے۔ اور کہیں نہیں ہے۔ مشہور ہے کہ یہ تین قسم کے درخت تین بزرگوں کی کرامت سے پیدا ہوئے ہیں۔ اسی سبب سے ان کو سیاران کہتے ہیں۔ اس چشمہ کی گرد اولے کی تیزھ نکلوا کر میں نے اس کو وہ وردہ بنوا دیا۔ اس کی چاروں حدیں سیدھی اور درست ہو گئی ہیں۔ گل ارغوان کھلنے کے زمانہ میں اس مقام پر وہ کیفیت ہوتی ہے کہ دنیا بھر میں کہیں نہ ہوتی ہو گی۔ یہاں زرد ارغوان بھی ہوتا ہے۔ اور پہاڑ کے دامن میں سرخ ارغوان کے پھول بھی کھلتے ہیں۔ اس چشمہ کے مغرب و جنوب کے بیچ میں ایک درہ سے پانی کا ایک جھرا جاری ہے۔ میں نے حکم دیا کہ یہاں سے ایک نہر نکالی جائے۔ یہاں سے یہ نہر پشتہ کے اوپر سیاران کے جنوب و مغرب کی طرف بنائی گئی ہے۔ پشتہ کے اوپر ایک گول چبوترہ بھی میں نے بنوایا۔ اس کی تاریخ کا مادہ "جوئے خوش" ہاتھ آیا۔

ایک تومان لہوکر ہے :۔ اس کا بڑا قصبہ مقام چرخ ہے۔ حضرت مولانا یعقوب چرخی قدس سرہ العزیز یہیں کے رہنے والے تھے۔ ملّا عثمان بھی چرخی ہیں۔ مقام سجاوند لہوکر ہی کے مواضعات میں سے ہے۔ خواجہ احمد اور خواجہ یونس اسی سجاوند کے رہنے والے تھے۔ چرخ میں باغات بہت ہیں۔ لہوکر کے اور مقامات میں باغ نہیں ہیں۔ یہاں کے باشندے اور غانشال ہیں (کابل میں اوغان شال ہی بولتے ہیں۔ غالباً" یہ لفظ افغان شعار ہو جس کو اوغان شال کہنے لگے)

ایک ملک غزنی ہے :۔ بعض اس کو تومان کہتے ہیں۔ سبکتگین۔ سلطان محمود اور اس کی اولاد کا دارالسلطنت غزنی تھا۔ بعض اس کو غزنین بھی کہتے ہیں۔ سلطان شہاب الدین غوری کا پایہ تخت بھی یہی تھا۔ اس سلطان شہاب الدین کو طبقات ناصری وغیرہ تاریخوں میں معزالدین لکھا ہے) یہ ملک اقلیم سوم میں سے ہے۔ زابلستان اسی ملک سے مراد ہے۔ بعض نے قندھار کو زابلستان ہی میں داخل رکھا ہے۔ یہ مقام کابل سے مغرب کی طرف چودہ فرسنگ کے راستہ پر ہے۔ اگر اس راستہ سے صبح سویرے ہی چلیں تو ظہر و عصر کے مابین یا عصر کے وقت کابل میں پہنچ جاتے ہیں۔ آدینہ پور کا

راستہ تیرہ فرسنگ کا ہے۔ مگر ایسا برا راستہ ہے کہ ہرگز ایک دن میں طے نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک چھوٹا سا ملک ہے۔ اس کی ندی میں چار پانچ جھروق کے برابر پانی ہو گا۔ شہر غزنی اور پانچ چار اور متعلقات اسی پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ تین چار موضعوں میں کاریز سے سیرابی ہوتی ہے۔ کابل کے انگور سے غزنی کا انگور اچھا ہوتا ہے۔ غزنی کے خربوزے بھی کابل کے خربوزوں سے عمدہ ہیں۔ سیب بھی اچھے ہوتے ہیں۔ ان سیبوں کو ہندوستان لے جاتے ہیں۔ زراعت یہاں مشکل سے ہوتی ہے۔ جتنی زمین بوتے اور جوتتے ہیں اس میں ہر سال نئی مٹی ڈالتے ہیں۔ لیکن کابل کی زراعت سے یہاں کی زراعت کی آمدنی زیادہ ہے۔ رودین بوئی جاتی ہے اور اس کو ہندوستان لے جاتے ہیں۔ اہل غزنی کی آمدنی کا عمدہ اور بڑا ذریعہ رودین ہے۔ یہاں کے دیہاتی افغان اور ہزارہ قوم کے لوگ ہیں۔ کابل کی نسبت غزنی میں اکثر ارزانی رہتی ہے۔ مخلوق حنفی مذہب' نیک اعتقاد اور مسلمان ہے۔ ایسے لوگ ان میں بہت ہیں جو تین تین مہینے تک روزے رکھتے ہیں۔ ان کی عورتیں بڑی پردہ دار اور گوشہ نشین ہیں۔ ملّا عبدالرحمٰن غزنی کے بڑے بزرگ شخص ہوئے ہیں۔ دانش مند آدمی تھے۔ ہمیشہ تعلیم و تعلم میں معروف رہے تھے۔ پرہیز گار اور متدین تھے۔ جس سال ناصر مرزا کا انتقال ہوا ہے اسی سال ان کا بھی انتقال ہوا ہے۔ سلطان محمود کی قبر بھی یہیں ہے۔ جہاں سلطان کی قبر ہے اس کو روضہ کہتے ہیں۔ غزنی میں روضہ ہی کا عمدہ انگور ہوتا ہے۔ سلطان محمود کی اولاد میں سے سلطان مسعود اور سلطان ابراہیم کی قبریں بھی غزنی ہی میں ہیں۔ ان کے علاوہ اور مزارات متبرک غزنی میں بہت ہیں۔

جس سال میں نے کابل لیا ہے تو اسی سال افغانستان میں کہت اور بنوں دشت کو لوٹتا مارتا مقام دکی سے ہوتا ہوا ایناده کے کنارہ کنارہ میں غزنی میں آیا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ غزنی میں ایک مزار ہے کہ اگر اس پر درود پڑھو تو وہ ہلنے لگتا ہے۔ میں نے جا کر اس کو دیکھا۔ قبر ہلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ آخر کھل گیا کہ وہاں کے مجاوروں کی چالاکی ہے۔ قبر کے اوپر ایک چلپہ بنایا ہے جس وقت وہ چلپہ پر جاتے ہیں چلپہ ہلنے لگتا ہے۔ چلپہ کے ہلنے سے قبر بھی ہلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ جنبش ایسی ہے جیسے کشتی میں بیٹھنے والوں کو کنارہ چلتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے مجاوروں کو وہاں سے الگ کھڑا کر دیا۔ پھر بہتیرا درود پڑھا مگر قبر کو حرکت نہ ہوئی۔ میں نے حکم دیا کہ چلپہ قبر پر سے اکھیڑ ڈالو

اور گنبد بنا دو۔ مجاوروں کو دھمکا دیا اور منع کر دیا کہ ایسی حرکت نہ کیا کرو۔ غزنی چھوٹا سا شہر ہے۔ تعجب آتا ہے کہ جن بادشاہوں کے تحت میں ہندوستان اور خراسان رہا ہے۔ انہوں نے ایسی چھوٹی سی جگہ کو اپنا دارالسلطنت کیوں بنایا۔ سلطان محمود غازی کے وقت میں یہاں تین چار بند تھے۔ دریائے غزنی کا ایک بڑا بند دریا سے تین فرسنگ شمال مغرب کی جانب سلطان مرحوم کا بنایا ہوا ہے۔ اس کی بلندی تخمیناً" چالیس پچاس گز اور لمبائی تقریباً" تین سو گز ہو گی۔ دریا کو یہاں جمع کر کے حاجت کے موافق کھیتوں میں پانی دیا جاتا ہے۔ علاء الدین جہاں سوز جب اس ملک پر قابض ہوا تو اس نے اس بند کو ویران کر دیا۔ سلطان کی اولاد کی قبریں جلا دیں۔ شہر غزنی کو اجاڑ دیا۔ رعیت کو دھڑی دھڑی کر کے لوٹ اور قتل کیا۔ غرضیکہ ویران کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی۔ جب ہی سے یہ بند ویران پڑا تھا۔ جس سال میں نے ہندوستان فتح کیا اسی سال اس بند کے بنانے کے لئے خواجہ کلاں کو بہت سا روپیہ دے کر بھیجا۔ عنایت الٰہی سے امید ہے کہ پھر یہ بند تیار ہو جائے۔ دوسرا بند تخن ہے۔ غزنی کے مشق کی طرف۔ شہر سے کوئی دو تین فرسنگ کے فاصلہ پر ہو گا۔ مدت سے یہ بھی ایسا خراب پڑا ہے کہ بننے کے قابل نہیں رہا۔ تیسرا بند سرِدہ ہے۔ یہ بند درست ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ غزنی میں ایک چشمہ ہے۔ اگر اس میں نجاست ڈال دی تو اسی وقت طوفان آ جاتا ہے۔ اور برف برسنے لگتی ہے۔ ایک تاریخ میں لکھا ہوا دیکھا ہے کہ جب ہندوستان کے راجہ نے سبکتگین کے زمانہ میں غزنی کو جا گھیرا تو سبکتگین نے حکم دیا کہ اس چشمہ میں نجاست ڈال دو تاکہ طوفان آ جائے اور برف گرنے لگے۔ اسی ترکیب سے غنیم نے محاصرہ چھوڑ دیا۔ میں نے بہت ڈھنڈوایا مگر اس چشمہ کا کہیں پتہ نہ ملا۔ غزنی اور خوارزم کی سردی جہاں میں ایسی ہی مشہور ہے جیسی عراقین' آذربائیجان' سلطانیہ اور تبریز کی۔

ایک تومان کوہ ہے:۔ یہ تومان کابل کے جنوب میں اور غزنی کے جنوب و مشرق کے مابین میں ہے۔ اس میں اور کابل میں بارہ تیرہ فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اور غزنی سے آٹھ سات فرسنگ کا۔ اس میں آٹھ گاؤں ہیں۔ یہاں کا صدر مقام کرویز ہے۔ کرویز میں اکثر تمنزلے اور چومنزلے مکان ہیں۔ کرویز کچھ مستحکم مقام نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ ناصر مرزا سے باغی ہو گئے تھے۔ اس کو بہت تنگ کیا۔ اس تومان کے جنوب میں

پہاڑ ہے۔ جس کو کوہ ترکستان کہتے ہیں۔ پہاڑ کے دامن میں ایک اونچی جگہ ایک چشمہ ہے۔ شیخ محمد سلطان کی قبر یہیں ہے۔ یہاں کے باشندے اوغان ہیں۔ کھیتی باڑی کرتے ہیں۔ یہاں باغات نہیں ہیں۔

ایک تومان فرمل ہے۔ جو چھوٹا سا تومان ہے۔ اس میں سیب اچھا ہوتا ہے۔ ملتان اور ہندوستان میں یہیں سے سیب لے جاتے ہیں۔ افغانوں کی سلطنت کے زمانہ میں جو شیخ زادے ملک ہندوستان میں چڑھے بڑھے ہیں وہ شیخ محمد سلیمان کی اولاد میں سے فرمل ہی کے رہنے والے ہیں۔

ایک تومان بنگش ہے:۔ اس میں افغان ہی افغان بستے ہیں اور سب ڈاکو ہیں۔ چونکہ یہ لوگ خیرابچی۔ توک بائی۔ بوری اور لندر کی طرح ایک کنارہ پر آباد ہیں۔ اس سبب سے پورا محاصل ادا نہیں کرتے۔ مجھ کو جو فتح قندھار۔ بلخ۔ بدخشاں اور ہندوستان کے بڑے بڑے کام پیش آ گئے تو ملک بنگش کے انتظام کرانے کی ذرا فرصت نہ ملی۔ خدائے تعالیٰ تھوڑا سا اطمینان عنایت کرے تو اس ملک کا انتظام کروں۔ اور وہاں کے ڈاکوؤں کی خبر لوں۔ کابل کے بلوکوں میں سے ایک بلوک الاسائی ہے۔ جو بخراد سے دو میل شرقی کے راستہ پر ہے۔ بخراد سے مشرق کی طرف سیدھا راستہ آتا ہے۔ جب مقام کورہ پر پہنچتا ہے تو الاسائی میں سے ہوتا ہوا ایک چھوٹے سے پہاڑ میں سے نکل جاتا ہے۔ اس جانب گرم سیر اور سرد سیر ملک میں یہی کورہ کا پہاڑ فاصل ہے۔ اس پہاڑ میں سرے ہی پر جانوروں کی گذرگاہ ہے۔ بخراد کی نواح کے رہنے والے چھپ کر بہت جانور پکڑتے ہیں۔ پہاڑ سے نکلنے کے مقاموں میں جگہ جگہ پناہ کی جگہ بنا رکھی ہے۔ جانور پکڑنے والے ان پناہ گاہوں میں پوشیدہ بیٹھتے ہیں اور پانچ چھ گز کے فاصلہ سے ایک طرف جال بچھا دیتے ہیں۔ ایک جانب جال کو کنکروں کے نیچے چھپا دیتے ہیں۔ دوسری جانب آدھے جال میں تین چار گز کی لکڑی باندھ دیتے ہیں۔ لکڑی کا ایک سرا اس شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو پتھر کی آڑ میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے۔ یہ شخص پتھر کی ان دراڑوں میں سے جن کو بنا لیا ہے۔ تاکتا رہتا ہے۔ جونہی جانور جال کے قریب آیا اور اس نے لکڑی دھر گھسیٹی۔ جانور فوراً جال میں پھنس جاتا ہے۔ اس ترکیب سے بہت جانور پکڑ لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بعض دفعہ اتنے جانور پکڑتے ہیں کہ ذبح کرنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ اس ملک میں آلہ سائی کے انار کی بہت شہرت ہے۔ گو وہ کچھ عمدہ

نہیں ہوتا مگر یہاں تو اس سے انار نہیں ہے۔ یہاں کے اناروں کو تمام ہندوستان میں لے جاتے ہیں۔ اس ملک کا انگور بھی برا نہیں ہوتا۔ بخراو کی شرابوں سے الہ سائی کی شراب بہت تیز اور خوش رنگ ہوتی ہے۔ ایک بلوک بدراو ہے جو آلہ سائی کے پہلو میں ہے۔ اس میں میوہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہاں کے پہاڑی کافر ہیں۔ غلہ کی کاشت کرتے ہیں' جس طرح خراسان اور سمرقند میں جنگلی قومیں اتراک اور ایماق ہیں۔ اسی طرح اس ملک میں ہزارہ اور افغان کی قومیں ہیں۔ ہزارہ قوم میں بڑی قوم ہزارہ مسعودی ہے اور افغانوں میں مہمند ہے۔

کابل کی آمدنی:۔ ملک کابل کی (مع لمغانات و صحرا نشین کے) جمع بندی آٹھ لاکھ شاہرخیہ تشخیص ہوئی ہے۔

اطراف کے پہاڑ اور اس کی نبات:۔ کابل کے مشرقی اور مغربی پہاڑ یکساں ہیں۔ اندر آب خوست اور بدخشاں کے سارے پہاڑ سرسبز ہیں۔ اور ان میں چشمے بہت ہیں۔ پہاڑوں میں رمنوں میں اور ٹیلوں پر برابر گھاس پیدا ہوتی ہے۔ اکثر ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے۔ جس کو یوتکہ کہتے ہیں۔ یہ گھاس گھوڑوں کو بہت موافق ہے۔ اندجان کے علاقہ میں اس گھاس کو بوتکہ اوتی کہتے ہیں۔ ہم کو اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ تھی۔ اس ملک میں معلوم ہوئی۔ چونکہ اس گھاس میں بوتہ نکلتا ہے اس لئے اس کو بوتہ کو کہتے ہیں۔ یہاں بھی حصار' ختلان' سمرقند' فرغانہ اور مغلستان کی طرح ایلاق ہیں۔ اگرچہ فرغانہ اور مغلستان کے ایلاقوں سے ان علاقوں کو کوئی نسبت نہیں ہے۔ مگر اسی طرح سے پہاڑ اور ایلاق ہیں۔ بخراو کوہستان لمغانات' سوات اور بجور میں انار۔ چلغوزہ۔ زیتون۔ بلوط اور جنگ کثرت سے ہوتا ہے۔ وہاں کی گھاس اس پہاڑ کی گھاس کے برابر نہیں ہے۔ وہاں گھاس ہوتی تو بہت ہے اور اونچی بھی ہوتی ہے مگر کس کام کی۔ گھوڑوں اور بکریوں کو ذرا موافق نہیں ہوتی۔ یہاں کے پہاڑ وہاں کے پہاڑوں سے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اور حقیر نظر آتے ہیں مگر بڑے مضبوط پہاڑ ہیں۔ ان کے پشتے صاف اور ہموار ہیں۔ سارے پشتے اور پہاڑ پتھریلے ہیں۔ گھوڑا کہیں نہیں چل سکتا۔ ان پہاڑوں میں ہندوستان کے جانور جیسے طوطا۔ مینا ۔ مور۔ بوبا۔ بندر۔ نیل گائے اور کوتہ پائے بہت ہوتے ہیں۔ ان جانوروں کے علاوہ اور قسم کے چرند و پرند ہوتے ہیں جو ہندوستان میں سنے بھی نہیں گئے۔

کابل کے مغرب کے پہاڑ میں درہ زندان۔ صوف۔ کزروان اور غرجستھان ہے۔ یہ سارے پہاڑ ایک روش کے ہیں۔ یہاں گھاس کے رمنے میدانوں میں ہوتے ہیں۔ ان پہاڑوں کی طرح پہاڑ اور پشتہ میں گھاس پیدا نہیں ہوتی۔ ویسی سبزہ زار بھی ان میں نہیں ہے۔ یہاں کی گھاس گھوڑوں اور بکریوں کو موافق ہے۔ ان پہاڑوں کی چوٹیاں ہموار اور گھوڑے دوڑانے کے قابل ہیں۔ یہیں کھیتیاں بھی ہوتی ہیں۔ ان پہاڑوں میں ہرن بھی بہت ہوتے ہیں۔ دریاؤں کے بہنے کی جگہ مضبوط دروں میں سے ہے۔ اکثر مقامات ایک ہی طرح کے ہیں۔ ہر جگہ سے نیچے نہیں اتر سکتے۔ یہ عجب تماشہ ہے کہ سارے پہاڑوں میں تو پہاڑوں کی چوٹیاں مضبوط ہوتی ہیں اور یہاں پشتے مضبوط ہیں۔ غور۔ کرتو اور ہزارہ کے بھی پہاڑ اسی طرز کے ہیں۔ میدان وغیرہ میں گھاس ڈھیروں ہوتی ہے۔ یہاں درخت کم ہیں۔ جنگل کی لکڑی اچھی نہیں ہوتی۔ گھاس گھوڑوں اور بکریوں کو سزاوار ہے۔ ہرن کی کثرت ہے۔ ان پہاڑون کے مضبوط مقام ان کے پشتے ہیں۔ یہ پہاڑ ویسے پہاڑ نہیں ہیں۔ ان کے علاوہ خواجہ اسماعیل دوست۔ دکی اور افغانستان کے پہاڑ ہیں۔ یہ بھی سب ایک ڈھنگ کے ہیں۔ سب نیچے نیچے ہیں۔ ان میں گھاس کم ہوتی ہے۔ اور پانی ناقص۔ درخت کا نام نہیں۔ بدنما اور بیکار پہاڑ ہیں۔ یہ پہاڑ وہاں والوں کےلیے بہت مناسب ہیں۔ چنانچہ یہ مثل مشہور ہے۔ "لولما غونچہ قوس لماس۔" دنیا میں ایسا بے ہودہ پہاڑ کم ہو گا۔ کابل میں سردی تو شدت کی ہوتی ہے اور برف خوب پڑتی ہے۔

ایندھن :۔ مگر ایندھن بھی اتنا قریب ہے کہ ایک دن میں آ جاتا ہے۔ وہاں کا ایندھن جنجک بلوط۔ باداچہ اور قرقبد کی لکڑی کا ہوتا ہے۔ ان سب میں جنجک بہت عمدہ ہے اس کی لکڑی دھر دھر جلتی ہے۔ اس کے دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے۔ چنگاریاں دیر تک سلگتی رہتی ہیں۔ اس کی لکڑی گیلی بھی جل جاتی ہے۔ بلوط بھی اچھا ایندھن ہے۔ جلنے میں دھواں بہت ہوتا ہے۔ مگر بھڑک جاتا ہے ۔ اس کا کوئلہ پائیدار ہوتا ہے۔ دھوئیں میں خوشبو ہوتی ہے۔ بلوط کے درخت میں ایک عجب خاصیت ہے۔ اگر اس کی ہری ٹہنی کو جلائیں تو سر سے پاؤں تک دھردھڑ جلنے لگتی ہے اور چٹ پٹ کی آواز دیتی ہے اور ایک دفعہ ہی جل جاتی ہے اس درخت کا جلنا بڑا تماشہ معلوم ہوتا ہے۔ باداچہ کی سب سے زیادہ کثرت ہے۔ اس کے جلانے کا رواج بہت ہے۔ اس

کے کوئلہ کی آگ نہیں ٹھہرتی۔ قرقند کی لکڑی پر چھوٹے چھوٹے کانٹے ہوتے ہیں۔ وہ گیلی سوکھی برابر جلتی ہے۔ غزنی میں اسی کا ایندھن ہوتا ہے۔

خاص نواح شہر کابل کے پہاڑ:۔ کابل کا شہر جن پہاڑوں میں واقع ہے وہ پہاڑ تور اور یلتچہ کے پہاڑوں جیسے ہیں۔ ان پہاڑوں میں بہت مقاموں پر صاف اور چٹیل میدان ہیں۔ ان ہی میں اکثر گاؤں آباد ہیں۔ یہاں ہرن کا شکار کم ہے۔

جانور:۔ تیر کے مہینے اور بہار کے موسم میں قشلاق اور ایلاق معین کرتے ہیں۔ ان کے راستوں میں لال ہرنوں کی ڈاریں ہوتی ہیں۔ شوقین لوگ پلے ہوئے شکاری کتوں کو لے جاتے ہیں اور ڈاروں کو گھیر کر شکار کھیلتے ہیں۔ سرخاب اور خاص کابل کی نواح میں گورخر بھی ہوتا ہے۔ سفید ہرن بالکل نہیں ہوتا۔ غزنی میں سفید ہرن کثرت سے ہوتے ہیں۔ سفید ہرن جیسا غزنی میں فربہ ہوتا ہے ویسا کہیں کم ہوتا ہو گا۔ بہار کے موسم میں کابل نہایت عمدہ شکارگاہ ہے۔ پرند جانوروں کی ٹھیکی دریائے باران کے کنارہ پر ہے۔ اس لئے کہ مشرق کی طرف بھی تمام پہاڑ ہیں اور مغرب کی طرف بھی۔ اسی دریائے باران کے کنارے کے سامنے ایک بڑا پہاڑ ہے۔ جس کو ہندوکش کہتے ہیں۔ سوائے اس کے اور کوئی پہاڑ نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی طرف سے جانوروں کا گزر ہوتا ہے۔ اگر ہوا ہوتی ہے یا ہندوکش پر کچھ ابر ہوتا ہے تو جانور نہیں اڑ سکتے۔ سب کے سب دریائے باران کے میدان میں پڑے رہتے ہیں۔ اس موقعہ پر یہاں والے بے شمار جانور پکڑتے ہیں۔ دریائے باران کے کنارہ پر جاڑے کے آخر میں مرغابیاں بہت آتی ہیں۔ جو خوب موٹی تازی ہوتی ہیں پھر کلنگ اور قرقرے وغیرہ بڑے بڑے جانور بے حد آ جاتے ہیں۔

دریائے باران کے کنارہ پر پرندوں اور مچھلیوں کے شکار کھیلنے کی ترکیب:۔

دریائے باران کے کنارہ پر کلنگوں کے لئے طناب ڈالتے ہیں اور طناب سے بے شمار کلنگ پکڑ لیتے ہیں۔ بگلوں' قرقروں اور حواصلوں کو بھی اسی طرح پکڑتے ہیں۔ ایسے جانور غیر مکرر ہوتے ہیں۔ اس طناب سے پکڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ پہلے ایک مہین رسی جو گز بھر کی ہوتی ہے تانتے ہیں۔ رسی کے ایک سرے پر ایک گز اور دوسرے سرے کی طرف رسہ روکی جس کو کسی شاخ سے بناتے ہیں خوب مضبوط باندھ

دیتے ہیں۔ ایک لکڑی بالشت بھر میں اور کلائی کے برابر موٹی لیتے ہیں۔ اس لکڑی پر اس رسی کو گز کی طرف سے آخر تک لپیٹتے ہیں۔ رسی کے تمام ہونے کے بعد بیلدردی کو جکڑ کر باندھتے ہیں۔ پھر اس لکڑی کو لپیٹی ہوئی؟ سے نکال دیتے ہیں۔ رسی اسی طرح لپٹی ہوئی کھوکھلی رہ جاتی ہے۔ بیلدردی کو ہاتھ میں پکڑ کر جو جانور سامنے سے اڑتے ہوئے آستے ہیں ان کی طرف گز کو پھینکتے ہیں۔ اگر جانور کی گردن پر وہ گرہ پڑ گیا تو جانور اس میں لپٹ کر پھنس جاتا ہے۔ دریائے باران کے کنارے لوگ اسی طرح جانور پکڑتے ہیں۔ مگر یوں جانوروں کا پکڑنا بڑی محنت کا کام ہے۔ اس لئے کہ برسات کی اندھیری راتوں میں یہ شکار کھیلا جاتا ہے۔ ان راتوں میں یہ جانور درندوں کے ڈر سے صبح تک بے قرار رہتے ہیں۔ برابر اڑتے پھرتے ہیں۔ اور زمین سے لگے ہوئے اڑتے ہیں۔

اندھیری راتوں میں اس کے اڑنے کا راستہ بہتے ہوئے پانی پر سے ہوتا ہے۔ چونکہ اندھیرے میں پانی چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے اس لئے ڈر کے مارے صبح تک ادھر ادھر پھرتے رہتے ہیں۔ اسی موقع پر جال بچھائے جاتے ہیں۔ میں نے بھی ایک مرتبہ ایک رات جال ڈلوایا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا۔ جانور بھی ہاتھ نہ آئے۔ صبح کو ٹوٹی ہوئی رسیوں سمیت جا بجا جانور ملے اور لوگ انہیں لے آئے۔ دریائے باران کے شکاری اسی طرح بگلے بھی بہت سے پکڑ لیتے ہیں۔ بگلوں ہی کے پر کلغیوں میں لگتے ہیں۔ عراق اور خراسان میں کابل سے جو اسباب جاتا ہے۔ اس میں ایک یہ کلغی بھی ہوتی ہے ایک گروہ غلاموں کا ہے جو شکاری ہے۔ اس کا پیشہ یہی ہے۔ ان لوگوں کے دو تین سو گھر ہوں گے امیر تیمور کی اولاد میں سے کوئی شہزادہ ان غلاموں کو لایا تھا۔ یہ لوگ گڑھے وغیرہ کھود کر ان پر جال بچھاتے ہیں اور اس ترکیب سے ہر قسم کا جانور پکڑتے ہیں۔ ان کے علاوہ اس مقام کے تقریباً سارے ہی باشندے ہر طریق سے جانور پکڑتے ہیں۔

دریائے باران سے مچھلیاں پکڑنے کی ترکیبیں :- اسی موسم میں دریائے باران میں مچھلی بھی آتی ہے۔ ایک تو جال ڈال کر دوسرے نخ باندھ کر بہت مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ ایک اس ترکیب سے پکڑتے ہیں کہ جاڑے کے موسم میں قولان قویر دغی ایک قسم کی گھاس پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ بڑھ جاتی ہے اور اس میں پھول لگ کر بیج آ جاتا ہے تو اس گھاس کے دس بارہ گٹھے اور کوک شیباق کے بیس تیس گٹھے دریا پر لاتے

ہیں۔ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہیں۔ اور پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ جونہی ان کو پانی میں ڈالتے ہیں ویسے ہی خود بھی پانی میں اتر پڑتے ہیں۔ اور مست مچھلیوں کو پکڑنا شروع کرتے ہیں۔ اور کہیں نشیب میں جہاں مناسب ہوتا ہے چیغ باندھ دیتے ہیں۔ چیغ باندھنا اس کو کہتے ہیں کہ انگلی کے برابر نال کے تیلے لے کر ان کو چیغ کی طرح بنتے ہیں۔ اس چیغ کو وہاں رکھتے ہیں جہاں اوپر سے پانی گرا ہے اور اس جگہ گڑھا ہو جاتا ہے۔ اس کے گرد پتھر چن دیتے ہیں۔ اس چیغ پر سے پانی گرتا ہے اور آواز کرتا ہوا نیچے آتا ہے۔ نیچے آتے ہی اوپر چڑھ جاتا ہے۔ جو مچھلیاں نیچے آتی ہیں وہ چیغ کے اوپر رہ جاتی ہیں اور مست مچھلیوں کو گھیر گھیر کر اس چیغ کی طرف لاتے ہیں۔ اس ترکیب سے ہزاروں مچھلیاں پکڑ لیتے ہیں۔ دریائے گل بہار' دریائے پروان اور دریائے استالف میں سے اس طرح بہت مچھلیاں پکڑی جاتی ہیں۔ لمغانات میں جب جاڑا ہوتا ہے تو اور ہی طرح سے مچھلیاں پکڑتے ہیں۔ وہ ترکیب یہ ہے کہ جس مقام پر پانی اوپر سے نیچے کی طرف گرتا ہے اس کے برابر جگہ جگہ گڑھے کر کے چولوں کے پایوں کی طرح پتھر ان گڑھوں پر رکھ دیتے ہیں۔ ان پر اور پتھر چن دیتے ہیں۔ نیچے کی طرف جو پانی میں ہوتی ہے ایک دروازہ سا بنا دیتے ہیں۔ اور پتھر اس طرح چنتے ہیں کہ جو چیز اس کے اندر آ جائے وہ بغیر اسی دروازہ کے کسی اور جگہ سے نکل ہی نہ سکے۔ ان چنے ہوئے پتھروں کے اوپر سے پانی بہتا ہوا جاتا ہے۔ گویا اس طرح وہ مچھلیوں کے لئے ایک گھر بنا دیتے ہیں۔ جب جاڑے کے موسم میں مچھلیوں کی حاجت ہوتی ہے تو ان گڑھوں میں سے ایک گڑھے کو کھولا اور چالیس پچاس مچھلیاں ایک بار ہی لے آئے۔

ایک ایسا جال بھی بچھاتے ہیں کہ کسی خاص جگہ گڑھا کھود دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ سب طرف پرال سے باندھ دیتے ہیں۔ اور اس کے پانی پر پتھر رکھ دیتے ہیں۔ اسکے دروازہ پر چیغ جیسی ایک چیز بن کر اور اس کے دونوں سرے ایک جگہ جمع کر کے باندھ دیتے ہیں۔ اور اس کے بیچ میں ایک دوسری چیز چیغ ہی جیسا بن کر مضبوط کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اس کا منہ چیغ کے برابر ہوتا ہے اور اس کی درازی اگلی چیغ سے آدھی ہوتی ہے۔ اس کا اندرونی منہ تنگ کر دیتے ہیں۔ اس اندرونی چیغ کے بیرونی منہ سے مچھلی اندر آ جاتی ہے۔ بڑی چیغ کے اندرون کو ایسا کر دیتے ہیں کہ مچھلی باہر نہ نکل سکے۔ درونی چیغ کے نیچے کے درونی منہ کو ایسا کر دیتے ہیں کہ اس کے اوپر کے

منہ سے جو مچھلی آئے اندر کے منہ سے ایک ایک چلی جائے۔ درونی منہ کی لکڑیوں کے سروں کو ایک جگہ کر دیتے ہیں۔ مچھلی اس منہ سے ہوتی ہوئی بڑی چیخ میں آ جاتی ہے۔ نکلنے کے منہ کو تو مضبوط ہی کر دیتے ہیں پھر مچھلی باہر نکل نہیں سکتی۔ اگر پلٹے بھی تو ان چیخوں کے سبب سے جو درونی چیخ خوورد میں لگاوی ہیں نہیں نکل سکتی۔ جن چیخوں کا بیان کیا ہے ان کو جب ماہی خانہ کے منہ پر لگاتے ہیں تو ماہی خانہ کے سر کو کھول دیتے ہیں۔ اس کا گرداولا تو چاولوں کی پرال سے مضبوط کر دیتے ہیں۔ بس جتنی مچھلیاں پکڑنی منظور ہوتی ہیں اسی گڑھے میں پکڑ لیتے ہیں۔ اگر کوئی مچھلی بھاگتی بھی ہے تو چونکہ دروازہ ایک ہے اس لئے چیخ میں ہی آ جاتی ہے۔ وہیں اس کو پکڑ لیتے ہیں مچھلی پکڑنے کا ایسا طریق کہیں نہیں دیکھا۔

جب میں کابل فتح کر چکا تو چند روز بعد مقیم نے قندھار جانے کی اجازت لی۔ چونکہ عہدوپیمان ہو گیا تھا اس لئے سب آدمیوں اور مال متاع سمیت صحیح سلامت اس کے باپ اور بھائی کے پاس جانے کی رخصت دے دی۔ ان کو چلتا کرنے کے بعد کابل انہی امراء پر جو مہمان تھے تقسیم کر دیا۔ یہ لوگ میرے ساتھ تکلیفوں اور مصیبتوں میں مارے مارے پھرتے تھے۔ ان میں سے کسی کو گاؤں کسی کو زمین وغیرہ دی گئی۔ ملک کسی کو نہیں دیا۔ کچھ اسی وقت نہیں بلکہ جس وقت خدا نے مجھ کو دولت عنایت کی۔ میں نے مہمانوں اور اجنبی امراء وغیرہ کو بابریوں اور اندجانیوں سے بہتر سمجھا۔ مگر باوجود اس کے غضب یہ ہے کہ ہمیشہ لوگ مجھ پر طعن کرتے رہے کہ سوائے بابریوں اور اندجانیوں کے کسی کے ساتھ سلوک نہیں کیا جاتا۔ خیر ترکی مثل مشہور ہے۔ دشمن کیا کچھ نہیں کہتا اور خواب میں کیا کیا نظر نہیں آتا۔

دروازہ شہر راتواں بست
نواں دہن مخالفاں بست

چونکہ حصار' سمرقند اور قندز وغیرہ سے قومیں اور قبیلے بہت سے آ گئے تھے۔ اس لئے یہی مناسب سمجھا کہ کابل تو چھوٹی سی جگہ ہے جہاں تلوار کا کام ہے۔ قلم کا کام نہیں ہے۔ سب آدمیوں کو پرورش نہیں کیا جا سکتا۔ ان لوگوں کے اہل و عیال کو کچھ غلہ دیا جائے اور اطراف میں لشکر کشی کی جائے۔ یہ بات ٹھہرا کر قابل اور غزنی کے علاقوں سے تیس ہزار خروار غلہ تحصیل کیا۔ چونکہ کابل کی آمدنی اور پیداوار کو بے

سمجھے یہ تحصیل کی اس لئے ملک میں خرابی پیدا ہو گئی۔ اسی موقع پر میں نے حصہ بابری اختراع کیا۔ معلوم ہوا کہ ہزارہ سلطان مسعودی کے پاس گھوڑے اور بکریاں بہت ہیں۔ وہاں تحصیل داروں کو بھیجا گیا۔ چند روز کے بعد تحصیل داروں کے پاس سے خبریں آئیں کہ ہزارہ قوم محصول نہیں دیتی اور سرکشی کرتی ہے۔ اس سے پہلے کئی بار غزنی اور کرویز کا راستہ بھی انہوں نے لوٹا تھا۔ ان وجوہات سے سلطان مسعودی کے ہزارہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا۔ اور میدان کے راستہ سے راتوں رات کوتل رخ ہوتا ہوا نماز کے وقت ہزارہ کی نواح کو جا مارا۔ خاطر خواہ لوٹ مار کے بعد وہاں سے تنگ سوراخ کے راستہ سے الٹا پھر آیا اور جہانگیر مرزا کو غزنی روانہ کیا۔

ہندوستان کی جانب پہلا حملہ :۔ جب میں کابل میں آ گیا تو دریا خاں کا بیٹا یار حسین بھیرہ سے میرے پاس حاضر ہوا۔ چند روز بعد میرا ارادہ فوج کشی کا ہوا۔ جو لوگ ملک کے حالات سے واقف تھے ان سے اطراف و جوانب کا حال دریافت کیا۔ بعض نے تو دشت کی طرف چلنے کی صلاح دی۔ کسی نے بنگش کی طرف چلنا مناسب سمجھا۔ بعض نے ہندوستان کی صلاح دی۔ آخر ہندوستان پر یورش کرنے کی ٹھہری۔ شعبان کے مہینے میں جبکہ آفتاب برج دلو میں تھا کابل سے ہندوستان کا رخ کیا۔ بادام چشمہ اور جگدلک کے راستہ سے چھ منزلیں کر کے آدینہ پور میں جا پہنچے۔ گرم ملک اور نواح ہندوستان کو کبھی دیکھا ہی نہ تھا۔ یہاں پہنچتے ہی دوسرا عالم نظر آیا۔ چوپائے اور قطع کے۔ پرندے دوسری وضع کے۔ قوموں اور قبیلوں کی رسمیں اور کچھ۔ ایک حیرت پیدا ہو گئی اور حقیقت میں حیرت کی جگہ ہے۔ ناصر مرزا جو پہلے سے اپنی جاگیر میں آ گئے تھے آدینہ پور میں آ کر انہوں نے ملازمت حاصل کی۔ ان کا گھر بار اور لشکر وہیں سے قشلاق کے لئے لمغانات میں آ گیا تھا۔ ناصر مرزا کا لشکر اور جتنا ہمارا لشکر پیچھے رہ گیا تھا اس کے لئے دو تین دن اس نواح میں ٹھہرنا پڑا۔ پھر سب کو ساتھ لے شاہی ندی کے انتہا کی طرف مقام قوس گنبد میں ہم اترے۔ ناصر مرزا نے یہ کہہ کر کہ میں اپنے آدمیوں کو اپنی جاگیر میں سے کچھ دے دوں اور دو تین دن بعد چلا آؤں قوس گنبد سے رخصت چاہی اور وہیں رہ گیا۔

میں قوس گنبد سے کوچ کر کے چشمہ گرم پر خیمہ زن ہوا ہی تھا کہ یحییٰ نامی کو جو قوم کاکیانی میں بڑا آدمی تھا اور ایک قافلہ کے ساتھ آیا تھا میرے پاس لائے۔ راستہ

وغیرہ دریافت کرنے کی مصلحت سے میں نے اس کو اپنے ہمراہ لے لیا۔ خیبر سے دو تین کوچ کے بعد جام میں اترنا ہوا۔ کورک تیری کی بہت تعریف سنی تھی۔ یہ مقام ہندوؤں اور جوگیوں کا مندر ہے۔ وہ لوگ دور دور سے آکر اس مقام کی تیرتھ کرتے ہیں۔ سر اور ڈاڑھی منڈاتے ہیں۔ جام میں اترتے ہی میں بکرام کی سیر کے لئے سوار ہوا۔ نواح بکرام کی سیر کی۔ یہاں ایک بہت بڑا درخت دیکھنے میں آیا۔ ملک سعید بکرامی رہبر تھا۔ میں نے اس سے کورک تیری کا حال دریافت کیا۔ چپکا ہو رہا۔ جب میں پلٹ کر لشکر کے قریب آیا تو اس نے خواجہ محمد امین سے کہا کہ کورک تیری بکرام کے پاس ہی تھی۔ میں نے اس واسطے ذکر نہیں کیا کہ وہاں گڑھے بہت ہیں۔ وہ جگہ بڑی تنگ ہے اور خوفناک مقام ہے۔ خواجہ نے مجھ سے چغلی کھائی اور اسی وقت یہ حال بیان کر دیا۔ دن ہو چکا تھا اور راستہ بھی دور تھا۔ میں اس وقت نہ جا سکا۔ یہیں مشورہ کیا کہ دریائے سندھ سے عبور کریں یا اور طرف سے چلیں۔ باقی چغانیانی نے عرض کیا کہ دریا سے عبور کرنا نہ چاہئے۔ یہیں کے مقامات میں سے کسی جگہ ٹھہر کر کھت ایک جگہ ہے وہاں چلنا چاہئے۔ وہاں کے لوگ مال دار اور آسودہ ہیں۔ وہ کئی کابلیوں کو بھی لایا۔ انہوں نے اسی کا موافق بیان کیا۔ ہم نے اس کا نام بھی نہ سنا تھا مگر جب ایک بڑے اور مقتدر آدمی نے صلاح دی اور اس نے اپنے دعوے کے ثبوت میں گواہ بھی گذرانے تو دریا سے عبور کرنے کا اور ہندوستان چلنے کا قصد فسخ کر دیا۔

جام سے کوچ کر کے دریائے باران سے پار ہو محمد شیخ دامانی کے قریب آ ٹھہرے۔ ان دنوں میں پشاور میں کاکیانی افغان تھے۔ ہمارے لشکر کے خوف سے وہ پہاڑ کے دامن میں جا چھپے۔ اس قوم کا سردار خسرو کاکیانی تھا۔ یہیں اس نے آکر ملازمت حاصل کی۔ راستہ وغیرہ دریافت کرنے کے لئے اس کو یحییٰ کے ہمراہ کر دیا۔ آدھی رات گئے اس منزل سے چلے۔ آفتاب نکلنے تک محمد شیخ سے نکل چاشت کے وقت کھت کو جا مارا۔ گائیں اور بھینسیں بہت ہاتھ آئیں۔ بہت سے پٹھان بھی گرفتار ہوئے۔ جن کو قید رکھنا تھا ان کو الگ کر لیا اور باقیوں کو چھوڑ دیا۔ ان کے گھروں میں غلہ ڈھیروں تھا۔ فوج کے ایک دستہ نے دریائے سندھ کے کنارہ کو جا مارا۔ ایک رات وہ وہیں رہا۔ دوسرے دن ہمارے ساتھ آ ملا۔ باقی چغانی نے جتنا کہا تھا اتنا اہل لشکر کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ باقی اس سے بہت ہی شرمندہ ہوا۔ کھت میں دو شبانہ روز رہے۔ متفرق فوج کو

اکٹھا کیا گیا اور صلاح کی کہ اب کدھر چلیں۔ یہ بات قرار پائی کہ بنوں اور بنگش کی نواح کو لوٹتے ہوئے نغز یا فرمل کے راستہ سے پلٹ جانا چاہئے۔ دریا خاں کے بیٹے یار حسین نے جس نے کابل میں حاضر ہو کر ملازمت کی تھی استدعا کی کہ دلاذاک۔ یوسف زئی اور کاکیانی قوموں کے نام فرمان لکھے جائیں کہ وہ لوگ میرے فرماں بردار رہیں۔ میں دریائے سندھ کے اس جانب حضور کی تلوار چمکاتا ہوں۔ میں نے اس کے مواقف حکم دے دیا اور کھت سے اس کو رخصت کر دیا۔

کھت سے ہنکویا کے راستہ سے بنگش کے اوپر کی طرف ہم چلے۔ کھت اور ہنکویا کے بیچ میں ایک درہ ہے جس کے دونوں جانب پہاڑ ہیں۔ راستہ درہ میں سے ہے۔ کوچ کرنے کے بعد درہ میں آتے ہی کھت اور اس نواح کے سارے افغان اکٹھے ہو کر پہاڑوں پر جو درہ کے دونوں طرف ہیں آ موجود ہوئے۔ لگے سواروں کو مارنے اور غل مچانے۔ ملک ابوسعید بکرامی جس کو ان افغانوں کا حال خوب معلوم تھا اس یورش میں رہبر تھا۔ اس نے عرض کیا کہ یہاں سے آگے بڑھ کر سیدھی طرف ایک پہاڑ ہے۔ اگر افغان یہاں سے اس پہاڑ پر آ جائیں تو چونکہ وہ پہاڑ الگ نہیں ہیں اس لئے ہر طرف سے گھیر کر ان کو ہم پکڑ سکتے ہیں۔ خدا کی قدرت۔ افغان ہم سے لڑتے ہوئے اسی پہاڑی پر آ گئے۔ کچھ فوج کو حکم دیا گیا کہ ابھی اس گردنے کو جو دو پہاڑوں کے بیچ میں ہے اپنے قبضہ میں کر لو اور کچھ فوج کو حکم دیا کہ ادھر اور ادھر سے ہر شخص حملہ کرے اور ان افغانوں کو ان کے کردار کی سزا دے۔ جونہی ہمارے آدمیوں نے حملہ کیا ویسے ہی ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کوئی مقابلہ نہ کر سکا۔ ایک وقت میں سو ڈیڑھ سو افغانوں کو گھیر لیا۔ بہت سوں کے تو سر کاٹ لئے اور بعض کو زندہ گرفتار کر لیا۔ افغانوں کا قاعدہ ہے کہ جب ہارتے ہیں تو غنیم کے آگے تنکا منہ میں لیتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہارے آگے مثل تنکے کے ہیں۔ یہ رسم یہیں دیکھی۔ ہمارے سامنے بھی افغانوں نے عاجز ہو کر تنکے منہ میں لے لئے۔ جو زندہ گرفتار ہوئے تھے ان کے لئے حکم دیا گیا کہ سب کو قتل کر دو اور ان کے سروں سے اس منزل میں مینار چن دو۔ دوسرے دن صبح کو یہاں سے کوچ کیا اور ہنکو کی نواح میں آن اترے۔ اس نواح کے سب افغانوں نے ایک پہاڑی پر سن کر بنا لیا تھا۔ (سن کر کا لفظ کابل میں آ کر سنا ہے۔ یہ لوگ پہاڑ پر جس جگہ کو مضبوط کر لیتے ہیں اس کو سن کہتے

ہیں) سن کر کے پاس پہنچتے ہی افغانوں کو ہم نے مار لیا۔ سو دو سو متمردوں کے سر کلٹ دیئے۔ ان سروں سے یہاں بھی مینار کھڑی کروا دی۔ ہنگو سے چلے اور ایک منزل کے بعد بنگش کے نیچے کی جانب بالا تنبل نام ایک جگہ ہے۔ وہاں اترے۔ یہاں ہمارے لشکری ان افغانوں کے لوٹنے اور مارنے کے لئے جو گردونواح میں ہیں چلے گئے۔ بعض اہل لشکر ایک ہی سن کرکے جلد واپس آ گئے۔ یہاں سے جو چلے تو کذھب راستہ پر ہو لئے۔ بیچ میں ایک منزل کی۔ دوسرے دن نیچے کی طرف بہت جلد اترے۔

تنگ اور دور و دراز راستہ سے نکل بنوں میں پہنچے۔ سپاہیوں' اونٹوں اور گھوڑوں نے پہاڑ کی بلندی اور راستہ کی تنگی میں بے حد تکلیف اٹھائی۔ جو مویشی لوٹے تھے وہ اکثر رہ گئے۔ شاہراہ سیدھے ہاتھ کی جانب دو کوس پر رہ گئی تھی۔ یہ راستہ سواروں کا نہ تھا۔ گذریئے مویشی کے ریوڑوں کو اس راستہ سے لے جایا کرتے ہیں۔ اسی سبب سے یہ راستہ گو سفند بسیار کے نام سے مشہور ہے۔ (افغانی زبان میں راستہ کو بسیار کہتے ہیں) رہبر ملک ابو سعید بکرامی تھا۔ اکثر اہل لشکر نے اس بے راہ روی کو ملک ابو سعید بکرامی کی کارروائی خیال کی۔ پہاڑ سے نکلتے ہی بنگش اور بنوں دکھائی دیئے۔ یہ مقام صاف میدان ہے۔ اس کے شمال میں بنگش اور بنوں کا پہاڑ ہے۔ بنگش کی ندی بنوں سے ہوتی ہوئی آتی ہے۔ بنوں کا علاقہ اسی دریا سے سیراب ہوتا ہے۔ اس کے جنوب میں چوپارہ اور دریائے سندھ ہے۔ مشرق میں دینکوٹ ہے۔ مغرب میں دشت ہے۔ جس کو داروناک بھی کہتے ہیں۔ کرانی' کیوئی' سور' عیسیٰ خیل اور نیازی قوموں کے افغان اس ملک میں کھیت کیار کرتے ہیں۔ بنوں میں آتے ہی سنا کہ جو قومیں میدان میں رہتی تھیں انہوں نے پہاڑوں میں سن کر بنا لئے ہیں اور وہیں رہتی ہیں۔ جہانگیر مرزا کو افسر کر کے بھیجا گیا۔ یہ لوگ سن کر کیوی کی طرف گئے اور طرفۃ العین میں اس کو جا لیا۔ وہاں قتل عام کیا۔ بہت سے سر کلٹ لائے۔ اور بہت سا اسباب سپاہیوں کے ہاتھ لگا۔ بنوں میں بھی کلہ مینار چنوا دی گئی۔ اس سنکر کے فتح کرنے کے بعد کیوی قوم کا سربر آوردہ شادی خاں دانتوں میں تنکا پکڑ کر حاضر ہوا۔ قیدی اس کے حوالے کر دیئے گئے۔

کھت پر چڑھائی کرنے کے وقت یہ بات ٹھہری کہ بنگش اور بنوں کی نواح کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد تغزیا قرمل کی راہ سے واپس جایا جائے گا۔ جب بنوں کو

لے چکے تو واقف کار لوگوں نے عرض کی کہ دشت قریب ہے۔ وہاں کے لوگ آسودہ ہیں۔ جگہ اچھی ہے۔ دشت پر حملہ کرے اور اسی راستہ سے چلنے کی صلاح ٹھہر گئی۔ صبح ہی وہاں سے کوچ کیا۔ اسی دریا کے کنارہ پر عیسیٰ خیل کے موضع میں اترے عیسیٰ خیل کے لوگ ہماری خبر سن کر جوبارہ کے پہاڑوں میں بھاگ گئے تھے۔ اس موضع سے کوچ کیا اور جوبارہ کے پہاڑ کے دامن میں جا اترے۔ فوج کا ایک دستہ پہاڑ میں گیا اور عیسیٰ خیل پر افغانوں نے شب خون مارنا چاہا۔ اس یورش میں احتیاط جو بہت کی جاتی تھی تو دشمن نہ کر سکے۔ اتنی احتیاط کی جاتی تھی کہ برانغار' جرانغار' قول اور ہراول جہاں اترتا تھا ہر شخص مسلح اور پیادہ ہو کر لشکر کے گرد خیموں سے ایک تیر کے فاصلہ پر رات کو پھرا کرتا تھا ہر رات کو اسی طرح سارے لشکر والوں کو باہر رہنا پڑتا تھا۔ سپاہیوں میں سے تین چار کو مشعلیں دے کر رات بھر باری باری سے لشکر کے گرد پھرایا جاتا تھا۔ میں بھی گشت لگاتا تھا یہ حکم تھا کہ جو نہ نکلے اس کی ناک کاٹ کر لشکر میں تشہیر کر دو۔ برانغار' میں جہانگیر مرزا' باقی چغانیانی' شیرم طغائی' سید حسین اکبر وغیرہ تھے۔ برانغار' میں مرزا خان' عبدالرزاق اور قاسم بیگ وغیرہ تھے۔ قول میں کوئی بڑا امیر نہ تھا۔ سب مصاحب ہی تھے۔ ہراول میں سید ایشک آقا' بابا اوغلی اور اللہ بردی تھا۔ لشکر کے چھ حصے کر دیئے تھے۔ ہر حصہ ایک رات دن تک نگہبانی کرتا تھا۔

اس دامن سے مغرب کی طرف چلے چونکہ دشت میں کوئی دریا ایسا نظر نہ آیا جس میں پانی ہو اس لئے اس خشک تالاب کے کنارہ پر اترے۔ لشکر والوں نے ترائی کو کھود کھود کر اپنے گھوڑوں اور مویشی کے لئے پانی نکالا۔ یہ ایسا مقام ہے کہ گز یا ڈیڑھ گز کھودنے سے پانی نکل آتا ہے۔ اسی ترائی پر منحصر نہیں ہے۔ ہندوستان کی تمام ندیوں کے کناروں کا یہی حال ہے کہ گز بھر یا ڈیڑھ گز کھودا اور پانی نکل آیا۔ ہندوستان میں یہ عجیب بات ہے کہ سوائے دریا کے پانی نہیں جاری رہتا اور اس کی ندیوں کے کناروں پر اسی طرح پانی نزدیک نکل آتا ہے۔ اس خشک ندی سے صبح ہی کوچ کیا۔ ظہر کے وقت دشت کے ایک موضع میں صرف جریدہ سوار پہنچے۔ کچھ فوج وہاں سے لوٹنے کے لئے گئی۔ اسباب مویشی اور سوداگروں کے گھوڑے لوٹ لائی۔ اس کو صبح تک اور صبح سے دوسری شام تک لشکر کی بھیر باربرداری کے اونٹ اور پیدل سپاہی سب آ گئے۔ آج جو یہاں قیام کیا تو فوج کا ایک دستہ دشت کے دیہات میں گیا اور بہت سی بکریاں

وغیرہ لوٹ کر لایا۔ افغان سوداگروں کو مار کر بہت سا کپڑا دوائیں' قند' مصری اور کھانے کا اسباب بھی لایا۔ افغانی سوداگروں میں خواجہ خضر نوخانی ایک مشہور اور بڑا سوداگر تھا۔ سیدی مغل نے اس کو مارا اور وہ اس کا سر کاٹ لایا۔ شیرم طغائی فوج کے پیچھے گیا۔ ایک افغان سے اس کی مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ اس نے ایک تلوار ماری جس سے اس کی کلمہ کی انگلی کٹ گئی۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔

دشت میں مقام تیرک کے نزدیک اترنا ہوا۔ وہاں سے چلے اور دریائے کوتل کے کنارے پر ٹھہرے۔ دشت سے مغربی جانب دو سڑکیں جاتی ہیں۔ ایک سنگ سوراخ والی ہے جو تیرک سے قرل کو آتی ہے۔ دوسری دریائے کوتل کے کنارے کنارے تیرک کو چھوڑتی ہوئی قرل کو ہی آجاتی ہے۔ بعض نے کوتل والے راستہ ہی کو اچھا سمجھا۔ جس دن سے ہم دشت میں آئے کئی بار متواتر بارش ہوئی۔ دریائے کوتل خوب چڑھ گیا۔ چنانچہ بڑی مشکل سے گھاٹ کی تلاش کی' اور ہم پار اترے۔ جو لوگ راستہ سے واقف تھے انہوں نے عرض کی کہ کوتل کے راستہ میں اسی ندی سے کئی جگہ اترنا پڑے گا۔ سچ یہ ہے کہ اگر ایسا ہی چڑھاؤ ہے تو بڑی مشکل ہے۔ اس راستہ میں بھی تردد پیدا ہوا۔ ابھی کوئی بات قرار نہیں پائی تھی کہ دوسرے دن کوچ کا نقارہ بجا دیا۔ میرا خیال تھا کہ سرسواری اس بات کو ٹھہرا لیں گے کہ کون سے راستہ سے چلنا چاہئے۔ عیدالفطر کا دن تھا۔ میں غسل کرنے لگا۔ جہانگیر مرزا اور امراء آپس میں گفتگو کرنے لگے بعض کہنے لگے کہ کوہ غزنی جس کو کوہ مہتر سلیمان بھی کہتے ہیں دشت اور دوکی کے درمیان میں واقع ہے۔ اس کی بنی گاہ سے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ دو ایک منزل کی زیادتی ہے مگر راستہ سیدھا ہے۔ سب کی یہی رائے ہوئی۔ بنی گاہ کی طرف ہو لئے۔ میرے نہانے سے فارغ ہونے تک اہل لشکر بنی گاہ کے برابر پہنچ گئے۔ اکثر دریائے کوتل سے پار بھی ہو گئے تھے۔ راستہ سے واقفیت نہ تھی اس کی دوری اور نزدیکی کو بے جانے بوجھے بیوقوفوں کی باتوں میں آکر ہم اس راستہ میں چلے آئے۔ عید کی نماز دریائے کوتل پر پڑھی۔ اس سال نوروز عید کے قریب ہی ہوا۔ صرف ایک دن کا فرق رہا۔

دریائے کوتل کو چھوڑ جنوب کی طرف پہاڑ کے دامن مین چلے۔ کوئی دو کوس چلے ہوں گے کہ تھوڑے سے افغان جن کے سر پر قضا کھیل رہی تھی دامن کوہ میں جو

پشتہ تھا اس پر نمودار ہوئے۔ ہم نے ان کی طرف گھوڑے ڈالے بہت سے تو بھاگ گئے اور کچھ ناوانی سے چھوٹی پہاڑیوں پر جو دامن اور کمرکوہ میں تھیں ڈٹ گئے۔ ایک افغان ایک ٹیکری پر کھڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دوسری طرف نہ میدان تھا نہ جانے کا راستہ تھا' سلطان علی چناق ادھر لپکا۔ اور اس سے گتھ کر اسے پکڑ لیا۔ قتلق قدم ایک افغان سے بھڑا۔ دونوں لپٹ گئے۔ اور لپٹے ہوئے دس بارہ گز پر جا پڑے۔ آخر قتلق قدم نے اس کا سر کاٹ لیا۔ ایک پہاڑی پر کتہ بیگ کی ایک افغان سے مڈھ بھیڑ ہو گئی۔ دونوں لپٹے ہوئے پہاڑ پر سے آدھے پہاڑ تک لڑھکتے ہوئے آئے۔ کتہ بیگ نے بھی اس کا سر کاٹ لیا۔ ان افغانوں میں سے بہت سے گرفتار ہوئے۔ سب کو چھوڑ دیا گیا۔ دشت سے کوچ کیا اور کوہ سلیمان کے دامن کو پکڑ کر جنوب کی طرف چلے۔ تین منزل کے بعد ایک چھوٹے سے قصبہ میں جو دریائے سندھ کے کنارہ کے بیلہ میں ہی اور ملتان سے متعلق ہے پہنچے۔ وہاں والے کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کے پار ہو گئے۔ کچھ تیر کر بھی نکل گئے۔

اس گاؤں کے سامنے ایک ٹاپو تھا۔ جو لوگ بھگدڑ میں پیچھے رہ گئے تھے وہ اس ٹاپو میں نظر آئے۔ اہل لشکر اکثر معہ گھوڑے اور ہتھیار دریا میں کود پڑے۔ کچھ تو تیر کر پار ہو گئے اور کچھ آدمی ڈوب گئے۔ میرے آدمیوں میں سے ایک قل احمدؒ اوراق' ایک مہتر فراش اور جہانگیر مرزا کے آدمیوں میں سے ایک قاتی ماس ترکمان ڈوب گیا۔ اس ٹاپو میں سے کچھ کپڑا اور اسباب فوج کے ہاتھ لگا۔ اس نواح کے سارے رہنے والے کشتیوں میں بیٹھ دریائے سندھ سے اس طرف چل دیئے۔ جو لوگ اس ٹاپو کے سامنے سے نکلے تھے اس بھروسے پر کہ دریا کا پاٹ بڑا ہے تلواریں ہاتھ میں لے کنارہ کھڑے ہو گئے تھے ان میں سے قل بایزید بکاول اکیلا گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر سوار ان کے مقابلہ کے لئے دریا میں کود پڑا۔ ٹاپو کے ادھر کا دریا دو حصے تھا اور ادھر کا ایک حصہ۔ قل بایزید اپنے گھوڑے کو تیرا کر ان کے مقابلہ میں ٹاپو سے ایک تیر کے فاصلہ پر جا پہنچا۔ پانی خناف زین تک ہو گا۔ تھوڑی دیر یہ ٹھہرا۔ غالباً" اس نے اپنا اسباب درست کیا۔ اس کے پیچھے کوئی کمک کو نہ پہنچا اور کمک کے پہنچنے کا اس کو احتمال بھی نہ تھا۔ وہیں سے جھپٹ کر وہ ان لوگوں کے سر پر جا دھمکا۔ دو تین ہی تیر مارے ہوں گے۔ وہ لوگ بھاگ نکلے۔ سچ یہ ہے کہ اکیلے آدمی بے کمک کے دریائے سندھ جیسے دریا

سے تیر کر جو غنیم کو بھگا دیا اور اس کی جگہ پر قبضہ کر لیا تو بڑا مردانہ کام کیا۔ دشمنوں کے بھاگنے کے بعد لشکر والے جا پہنچے۔ ان کا کپڑا' مویشی اور اسباب لوٹ لائے۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی اس کی خدمت اور بہادری کے جلدو میں جو اس سے کئی بار ظاہر ہوئی تھی اس پر عنایت کی گئی تھی اور باورچی گری سے اپنے خاصہ کی بکاولی کے مرتبہ پر میں نے اسے پہنچا دیا تھا۔ مگر اس کارگزاری سے مجھے اس کا پورا خیال ہو گیا اور میں نے اس پر پوری عنایت کی۔ چنانچہ آگے اس کا بیان آئے گا۔ فی الواقع وہ قابل رعایت و پرورش ہی تھا۔

یہاں سے کوچ کیا۔ دریائے سندھ کے کنارے کنارے دریا کے آخر کی طرف روانہ ہوئے لشکر والوں نے متواتر حملوں میں اپنے گھوڑے تھکا دیئے۔ وہاں کا مال بھی کچھ مال نہ تھا۔ نری گائیں تھیں۔ دشت میں تو کہیں سے بکریاں اور کہیں سے کپڑا وغیرہ اہل لشکر کے ہاتھ آیا بھی تھا۔ مگر دشت سے نکل کر سوائے گایوں کے اور کچھ تھا ہی نہیں۔ دریائے سندھ کے کنارہ کے سفر میں یہ حال ہوا کہ تین تین سو چار چار سو گائیں ایک ایک سپاہی کے پاس ہو گئیں۔ مگر جیسی لائے تھے زیادتی کے سبب سے ویسی ہی چھوڑ دینی پڑیں۔ تین منزل تک اسی دریا کے کنارے پر چلنا ہوا۔ تین منزل کے بعد مزار پیر گاؤں کے سامنے دریائے سندھ سے علیحدہ ہوئے۔ مزار پیر گاؤں میں اترے۔ چونکہ بعض سپاہیوں نے وہاں کے مجاوروں کو ستایا تھا اس لئے میں نے ان میں سے ایک کو یہ سزا دی کہ ٹکڑے ٹکڑے کرا دیا۔ ہندوستان میں یہ مزار بہت متبرک ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں ہے جو کوہ سلیمان سے ملا ہوا ہے۔ یہاں سے کوچ کیا اور پہاڑ کے اوپر اترے۔ یہاں سے چل کر ایک گاؤں میں جو ملک دو کے علاقہ میں ہے فروکش ہوئے۔ اس منزل سے چلنے کے وقت شاہ بیگ کا ملازم فاضل کوکلتاش نام جو مقام اسوی کا داروغہ تھا۔ بیس سپاہیوں کے ساتھ قراولی کے لئے آیا تھا۔ اس کو پکڑ لائے۔ اس وقت تک اس سے بگاڑ نہ تھا۔ ہتھیار اور گھوڑوں سمیت اس کو چھوڑ دیا گیا۔ بیچ میں ایک منزل کر کے چوپالی کے قریب جو دوکی کے علاقہ میں ہے آن اترے۔ دریائے سندھ کے اس طرف اگرچہ دریا کے کنار کے پاس بے آرام اور لڑتے بھڑتے رہے مگر گھوڑوں کے لئے دانہ گھاس کی کمی نہ تھی۔ گھوڑے بھوکے نہ رہے۔

دریائے سندھ سے پیر گاؤں کی طرف آئے تو سبز گھاس نہ ملی اور جہاں دو تین

منزلوں میں خوید زار تھا وہاں دانہ مطلق میسر نہ ہوا۔ نہ منزلوں سے گھوڑے تھکنے لگے۔ چوپانی سے چل کر جو منزل کی تو باربرداری کے جانور نہ ہونے سے میرا خیمہ وہیں رہ گیا۔ اسی منزل میں رات کو بارش ایسی ہوئی کہ چھولداریوں میں سان تک پانی چڑھ گیا۔ کمبلوں کو بچھا بچھا کر ان پر بیٹھے ساری رات یونہی تکلیف سے گزر کر صبح ہوئی۔ دو ایک منزل کے بعد جہانگیر مرزا نے میری کان میں کہا کہ مجھے کچھ علیحدہ عرض کرنا ہے۔ میں علیحدہ ہو گیا۔ کہنے لگا کہ باقی چغانی نے آکر مجھ سے کہا ہے کہ بادشاہ کو تو سات آٹھ آدمیوں کے ساتھ دریائے سندھ کے پار چلتا کر دیتے ہیں اور تم کو تخت پر بٹھا دیتے ہیں۔ میں نے کہا اور کون کون اس مشورہ میں شریک تھا؟ اس نے کہا اس وقت تو مجھ سے باقی بیگ ہی نے کہا ہے اوروں کا حال مجھے معلوم نہیں۔ میں نے کہا کہ اوروں کو بھی تحقیق کرو۔ غالباً" سید حسین اکبر' علی سلطان چہرہ اور بعض خسرو شاہی امراء وغیرہ ہوں گے سچ یہ ہے کہ اس وقت جہانگیر مرزا نے بڑی اپناہت برتی' جہانگیر مرزا نے یہ کام ویسا ہی کیا جیسا میں نے کہمرد میں کیا تھا۔ وہ بھی اسی کمبخت مردود کا اغوا اور فساد تھا۔

جب ہم اس منزل سے چلے اور دوسری منزل میں اترے تو لشکر والوں میں سے ان لوگوں کو جن کے گھوڑے کام کے تھے جہانگیر مرزا کے ساتھ کیا۔ اور ان افغانوں پر جو اس نواح میں رہتے تھے حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ اسی منزل سے لشکریوں کے گھوڑے تھکنے لگے۔ بعض دن دو سو تین سو گھوڑے بیکار ہو گئے۔ اچھے اچھے سپاہی پیدل رہ گئے۔ محمد او غلاقچی جو میری اردلی کا ایک اچھا سردار تھا اس کے سارے گھوڑے بیکار ہو گئے۔ وہ پیدل ہی آیا۔ غزنی تک گھوڑوں کا یہی حال رہا۔ تین منزل کے بعد جہانگیر مرزا افغانوں کے ایک گروہ کو لوٹ کر کچھ بکریاں لایا۔ دو ایک منزل کے بعد ایک ٹھہرے ہوئے دریا کے پاس پہنچے عجیب دریا دکھائی دیا۔ دریا کے اس طرف کا جنگل نظر نہ آتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پانی آسمان سے ملا ہوا ہے۔ ادھر کے پہاڑ اور پشتے ایسے دکھائی دیتے تھے جیسے سراب کے پہاڑ اور پشتے معلق نظر آتے ہیں۔

وادی کتہ واد' میدان زرمست اور رود غزنی کا جو پانی مرغزار قراباغ سے ہوتا ہوا آتا ہے اور موسم بہار کی بارش کی سیلوں پانی جو زراعت سے بچ رہتا ہے وہ یہاں آکر جمع ہو جاتا ہے کوئی کوس بھر دریا کی طرف چلے تھے کہ ایک اور عجیب تماشہ دکھائی

دیا۔ یعنی اس دریا اور آسمان کے بیچ میں ہر وقت ایک سرخ سی چیز دکھائی دیتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ قریب پہنچتے تک یہی نظارہ رہا۔ پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ باغلان قازیں ہیں۔ دس بیس ہزار سے زیادہ ہوں گی۔ اڑنے اور پھڑ پھڑانے کے وقت ان کے لال لال پر کبھی دکھائی دیتے اور کبھی چھپ جاتے ہیں۔ نہ صرف یہی جانور بلکہ ہر قسم کے جانور بے شمار اس دریا کے کنارے پر تھے۔ ان کے انڈے ڈھیروں جابجا کنارہ پر پڑے ہوئے تھے۔ کچھ افغان ان جانوروں کے انڈے اٹھانے آئے تھے۔ ہم کو دیکھ کر بھاگے اور دریا میں کود پڑے۔ ہمارے آدمی کوس آدھ کوس ان کے پیچھے دوڑ کر چند افغانوں کو گرفتار کر لائے۔ غرضیکہ جتنا راستہ پانی میں طے کیا اتنے راستہ میں برابر گھوڑوں کے تنگ تک پانی تھا۔ غالباً" ہموار زمین ہونے سے دریا گہرا نہ تھا۔

دشت کتہ داو کی ندی کے کنارہ پر جو ٹھہرے ہوئے دریا میں آکر ملتی ہے ہمارے ڈیرے پڑے یہ ندی خشک ندی ہے۔ اس میں بالکل پانی کا نام نہیں ہوتا۔ میں کئی بار اس طرف سے گزرا ہوں۔ کبھی میں نے اس ندی میں پانی جاری نہیں دیکھا۔

لیکن اس دفعہ موسم بہار کی بارش کا یہاں اتنا پانی تھا کہ گھاٹ اصلا معلوم نہ ہوتا تھا۔ اس ندی کا اگرچہ پاٹ بہت بڑا نہیں ہے مگر یہ عمیق بہت ہے۔ تمام گھوڑوں اور اونٹوں کو تیرا کر پار اتارا۔ اور باقی سارے سامان کو رسیوں سے باندھ کر کھینچا۔ یہاں سے اترے تو کہنہ پانی کے راستہ سے ہوتے ہوئے اور سَروے کے بند سے گزرتے ہوئے غزنی میں ہم آئے۔ جہانگیر مرزا نے دو ایک روز مہمان رکھا۔ کئی بار آش کھلائی۔ بہت کچھ پیش کش کیا۔ اس سال اکثر دریا چڑھاؤ پر تھے۔ چنانچہ وہ یعقوب کے دریا کا کوئی گھاٹ نظر نہ آتا تھا۔ میں نے جو کشتی کول میں تیار کروائی تھی بکرامی کے سامنے دریائے وہ یعقوب میں ڈلوا دی۔ اہل لشکر اسی کشتی میں بیٹھ کر واپس اترے۔ اسی سبب سے سجاوندی کے پہاڑ سے ہوتے ہوئے کرویہ میں آئے اور بکرامی سے کشتی میں بیٹھ کر دریا سے پار ہوئے۔ ذی الحجہ کا مہینہ تھا جو ہم کابل میں آگئے۔

یوسف بیگ ہمارے آنے سے چند روز پہلے درد قولنج میں مبتلا ہو کر مرچکا تھا۔ ناصر مرزا اپنے نوکر چاکر اور اپنی جاگیر کی خبرلینے کے لئے دو تین روز بعد حاضر ہونے کا وعدہ کر کے قوس گنبد سے رخصت ہو گیا تھا۔ جب ہم سے جدا ہوا تو درۂ نور کے لوگوں کے کسی قدر سرکشی کرنے سے اپنی ساری فوج اس نے درہ نور کی طرف بھیج

دی۔ درۂ نور کا قلعہ مضبوط تھا۔ بنی گلہ کوہ میں تھا۔ اور زمین شالی زار تھی۔ جیسا کہ اول ذکر ہو چکا ہے۔ بس جو لشکر مرزا نے بھیجا تھا اس کے سردار مسی فضلی نے لشکر کی احتیاط نہ کی۔ بنی گلہ کے ایک تنگ مقام پر فوج کو منتشر کر کے بھیج دیا۔ درۂ نور والوں نے نکل کر فوراً اس منتشر فوج کو ایسا دبایا کہ پھر وہ نہ ٹھہر سکی اور بھاگ ہی نکلی۔ ان کے بہت لوگوں کو قتل کر کے گھوڑے اور ہتھیار انہوں نے لے لئے۔ جس لشکر کا سردار فضلی ہو اس کا حال ایسا ہی ہونا چاہئے۔ یا تو اس وجہ سے یا یہ کہ ناصر مرزا کے دل میں بدی آگئی۔ ہمارے پیچھے وہ نہ آیا اور رہ گیا۔ ایوب کے بیٹے یوسف اور بہلول جو شرارت' فتنہ پردازی' غرور اور تکبر میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے ان میں یوسف کو النکار اور بہلول کو علیشنگ دے دیا گیا تھا۔ یہ دونوں بھی اپنے علاقوں کا انتظام کر کے ناصر مرزا کے ساتھ آنے والے تھے۔ ناصر مرزا جو نہ آیا تو یہ بھی نہ آئے۔

اس جاڑے میں ایک مرتبہ ترکلانی کے افغانوں پر یورش کے لئے گیا۔ جتنے گروہ اور قبیلے اوپر کی طرف نیکن ہار اور لمغانات سے آئے تھے ان کو ان کے دیہات کی طرف روانہ کیا اور میں خود آب باراں کے کنارہ پر آگیا۔ جس زمانہ میں ناصر مرزا دریائے باران کی نواح میں تھا اس زمانہ میں اس کو معلوم ہوا کہ بدخشانیوں نے ازبکوں کو قتل کر ڈالا اور سب ناصر مرزا کی طرف متفق ہو گئے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ شیبانی خاں نے قندز قنبر علی کو دے دیا اور آپ خوارزم چلا گیا۔ قنبر علی نے محمد مخدومی کے بیٹے محمود کو بدخشانیوں کی استمالت کے لئے بدخشان بھیجا۔ مبارک شاہ نے جو شاہان بدخشاں کی اولاد سے تھا بغاوت کی اور مخدومی کے بیٹے کا مع چند ازبکوں کے سر کاٹ لیا۔ قلعہ ظفر کو جو پہلے ہلے شاق شور مشہور تھا ایک مضبوط قلعہ بنا کر درست کر لیا اور اس کا نام قلعہ ظفر رکھا۔ ایک شخص محمد قورچی خسرو شاہ کے قورچیوں میں سے تھا وہ خلیکان کا حاکم تھا۔ اس نے روستاق صدر میں شیبانی خاں کو تھوڑے سے ازبکوں سمیت قتل کر دیا اور خلیکان کا انتظام کر لیا۔ ایک اور باغی نے جو امرائے شاہان بدخشان میں سے تھا راغ میں بغاوت اختیار کی جہانگیر ترکمان خسرو شاہ کے بھائی ولی کا نوکر تھا۔ وہ اس تباہی میں علیحدہ ہوا۔ اور تھوڑے سے بھاگے ہوئے سپاہیوں وغیرہ کو لے ایک جانب کو بھاگ گیا۔ ناصر مرزا نے یہ خبریں سن کر بدخشاں کی ہوس میں چند بے عقل اور کوتاہ اندیشوں کے اغوا سے ان

قوموں کو جو ادھر سے آئی تھیں اسی جانب مع ان کے گھربار کے چلتا کیا۔ اور خود شیرتو
اور درۂ آب کے راستہ سے اس طرف روانہ ہوا۔ خسرو شاہ اور احمد قاسم جواجز سے
بھاگ کے خراسان کی جانب جاتے تھے اثنائے راہ میں بدیع الزمان مرزا اور ذوالنون بیگ
سے ملے۔ یہ سب ہری میں سلطان حسین مرزا کے پاس پہنچے۔ یہ لوگ مرزا سے مدتوں باغی
رہے ہیں۔ طرح طرح کی بے ادبیاں ان سے ظاہر ہوئی ہیں۔ مرزا کے دل پر ان کی
طرف سے کیسے داغ ہوں گے مگر سب میرے سبب سے اس ذلت و خواری کے ساتھ
جا کر مرزا سے ملے۔ کیا میں نے خسرو شاہ کو اس کے آدمیوں سے جدا کر کے ایسا عاجز
نہیں کیا؟ کیا میں نے ذوالنون کے بیٹے مقیم سے کابل نہیں چھینا؟ چاہئے تھا کہ یہ لوگ
مرزا کو منہ نہ دکھاتے۔ بدیع الزمان مرزا تو ان کی مٹھی میں تھا۔ ان کے خلاف کوئی بات
نہ کر سکتا تھا۔ خیر سلطان حسین مرزا نے ان سب پر احسان کیا۔ ان کی برائیاں ذرا ان
کے منہ پر نہ رکھیں اور ان کو انعام دیئے۔

خسرو شاہ نے تھوڑے دن کے بعد اپنے ملک کی طرف جانے کی رخصت چاہی
اور کہا کہ اگر میں جاؤں گا تو سارا ملک لے لوں گا۔ چونکہ اس کا یہ خیال لغو تھا اس
لئے مرزا ٹالتا رہا۔ اس نے مکرر رخصت چاہی۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو محمد
برندق نے کیا مزے کا جواب دیا ہے۔ اس نے کہا کہ تیس ہزار فوج اور سارے ملک پر
قابض ہونے کے زمانہ میں تونے کیا تیر مارا ہے جو اب چار سو پانچ سو آدمیوں سے اس
ملک کو جس پر ازبکوں کا قبضہ ہے لے سکے گا۔ غرض ہر چند نصیحت کی۔ اور معقول
باتیں کیں لیکن اس کی قضا آئی تھی۔ اس نے ایک نہ سنی۔ جانے ہی پر اڑ گیا۔ آخر
مرزا نے اجازت دے دی۔ تین سو چار سو آدمیوں کے ساتھ سیدھا دہانہ کی سرحد میں
گھسا۔ اس موقع پر ناصر مرزا ادھر سے بدخشاں جاتا تھا۔ خسرو شاہ ناصر مرزا سے دہانہ کی
نواح میں ملا۔ بدخشاں کے سردار نے ناصر مرزا کو تنہا بلایا تھا۔ وہ خسرو شاہ کا آنا نہ
چاہتے تھے۔ ناصر مرزا نے بہت لوٹنیاں لیں۔ مگر خسرو شاہ سمجھ گیا اور کوہستان کی طرف
جانے پر راضی نہ ہوا۔ خسرو شاہ کے دل میں تھا کہ ناصر مرزا کو کسی ترکیب سے مار کر
ملک پر قابض ہو جاؤں۔ آخر حال کھل گیا۔ اشکمش کی نواح میں دونوں سانوٹے ہو کر
آمادہ جنگ ہوئے اور الگ ہو گئے۔ ناصر مرزا تو بدخشاں کی طرف چلا گیا اور خسرو شاہ نے
لنک اور لو کی قوموں میں سے کچھ لوگ جمع کر لئے۔ وہ اچھے برے ہزار آدمیوں کے

ساتھ قندز لینے کے خیال سے دو ایک فرسنگ کے فاصلہ سے خواجہ چار طاق میں آن اترا۔

شیبانی خاں نے اندجان سے سلطان احمد تنبل کو گرفتار کر لیا اور جوں ہی یہ حصار کی طرف چلا۔ ویسے ہی اس ملک کے امراء بے لڑے بھڑے بھاگ نکلے۔ شیبانی خاں حصار میں آیا۔ یہاں شیرم چہرہ کچھ فوج لئے ہوئے موجود تھا۔ گو ان کے امراء بھاگ گئے تھے مگر شیرم وغیرہ نے قلعہ حصار کا انتظام کر لیا۔ شیبانی خاں نے حصار کا محاصرہ حمزہ سلطان اور مہدی سلطان کے ذمہ کیا۔ اور آپ قندز کی طرف آیا۔ قندز کو اپنے بھائی محمود سلطان کے سپرد کر کے خود نے بلا توقف خوارزم کی جانب حسین صوفی پر چڑھائی کی۔ ابھی یہ سمرقند نہ پہنچا تھا کہ اس کا بھائی محمود سلطان قندز میں مر گیا۔ قندز قنبر علی کے سپرد کیا۔ خسرو شاہ کی چڑھائی کے وقت قنبر علی قندز میں تھا۔ قنبر علی نے حمزہ سلطان وغیرہ کے پاس جو حصار کی طرف رہ گئے تھے پے در پے آدمی بھیجے۔ اور ان کو بلایا۔ حمزہ سلطان دریائے آموبیہ کے کنارہ پر آٹھہرا۔ اور اپنا لشکر مع اپنے بیٹوں اور امراء کے قندز بھیج دیا۔ اس فوج کے آتے ہی خسرو شاہ مقابلہ نہ کر سکا اور نہ تنبل حرام زادہ بھاگ سکا۔ حمزہ سلطان کی فوج نے ان کو گھیر لیا۔ خسرو شاہ کے بھانجے احمد قاسم اور شیرم چہرہ وغیرہ کو قندز میں پکڑ لائے۔ خسرو شاہ کا سر کاٹ کر شیبانی خاں کے پاس خوارزم میں بھیج دیا۔ جب خسرو شاہ قندز گیا تھا تو وہاں پہنچتے ہی یہاں اس کے نوکروں چاکروں کے اطوار جیسا اس نے کہا تھا بدل گئے۔ اکثر لوگ خواجہ ریواج وغیرہ کی طرف چلے گئے۔ میرے پاس اسی کے ملازم زیادہ تھے۔ ان میں سے اچھے اچھے مغل سردار نمک حرام ہو گئے۔ کیونکہ ان سب میں ایکا ہو چکا تھا۔ خسرو شاہ کے قتل کی سنتے ہی سب بے دم ہو گئے جیسے آگ پر پانی پڑ گیا۔

۹۱۱ھ کے واقعات

والدہ کا انتقال:۔ محرم کے مہینے میں میری والدہ قتلق نگار خانم بیمار ہو گئیں۔ فصد کھلوائی۔ لیکن اچھی نہ کھلی۔ ایک خراسانی طبیب تھا۔ اس کو سید طبیب کہتے تھے۔ خراسانی طریقہ سے اس نے ہندوانہ دیا۔ قضا ہی آگئی تھی۔ چھ دن کے بعد پیر کے دن

ان کا انتقال ہو گیا۔ دامن کوہ میں الغ بیگ مرزا نے ایک باغ بنایا تھا جس کا نام باغ نوروزی تھا۔ اس کے وارثوں کی اجازت سے اس باغ میں ہفتہ کے دن جنازہ لائے۔ میں نے اور قاسم کوکلتاش نے قبر میں اتار کر دفن کیا۔ چھوٹے خان داوا ا یلچہ خان اور بلی ایسن دولت بیگم کو میں نے یہ خبر کہلا بھیجی چہلم کے قریب نانی شاہ بیگم دونوں خانوں کی ماں۔ خالہ مہر نگار خانم (سلطان احمد مرزا کی بیوی) اور محمد حسین کورگان دوغلت بھی آگئے۔ سوگ تازہ ہو گیا۔ جدائی کی آگ بھڑک اٹھی۔ تعزیت کی رسمیں ادا کرنے کے بعد آش اور کھانا پکوا کر غریب غربا کو کھلایا فاتحہ دلوائی۔ دلوں کو ذرا تسلی دی اور رنج دفع کیا۔

قندھار پر یورش :۔ ان باتوں سے فارغ ہونے کے بعد باقی چغانیانی کے کہنے سننے سے قندھار پر لشکر کشی کی۔ چلتے چلتے اور منزلیں طے کرتے کرتے مرغزار قوس نادر میں ہم اترے تھے کہ مجھے تپ چڑھی۔ بڑی شدت سے بخار ہوا۔ ایسی بیہوشی اور غشی تھی کہ گھڑی گھڑی مجھے چونکاتے تھے اور پھر آنکھ بند ہو جاتی تھی۔ پانچ چھ دن بعد ذرا افاقہ ہوا اسی اثناء میں ایسا زلزلہ آیا کہ قلعہ کی فصیل' شہر کے مکانات اور پہاڑوں کی چوٹیاں اکثر جگہ سے منہدم ہو گئی تھیں۔ لوگ تہ خانوں میں اور کوٹھوں پر مرے کے مرے رہ گئے۔ موضع لمغان کے عام گھر مسمار ہو گئے۔ ستر اسی گھر والے تہ خانوں ہی میں مر گئے۔۔۔ لمغان اور بیگ توت کے درمیان میں ایک قطع زمین کا تھا جس کا عرض ایک کہ باش کے برابر ہو گا۔ وہ اڑا اور اڑ کر ایک تیر کے پرتاب پر جا پڑا۔ استر غنج سے وہ میدان تخمینا" سات فرسنگ ہو گا۔ جہاں سے زمین اڑی تھی وہاں سے پانی کے چشمے نکل آئے۔ زمین اس قطع سے پھٹی تھی کہ کہیں تو بہت اونچی ہو گئی تھی اور کہیں ہاتھی کے برابر نیچی ہو گئی تھی۔ شگافتہ زمین میں بعض جگہ کوئی جا نہ سکتا تھا۔ بھونچال کے وقت سارے پہاڑوں کی چوٹیوں پر غبار اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس وقت نور اللہ طنبورچی میرے پس بیٹھا ہوا ساز بجا رہا تھا۔ ایک اور ساز بھی تھا۔ اسی وقت اس نے دونوں ساز دونوں ہاتھوں میں لے لئے۔ مگر ایسا بے قابو ہو گیا کہ ساز آپس میں ٹکرا گئے۔ جہانگیر مرزا مقام تیبہ میں ایک مکان کی چھت پر تھا۔ (یہ مکان الغ مرزا کے تعمیر کردہ مکانات میں سے تھا) زلزلہ آتے ہی وہ نیچے کود پڑا۔ خدا نے خیر کی۔ کچھ چوٹ پھیٹ نہیں آئی۔ جہانگیر مرزا کے آدمیوں میں سے ایک شخص اسی کوٹھے پر تھا۔ بالا خانہ کی چھت

اس پر گری۔ لیکن خدا نے اس کو بھی بال بال بچا دیا۔ تیبہ کے مکان اکثر گر پڑے۔ اس دن تینتیس دفعہ بھونچال آیا اور مہینہ بھر تک ایک دو مرتبہ روز آتا رہا۔ قلعہ کی فصیل وغیرہ جو ٹوٹ گئی تھی اس کی مرمت کے لئے امراء اور فوج کو حکم دیا گیا۔ مہینہ بیس دن میں ساری شکست و ریخت کی درستی سے لوگ فارغ ہو گئے طبیعت کی بدمزگی اور زلزلہ کے سبب سے قندھار جانے کا ارادہ ملتوی ہو گیا تھا۔ صحت پانے اور قلعہ کے درست ہو جانے کے بعد یہ قصہ پھر مصمم ہو گیا۔

قلات کی فتح :۔ ابھی قندھار کا رخ نہ کیا تھا اور کوہ و صحرا میں فوج نہ بڑھی تھی کہ ایک پشتے کے نیچے اترے اور جہانگیر مرزا وغیرہ کو بلا کر ان سے مشورہ کیا۔ قلات پر یورش کرنے کی ٹھہری۔ جہانگیر مرزا اور باقی چغانیانی نے اس یورش کے باب میں بہت اصرار کیا۔ مقام باری میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ شیر علی چہرہ اور کچک باقی دیوانہ کچھ فوج سمیت بھاگنا چاہتے ہیں۔ فوراً ان کو قید کر لیا گیا۔ شیر علی چہرہ وہ شخص تھا کہ میرے پاس اور اوروں کے پاس اس ملک میں طرح طرح کے فتنے اور فساد اس نے برپا کئے تھے۔ اس کو قتل کر دیا گیا۔ اوروں کے گھوڑے اور ہتھیار لے کر چھوڑ دیا۔ قلات میں پہنچتے ہی باوجود بے سلائی کے حملہ کر دیا۔ خواجہ کلاں کا بڑا بھائی کچک بیگ بڑا بہادر آدمی تھا۔ کئی مرتبہ میرے ساتھ رہ کر خوب لڑا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں لکھا گیا ہے۔ یہ بہادر قلات کی اس برج کے پاس جا پہنچا جو مغرب و جنوب میں ہے۔ قریب تھا کہ اندر گھس جائے۔ اس کی آنکھ میں ایک تیر لگا۔ قلات فتح ہونے کے دو ایک روز بعد اسی زخم سے وہ مر گیا۔ کچک باقی دیوانہ جو شیر علی کے ساتھ گرفتار ہوا تھا اس جرم کے بدلے میں فصیل کے نیچے پہنچتے ہی دروازے میں گھستا ہوا پتھر کے زخم سے مارا گیا۔ دو ایک سپاہی اور کام آئے۔ عشاء کے وقت تک اسی طرح لڑائی ہوتی رہی۔ اس زور سے لڑائی ہوئی اور ہمارے جوانوں نے ایسا حملہ کیا کہ آخر قلعہ والوں نے پناہ مانگی اور قلعہ حوالہ کر دیا۔

ذالنون ارغون نے قلات مقیم کو دے دیا تھا۔ مقیم کے ملازم فرخ ارغون اور قرابولوط چھاؤنی میں تھے۔ اپنی تلواریں اور اپنے ترکش گلے میں ڈال کر حاضر ہوئے۔ ان کے قصور معاف کر دیئے گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ میری رائے میں ان لوگوں کے ساتھ سختی کرنی مناسب نہ تھی۔ کیونکہ ازبک جیسا دشمن پہلو میں تھا۔ ایسے نازک وقت

میں آپس والوں کے ساتھ برا برتاؤ کرنے سے سننے والے اور دیکھنے والے کیا کہتے۔ چونکہ یہ یورش جہانگیر مرزا اور باقی بیگ کے اصرار سے ہوئی تھی اس لئے قلات مرزا کے سپرد کرنا چاہا۔ مرزا نے انکار کیا۔ باقی نے بھی کچھ مذبذب جوابدیا۔ ہماری یہ کشش اور کوشش بے فائدہ ہوئی۔ قلات سے جنوب کی طرف چل کر سوراخ تنگ۔ الا باغ اور اس نواح کے افغانوں کو لوٹ مار کر کابل میں ہم آگئے۔ کابل میں رات کو پہنچے تھے' میں قلعہ میں گیا۔ چار باغ میں طویلہ کے ڈیرے پڑ گئے۔ میرا گھوڑا' جیبہ اور خنجر چار باغ میں سے کوئی چرا لے گیا۔

باقی چغانیانی کا چلے جانا اور مارا جانا:۔ جب سے باقی چغانیانی دریائے آمو کے کنارہ سے میرے ساتھ ہوا تھا اس دن سے وہی میرے ہاں چڑھا بڑھا رہا۔ اس سے اعلیٰ درجہ کا کوئی دوسرا سردار نہ تھا۔ اگرچہ لیاقت اور انسانیت کی ایک بات بھی اس سے ظاہر نہ ہوئی تھی۔ بلکہ بہت سی بے ادبیاں اور برائیاں سرزد ہوئی تھیں۔ مگر جو چاہتا تھا کرتا تھا۔ جو کہتا تھا وہی ہوتا تھا۔ وہ بڑا خسیس' پلید' حاسد' باطن' تنگ چشم اور کج خلق آدمی تھا۔ اس کی خست کا یہ حال تھا کہ جب ترمذ چھوڑ کر مع گھربار میرے ساتھ ہوا ہے تو تیس چالیس ہزار بکریاں اپنی ذات کی اس کے پاس تھیں۔ ہر منزل میں اس کے ریوڑ میرے سامنے سے نکلتے تھے۔ میرے سپاہی اور ملازم بھوکے مرتے تھے اور وہ ایک بکری نہ دیتا تھا۔ البتہ کھمرو جاتے وقت پچاس بکریاں دی تھیں۔ ہرچند کہ مجھ کو پادشاہ جانتا تھا مگر میرے سامنے نقارہ بجاتا تھا۔ وہ کسی سے صاف نہ تھا۔ اور نہ کسی کو دیکھ سکتا تھا۔ کابل کی آمدنی چنگی کا محصول ہے۔ یہ محصول کابل کی داروغتی اور ہزارہ کوشک وغیرہ کی حکومت سب اس کے پاس تھی اور تمام سرکار کا مختار تھا۔ مگر اتنی رعائتوں پر بھی راضی اور خوش نہ تھا اور بالانہمہ اس کے خیالات بہت فاسد تھے۔ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ میں نے کبھی ان کا خیال نہیں کیا اور کوئی بات اس کے منہ پر نہیں رکھی۔ اس پر بھی ناز کرتا تھا اور چلا جانا چاہتا تھا۔ میں اس کے ناز اٹھاتا تھا اور عذر خواہیوں سے روکتا تھا۔ اب ایک دن پھر طلب گار رخصت ہوا۔ اس کا ناز اور اس کی رخصت طلبی حد سے گزر گئی تھی۔ میں بھی اس کے افعال اور اخلاق سے عاجز ہو گیا تھا۔ میں نے رخصت دے دی۔

رخصت طلب کرنے سے بہت پچھتایا' گھبرانے لگا۔ اب کیا ہوتا ہے۔ مجھے کہلا

بھیجا کہ آپ نے وعدہ کیا تھا کہ جب تک تجھ سے خطا سرزد نہ ہو گی۔ ناراض نہ ہوں گا۔ میں نے ملا بابا کے ہاتھ گیارہ گناہ الگ الگ کہلا بھجوائے۔ قائل ہو گیا۔ گھر بار سمیت ہندوستان کی طرف جانے کی رخصت اس کو دے دی۔ اس کے نوکروں میں سے کچھ لوگ خیبر تک پہنچا کر واپس آئے۔ وہ باقی کاکیانی کے قافلہ کے ساتھ نیلاب سے چلا گیا۔ اس زمانہ میں محمد یار حسین (دریا خان کا بیٹا) کچکوٹ میں تھا۔ کھت سے میرا فرمان لے گیا تھا۔ اس کو سند بنا کر وہ زئی کے دیہات سے پٹھانوں کے ایک گروہ کو اور بہت سے جت اور گجرات والوں کو گھیر گھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ لوٹ مار اور قزاقی اس کا پیشہ ہو گیا تھا۔ باقی کی خبر سنتے ہی اس نے راستہ روکا۔ باقی کو مع ہمراہیوں کے پکڑ لیا۔ باقی کو مار ڈالا اور اس کی جورو کو لے لیا۔ میں نے باقی کے ساتھ کوئی برائی نہ کی تھی۔ اسی کی برائی اس کے آگے آئی۔ اور اس نے اپنے کئے کی سزا پائی۔

تو بد کنندۂ خود را بہ روز گار سپار
کہ روزگار ترا چاکر یست کینہ گزار

اس جاڑے میں دو ایک بار برف پڑی۔ برف پڑنے کے زمانہ میں ہم چار باغ میں رہے۔

ہزارہ ترکمانوں پر چڑھائی:۔ میں جو کابل سے چلا گیا تھا تو میرے آتے تک ہزارہ ترکمانوں نے بہت سر اٹھایا تھا۔ اور راہ زنیاں کی تھیں۔ اس کو سزا دینے کے لئے شہر میں آیا۔ الغ بیگ مرزا کی عمارتوں میں سے بستان سرا میں ٹھہرا۔ وہاں سے ماہ شعبان میں ہزار ترکمانوں پر چڑھائی کرنے کے لئے سوار ہوا۔ درۂ خوش کے جنگل میں فوج روانہ کی۔ کچھ لوگوں کو لوٹا مارا۔ درہ خوش کے قریب کھوؤں میں کچھ ہزارہ لوگ چھپے ہوئے تھے۔ شیخ درویش کوکلتاش جو اکثر لڑائی جھگڑوں میں میرے ہمرکاب رہا ہے ان دنوں میں توربیگی کے منصب پر تھا، کمان خوب کھینچتا تھا اور تیر اچھا لگاتا تھا۔ انہی کھوؤں کے منہ پر غافل چلا گیا۔ اندر سے ایک ہزارہ نے اس کی چھاتی میں تیر مارا۔ اسی دن وہ مر گیا۔ اکثر ہزارہ ترکمانوں نے درہ خوش میں قشلاق بنا لیا تھا۔ ہم ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ درۂ خوش اس طرح کا درہ تھا کہ تقریباً آدھ کوس تک سکڑا تھا۔ راستہ کمر کوہ میں سے تھا۔ راستہ سے نیچے کی جانب پچاس ساٹھ گز کی گہرائی تھی اور اوپر کی طرف اسی قدر اونچائی۔ ایک سوار کا راستہ تھا۔ اس تنگ راستہ میں اس دن وہ

نمازوں کے درمیان تک چلتے رہے۔ راستہ میں کوئی نہ ملا۔ ایک جگہ ہم نے منزل کی۔ ایک فربہ اونٹ ہزارہ لوگوں کا ہاتھ آگیا تھا۔ اس کو لائے اور ذبح کیا۔ تھوڑے سے گوشت کے کباب کئے۔ اور تھوڑا سا گوشت پکایا۔ اس مزے کا گوشت کبھی نہ کھایا تھا۔ بعض کو بکری کے گوشت میں اور اس میں کچھ فرق نہ معلوم دیتا تھا۔

دوسرے دن یہاں سے کوچ کیا۔ اس مقام کی طرف جہاں قوم ہزارہ نے قشلاق بنایا تھا روانہ ہوئے۔ کوئی پہر بھر چلے ہوں گے کہ سامنے سے ایک شخص نے آکر کہا کہ ہزارہ لوگوں نے دریا کے ایک گھاٹ پر مضبوط لکڑیاں باندھ کر راستہ بند کر دیا ہے' اور لڑنے کو آمادہ ہیں' یہ سنتے ہی ہم چلے۔ تھوڑی دور چل کر وہاں پہنچے جس جگہ ہزار لوگ موجود تھے۔ اس جاڑے میں برف اتنی اونچی پڑی تھی کہ راستے ڈھک گئے تھے۔ بغیر راستہ کے چلنا مشکل تھا۔ دریائے نکاب کے کناروں پر بالکل یخ جم گئی تھی۔ اس وجہ سے ایسے دریا میں سے بغیر راستہ کے گزرنا محال تھا۔ ہزارہ لوگوں نے گھاٹ پر بہت سی لکڑیاں کاٹ کر ڈال دی تھیں اور خود مقام نکاب میں اور دریا کے کناروں پر سوار اور پیدل لڑائی کے لئے مستعد تھے۔ محمد علی مبشر بیگ میرے ان امیروں میں سے تھا جن کو میں نے بنایا تھا۔ بڑا بہادر اور نہایت عمدہ سپاہی تھا۔ جہاں دشمنوں نے لکڑیاں ڈال رکھی تھیں اس طرف بڑھا۔ دشمنوں نے ان کی گردن میں تیر مارا۔ فوراً ہلاک ہو گیا۔ چونکہ ہم نے حملہ کرنے میں بہت جلدی کی تھی۔ اس لئے اکثر جبہ پہنے ہوئے نہ تھے۔ دو ایک تیر میرے سر پر سے بھی گزرتے ہوئے گرے۔ احمد یوسف بیگ بار بار گھبرا کر چیختا تھا کہ یوں ننگے کیوں گھسے جاتے ہو۔ میں نے دو تین تیر آپ کے سر پر سے جاتے ہوئے دیکھے ہیں۔ میں نے کہا گھبراؤ نہیں۔ ایسے تیر بہت سے میرے سر پر سے گذر گئے ہیں۔ اسی حال میں قاسم بیگ قوچین نے الٹے ہاتھ کی طرف دریا سے پار ہونے کا موقع دیکھا۔ اور وہ پار ہو گیا اس نے تو دریا میں گھوڑا ڈالا اور ہزارہ لوگوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ آخر سب بھاگ نکلے۔ جنھوں نے ان پر حملہ کیا تھا وہ پیچھے ہو لئے۔

قاسم بیگ کو میں نے اسی کام کے صلہ میں بنگش کا علاقہ عطا کیا تھا۔ حاتم قور بیگی نے بھی اس موقع پر کمی نہیں کی۔ اسی سبب سے شیخ درویش کوکلتاش کی جگہ قور بیگی کا عہدہ حاتم کو عنایت کیا۔ کیک قلی بابا کو محمد علی مبشر بیگ کا منصب اسی واسطے دیا کہ اس نے بھی نمایاں کوشش کی۔ سلطان علی چناق بھاگتے ہوؤں کے پیچھے گیا تھا۔

برف کی زیادتی اور بلندی کے سبب راستہ طے نہ کر سکا۔ میں بھی اس فوج کے ساتھ آیا۔ ہزارہ کے قشلاقوں میں آئے۔ ان کی مویشی وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ خود میں نے چار سو پانچ سو بھیڑ بکریاں اور پچیس گھوڑے جمع کئے۔ سلطان علی وغیرہ دو تین آدمی میرے ساتھ تھے۔ اس یورش کا سپہ سالار میں تھا۔ ایسی سپہ سالاری میں نے دو دفعہ کی ہے۔ ایک نواب کے دوسری دفعہ جب کہ انہی ہزار ترکمانوں پر خراسان سے آکر یورش کی ہے۔ غرضیکہ دستہ فوج کو لے گیا اور بہت سی مویشی میں لوٹ لیا۔ ہزارہ کے بال بچے یا سادہ برف دار پشتوں پر جا کھڑے ہوئے۔ ہم نے کاہلی بھی کی اور شام بھی ہو گئی تھی۔ ہم واپس آئے اور ان کے گھروں میں اتر پڑے۔ اس جاڑے میں اتنی بلند برف پڑی تھی کہ یہاں سے باہر جانے میں گھوڑے کو خوگیر تک برف تھی۔ جو فوج گرد اولی کے لئے نکلی تھی۔ برف کی بلندی کے سبب سے رات بھر گھوڑوں پر سوار رہی۔ صبح کو یہاں سے پلٹے اور درہ حوش میں ہزارہ لوگوں کے قشلاقوں میں رات بسر کی۔ وہاں سے جگدلک میں آئے۔

یارک طغائی وغیرہ ہمارے پیچھے آئے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ جن ہزارہ نے شیخ درویش کو مارا ہے ان کو پکڑ لاؤ۔ وہ کمبخت اجل رسیدہ ابھی تک کھوؤں میں تھے۔ ہمارے لوگ گئے اور دھواں کر کے ستر اسی آدمیوں کو پکڑ لائے۔ ان میں سے بہتوں کو قتل کر دیا۔ اس یورش سے فارغ ہو بنگراو سے تحصیل کرنے کے لئے ای تونغدی کی نواح میں دریائے باران کے اس جانب ہم آئے۔ جہانگیر مرزا غزنی سے آکر ای تونغدی میں ملا۔ اسی اثناء میں تیرھویں تاریخ رمضان کی تھی کہ مجھ کو مرض قوبا سے سخت تکلیف ہوتی۔ چالیس دن تک یہ حال رہا کہ ایک کروٹ سے دوسری کروٹ لواتے تھے۔ بارے اللہ نے فضل کر دیا۔ بنگراد کے دروں میں سے درہ لمغان میں جو خصوصاً بڑا مقام ہے۔ اس میں علی حسین آقا اور اس کا بھائی بڑے سرکش تھے۔ جہانگیر مرزا کو لشکر کا سپہ سالار کر کے اس طرف بھیجا۔ قاسم بیگ بھی ساتھ گیا۔ یہ لشکر ان کے سنکر پر گیا اور سنکر کو چھین لیا۔ ان میں سے بہت سوں کو قتل کر ڈالا۔ قوبا کی تکلیف کے سبب سے محافہ جیسی ایک سواری بنا کر اس میں مجھے ڈال دیا اور دریائے باران کے کنارہ سے بستان سرا میں لائے۔ اس جاڑے میں چند روز تک میں بستان سرا میں رہا۔ اس بیماری سے ابھی اچھا نہ ہوا تھا کہ کلہ پر سیدھی طرف والغولی نکل آیا۔ اس کو چیرا

لگوایا اور مسہل بھی لیا۔ تندرست ہو کر میں چار باغ میں آگیا۔ جہانگیر مرزا نے ملازمت حاصل کی۔

جہانگیر مرزا کی بغاوت :۔ ایوب یوسف اور بہلول یوسف جہانگیر مرزا کے پاس جو گئے تو انہوں نے اس کو بغاوت پر آمادہ کرنا چاہا۔ اس کی بار جہانگیر مرزا وہ جہانگیر مرزا نہ تھا۔ چند روز کے بعد یہاں سے چل کھڑا ہوا۔ اور بہت جلد غزنی میں جا پہنچا۔ باقی کے قلعہ کو جا چھینا۔ وہاں والوں کو قتل کیا اور قلعہ کو لوٹ لیا۔ جس قدر فوج تھی اس کو ہمراہ لے ہزارہ کے ملک میں سے ہوتا ہوا بامیان کی طرف روانہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھ سے یا میرے آدمیوں میں سے کوئی کام اور کوئی برائی ایسی نہیں ہوئی تھی جس کے سبب سے ایسی کدورت اور بگاڑ پیدا ہو۔ آخر سننے میں آیا کہ اس جانے کا سبب یہ قرار دیا ہے کہ جب جہانگیر مرزا غزنی سے آیا ہے تو قاسم بیگ وغیرہ استقبال کے لئے گئے تھے۔ مرزا نے اپنا جانور پودنے پر پھینکا۔ جس وقت جانور نے پودنے پر پنجہ مارا اور زمین پر گرایا تو مرزا چاہا کہ وہ پکڑ لیا۔ قاسم بیگ نے کہا کہ جب دشمن کو اس طرح عاجز کر لیا ہے تو کیوں چھوڑنے لگا۔ اب پکڑ لے گا۔ اتنا کہنا غضب ہو گیا۔ ایک تو یہ بات ہوئی۔ دوسرے اس سے بھی لغو اور بیہودہ دو ایک باتوں کو پکڑ لیا۔ پھر غزنی کا برا دہاڑا کیا اور ہزارہ میں سے ہوتا ہوا قوموں میں چلا گیا۔ ان دنوں میں قومیں ناصر مرزا سے علیحدہ ہو گئی تھیں مگر ازبک کے پاس نہ گئی تھیں۔ اشتراب کے نیچے اور اس نواح کے ایلاقوں میں پڑی ہوئی تھیں۔ انہی دنوں میں سلطان حسین مرزا نے شیبانی خاں کے استیصال کا پورا ارادہ کیا۔ اپنے سب بیٹوں کو بلایا۔ مجھے بھی سید سلطان علی خواب بین کے بیٹے سید افضل کو بھیج کر بلایا تھا مجھے خراسان جانا کئی سبب سے لازم تھا۔ ایک تو یہ کہ سلطان حسین مرزا جیسے بادشاہ نے جو امیر تیمور کا جانشین ہے اس وقت کہ شیبانی خاں جیسے دشمن کا قصد کیا ہے۔ اپنے بچوں اور امراء کو ادھر ادھر سے اکٹھا کر کے مجھے بھی بلاتا ہے۔ کوئی پاؤں سے جائے تو میں سر کے بل جاؤں۔ کوئی لکڑی لے کر جائے تو میں پتھر ہی لے کر جاؤں۔ دوسرے یہ کہ جہانگیر مرزا بگڑ کر چلا گیا ہے۔ یا تو اس کو منا لوں یا کچھ تدارک کروں۔

خوارزم میں شیبانی خاں کا حسین صوفی پر حملہ کرنا اور فتح پانا:۔ اسی سال شیبانی خاں نے خوارزم میں حسین صوفی کو جا گھیرا اور دس مہینے کے محاصرہ کے بعد پکڑ لیا۔ اس محاصرہ میں بڑی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ خوارزمیوں نے پرلے سرے کی بہادری کی اور خوب جان لڑائی۔ ایسی تیر اندازی کی کہ بارہا دشمنوں کے سپروں وغیرہ کو چھید چھید دیا۔ دس مہینے تک مقابلہ کرتے رہے۔ کہیں سے ان کو مدد نہ پہنچی۔ کچھ نالائق اور بودوں نے از راہ بزدلی ازبک سے سازش کی اور اس کو قلعہ پر چڑھا لیا۔ حسین صوفی کو جو خبر ہوئی تو خود آموجود ہوا اور فصیل پر چڑھنے والوں کو مار کر اتار دیا وہیں اس کے سینہ میں تیر لگا اور وہ مارا گیا۔ جب لڑنے والا نہ رہا تو قلعہ لے لیا۔ حسین صوفی پر آفرین ہے کہ مردانگی کے ساتھ مشقت کرنے اور جان کھپا دینے میں اس نے کوئی بات باقی نہ رکھی۔ شیبانی خاں نے خوارزم کبک کو دے دیا اور آپ سمرقند آیا۔

سلطان حسین مرزا کا مرنا:۔ ذی الحجہ کے مہینے میں کہ آخر سال تھا سلطان حسین مرزا نے جس وقت کہ وہ شیبانی خاں کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کر کے مقام بابا الٰہی میں آیا۔ اس وقت اس جہان فانی سے عالم بقا کی طرف انتقال کیا۔

سلطان حسین مرزا کا حال:۔ سلطان حسین مرزا ۸۴۲ھ میں مقام ہری میں پیدا ہوا۔ اس وقت شاہرخ مرزا کا عہد سلطنت تھا۔ اس کا نسب یہ ہے۔ سلطان حسین مرزا بن منصور مرزا بن بایستقر مرزا بن عمر شیخ مرزا بن امیر تیمور صاحبقران۔ (عمر شیخ مرزا اور بایستقر مرزا بادشاہ نہیں ہوئے) ان کی ماں فیروزہ بیگم بھی امیر تیمور کی پوتی تھی۔ اس حساب سے سلطان حسین مرزا نشاۃ مرزا کا نواسہ ہوتا تھا۔ مرزا کی ننھیال اور ددھیال دونوں تیموریہ خاندان سے تھیں۔ وہ نجیب الطرفین اور خاندانی بادشاہ تھا۔ یہ دو بھائی اور دو بہنیں سگی تھیں ایک سلطان حسین مرزا۔ دوسرا بایستقر مرزا۔ تیسری آکا بیگم اور چوتھی ایک اور لڑکی (جس کی شادی احمد خاں سے ہوئی تھی) بایستقر مرزا سلطان حسین مرزا سے بڑا تھا۔ اگرچہ اس کا نوکر تھا مگر دربار میں نہ آتا تھا۔ دربار کے علاوہ دونوں ایک مسند پر بیٹھتے تھے۔ سلطان حسین مرزا نے اس کو بلخ کا حاکم کر دیا تھا۔ کئی برس تک وہ بلخ کا حاکم رہا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ سلطان محمد مرزا' سلطان ویس مرزا اور سلطان اسکندر مرزا۔ آکا بیگم مرزا سے بڑی بہن تھی۔ میران شاہ مرزا کے پوتے سلطان احمد مرزا سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔

یکچک مرزا نام۔ ابتدا میں وہ اپنے ماموں کا ملازم ہوا۔ آخر میں نوکری ترک کر دی اور مطالعہ کتاب میں مشغول ہو گیا کہتے ہیں کہ وہ حکیم ہو گیا تھا۔شاعر بھی تھا۔ یہ رباعی اس کی ہے۔ رباعی

عمرے بہ صلاح ی ستودم خودرا
در شیوۂ زہد مے نمودم خودرا
چوں عشق آمد کدام زہد چہ صلاح
المنۃ للہ آزمودم خودرا

اس رباعی میں ملا کی رباعی سے مضمون لڑ گیا ہے۔ آخر میں اس نے حج بھی کیا۔
بیرکہ بیگم جو مرزا کی چھوٹی بہن تھی اس کی شادی احمد خاں بن شیر خاں سے کر دی تھی۔ اس کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔ ہری میں آکر دونوں مدت تک مرزا کی خدمت میں رہے ہیں۔

وضع و حلیہ :۔ مرزا کا حلیہ یہ ہے :۔ چھوٹی آنکھیں' شیر اندام یعنی کمر نہایت پتلی۔ بڑھاپے تک چہرہ کا رنگ سرخ و سپید تھا۔ لال اور سبز رنگ کے پشمینے کا لباس پہنتا تھا۔ ٹوپی سیاہ برے کے پوست کی ہوتی تھی۔ یا قلپاقی' کبھی عید بقر عید کو ہلکی سی دستار سر پیچ کھلی ہوئی باندھ لیتا تھا اور اس میں کلغی لگا کر نماز کو جاتا تھا۔

اطوار و اخلاق :۔ اخلاق وغیرہ یہ تھے۔ ابتدائے سلطنت میں ایسا خیال تھا کہ دوازدہ امام کا خطبہ پڑھا گیا۔ بعض نے اس کو منع کیا۔ آخر اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر سب کاروبار ہو گئے۔ وجع مفصل کے سبب سے نماز نہ پڑھ سکتا تھا۔ روزہ بھی نہ رکھتا تھا۔ باتون اور خوش مزاج آدمی تھا۔ خلق ذرا بڑھا ہوا تھا۔ اس کی باتیں اس کے خلق ہی جیسی تھیں۔ معاملات میں شرع کا لحاظ بہت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اپنے ایک بیٹے کو کسی شخص کے قتل کر دینے سے مقتول کے ورثاء کے سپرد کر کے دارالقضا میں بھیج دیا۔ بادشاہ ہونے کے بعد چھ سات برس تک تائب رہا۔ پھر شراب پینے لگا۔ اس نے تقریباً چالیس برس تک خراسان کی سلطنت کی کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ ظہر کی نماز کے بعد شراب نہ پیتا ہو۔ مگر صبوحی نہ پیتا تھا۔ اس کے سارے بیٹوں' سپاہیوں اور اہل شہر کا یہ حال ہو گیا تھا کہ عیش اور فسق کثرت سے کرتے تھے۔ وہ بڑا بہادر شخص تھا۔ بارہا خود لڑا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اولاد تیموریہ میں سے سلطان حسین مرزا کے برابر

کسی نے شمشیر زنی کی ہو۔ موزوں طبیعت تھا۔ دیوان بھی اس نے مرتب کیا تھا۔ ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا۔ حسینی تخلص تھا۔ اس کے بعض اشعار برے نہیں ہیں البتہ مرزا کا سارا دیوان ایک ہی بحر میں ہے۔ اگرچہ معمر اور بڑا بادشاہ تھا لیکن بچوں کی طرح تو ر جقار پالتا تھا۔ کبوتر بازی کرتا تھا اور مرغ لڑاتا تھا۔

لڑائیاں :۔ وہ کتنی لڑائیاں لڑا تھا۔ ان لڑائی جھگڑوں کے زمانہ میں جو دریائے گرگان کے کنارہ پر واقع ہوئے تھے دریا میں کود پڑا اور پار ہو گیا۔ ایک بار اس نے ازبک کی خوب خبر لی۔ ایک دفعہ سلطان ابو سعید مرزا نے محمد علی بخشی کو تین ہزار سوار کا سپہ سالار کر کے اس پر چڑھائی کرنے کو بھیجا۔ سلطان حسین مرزا نے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ آکر ان کو خوب مارا اور شکست دی۔ اس کا یہ کام بڑا نمایاں کام تھا۔ ایک بار استر آباد میں سلطان محمود مرزا سے مقابلہ کر کے اس کو زیر کیا۔ ایک اور دفعہ استر آباد ہی میں حسین ترکمان سعدلیق کو شکست دی۔ بادشاہ ہونے کے بعد مقام چنار میں یادگار مرزا کو زیر کیا۔ پھر مرغاب کے پل پر سے دفعتہً عبور کیا اور باغ یاغان میں یادگار مرزا کو جب کہ وہ شراب کے نشہ میں غین پڑا ہوا تھا آن پکڑا۔ اور اسی موقعہ پر خراسان چھین لیا۔ آند خود اور شیرخان کی نواح میں چکمان کے مقام پر سلطان محمود خاں سے لڑ کر اس پر غالب آیا۔ جب ابابکر مرزا نے عراق سے آکر اور قرار نیلوق ترکمانوں کو ساتھ لا کر الغ بیگ مرزا کو تکانہ اور خمار میں شکست دے کر کابل کو چھین لیا اور پھر عراق کے خیال سے کابل کو چھوڑ براہ خیبر خوشاب اور ملتان کی راہ سے نکل سوق میں ہوتا ہوا کرمان پر قبضہ کیا اور اس کو وہ نہ رکھ سکا تو وہاں سے خراسان میں آیا۔ خراسان میں سلطان حسین مرزا پر دفعتہً آن پڑا۔ مرزا نے اس کو پکڑ لیا۔ ایک دفعہ پل چراغ میں اپنے بیٹے بدیع الزمان مرزا کو شکست دی۔ ایک مرتبہ قندھار کو جا گھیرا مگر فتح نہ کر سکا۔ الٹا پھر گیا۔

ایک بار حصار پر بھی چڑھائی کی تھی۔ اس کو بھی بے فتح کئے پلٹ گیا۔ ایک دفعہ ذالنون بیگ کے ملک پر چڑھ آیا تھا۔ صرف بست کے داروغہ کو شکست دی۔ اور کچھ نہ کیا۔ بست کو بھی چھوڑ کر چلا گیا۔ سلطان حسین مرزا جیسے جواں مرد بادشاہ نے ان دونوں لڑائیوں میں شاہانہ عزم کو پورا نہیں کیا اور واپس چلا گیا۔ اولاتک نشین میں اپنے بیٹے بدیع الزمان مرزا کو جو ذوالنون بیگ کے بیٹے شہ شجاع بیگ سے بیت مقابل ہوا تھا

شکست دی۔ اس لڑائی میں ایک عجیب اتفاقی امر واقع ہوا۔ سلطان حسین مرزا لشکر سے الگ تھا۔ اس نے بہت سا لشکر استر آباد میں بھیج دیا تھا۔ جس میں لڑائی ہوئی ہے اسی دن یہ لشکر بھی آگیا۔ ادھر مسعود مرزا حصار کو بایسنقر مرزا کے ہاتھ چھنوا کر سلطان حسین مرزا کے پاس آیا تھا۔ اسی دن آپہنچا۔

ممالک مقبوضہ :۔ اس کی حکومت خراسان میں تھی۔ جس کے مشرق میں بلخ۔ مغرب میں بسطام ودامغان۔ شمال میں خوارزم اور جنوب میں قندھار وسیستان ہے جب کہ ہری جیسا شہر ہاتھ آیا تو پھر سوائے عیش و عشرت کے اس کو کوئی کام نہ رہا۔ بلکہ اس کے متعلقوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو عیش و عشرت نہ کرتا ہو۔ چونکہ ملک گیری اور فوج کشی کے دکھ سہنے کا شوق نہ رہا اس لئے اس کے ملک اور فوج میں کمی ہوتی گئی۔ ترقی نہ ہوئی۔

اولاد :۔ اس کے ہاں چودہ بیٹے اور گیارہ بیٹیاں تھیں۔ سب میں بڑا بدیع الزمان مرزا تھا۔ جس کی ماں سنجر مرزا مروی کی بیٹی تھی۔ دوسرا شاہ غریب مرزا تھا۔ یہ مرزا اگرچہ بدصورت تھا مگر طبیعت کا اجلا تھا۔ گو جسم کا وہ حقیر تھا۔ پر اس کی باتیں دلچسپ تھیں۔ اس کا تخلص غربتی تھا۔ صاحب دیوان تھا۔ ترکی' فارسی' دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ اس کا شعر ہے۔

در گذر دیدم پری روئے شدم دیوانہ اش
چیست نام او کجا باشد نہ دانم خانہ اش

سلطان حسین مرزا نے کئی بار اس کو ہری کی حکومت دی تھی وہ باپ کے سامنے ہی مرگیا۔ اس کے ہاں کوئی نسل اولاد نہ ہوئی۔ تیسرا مظفر حسین مرزا تھا سلطان حسین مرزا کا چاہیتا بیٹا۔ یہ اگرچہ خوبصورت تھا لیکن اس کے اخلاق و افعال اچھے نہ تھے۔ اس چاہت ہی کے سبب سے مرزا کے اکثر بیٹے باغی ہوتے رہتے تھے۔ ان دونوں کی ماں خدیجہ بیگم تھی۔ جو سلطان ابو سعید مرزا کی حرم تھی۔ (ابو سعید مرزا سے بھی اس کے ہاں ایک بیٹی آفاق بیگم نام پیدا ہوئی تھی) چوتھا ابو الحسن مرزا تھا۔
پانچواں کبیک مرزا اس کا اصلی نام محمد محسن مرزا تھا۔ یہ دونوں لطیف سلطان آغچہ کے پیٹ سے تھے۔ ابو تراب مرزا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ بہت رشید تھا۔ اپنے باپ کے اشتداد مرض میں ان کے مرنے کی خبر سن کر اپنے چھوٹے بھائی محمد حسین مرزا کے

پاس عراق میں چلا گیا۔ وہاں ترک دنیا کر کے فقیر ہو گیا۔ پھر اس کی کچھ خبر معلوم نہیں ہوئی۔ اس کا ایک بیٹا تھا۔ مہراب مرزا۔ جس زمانہ میں میں نے حمزہ سلطان اور مہدی سلطان وغیرہ کو شکستیں دے کر حصار چھین لیا ہے اس زمانہ میں وہ میرے پاس تھا۔ وہ ایک آنکھ سے کانا تھا۔ اور بہت بدصورت تھا۔ اس کے اخلاق بھی صورت ہی جیسے تھے۔۔ بیہودگیوں کے سبب سے میرے پاس نہ ٹھہر سکا اور چلا گیا ان بیہودگیوں ہی کے طفیل استر آباد کی نواح میں نجم ثانی نے اس کو بڑے عذابوں سے قتل ڈالا۔ ساتواں محمد حسین مرزا تھا۔ اس کو اور شاہ اسمٰعیل صفوی کو عراق میں ایک ہی جگہ قید کیا تھا۔ اس کے بعد وہ کٹر شیعہ ہو گیا تھا۔ باوجود اس کے، اس کے باپ بھائی سب سنی تھے۔ لیکن وہ ایسا کٹر شیعہ ہو گیا۔ اس حالت میں استر آبد میں وہ مر گیا۔ بہادر تو بہت مشہور تھا لیکن کوئی کام اس سے ایسا ظاہر نہیں ہوا جو لکھنے کے قابل ہوتا۔ شاعر بھی تھا۔ یہ شعر اسی کا ہے۔

آسودہ تو کردی ز پے صید کہ گشتی
غرق عرقی در دل گرمی کہ گزشتی

آٹھواں فریدوں حسین مرزا تھا۔ وہ کمان بڑے زور سے کھینچتا تھا۔ تیر اچھا لگاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی کمان چالیس ٹانک کی ہوتی تھی۔ بہادر تھا پر فتح نصیب نہ تھا۔ جہاں لڑا وہیں پٹا۔ رباط دوور میں تیمور سلطان اور عبید سلطان سے یہ اور اس کا چھوٹا بھائی لڑا اور شکست کھائی۔ اس لڑائی میں فریدوں حسین مرزا نے خوب داد مردانگی دی۔ دامغان میں فریدوں حسین مرزا اور محمد زماں مرزا کو شیبانی خاں نے پکڑ لیا تھا۔ مگر دونوں کو چھوڑ دیا۔ س کے بعد جب شاہ محمد دیوانہ نے قلات کو مستحکم کیا تو یہ وہاں چلا گیا اور جب ازبک نے قلات کو چھین لیا تو یہ پکڑا گیا۔ اور قتل کر دیا گیا۔ یہ تینوں منگلی بی آغچہ نام غنچہ جی کے پیٹ سے تھے۔ نواں حیدر مرزا تھا۔ اس کی ماں پاپندہ سلطان بیگم ابو سعید مرزا کی بیٹی تھی۔ یہ مرزا باپ کے سامنے مشہد اور بلخ کا حاکم رہا۔ جب سلطان حسین مرزا نے حصار پر چڑھائی کی ہے تو سلطان محمود مرزا کی بیٹی (جو خانزاد بیگم کے پیٹ سے تھی) اس کے لئے لی اور صلح کر کے حصار کا محاصرہ اٹھا لیا۔ اس کے ہاں ایک بیٹی شاہ بیگم نام ہوئی تھی۔ وہ کابل میں آئی اور اس کی شادی عادل سلطان سے کر دی۔ حیدر مرزا بھی اپنے باپ کے سامنے مر گیا۔

دسواں محمد معصوم مرزا تھا۔ اس کو قندھار دیا تھا۔ اسی سبب سے الغ بیگ مرزا کی بیٹی سے اس کی منگنی کر دی گئی تھی۔ ہری میں آنے کے بعد بڑی دھوم سے شادی ہوئی۔ مکانات وغیرہ کی خوب تیاری کی تھی۔ مرزا مذکور قندھار کا حاکم تو ہو گیا تھا لیکن سیاہ و سفید کا اختیار شاہ بیگ ارغوں کو تھا۔ مرزا برائے نام تھا۔ اس لئے وہ قندھار میں نہ رہ سکا اور خراسان چلا گیا باپ کی زندگی ہی میں مر گیا۔ گیارہواں فرخ حسین مرزا تھا۔ وہ بھی چھوٹا سا ہی مر گیا۔ اپنے چھوٹے بھائی ابراہیم حسین مرزا سے زیادہ نہ جیا۔ بارہواں ابراہیم حسین مرزا تھا جو خورد سال فوت ہو گیا۔ تیرہواں شاہ حسین مرزا اور چودھواں محمد قاسم مرزا تھا۔ ان کے بیان آگے آئیں گے۔ ان پانچوں کی ماں پاپا آغچہ غنچہ جی تھی۔

سب میں بڑی بیٹی سلطان نیم بیگم تھی۔ اپنی ماں کی اکلوتی تھی۔ اس کی ماں کا نام چولی بیگم تھا۔ جس کا باپ امرائے ازاق میں ایک امیر تھا۔ سلطانیم بیگم بڑی باتون تھی۔ مگر اس کی باتوں میں مزہ نہ تھا۔ اس کے بڑے بھائی نے بایسنقر مرزا کے منجھلے بیٹے سلطان ویس مرزا سے اس کی شادی کر دی تھی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ لڑکی کی شادی سلطان شیبانی نے اپنے چھوٹے بھائی بول بارس سلطان سے کر دی۔ اس کے ہاں محمد سلطان مرزا نام کا لڑکا ہوا جو آج کل میری طرف سے قنوج کا حاکم ہے۔ سلطانیم بیگم ان ہی دنوں میں اپنی اس نواسے کو لے کر ہندوستان آتی تھی۔ نیلاب میں اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کی لاش کو تو لوگ لے کر واپس چلے گئے۔ اور اس کا نواسہ میرے پاس آ گیا۔ چار بیٹیاں پائندہ سلطان بیگم کے پیٹ سے تھیں۔ ان میں سے بڑی آق بیگم تھی۔ جس کی شادی بابر مرزا کی چھوٹی بہن بیگہ بیگم کے پوتے محمد قاسم ارلات سے کر دی تھی۔ اس سے ایک بیٹی قراکوز بیگم نام پیدا ہوئی۔ اس سے ناصر مرزا کا نکاح ہوا۔ دوسری بیٹی کیچک بیگم تھی۔ سلطان مسعود مرزا اس پر بہت مائل تھا۔ ہر چند اس نے شادی کرنی چاہی مگر پائندہ سلطان بیگم نے قبول نہ کیا۔ آخر ملا خواجہ سے جو سید عطا کی نسل سے تھا شادی کر دی۔ تیسری بیٹی بیگہ بیگم اور چوتھی آغا بیگم تھی۔ دونوں کی شادی پائندہ سلطان بیگم نے اپنی چھوٹی بہن کے بیٹوں بابر مرزا اور سلطان مرید مرزا سے کی تھی۔ منگلی آغاچہ سے دو بیٹیاں ہوئی تھیں۔ ان میں سے بڑی سید عبداللہ مرزا کو جو اندخود کے سیدوں میں سے تھا اور بایسنقر

مرزا کا نواسا تھا دوہی۔ اس کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ سید برکہ نام۔ جس زمانہ میں سمرقند نے لیا ہے اس زمانہ میں وہ میرے ساتھ تھا۔ پھر اور تگنج جا کر مدعی سلطنت ہوا۔ آخر قزلباشوں نے استر آباد میں اس کو مار ڈالا۔

دوسری بیٹی فاطمہ سلطان بیگم تھی۔ اس کی شادی یادگار مرزا تیموری سے ہوئی۔ پیاپا آغاچہ سے تین بیٹیاں تھیں بڑی سلطان نژاد بیگم۔ اس کی شادی سلطان حسین مرزا نے اپنے بڑے بھائی کے چھوٹے بیٹے سکندر مرزا سے کی تھی۔ دوسری بیٹی بیگم سلطان تھی جو سلطان مسعود مرزا کو اندھا ہونے کے بعد دی تھی۔ اس سے ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہوئی تھی۔ اس بیٹی کو سلطان حسین مرزا کی ایک حرام ایاق بیگم نے پالا تھا۔ ہری سے کابل میں آکر ایاق مرزا سے اس کی شادی ہو گئی۔ سلطان مسعود مرزا کو جب ازبکوں نے قتل کر دیا تو بیگم سلطان بیت اللہ چلی گئی۔ اب سنا ہے کہ وہ اور اس کا بیٹا دونوں مکہ معظمہ میں ہیں۔ تیسری بیٹی سید مرزا نامی کو جو اندخود کے سیدوں میں سے تھا اور اس کا نام سید مرزا ہی مشہور تھا۔ ایک اور بیٹی عائشہ سلطان بیگم زمبینده آغاچہ غنچہ جی کے پیٹ سے تھی۔ (یہ غنچہ جی حسین شیخ تیمور کی پوتی تھی) سلطانان شیبانیہ میں سے قاسم سلطان کے ساتھ عائشہ سلطان بیگم کو بیاہ دیا تھا۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ قاسم حسین نام۔ یہ لڑکا ہندوستان میں آکر میرا نوکر ہوا۔ رانا سانگا کی لڑائی میں میرے ساتھ تھا میں نے اس کو بدایوں عنایت کیا۔ عائشہ سلطان بیگم نے قاسم سلطان کے بعد بوران سلطان سے جو قاسم سلطان کے عزیزوں میں سے تھا نکاح کر لیا۔ اس سے بھی ایک بیٹا عبداللہ سلطان نام پیدا ہوا۔ آج کل یہ لڑکا میرے ہی پاس ہے ہے تو خورد سال مگر خدمت گزار اچھا ہے۔

بیویاں وغیرہ :۔ سلطان حسین مرزا کی بیویاں وغیرہ یہ تھیں:۔ بیاہتا بیوی بیکہ سلطان بیگم سنجر مرزا مروی کی بیٹی تھی۔ بدیع الزمان مرزا اسی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ یہ بیوی بڑی بدمزاج تھی۔ سلطان حسین مرزا کو بہت ستاتی تھی۔ سلطان حسین مرزا نے اس کی بدمزاجی سے تنگ آکر چھوڑ دیا تھا۔ اور نجات پائی تھی۔ کیا کرتا۔ مرزا حق پر تھا

زن بد در سرائے مرد نکو!
ہم دریں عالم است دوزخ او

اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کو ایسی بلا میں گرفتار نہ کرے۔ بدمزاج عورت تو دنیا میں نہ رہے دوسری بیوی امراء ازاق میں سے چولی بیگم تھی۔ سلطانم بیگم اسی سے ہوئی تھی۔ تیسری شہربانو بیگم ابو سعید مرزا کی بیٹی تھی۔ پادشاہ ہونے کے بعد اس سے شادی کی تھی۔ چکیمان کی لڑائی میں جب مرزا کی ساری بیویاں محافوں سے نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئی ہیں تو یہ اپنے چھوٹے بھائی کے بھروسہ پر محافہ سے باہر نہ ہوئی۔ اس کی خبر مرزا کو پہنچی۔ مرزا نے شہربانو بیگم کو چھوڑ دیا اور اس کی بہن پائندہ سلطان بیگم سے نکاح کر لیا ازبک کے خراسان لینے کے بعد پائندہ سلطان بیگم عراق چلی گئی اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔ پانچویں بیوی سلطان ابو سعید مرزا کی غنچہ جی خدیجہ بیگم تھی۔ ہری میں جو یہ آئی تو سلطان حسین مرزا نے اس کو گھر میں ڈال لیا۔ مرزا اس کو بہت چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ غنچہ جی گری سے بیگمی کے مرتبہ پر پہنچ گئی۔ آخر میں مالک ہی بن بیٹھی تھی۔ محمد مومن مرزا کو اسی کے کہنے سے قتل کیا۔ سلطان حسین مرزا کے بیٹے اکثر اسی کے سبب سے باغی ہوئے۔ یہ سمجھتی تھی کہ میں بڑی دور اندیش ہوں مگر بہت بیوقوف اور زبان دراز عورت تھی۔ اس کا مذہب شیعہ تھا۔ غریب مرزا اور مظفر حسین مرزا اسی کے پیٹ سے ہوئے تھے۔ چھٹی اباق بیگم تھی۔ اس سے کوئی بچہ نہیں ہوا۔ پاپا آغاچہ جو بڑی چاہتی تھی۔ اس کی کوکہ تھی۔ چونکہ وہ بے اولاد تھی اس لئے پاپا آغاچہ کے بچوں کو پال لیا تھا۔ مرزا کی بیماریوں میں یہ بہت خدمت کرتی تھی۔ اس کے برابر کوئی بیوی خدمت نہ کرتی تھی۔ جس سال میں ہندوستان میں آیا ہوں اس سال وہ ہری سے آئی۔ حتی الامکان میں نے اس کی بہت تعظیم و تکریم کی۔ جن دنوں میں میں نے چندیری کا محاصرہ کر رکھا تھا ان دنوں میں خبر آئی کہ کابل میں اس کا انتقال ہو گیا۔

غوماؤں میں سے ایک لطیفہ سلطان تھی جو ابو الحسن مرزا اور کبک مرزا کی ماں تھی۔ ایک منگلی بی آغاچہ تھی۔ جو شہربانو بیگم کی ماما تھی اور ایک ازبک کی بیٹی تھی۔ ابو تراب مرزا۔ محمد حسین مرزا اور فریدوں مرزا اسی کے پیٹ سے تھے۔ اس کے ہاں ایک ہی بیٹی ہوئی تھی۔ ایک غومہ بابا آغاچہ تھی۔ اباق بیگم کی کوکہ۔ مرزا نے فریفتہ ہو کر اس کو داخل محل کر لیا۔ یہ پانچ بیٹوں اور چار بیٹیوں کی ماں تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ ایک سلطان آغاچہ تھی۔ اس سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ ان کے علاوہ چھوٹی بڑی غومہ اور غنچہ جی بہت سی تھیں۔ مگر چڑھی بڑھی بیویاں اور حرم میں یہی

تھیں۔ جن کا ذکر ہوا۔ تعجب ہے کہ سلطان حسین مرزا جیسا بڑا بادشاہ اور ہرات جیسا اسلامی شہر ہو اور پھر مرزا کے چودہ بیٹوں میں سے تین بچے والد الزنا ہوں' بات یہ ہے کہ وہ خود بھی بند نہ تھا اور اس کے بچوں اور خاندان میں بھی فسق و فجور کا رواج تھا۔ انھی اعمال کی شامت تھی کہ اتنا بڑا گھرانا سات آٹھ برس میں ایسا مٹ گیا کہ سوائے محمد زماں مرزا کے کوئی نہ رہا۔

اس کے امراء:۔ اس کے امراء میں سے ایک محمد برندق برلاس تھا۔ جاکو برلاس کی اولاد میں سے۔ اس طرح کہ محمد برندق برلاس بیٹا جہاں شاہ کا اور جہاں شاہ بیٹا جاکو برلاس کا۔ پہلے یہ شخص بابر مرزا کے امیروں میں تھا۔ پھر سلطان ابو سعید مرزا نے بھی اس کو عزیز رکھا۔ جہانگیر برلاس کو کابل میں الغ بیگ مرزا کا آتکہ بیگی کر دیا۔ سلطان ابو سعید مرزا کے بعد الغ بیگ مرزا نے برلاسوں کو بگاڑنا چاہا۔ یہ لوگ سمجھ گئے مرزا کو پکڑ لیا اور اپنے گھر بار سمیت قندز کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہندوکش پر جو پہنچے تو اثنائے راہ سے مرزا کو کابل بھیج دیا۔ اور آپ سلطان حسین مرزا کے پاس خراسان چلے گئے۔ مرزا نے ان کی بہت خاطر کی۔ محمد برندق بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ مزاج میں امارت بہت تھی۔ شکاری جانوروں کا بہت شوق تھا۔ اگر اس کا ایک جانور مر جاتا تھا یا گم ہو جاتا تھا تو بیٹوں میں سے کسی کا نام لے کر کہتا تھا کہ اس جانور کے بدلے کاش فلاں بیٹا مر جاتا۔ یا اس کے بدلے اس کی گردن ٹوٹ جاتی تو کچھ پروا نہ تھی۔ دوسرا مظفر حسین مرزا برلاس تھا۔ مرزا کے لڑائی جھگڑوں میں اس کے ساتھ رہا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ مرزا کو اس کی کون سی آن پسند آئی جو اتنا چڑھا بڑھا دیا۔ اس کا اس قدر اعتبار تھا کہ سلطان حسین مرزا نے جھگڑوں کے زمانہ میں اسے اقرار کرا لیا تھا کہ جو ملک فتح ہو چار حصے میرے اور دو حصے تیرے۔ یہ بھی عجیب اقرار تھا! بھلا ایسا کب ہو سکتا ہے کہ ایک ادنیٰ آدمی شریک سلطنت کر لیا جائے بھائی اور بیٹے سے تو یہ شرکت نبھ سکتی نہیں۔ کسی امیر یا سردار کے ساتھ کیونکر نبھے۔ بادشاہ ہونے کے بعد مرزا اس شرط سے بہت پچھتایا مگر کیا فائدہ تھا۔ اس مردک کے بھی ایسے مغز چلے کہ باوجود اتنی رعایتوں کے مرزا سے غرفش کرنے لگا۔ مرزا اس کی باتوں پہ خیال نہ کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ آخر اس کو زہر دیا گیا۔ خدا جانے سچ ہے یا جھوٹ۔

تیسرا علی شیر بیگ نوائی تھا:۔ یہ اس کا امیر ہی نہ تھا بلکہ مصاحب اور ہم مکتب

بھی تھا۔ اس کے ساتھ خصوصیت بہت تھی۔ معلوم نہیں کس گناہ میں ہری سے وہ خارج البدر ہوا اور سمرقند گیا۔ جب تک وہ سمرقند میں رہا۔ احمد حاجی بیگ اس کے ساتھ سلوک کرتا رہا علی شیر بیگ کا مزاج بہت نازک مشہور تھا۔ لوگ اس نزاکت کو غرور دولت پر محمول کرتے تھے۔ مگر یہ بات نہ تھی اصل میں اس کی جبلی عادت تھی۔ سمرقند میں بھی مزاج کا ایسا ہی حال رہا۔ علی شیر بیگ بے نظیر آدمی تھا۔ ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا۔ اور ایسا کہتا تھا کہ دوسرا کیا کہے گا۔ اس نے چھ مثنویاں لکھی ہیں۔ پانچ تو خمسہ کے جواب میں ہیں اور ایک منطق الطیر کے وزن پر لسان الطیر لکھی ہے۔ غزلوں کے چار دیوان مدون کئے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔ غرائب الصغر۔ نوادر الشباب۔ بدیع الوسط۔ فوائد الکبر۔ ان کے علاوہ اور تصنیفیں بھی ہیں۔ جو ان سے گھٹی ہوئی ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کی طرز پر ایک انشا بھی لکھی ہے۔ جو خطوط جن کے نام لکھے تھے وہ جمع کر لئے ہیں۔ ایک کتاب میزان الاوزان نام فن عروض میں لکھی ہے۔ اس میں گھرت بہت کی ہے۔ رباعی کے چوبیس وزن میں سے چار وزن غلط لکھے ہیں۔ بعض بحروں کے وزنوں میں غلطی کی ہے۔ جو شخص اس کو دیکھے گا جان جائے گا۔ ایک دیوان فارسی میں بھی لکھا ہے۔ فارسی میں فانی تخلص ہے۔ اس کے بعض اشعار برے نہیں ہیں۔ مگر اکثر گرے ہوئے ہیں۔ فن موسیقی میں بھی اچھی چیزیں لکھی ہیں۔ عمدہ نقش اور پیش رو بنائے ہیں۔ اہل فضل اور اہل ہنر کا قدر دان و مربی۔ علی شیر بیگ جیسا دوسرا آدمی پیدا ہونا دشوار ہے۔ استاد قل محمدؒ شیخم نائی اور حسین عودی کو (جو سازنوازوں میں استاد وقت ہوئے ہیں) علی شیر بیگ ہی کی بدولت اتنی شہرت اور ترقی نصیب ہوئی ہے۔ استاد بہزاد اور شاہ مظفر فن مصوری میں علی شیر بیگ ہی کی توجہ سے اتنے مشہور و معروف ہوئے ہیں۔ علی شیر بیگ نے جس قدر نیکیاں کی ہیں کسی نے کم کی ہوں گی۔ ہزاروں آدمیوں کے بال بچوں کی خبر گیری کرتا تھا۔ پہلے اس کی مہرداری کا عہدہ تھا۔ پھر میر ہو گیا۔ چند روز استر آباد کا حاکم رہا۔ اس کے بعد نوکری چھوڑ دی اور مرزا سے تنخواہ طلب یعنی موقوف کر دی۔ بلکہ سال بھر میں بہت کچھ اپنی طرف سے مرزا ہی کی خدمت میں پیش کر دیتا تھا۔ سلطان حسین مرزا جس وقت استر آباد سے آیا اس وقت یہ مرزا کے استقبال کے لئے گیا۔ مرزا کو دیکھتے ہی اور تعظیم کے لئے اٹھتے ہی اس پر ایک ایسی حالت طاری ہو گئی کہ اٹھ نہ سکا۔ لوگوں نے پکڑ کر اٹھایا۔ اس وقت

کوئی طبیب ذرا اس کے حال کو نہ سمجھا۔ دوسرے ہی دن اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کا ایک شعر اس کے حسب حال ہے۔

چوتھا امیر حاجی بیگ تھا۔ حاجی سیف الدین بیگ کی اولاد میں سے مرزا کے امیروں میں یہ بڑا امیر تھا۔ سلطان حسین مرزا کے پادشاہ ہونے کے تھوڑے ہی دن بعد مر گیا۔ پانچواں شیخ حسین تیمور تھا۔ اس کو بابر مرزا نے میری کے مرتبہ پر پہنچایا تھا۔ چھٹا تومان بیگ تھا۔ اس کے آبا و اجداد ترمذ کے سید تھے اور اس کی ننھیال سلطان ابو سعید مرزا کی پرورش یافتہ تھی۔ سلطان احمد مرزا پاس بھی وہ اچھی طرح رہا۔ جب سلطان حسین مرزا پاس آیا تو وہاں بھی اعلیٰ رتبہ پایا۔ خوش باش' شرابی اور عیاش آدمی تھا۔ اس کو حسن تومان بھی کہتے تھے۔ اس لئے کہ وہ باپ کی خدمت میں بھی رہا تھا۔ ساتواں جہانگیر برلاس تھا۔ بہت دنوں تک وہ اور محمد برندق کابل میں شریک حکومت رہے۔ آخر وہ سلطان حسین مرزا پاس چلا گیا اور اس کی بہت رعایت ہوئی۔ ظریف لطیف اور خوش معاش آدمی تھا۔ بدیع الزمان مرزا کا مصاحب ہو گیا تھا۔ مرزا کی صحبت کو یاد کر کے اس کی تعریف کیا کرتا تھا۔ آٹھواں مرزا احمد علی فارسی۔ نواں عبدالخالق بیگ ولد فیروز شاہ بیگ تھا۔ یہ فیروز شاہ بیگ شاہرخ مرزا کے امراء میں سے تھا اور چونکہ عبدالخالق بیگ اس کا بیٹا تھا۔ اس لئے عبدالخالق کو فیروز شاہی کہتے تھے۔ کچھ دن تک خوارزم کا بھی یہ حاکم رہا ہے۔

دسواں ابراہیم دولدائی تھا۔ اس کو کام کرنے کا بڑا سلیقہ تھا۔ اور ملک داری کے طریقہ کی خوب معلومات تھی۔ گویا محمد زندق کا ثانی تھا۔ گیارہواں ذوالنون بیگ ارغون تھا۔ بہادر آدمی تھا۔ سلطان ابو سعید مرزا کے پاس یکہ کبھا میں اس نے خوب شمشیر زنی کی تھی۔ اس کے بعد جہاں کام پڑا وہ کامیاب ہوا۔ اس کے بہادر ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مگر کسی قدر بے وقوف تھا۔ ہم مرزاؤں کے پاس سے سلطان حسین مرزا کے پاس چلا گیا۔ اس نے غور کمند اس کو دے دیا۔ ستر آدمیوں کے ساتھ اس نواح میں خوب تلوار ماری۔ کئی بار تھوڑی سی فوج سے ہزاروں نوک زری اور ہزارہ قوم کے لوگوں کو شکستیں دیں۔ سچ یہ ہے کہ ہزارہ اور نوکذری کا ایسا بندوبست کسی نے نہیں کیا۔ چند روز کے بعد زمین داور کو بھی اسی کے تحت میں دے دیا۔ اس کا بیٹا شاہ شجاع ارغون لڑکپن سے اپنے باپ کے ساتھ رہ کر لڑتا بھڑتا رہا۔ سلطان حسین مرزا نے اس

کے باپ کے خلاف مرضی از راہ مہربانی باپ کی شرکت میں قندھار کا اس کو حاکم کر دیا۔ آخر ان دونوں باپ بیٹوں میں جھگڑا مچا۔ جس سال میں خسرو شاہ کو لے کر کابل کی طرف آیا ہوں اور پھر اس کے نوکروں کو اس سے علیحدہ کر کے میں نے کابل کو مقیم (ذوالنون کا چھوٹا بیٹا) سے چھینا ہے۔ اور خسرو شاہ مجھ سے عاجز ہو کر سلطان حسین مرزا کے پاس چلا گیا ہے اور اس کے بعد سلطان حسین مرزا کی سلطنت کو وسعت ہوئی تو کوہ ہری کے دامن کا ملک مثل اوبہ نخجیر ان کے دونوں کو دے دیا۔ بدیع الزمان مرزا کی سرکار میں یہ مختار بھی تھا اور مظفر حسین مرزا کی سرکار میں محمد برندق برلاس مختار تھا۔ اگرچہ ذوالنون بہادر تھا۔ مگر ذرا دیوان اور بغلول آدمی تھا۔ بغلول پن اس کا ظاہر ہے کہ خوشامد میں آکر اس نے اپنا ستیاناس کر دیا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ہری میں اس کو اقتدار حاصل ہوا تو کئی چلتے ہوئے ملاؤں اور شیخوں نے آکر اس کو یہ فقرہ دیا کہ قطب ہم سے ملتا رہا ہے۔ تمہارا لقب اس نے ہزبر اللہ رکھا ہے۔ تم ضرور ازبک کو مارو گے۔ ارغون نے اس خوشامدی فقرہ کو یقین کر لیا۔ گردن میں تھیلی لٹکا کر بہت شکریہ ادا کیا۔ جونہی باد غیش کی نواح میں شیبانی خان مرزاؤں پر چڑھ کر آیا اور ایک کو دوسرے کے ساتھ ملنے کا موقعہ نہ دے کر ہزیمت دی۔ دونہی ذوالنون ارغون ڈیڑھ سو آدمی کو ساتھ لے کر مذکورہ بالا فقرہ کے بھروسے پر قرارباط کے مقام پر شیبانی خاں سے جا بھڑا۔ اس کے پہنچتے ہی بہت سی فوج نے آگھیرا اور پکڑ کر مار ڈالا۔ ذوالنون پاک مذہب آدمی تھا۔ کبھی نماز ترک نہ کرتا تھا۔ بلکہ چاشت اور اشراق وغیرہ بھی پڑھا کرتا تھا۔ شطرنج کا بڑا دھتیا تھا۔ لوگ ایک ہاتھ سے کھیلتے ہیں وہ دونوں ہاتھوں سے کھیلا کرتا تھا اور جو چاہتا تھا وہ چال چل دیتا تھا۔ خسیس اور ممسک بہت تھا۔ بارھواں درویش علی بیگ۔ علی شیر بیگ کا چھوٹا بھائی تھا۔ کچھ دن وہ بلخ کا حاکم رہا۔ اس نے بلخ میں اچھی حکومت کی۔ کوڑ دماغ، مغز چلا اور بے ہنر آدمی تھا۔ سلطان حسین مرزا جب اول قندز اور حصار میں آئے تو انہوں نے اس کی کوڑ مغزی کی وجہ سے اس کو گرفتار کر کے بلخ کی حکومت سے معزول کر دیا تھا۔ ۹۱۸ھ میں جب میں قندز میں آیا تو یہ میرے پاس آگیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک مبہوت شخص ہے۔ نہ اس میں امارت کی قابلیت ہے۔ نہ وہ پاس بٹھانے کے لائق ہے۔ عجب نہیں کہ علی شیر بیگ کی خاطر سے اس نے اتنا رتبہ پایا ہو۔

تیرھواں مغل بیگ تھا۔ اکثر وہ ہری کا حاکم رہا ہے۔ پھر اس کو استر آباد دے دیا۔ وہ استر آباد سے بھاگ کر یعقوب بیگ کے پاس چلا گیا۔ ہلچہ آدمی تھا۔ اور پر لے سرے کا جواری۔ چودھواں سید بدر تھا۔ بڑا تر پھر تھا۔ اس کی حرکتیں اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ نئی نئی طرح سے مٹکتا تھا۔ عجب نہیں کہ ایسا مٹکنا اسی کا ایجاد ہو۔ ہمیشہ مرزا کی خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس کا ہم صحبت بھی تھا اور ہم پیالہ و ہم نوالہ بھی تھا۔ پندرھواں سلطان جنید برلاس تھا۔ اپنی آخری عمر میں یہ سلطان احمد مرزا کے پاس چلا آیا تھا۔ اس سلطان جنید برلاس کا باپ تھا جو آج کل جون پور کی حکومت میں شریک ہے۔ سولھواں شیخ ابو سعید خان درمیان تھا۔ معلوم نہیں کہ کسی لڑائی میں مرزا کے اور دشمن کے بیچ میں گھوڑا ڈال دیا تھا۔ یا جس دشمن نے مرزا پر حملہ کیا تھا بیچ میں آ کر اس کو دفع کر دیا تھا۔ بہرحال کسی سبب سے اس کا لقب درمیان ہو گیا۔ سترھواں بہبود بیگ تھا۔ اول تو وہ چہروں کے گروہ میں تھا۔ جب لڑائی جھگڑوں میں مرزا کے ساتھ رہا تو مرزا نے اس کی خدمتوں کے لحاظ سے یہ عنایت کی تھی کہ لمغانات کی حکومت اس کو دے دی۔ اور اس میں اسی کے نام کا سکہ جاری کر دیا۔

اٹھارھواں شیخم بیگ تھا:۔ چونکہ اس نے اپنا تخلص سہیلی رکھا تھا اس لئے شیخ سہیلی مشہور ہو گیا۔ اس قسم کا شعر کہتا تھا جس میں ڈراؤنے الفاظ اور معانی ہوں۔ اس کے اشعار میں سے ایک شعر ہے۔

شب غم گرد باد آہم زجاے برد گردوں را
فرو برد ازدہائے سیل اشکم ربع مسکوں را

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس شعر کو مولانا عبدالرحمٰن جامی کے سامنے پڑھا۔ مولانا نے ہنس کر فرمایا کہ صاحب آپ شعر کہتے ہیں یا آدمی کو ڈراتے ہیں۔ اس نے اپنا دیوان بھی مرتب کیا تھا اور مثنویاں بھی لکھی ہیں۔

انیسواں محمد ولی بیگ تھا۔ یہ اسی کا بیٹا تھا جس کا ذکر اوپر ہوا۔ ولی بیگ آخر میں مرزا کے ہاں میر کلانی کے رتبہ پر پہنچ گیا تھا۔ اگرچہ اس مرتبہ پر پہنچا مگر اپنی خدمت نہ چھوڑی۔ رات دن دروازہ پر حاضر رہا۔ یہاں تک کہ آش وغیرہ دروازہ ہی پر کھاتا تھا۔ ایسے حاضر باش کے لئے اس قدر رعایتیں بھی کرنی لازم ہیں۔ اس زمانہ میں یہ غضب ہے کہ جس پر میری کا نام آ گیا اور اس نے اپنے اردگرد پانچ چھ گنجے' اندھے لیٹے

ہوئے دیکھے اور بڑے ٹھسے سے شاہی در دولت پر حاضر ہونا شروع کیا۔ وہ ملازمت کا ڈھنگ کہاں۔ مگر یہ ان کی بد نصیبی ہے۔ محمد علی بیگ کے ہاں کی آش بہت عمدہ ہوتی تھی۔ اپنے نوکروں کو وہ ہمیشہ اچھی طرح رکھتا تھا۔ فقراء اور مساکین کو اپنے ہاتھ سے بہت کچھ دیا کرتا تھا۔ فحش گالیاں بہت بکتا تھا۔ ۹۱۷ھ ۱۰ میں جب میں نے سمرقند فتح کیا ہے تو محمد ولی بیگ اور درویش علی کتاب دار دونوں میرے پاس تھے۔ ان دنوں میں محمد ولی کو فالج مار گیا تھا۔ نہ اس کی بات سمجھ میں آتی تھی اور نہ اس میں کچھ دم رہا تھا۔ اس میں رعایت کے قابل کوئی بات نہ تھی۔ عجب نہیں کہ اس کی خدمت گزاری نے اس مرتبہ پر پہنچا دیا ہو۔

بیسواں بابا علی ایشک آقا تھا۔ پہلے تو علی شیر بیگ کے پاس رہا۔ پھر اس کی جوانمردی کے سبب سے مرزا نے اس کو لے لیا۔ اور ایشک آقا کی خدمت دے کر میری کے رتبہ پر پہنچا دیا۔ یونس علی جو آج کل میرے پاس ہے اور میرا بہت مقرب ہے اور جس کا ذکر اکثر آئے گا اسی کا بیٹا ہے۔ اکیسواں بدرالدین تھا۔ پہلے وہ سلطان ابوسعید مرزا کے صدر میرک عبدالرحیم کے پاس تھا۔ بڑا چست و چالاک تھا۔ کہتے ہیں کہ سات گھوڑوں کو پھلانگ گیا تھا۔ یہ اور بابا علی مرزا کے مصاحب تھے۔

بائیسواں حسن علی جلائر:۔ اس کا اصلی نام تو حسین علی تھا لیکن مشہور حسن علی ہو گیا۔ اس کے باپ علی جلائر کو بابر مرزا نے مہربانی فرما کر میر کر دیا تھا۔ جب یادگار مرزا نے ہری کو لیا تو علی جلائر سے بڑھا ہوا کوئی نہ تھا۔ حسن علی سلطان حسین مرزا کے ہاں قوس بیگی کے عہدہ پر ہو گیا۔ وہ شاعر تھا اور طفیلی تخلص کرتا تھا۔ قصیدہ اچھا کہتا تھا۔ اپنے زمانہ میں قصیدہ گوئی میں فرد تھا۔ جب ۱۹۲۰ ۹۱۷ھ میں میں نے سمرقند فتح کیا تو میرے پاس آیا۔ پانچ چھ برس میرے پاس رہا۔ میرے قصیدے بھی اچھے اچھے لکھے۔ کھانے اڑانے والا آدمی تھا۔ غلام ضرور پاس رکھتا تھا۔ چوسر کھیلنے کی بہت لت تھی۔ اور جواری بھی تھا۔ تیئسواں خواجہ عبداللہ مروارید تھا۔ پہلے صدر رہا۔ پھر پیش خدمت۔ پھر مقرب اور میر ہو گیا۔ اس میں فضیلتیں بہت تھیں۔ قانون بجانے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ قانون میں جوڑ بجانا اسی کا ایجاد ہے۔ کئی خط اچھے لکھتا تھا۔ مگر خط نستعلیق۔ سب میں عمدہ لکھتا تھا۔ منشی بھی اچھا تھا۔ اس کے اشعار اس کے اور فنون کی نسبت گھٹے ہوئے تھے۔ شعر خوب سمجھتا تھا۔ بدکار اور رند تھا۔ بدکاری کی شامت سے

مرض آبلہ میں مبتلا ہوا۔ ہاتھ پاؤں رہ گئے۔ کئی برس بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائیں۔ آخر اسی مرض میں مر گیا۔ چوبیسواں سید محمد اور روس تھا اور روس ارغون جو سلطان ابوسعید مرزا کے زمانہ میں جو اچھے اور کام کے لوگ تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا۔ اس کی کمان طاقت ور، لمبی اور مضبوط تھی۔ اس کمان سے وہ نہایت عمدہ نشانہ لگاتا تھا۔ بہت دن تک وہ اندخوو کا حاکم رہا۔ پچیسواں میر علی میر خرد تھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے سلطان حسین مرزا کے پاس آدمی بھیج کر یادگار مرزا پر عین غفلت میں چڑھائی کرنے کے لئے ان کو بلایا۔

چھبیسواں سید حسین اوغلاقچی :۔ (سید یوسف بیگ کے بڑے بھائی سید اوغلاقچی کا بیٹا) تھا۔ اس کا عرف مرزا فرخ تھا۔ قابل اور حیثیت وار آدمی تھا۔ ۹۱۷ھ میں جو میں نے سمرقند لیا ہے تو یہ میرے پاس آیا۔ اگرچہ شعر کم کہتا تھا مگر ایک ڈھنگ کا کہتا تھا۔ اصطرلاب اور نجوم خوب جانتا تھا۔ علم مجلس بھی اس کو اچھا تھا۔ شراب کے نشہ میں کسی قدر بگڑ جاتا تھا۔ غجدوان کی لڑائی میں مارا گیا۔ ستائیسواں تنگیری بیروی سانچی تھا۔ ترک بہادر اور تلوریا جوان تھا۔ بلخ کے دروازہ میں نظر بہادر نام خسرو شاہ کے بڑے سردار سے دوبدو لڑا اور اس کو گرفتار کر لیا۔ چنانچہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان کے علاوہ اور امرائے ترکمان تھے۔ جو مرزا پاس آکر بہت چڑھ بڑھ گئے تھے۔ پہلے کے آئے ہوؤں میں سے علی خان بایندر تھا۔ اصل بیگ تہمتن بیگ اور ان کے بھائی بھی تھے۔ تہمتن بیگ کی بیٹی سے بدیع الزمان مرزا کی شادی ہوئی۔ محمد زمان مرزا اسی کے پیٹ سے ہوا۔ ایک ابراہیم چغتائی تھا۔ ایک امیر عمر بیگ تھا۔ جو آخر میں بدیع الزمان مرزا پاس رہا۔ یہ شخص ترک اور اچھا بہادر تھا۔ اس کا ایک بیٹا ابوالفتح نام عراق سے میرے پاس آ گیا۔ آج کل میرے ہی پاس ہے۔ بڑا مست۔ بودا اور نالائق شخص ہے۔ اللہ کی شان ہے۔ اس باپ کا یہ بیٹا۔ آخر میں (جب کہ شاہ اسماعیل صفوی نے عراق اور آذربائیجان کو لے لیا ہے) جو لوگ آئے تھے ان میں ایک عبدالباقی مرزا تھا۔ یہ مرزا نسل تیمور میں سے میران شاہی ہے۔ جس شخص نے اس نسل میں سے اول غیر ملک میں جا کر اور سلطنت کا خیال اول سے نکال کر بادشاہوں کی نوکری اختیار کر کے اقتدار حاصل کیا۔ وہ اس عبدالباقی مرزا کا چچا تیمور عثمان تھا۔ یہ تیمور عثمان یعقوب بیگ کی سرکار میں بڑا سردار اور امیر ہو گیا تھا۔ ایک بار ان کو بہت سے لشکر کے ہمراہ خراسان

پر چڑھائی کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جونہی عبدالباقی مرزا خراسان پہنچا۔ سلطان حسین مرزا نے اس کی بہت خاطر کی۔ اپنی بیٹی سلطانیم بیگم (جو محمد حسین مرزا کی ہم بطن بہن تھی) کی شادی اس سے کر دی۔ پچھلے آنے والوں میں سے ایک مراد بیگ یا بندرو تھا۔

ایک میر سر برہنہ تھا:۔ نواح اندجان کا رہنے والا۔ سندی سید تھا۔ نہایت خوش طبع۔ خوش صحبت اور شیریں کلام آدمی تھا۔ خراسان کے قصہ گویوں اور شعراء میں مستند تھا۔ اس نے امیر حمزہ کے قصہ کے مقابلہ میں ایک لمبا چوڑا جھوٹا افسانہ لکھنے میں اپنی عمر ضائع کی۔ یہ بات تو بالکل عقل اور طبیعت کے برخلاف کی ہے۔ ایک کمال الدین حسین کار کائی تھا۔ یہ شخص صوفی تو نہ تھا۔ ہاں متصوف تھا۔ علی شیر بیگ کے پاس ایسے ایسے بنے ہوئے صوفی بہت جمع ہو گئے تھے اور خوب وجد و سماع کیا کرتے تھے۔ اوروں سے اس کی ترکیب اچھی تھی۔ غالباً" اسی سبب سے اس کی رعایت ہوتی ہو۔ اس نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام مجالس العشاق ہے۔ اس کتاب کو سلطان حسین مرزا کے نام سے لکھا ہے۔ بڑی لغو۔ جھوٹ اور بے مزہ کتاب ہے۔ اس میں بہت ایسی بے ادبی کی باتیں لکھی ہیں جن میں سے کفر کی بو آتی ہے۔ چنانچہ بہت سے انبیاء اور اولیاء سے عشق مجازی منسوب کیا ہے۔ ہر ایک کے واسطے ایک معشوق کھڑا ہے۔ عجیب خبط کی بات ہے کہ دیباچہ میں حسین مرزا نے اس کو اپنی تصنیف میں سے لکھا ہے۔ اسی کمال الدین حسین نے ازراہ خوشامد ذوالنون ارغون کا لقب ہزبر اللہ رکھا تھا۔

ایک امیر مجد الدین محمد تھا:۔ خواجہ شیر احمد خانی کا بیٹا۔ جو مرزا کا دیوان یک قلمہ تھا۔ ابتداء میں سلطان حسین مرزا کے ہاں مالی انتظام ذرا نہ تھا۔ خرچ بہت تھا۔ اور روپیہ بے جا صرف ہوتا تھا۔ نہ رعیت خوش تھی نہ فوج۔ اس وقت مجدالدین محمد پروانچی تھا۔ اس کو میرک کہا کرتے تھے۔ مرزا کو کچھ روپے کی ضرورت ہوئی۔ دیوانی والوں نے یہ کہہ کر کہ نہ آمدنی ہے نہ جمع ہے صاف جواب دے دیا۔ اس وقت مجدالدین محمد حاضر تھا۔ ہنس دیا۔ مرزا نے ہنسنے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا۔ تنہائی میں عرض کرنا چاہتا تھا۔ اسی وقت تخلیہ ہو گیا۔ اس نے عرض کی کہ حضور میرے سر پر ہاتھ رکھیں اور میری گزارش قبول کرتے رہیں تو چند روز میں ایسا انتظام کر دوں کہ رعیت آباد۔ سپاہ خوش اور خزانہ پر ہو جائے۔ مرزا نے اس کے حسب دل خواہ اقرار کر لیا۔

اس کو مدارالمہام کر کے تمام ملک خراسان اور سارے کام اس کے سپرد کر دیئے۔ اس نے حتی الامکان ایسا انتظام کیا کہ تھوڑے ہی دن میں رعیت اور فوج راضی ہو گئی۔ خزانہ کھچا کھچ بھر گیا اور ملک آباد ہو گیا۔ لیکن یہ غضب کیا کہ علیشیر بیگ وغیرہ امراء اور اہل منصب سے اچھے سلوک نہ کیے۔ اسی سے سب لوگ برخلاف ہو کر بادشاہ کو بہکانے لگے اور آخر مجدالدین محمد کو معزول کروادیا اور اس کی جگہ نظام الملک دیوان ہوا۔ چند روز بعد نظام الملک کو بھی پکڑوا کر مروا دیا۔ اور خواجہ افضل کو عراق سے لا کر دیوان کر دیا۔ میں جس زمانہ میں کابل آیا ہوں اس زمانہ میں خواجہ افضل کو امیر کر دیا تھا۔ دیوانی کے کاغذوں پر اسی کی مہر ہوتی تھی۔ ایک خواجہ عطا تھا۔ اگرچہ خواجہ افضل وغیرہ کی طرح صاحب منصب اور دیوان نہ تھا مگر ملکی مہمات بغیر اس کے مشورہ کے فیصلہ نہ ہوتے تھے۔ متقی' نمازی اور متدین شخص تھا۔ شاغل بھی تھا۔ سلطان حسین مرزا کے یہ امراء وغیرہ تھے جن کا ہم نے ذکر کیا۔ سلطان حسین مرزا کا زمانہ بڑا عمدہ زمانہ تھا۔ عموماً" خراسان اور خصوصاً" شہر ہری بے مثل و نظیر اہل فضل و ہنر سے بھرا ہوا تھا۔ جو شخص جس کام کو کرتا تھا اس کا قصد تھا کہ اس کام کا کمال حاصل کیجئے۔

علماء مولانا جامی :۔ اہل فضل میں سے ایک مولانا عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمہ تھے۔ اپنے زمانہ میں علوم ظاہر و باطن میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ ان کے اشعار مشہور ہیں۔ جناب ملا ایسے بلند رتبہ باکمال ہیں کہ ہماری تعریف کے محتاج نہیں۔ اتنا لکھنے سے مدعا یہ ہے کہ اس ناچیز رسالہ میں تبرکا" اور تیمنا" ان کا نام لکھا جائے اور تھوڑا سا ذکر مبارک کر دیا جائے۔ ایک شیخ الاسلام سیف الدین احمد تھے۔ ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے۔ ترکستان سے آکر خراسان کے شیخ الاسلام ہوئے۔ نہایت سمجھدار تھے۔ معقول و منقول کو خوب جانتے تھے۔ بڑے پرہیز گار اور متدین شخص تھے۔ تھے تو شافعی مگر سب مذہبوں کی رعایت کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ قریب ستر برس کے انہوں نے جماعت کی ایک نماز ایک دن ناغہ نہیں کی۔ شاہ اسماعیل صفوی نے جب ہری کو لیا ہے تو ایک قزلباش کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔ ان کی اولاد میں سے کوئی نہیں رہا۔ ایک ملا شیخ حسن تھے۔ اگرچہ ان کی پیدائش اور ترقی کا زمانہ سلطان ابوسعید مرزا کا عہد تھا۔ مگر چونکہ سلطان حسین مرزا کے وقت میں بھی تھے۔ اس لئے ان کا ذکر کیا گیا۔ حکمت معقول اور علم کلام کے بڑے ماہر تھے۔ تھوڑے لفظوں میں بڑے بڑے مضامین

کا بیان کرنا ان کے اختراعات میں سے ہے۔ سلطان ابوسعید مرزا کے زمانہ میں بہت مقرب اور ذی اختیار تھے۔ تمام مہمات ملکی میں دخیل تھے۔ ان سے بہتر کسی نے احتساب نہیں کیا۔ اسی سبب سے سلطان ابوسعید مرزا کے مقرب ہو گئے تھے۔ سلطان حسین مرزا کے زمانہ میں ایسے بے مثل شخص کی بے حد توہین ہوئی ہے۔

ملازادہ عثمان :۔ موضع چرخ کے رہنے والے۔ چرخ تومان لہوگر میں ہے۔ جو کابل کے تومانات میں سے ہے۔ چونکہ الغ مرزا کے زمانہ میں چودہ برس کی عمر میں طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے۔ اس لئے لوگ ان کو ملائے مادر زاد کہنے لگے۔ جب سمرقند سے مکہ معظمہ گئے اور وہاں سے پلٹ کر ہری میں پہنچے تو سلطان حسین مرزا نے روک لیا۔ عقلمند شخص تھے۔ اس زمانہ میں ان کا ثانی دوسرا نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ اجتہاد کے مرتبہ پر پہنچ گئے تھے۔ مگر اجتہاد نہ کرتے تھے۔ ان کا قول تھا۔ "جو شخص کوئی بات سن لیتا ہے اس کو کیونکر بھول جاتا ہے؟" ان کا حافظہ بڑا قوی تھا۔ ایک میر مرتاض تھے۔ حکمت اور معقول خوب جانتے تھے۔ روزے بہت رکھا کرتے تھے۔ اس سبب سے میر مرتاض لقب ہو گیا۔ شطرنج کے ایسے دھنی تھے کہ اگر دو کھلاڑی آ جاتے تو ایک سے کھیلنے لگتے اور دوسرے کا دامن پکڑ کر بٹھا لیتے۔ اس لئے کہ کہیں چلا نہ جائے۔ ایک ملا مسعود شروانی تھے۔

ملا عبدالغفور لاری :۔ ملا عبدالرحمٰن جامی کے شاگرد بھی تھے اور مرید بھی۔ ملا کی اکثر مصنفات کو ان سے پڑھا ہے۔ نفحات کی شرح بھی لکھی ہے۔ علم ظاہری و باطنی دونوں سے بہرہ مند تھے۔ بڑے کھلے ڈلے اور بے تکلف آدمی تھے۔ جس کو ملا کہہ دو اس کے آگے کتاب کھول کر ہو بیٹھنے کو عار سمجھتے تھے۔ جہاں کوئی فقیر سنا۔ جب تک اس سے مل نہ لیں چین نہ آتا تھا۔ جب میں خراسان گیا تھا تو وہ علیل تھے۔ ملا عبدالرحمٰن جامی کے مزار کی زیارت کو ہم جو گئے تو ملا عبدالغفور کی عیادت کو بھی گئے۔ وہ ملا کے مدرسہ میں تھے۔ چند روز بعد اسی مرض میں انتقال کر گئے۔ ایک میر جمال الدین محدث تھے۔ خراسان میں علم حدیث کا جاننے والا ان جیسا کوئی نہ تھا۔ ان کی عمر بہت ہوئی۔ اب تک زندہ تھے۔

میر عطاء اللہ مشہدی :۔ عربی کے ادیب کامل تھے۔ علم قافیہ میں ایک فارسی رسالہ

لکھا ہے اور اچھا لکھا ہے۔ اس میں اتنا ہی عیب ہے کہ مثالوں میں اپنے اشعار لائے ہیں اور ہر بیت سے پہلے یہ فقرہ۔ "چنانچہ دریں بیت بندہ گفتہ۔" بالالتزام لکھا ہے۔ ایک رسالہ صنایع شعر میں موسوم بہ صنایع بدایع نہایت عمدہ رسالہ لکھا ہے۔ ان کا مذہب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا تھا۔ ایک قاضی اختیار تھے۔ مقدمہ اچھا فیصل کرتے تھے۔ فقہ میں انہوں نے ایک فارسی رسالہ بھی لکھا ہے۔ اچھا رسالہ ہے۔ ایک رسالہ میں قرآن شریف کی آیتیں اس طرح جمع کی ہیں کہ ان سے ہر قسم کا مضمون اقتباس کر لیا جائے۔ جب میں مقام مرغاب میں مرزاؤں سے ملا ہوں تو قاضی اختیار اور محمد یوسف ہمراہ تھے۔ خط بابری کا ذکر نکلا۔ انہوں نے مفردات کو پڑھا اور قاعدہ کے ساتھ بہت کچھ لکھا۔ ایک میر محمد یوسف تھا۔ شیخ الاسلام کا شاگرد۔ آخر میں شیخ الاسلام نے اس کو اپنی جگہ مقرر کر دیا۔ کسی مجلس میں قاضی اختیار" صدر نشین ہوتا تھا کہ سوائے ان دو کاموں کے علم کا ایک لفظ بھی اس کو یاد نہیں رہا۔ نہ اس کی باتوں سے اس کا اثر پایا جاتا ہے۔ اور مزہ یہ کہ دونوں میں کچھ حاصل نہ ہوا۔ آخر اسی خیال میں گھربار کھو بیٹھا۔

شعراء:۔ شعرائے باکمال میں مولانا عبدالرحمٰن جامی۔ شیخم سہیلی اور حسن علی طفیلی جلائر (جن کے نام اور جن کی صفتیں سلطان حسین مرزا کے زمرہ امراء میں بیان ہوئی ہیں) سب سے اول درجہ کے تھے۔ شاعروں میں ایک آصفی تھا۔ وزیر زادہ ہونے سے اس نے اپنا تخلص آصفی رکھا۔ اس کے اشعار بامعنی اور رنگین ہیں۔ عشق و حال دونوں میں ٹھوٹ تھا۔ مگر اس کو دعویٰ یہ تھا کہ میں اپنا کلام کبھی جمع نہیں کرتا۔ شاید یہ دعویٰ بناوٹی ہو۔ کہتے ہیں کہ اس کا کلام انیسی سفرائی نے جمع کیا ہے۔ غزل کے علاوہ اور صنف میں شعر کم کہتا تھا۔ جس زمانہ میں خراسان گیا ہوں اس زمانہ میں مجھ سے ملا تھا۔ ایک بنائی تھا۔ ہری کا رہنے والا۔ اس کے باپ کا نام استاد محمد بنا تھا۔ اسی مناسبت سے اس نے اپنا یہ تخلص رکھا تھا۔ اس کی غزلوں میں رنگ اور حال دونوں باتیں ہیں۔ اس نے دیوان مرتب کر لیا ہے۔ مثنویاں بھی کہی ہیں۔ ایک مثنوی میوہ کے تلازمہ میں لکھی ہے۔ جس کی بحر تقارب ہے۔ لغو مثنوی ہے۔ ایک مختصر مثنوی ہے۔ بحر خفیف میں۔ ایک اس سے بڑی مثنوی ہے۔ بحر خفیف ہی میں۔ اس مثنوی کو آخر عمر میں پورا کیا ہے۔ پہلے علم موسیقی نہ جانتا تھا۔ علی شیر بیگ اس سبب سے طعنے دیا کرتا

تھا۔ ایک سال مرزا تو قشلاق کے لئے مرو گئے اور بنائی ہری میں رہ گیا۔ اس جاڑے میں اس نے فن موسیقی ایسا سیکھ لیا کہ گرمی تک خاصا گویا ہو گیا۔ جب گرمیوں میں مرزا ہری میں آئے تو اس نے صورت اور نقش بنا کر پیش کئے۔ علی شیر بیگ دنگ ہو گیا۔ اور بہت تعریف کرنے لگا۔ اس نے موسیقی میں اچھے نقش بنائے۔ جن میں سے ایک کا نام "نورنگ" تھا۔ اس کے تمام ہونے تک نورنگ پیدا ہوتے ہیں۔ علی شیر بیگ کو یہ خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس سبب سے اس نے بہت مصیبتیں اٹھائیں۔ آخر ٹھہر نہ سکا۔ عراق چلا گیا۔ آذربائیجان میں یعقوب بیگ کے پاس اچھی طرح رہا۔ اس کا مصاحب ہو گیا۔ یعقوب بیگ کے مرنے کے بعد وہاں سے بھی چل دیا۔ پھر ہری میں آ گیا۔ ہنوز اس کی ہنسی اور چھیڑ چھاڑ کا وہی حال تھا۔ اس کی ظرافتیں اس طرح کی تھیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ شطرنج کھیلتے میں علی شیر بیگ نے اپنا پاؤں جو پھیلایا تو ملا بنائی کے کولھوں کے اندر تک پہنچا۔ علی شیر بیگ نے ہنس کر کہا۔ "ہری میں یہ بڑا غضب ہے کہ اگر پاؤں پھیلاؤ تو شاعر کی ..... تک پہنچتا ہے۔" بنائی نے جواب دیا کہ "سمیٹو تو بھی شاعر کے اسی مقام تک پہنچتا ہے۔" پھر ان ظرافتوں کی بدولت اس نے ہری سے سمرقند جانے کا قصد کیا۔ آخر حصار قرشی میں جو قتل عام ہوا اسی میں مارا گیا۔ (میں نے شاہ اسماعیل صفوی کے وزیر قد تخم بیگ کو ہرچند اس قتل عام کرانے سے منع کیا مگر اس نے نہ مانا) علی شیر بیگ نے بہت سی چیزیں ایجاد کی تھیں۔ اور یہ بھی ہوا ہے کہ جس نے جو چیز ایجاد کی رواج اور رونق کے لئے اس کو علی شیری مشہور کر دیا۔ بعض نے علی شیر بیگ سے مذاق کرنے کے لئے اپنے دونوں کانوں سے رومال باندھ لیا اور اس طرح رومال باندھنے کا نام "علی شیری" رکھ دیا۔ بنائی جب ہری سے سمرقند چلنے لگا تو پالان دوز سے اکہرا پالان سلوایا اور اس کا نام "علی شیری" رکھا۔ وہ پالان "علی شیری" مشہور ہو گیا۔

ایک شاعر صیفی بخاری تھا۔ اس کی جو کچھ تصنیفات تھیں۔ ان تصنیفات کے ثبوت میں اپنی پڑھی ہوئی کتابوں کو لوگوں کے آگے پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دیوان تو اس نے معمولی طرز سے لکھا ہے اور دوسرا تمام اہل حرفت کے واسطے ہے۔ اس میں مثلیں بہت باندھی ہیں۔ اس کی کوئی مثنوی نہیں ہے۔ اپنے اس قطعہ میں وہ کہتا ہے۔ قطعہ

مثنوی گرچہ سنت شعر است

من غزل فرض نمین مے دانم
ہیچ بیتے کہ دلپذیر بود
بہتر از خمتین مے دانم

ایک رسالہ عروض کا فارسی میں بھی لکھا ہے۔ اشعار اس کے کم ہیں۔ مگر ایک طرح وہ پر گو ہے۔ کم تو اس سبب سے کہ کوئی کام کی بات نہیں لکھی۔ اور پر گو اس لحاظ سے کہ چمکتے ہوئے فقرے۔ کھلے الفاظ اور اعراب کے ساتھ لکھتے ہیں۔ شراب خوار تھا۔ گھوسم گھونسا خوب لڑتا تھا۔

ایک شاعر عبداللہ مثنوی گو جام کا رہنے والا ملا کا بھانجا تھا۔ ہاتفی اس کا تخلص تھا۔ خمسہ کے مقابلہ میں اس نے مثنویاں لکھی ہیں۔ ہفت پیکر کے جواب میں تیمور نامہ لکھا ہے۔ اس کی مثنویوں میں سے لیلیٰ مجنوں بہت مشہور مثنوی ہے۔ گو جیسی شہرت ہے ویسی عمدہ نہیں ہے۔ ایک میر حسین معمائی تھا۔ غالباً" اس جیسا معما کسی نے نہ کہا ہو۔ اس کی عمر معما ہی کہنے میں گذاری۔ عجب فقیر مزاج' نامراد اور بے بدل آدمی تھا۔ ایک ملا محمد بدخشی تھا۔ اشکمس کا رہنے والا۔ جو داخل بدخشاں نہیں ہے۔ مگر تعجب ہے کہ تخلص بدخشی تھا۔ اس کے اشعار مذکورہ بالا شعراء کے اشعار کے برابر نہ تھے۔ فن معما میں اس نے ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس کا معما عمدہ نہیں ہے۔ البتہ خوش صحبت آدمی تھا۔ سمرقند میں مجھ سے ملا تھا۔ ایک یوسف بدیعی فرغانہ کا رہنے والا تھا۔ قصیدہ خاصا کہتا تھا۔ ایک آہی تھا۔ غزل اچھی کہتا تھا۔ آخر میں سلطان حسین مرزا کے پاس آگیا تھا۔ صاحب دیوان تھا۔ ایک محمد صالح تھا۔ اس کی غزلوں میں چاشنی ہوتی تھی مگر بندش اس چاشنی کے برابر نہ ہوتی تھی۔ ترکی میں بھی شعر کہتا تھا اور برا نہ کہتا تھا۔ آخر میں شیبانی خاں کے پاس آگیا تھا۔ وہاں تھوڑی بہت قدر ہو گئی تھی۔ ترکی زبان میں شیبانی خاں کے نام پر ایک مثنوی لکھی ہے۔ لیلیٰ مجنوں کے وزن رمل مسدس میں جو وزن سبحہ ہے۔ یہ مثنوی ست اور گری ہوئی ہے۔ ایک محمد صالح تھا۔ اس کے شعروں میں مزہ نہیں ہے۔ سننے والا شعر سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ ترکی میں بھی شعر کہتا تھا۔ ولایت فرغانہ کو تنبل خانہ کہتے ہیں۔ اس میں اتنی بڑی مثنوی کسی نے نہ لکھی ہو گی۔ یہ شخص شریر۔ ظالم اور بے رحم تھا۔

ایک شاعر شاہ حسین کامی تھا۔ اس کے اشعار برے نہیں ہیں۔ غزل گو تھا۔

غالباً اس کا دیوان بھی ہو۔ ایک مثنوی بھی اس نے لکھی ہے۔ ایک ہلالی تھا۔ دیوان کے علاوہ اس کی ایک مثنوی بھی ہے۔ اگرچہ اس کے اور اشعار ایک انداز کے ہیں مگر اس مثنوی کا مضمون اور بندش دونوں خراب ہیں۔ پچھلے شاعروں نے جو عشقیہ مثنویاں لکھی ہیں۔ ان میں عاشق کو مرد اور معشوق کو عورت باندھا ہے۔ اس نے ایک فقیر کو عاشق بنایا ہے اور بادشاہ کو معشوق۔ جو افعال بادشاہ کے اقوال اور افعال کے لکھے ہیں ان میں سراسر فحش ہے۔ اپنی مثنوی کے بنانے کے واسطے ایک بادشاہ کی نسبت ایسا لکھا ہے کہ فواحش کی نسبت بھی نہیں لکھا جاتا۔ اس کا حافظہ بہت قوی تھا۔ چالیس ہزار شعر یاد تھے۔ کہتے ہیں کہ اکثر خمستین کے اشعار یاد کر لئے تھے۔ علم عروض و قافیہ میں اس کی بڑی شہرت تھی۔ اس کے اشعار برے نہیں ہیں۔ صاحب دیوان بھی ہے۔

خوشنویس سلطان علی مشہدی :۔ یوں تو بہت سے خوش نویس تھے مگر خط نسخ و نستعلیق لکھنے میں سب سے اول سلطان علی مشہدی تھا۔ اس نے مرزا کے لئے اور علی شیر بیگ کے لئے بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ہر روز تیس بتیس مرزا کے واسطے اور تیس بتیس علی شیر بیگ کے واسطے لکھا کرتا تھا۔

مصور :۔ مصوروں میں بہزاد تھا۔ بڑی باریک مصوری کرتا تھا۔ مگر مرد کا چہرہ اچھا نہ بناتا تھا۔ غبغب کو بہت بڑھا دیتا تھا۔ ہاں ریش دار چہرہ اچھا بناتا تھا۔ ایک مصور شاہ مظفر تھا۔ بہت عمدہ مصور تھا۔ اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ ترقی کے زمانہ میں مر گیا۔

ارباب نشاط :۔ سازندوں میں خواجہ عبداللہ مروارید سے بہتر کوئی قانون نہ بجاتا تھا۔ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ ایک قل محمد عوری تھا۔ غشیرک بھی خوب بجاتا تھا اس نے غشیرک اور ستار ایسا لاجواب بجایا کہ گویوں اور سازندوں میں اس سے پہلے کسی نے نہ بجایا ہو گا۔ ایک شیخم نائی تھا عود اور غشیرک خوب بجاتا تھا۔ بارہ تیرہ برس کی عمر سے نے بجانی شروع کی تھی۔ ایک بار بدیع الزمان مرزا کی محفل میں ایسا کام کر گیا کہ قل محمد سے نہ ہو سکا۔ قل محمد عذر کرنے لگا کہ غشیرک اچھا نہیں ہے۔ شیخم نائی نے فوراً غشیرک کو قل محمد کے ہاتھ سے لے لیا اور بڑی خوبی و صفائی کے ساتھ اسی کو غشیرک سے ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ شیخم نائی کو اتنے نغمے یاد تھے کہ جہاں کوئی نغمہ سنا اور کہہ دیا کہ فلاں پردہ کی فلاں آہنگ ہے۔ مگر پھیلاوا بہت کر دیا ہے۔ اس

کے دو ایک نقش بھی مشہور ہیں۔ ایک شاہ قلی غشیر کی تھا۔ عراق کا رہنے والا۔ خراسان میں آکر اس نے ساز کی مشق کی۔ بڑا مشتاق ہو گیا۔ بہت گیتیں بجاتا تھا۔ اس میں اتنا عیب تھا کہ ناز بہت کرتا تھا۔ ایک دفعہ شیبانی خاں نے ساز بجانے کی فرمائش کی۔ جان کر برا بجایا۔ اپنا عمدہ ساز بھی نہ لایا۔ ایک بیکار ساز اٹھا لایا۔ شیبانی خاں سمجھ گیا۔ اور حکم دیا کہ اس کو قتل کر دو۔ شیبانی خاں نے ایک یہی عمدہ کام کیا ہے۔ ایسے نالائقوں کو اس سے بڑھ کر سزا دینی چاہیے۔ گویوں میں غلام شادی شادی گویئے کا بیٹا تھا۔ گو ساز بھی بجاتا تھا۔ مگر جن کا ذکر ہوا ہے ان کے برابر نہ بجا سکتا تھا۔ آواز اچھی تھی اور چیزیں خوب یاد تھیں۔ اس زمانہ میں اس کے برابر کوئی دوسرا نقش و صورت نہ بنا سکتا تھا۔ آخر شیبانی خاں نے اس کو محمد امین فراخاں کے پاس بھیج دیا۔ پھر اس کا حال معلوم نہ ہوا۔ ایک میر عزیز تھا سازندہ بھی تھا اور گویا بھی تھا۔ اگرچہ اس نے چیزیں کم بنائی ہیں۔ مگر جو بنائی ہیں مزہ کی ہیں۔ بنائی بھی مصنف تھا اور اچھے نقش و صورت رکھا تھا۔

پہلوان :۔ باکمال لوگوں میں سے ایک پہلوان پہلوان محمد سعید تھا۔ کشتی میں استاد وقت تھا۔ شعر بھی کہتا تھا۔ موسیقی کے نقش و صوت بھی بناتا تھا۔ چہارگاہ میں اس کے اچھے نقش و صوت ہیں۔ خوش صحبت آدمی تھا۔ پہلوانی کے ساتھ ان فنوں کا جمع ہونا ایک نادر امر ہے۔

سلطان حسین مرزا کے انتقال کا حال :۔ سلطان مرزا نے سفر کی حالت میں انتقال کیا اس موقع پر بیٹوں میں سے بدیع الزماں مرزا اور مظفر حسین مرزا موجود تھے۔ ایک تو مظفر حسین مرزا چاہتا تھا۔ دوسرے محمد برندوق برلاس جو اس کی سرکار میں مختار تھا اس کا آتکہ تھا۔ تیسرے اس کی ماں خدیجہ بیگم مرزا کی چڑھی بڑھی بیوی تھی۔ چوتھے مرزا کے امراء پہلے سے مظفر حسین مرزا کے طرف دار تھے۔ ان وجہوں سے بدیع الزماں مرزا کو مطمئن کرکے لے آئے۔ سلطان حسین مرزا کی لاش ہری میں لائے۔ شاہی رسم کے موافق برداشت کی اور اسی کے مدرسہ میں دفن کیا۔ اسوقت ذوالنون بیگ بھی موجود تھا۔ محمد برندوق بیگ ذوالنون بیگ اور امرائے سلطان حسین مرزا نے بالاتفاق بدیع الزماں مرزا اور مظفر حسین مرزا کو شراکت کے ساتھ بادشاہ کیا۔ بدیع الزماں مرزا کے ہاں تو ذوالنون بیگ اور مظفر حسین مرزا کے ہاں محمد برندوق

مدارالمہام ہوا۔ بدیع الزمان مرزا کی طرف سے شیخ علی طغائی اور مظفر حسین مرزا کی جانب سے یوسفی علی کوکلتاش داروغہ شہر ہوا۔ یہ بڑی نادر بات ہوئی۔ کبھی بادشاہی میں شرکت نہ سنی تھی۔ شیخ سعدی کا قول تو اس کے خلاف ہے۔ جیسا وہ گلستاں میں فرماتے ہیں۔ "وہ درویش در کلیمے بخسپندو دو بادشاہ در اقلیمے نہ گنجند۔"

۹۱۲ ہجری کے واقعات

خراسان کی روانگی :۔ ماہ محرم میں ازبک کے دفع کرنے کے لئے خراسان جانے کا قصد ہوا غور بندہ اور مشیر نو کے راستہ سے ہم چلے۔ چونکہ جہانگیر مرزا رنجیدہ ہو کر اس ملک سے نکل گیا تھا۔ اس لئے اس خیال سے اویماق پر قبضہ کر لیا جائے۔ اور فتنہ انگیز لوگ فساد برپا نہ کر سکیں مقام اشہر میں گھر والوں سے علیحدہ ہو ولی خازن اور دولت قدم قراول کو وہاں چھوڑ خود جریدہ میں روانہ ہوا۔ اس دن ہم قلعہ ضحاک میں اترے۔ وہاں سے کوتل کبدک اور کوتل ونداں شکن سے ہوتے ہوئے چتر سر پر لگائے ہوئے مرغزار کمرود میں فروکش ہوئے۔ سلطان محمد دولدائی کو سید افضل خواب بین کے ساتھ کر کے کابل سے اپنے چلنے کی کیفیت سلطان حسین مرزا کی خدمت میں عرض کرا بھیجی۔ جہانگیر مرزا بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ بامیان کے سامنے پہنچتے ہی بیس تیس آدمی لے کر وہ بامیان کی طرف چلا۔ جب قریب آیا تو میرے گھر والوں کے خیمے جو پیچھے رہ گئے تھے دیکھے۔ مجھے خیال کر کے فوراً" الٹا پھر گیا۔ اپنے لشکر میں آتے ہی کسی شے کی پابندی نہ کی اور کوچ کر دیا۔ پیچھے کی کچھ خبر نہ رکھی۔ سیدھا مرغزار یکہ میں چلا گیا۔ شیبانی خاں نے بلخ کو گھیر رکھا تھا۔ بلخ میں سلطان قلی خاں تھا۔ شیبانی خاں نے دو تین سلطانوں کو تین چار ہزار آدمی کے ساتھ بدخشاں کی طرف بھیجا۔

مبارک شاہ وزیر اور ناصر مرزا میں گو پہلے بگاڑ تھا۔ مگر اس وقت وہ ناصر مرزا کے پاس آ گیا۔ ان دونوں نے کشم کے آخر کی طرف شاخدان کے مقام پر چھاؤنی ڈال دی تھی۔ یہاں ازبکوں نے ناصر مرزا پر شب خون مارنا چاہا۔ مرزا فوراً" پشتہ پر چڑھ گیا اور اس نے نفیری بجا کر اپنے لوگوں کو جمع کر لیا۔ ان کے جاتے ہی ازبکوں نے پیچھا کیا۔ دریائے کشم طغیانی پر تھا۔ ازبک دریا سے عبور کر کے آئے تھے۔ اس سبب سے ان کے بہت آدمی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے اور بہت سے ڈوب کر مر

گیئے۔ مبارک شاہ وزیر مرزا دریائے سُرخ کی اوپر کی جانب تھا ازبکوں کی جو فوج اس کی طرف آئی تھی اس کو پشتہ کی جانب بھگا دیا۔ ناصر مرزا نے اپنے مقابل کے بھاگتے وقت یہ خبر سنی۔ وہ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جو سردار پہاڑ پر تھے وہ بھی اپنی فوجوں کو اکٹھا کر کے روانہ ہوئے۔ اس صورت میں ازبک مقابلہ نہ کر سکے اور بھاگ نکلے۔ ان میں سے بھی سینکڑوں مار گئے۔ بہتیرے ڈوب گئے اور بہت سے پکڑے گئے۔ تقریباً" پندرہ سو ازبک ضائع ہوئے ہوں گے۔ ناصر مرزا کو یہ بڑی فتح میسر ہوئی۔ جب ہم میدان کھمرود میں تھے تو ناصر مرزا کا آدمی یہ خبر لایا تھا۔ اسی نواح میں ہم تھے جو ہمارے سپاہی گئے اور غوری روہنہ سے غلہ لائے۔ یہیں سید افضل اور سلطان دولدائی کے جو خراسان بھیجے گئے تھے خطوط آئے اور سلطان حسین مرزا کے مرنے کی خبر آئی۔ اس خبر کے سننے پر بھی اس خاندان کے اعزاز کا خیال کر کے میں خراسان روانہ ہوا۔ البتہ اس روانگی میں اور غرضیں بھی شامل تھیں۔ درہ اجر سے نکل نوب اور منداغان کے راستہ سے ملحات کے پہاڑوں میں ہوتے ہوئے صاف کے پہاڑوں میں پہنچے۔ سامان اور جاریک کے مقاموں پر ازبکوں کی چڑھائی کی خبر معلوم ہوئی۔ قاسم بیگ کو تھوڑی سے فوج کے ساتھ ان کی طرف روانہ کیا۔ یہ لوگ گئے ان سے اور ان سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ انہوں نے ان کو اچھی طرح زیر کیا۔ بہت سوں کے سر کاٹ لئے۔ جہانگیر مرزا اور اپنے متعلقوں کی طرف آدمی روانہ کیا۔ ان کی خبر آنے تک کوہ صاف کے ایلاق میں ہم ٹھہرے رہے۔ اس نواح میں ہرن کثرت سے ہوتے ہیں۔ ایک بار شکار بھی کھیلا۔ دو ایک روز کے بعد قبائل آ گئے۔ ہرچند کہ جہانگیر مرزا نے ان کے پاس آدمی بھیجے یہاں تک کہ ایک دفعہ عماد الدین مسعود کو بھی بھیجا مگر وہ وہاں نہ گئے اور میرے پاس چلے آئے۔ آخر میرزا مجبور ہوگیا۔ جب ہم کوہ صاف سے چلے اور درہ بائی میں پہنچے تو وہ ملازمت میں حاضر ہوا۔ چونکہ ہم کو خراسان جانے کی دھن لگی ہوئی تھی اس لئے نہ مرزا سے ملے اور نہ قبائل کی پرواہ کی۔ کزروان۔ المار۔ قیصار اور ہرچکنو سے ہوتے ہوئے درہ جام ایک جگہ ہے بادغیش کے تابع میں سے اس میں آ کر ٹھہرے۔ ملک میں ایک غدر مچ رہا تھا۔ ہر کوئی ملک اور قوموں سے زبردستی جو کچھ ہاتھ لگتا تھا لے لیتا تھا۔ ہم نے بھی اس نواح کے ترکوں اور تیلوں پر زور ڈال کر تحصیل کرنی شروع کی۔ اس دو ایک مہینے میں شاید تین سے تومان کبیکی حاصل

کئے ہوں گے۔

چند روز پہلے ذوالنون کی فوج بطور یلغار خراسان سے ازبکوں پر بھیجی گئی تھی۔ اس نے پندوہ اور قرغاق میں ازبکوں کی خوب خبرلی۔ بہت سوں کو قتل کیا۔ بدیع الزمان مرزا۔ مظفر حسین مرزا۔ برندوق برلاس۔ ذوالنون بیگ۔ شاہ بیگ اور ذوالنون کے لڑکوں نے شیبانی خاں پر (جو اس وقت سلطان قلی خاں کو بلخ میں گھیرے ہوئے پڑا تھا) چڑھائی کا قصد کیا۔ ان لوگوں نے آدمی بھیج کر سلطان حسین مرزا کے سب بیٹوں کو بلایا اور خود شہر ہری سے باہر نکلے۔ بادیش میں پہنچے تو بمقام چہل دختران ابوالحسن مرزا بھی آ کر ہمراہ ہوا۔ اس کے بعد ابن حسین مرزا بھی دارنون اور قائن سے آ گیا۔ کبیک مرزا مشہد میں تھا۔ کئی آدمی اس کے پاس بھیجے۔ واہیات جواب دے کر بودا پن کر گیا۔ اور نہ آیا۔ اصل میں اس کو مظفر حسین مرزا سے کاوش تھی۔ اور یہ خیال تھا کہ وہ تو بادشاہ ہو اور میں اس کے سامنے یوں جاؤں۔ بھلا ایسے وقت میں کہ سارے چھوٹے بڑے بھائی ایک جگہ جمع ہوں اور متفق ہو کر شیبانی خاں جیسے دشمن کے استیصال کا ارادہ کریں ایسے بے مزہ تعصب کیا۔ اس نہ آنے کو تعصب کون سمجھے گا۔ بلکہ سب نامردی کا خیال کریں گے۔ دنیا میں ایسی ہی حرکتیں لوگوں کو یادگار رہ جاتی ہیں۔ عقلمند وہ حرکت کیوں کرنے لگا جس سے اس کے بعد اس کو برا کہتے رہیں۔ ہوشیار آدمی تو ایسا ہی امر کرے گا کہ اس کے پیچھے سب اس کو اچھا کہیں۔ حکیموں نے بعد کے ذکر کو "عمر ثانی" کہا ہے۔ میرے پاس بھی ایلچی آئے۔ پھر محمد برندوق برلاس آیا۔ میں کیوں نہ جاتا۔ دو سو کوس کا راستہ اسی لئے طے کیا ہے۔ محمد بیگ کے ساتھ میں ادھر روانہ ہوا۔ ان دنوں میں سب مرزا مرغاب کے مقام میں آ گئے تھے۔

مرزاؤں سے ملاقات :۔ پیر کے دن جمادی الثانی کی چھٹی کو مرزاؤں سے ملاقات ہوئی۔ ابوالحسن مرزا آدھ کوس کے قریب استقبال کے لئے آیا تھا۔ جب ہم قریب ہوئے تو ادھر میں گھوڑے پر سے اترا۔ ادھر ابوالحسن مرزا اترا۔ دونوں آگے بڑھ کر بغل گیر ہوئے اور سوار ہو گئے۔ تھوڑی دور آگے چلے تھے کہ مظفر حسین مرزا آیا جو ابوالحسن مرزا سے چھوٹا تھا۔ چاہئے تھا کہ یہی پہلے استقبال کرتا۔ عجب نہیں کہ یہ پیچھے آنا نشہ کی وجہ سے اور عیش و عشرت کے سبب سے ہو۔ غرور یا تکبر سے نہ ہو۔ مظفر حسین مرزا نے تکلف کیا۔ ہم دونوں گھوڑوں پر ہی بیٹھے ہوئے باہم ملے۔ اسی طرح

ابن حسین مرزا سے بھی ملاقات ہوئی۔ سب مل کر بدیع الزمان کے مکان پر اترے۔ بہت ہی انبوہ تھا۔ اتنی خلقت تھی کہ بعض کے پاؤں تین تین چار چار قدم بے اختیار پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ ہم بدیع الزمان مرزا کے دیوان خانہ میں پہنچے۔ قاعدہ تو یوں ہونا چاہئے تھا کہ اندر جاتے ہی زانو ماروں اور بدیع الزمان مرزا فوراً" آگے کھڑا ہو کر آگے آئے۔ پھر ہم دونوں ملیں۔ ہوا یہ کہ مکان میں داخل ہوتے ہی میں نے زانو مارا اور میں بے توقف آگے بڑھا مگر بدیع الزمان مرزا ذرا دیر میں اٹھا اور آہستہ چلا۔ قاسم بیگ میرا خیر خواہ تھا۔ میری عزت اس کی عزت تھی۔ اس نے میرا کمربند پکڑ کر کھینچا۔ میں سمجھ گیا۔ میں بھی رسان رسان چلنے لگا۔ جو جگہ مقرر تھی وہاں ملاقات ہوئی۔

اس سفید اور بڑے مکان میں چار جگہ مسندیں بچھائی تھیں۔ اس مکان کے ایک کنارے کی طرف ایک در تھا۔ مرزا ہمیشہ اس در میں بیٹھا کرتا تھا۔ ایک مسند تو اس در میں بچھائی تھی۔ بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا اس مسند پر بیٹھے۔ دوسری مسند سیدھی طرف مکان کے صدر میں بچھائی۔ ابوالحسن مرزا اور میں اس پر بیٹھے۔ بدیع الزمان مرزا کی مسند کے آخر میں الٹی طرف تیسری مسند بچھائی تھی۔ اس پر قاسم سلطان' ازبک (جو شیبانی خاں کے سلاطینوں میں سے تھا۔ مرزا کا داماد اور قاسم حسین سلطان کا باپ تھا) ابن حسین مرزا کے ساتھ بیٹھا۔ میرے سیدھے ہاتھ کی طرف میری مسند کے آخر میں قریب ہی چوتھی مسند بچھائی۔ جہانگیر مرزا اور عبدالرزاق مرزا اس پر بیٹھے۔ محمد برندوق بیگ۔ ذوالنون بیگ۔ قاسم بیگ۔ یہ تینوں قاسم سلطان اور ابن حسین مرزا سے سیدھے ہاتھ کی طرف بہت نیچے بیٹھے۔ آش تیار ہوئی۔ ہرچند کہ کوئی جلسہ نہ تھا مگر آش کے ساتھ سونے چاندی کی صراحیوں میں شربت بھر کر صراحیاں دسترخوان پر رکھی گئیں۔ ہمارے بڑوں اور بھائی بندوں نے چنگیز خانی تورہ کا بہت لحاظ رکھا۔ مجلس' دربار' شادی' آش خوری' اٹھنے اور بیٹھنے میں اس تورہ کے خلاف کوئی بات نہیں کی۔ مگر تورہ آیت حدیث نہیں ہے کہ کوئی ضرور ہی اس کا پابند ہو۔ ہاں جس سے جو عمدہ قاعدہ جاری ہو وہ برتنا چاہئے۔ اگر باپ نے کوئی بری رسم جاری کر دی ہو تو اس کو اچھی رسم سے کیوں نہ بدل دیں۔ خیر۔ آش کھا کر ہم سوار ہوئے اور اپنے مقام پر آئے۔ ہمارے لشکر اور مرزاؤں کے لشکروں میں ایک شرعی کوس کا فاصلہ تھا۔

دوسری ملاقات میں بدیع الزماں مرزا نے پہلی طرح تعظیم نہ کی۔ میں نے محمد برندوق اور ذوالنون بیگ کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ گو میں عمر میں چھوٹا ہوں مگر میرا درجہ بڑا ہے۔ بزرگوں کے تخت پر جو سمرقند میں ہے دو دفعہ بزور شمشیر میں بیٹھا ہوں اس خاندان کے دشمن سے جس نے اس قدر جنگ و جدل کی ہے وہ میں ہی ہوں۔ میری تعظیم نہ کرنی بے وجہ بات ہے۔ اس بات کا چرچا ہوا۔ چونکہ میرا قول معقول تھا سب مان گئے اور آخر سب نے خاطر خواہ میری تعظیم کی۔ پھر ایک بدیع الزمان مرزا کے پاس جانے کے موقعہ پر ظہر کی نماز کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ میں ان دنوں میں شراب نہ پیتا تھا۔ یہ بزم بڑی آراستہ تھی۔ ہر قسم کی گزک خوانوں میں لگائی گئی تھی۔ مرغ اور قاز کے کباب تھے۔ طرح طرح کے کھانے تھے۔ ہم بدیع الزمان مرزا کی مجلس کی بہت تعریف سنتے تھے۔ فی الواقع نہایت عمدہ اور دلچسپ مجلس تھی۔ جب تک مرغاب میں رہے تین دفعہ مرزا کی مجلس شراب میں شریک ہونے کا موقع ہوا۔ وہ جان گئے کہ میں شراب نہیں پیتا۔ اس لئے پھر مجھ سے نہ کہا۔ ایک بار میں مظفر حسین مرزا کی محفل میں بھی گیا۔ حسین علی جلائر اور میربدر ان دنوں میں مرزا کے ملازم تھے۔ وہ بھی اسی جلسہ میں حاضر تھے۔ نشہ ہوتے ہی میر بدر خوب ناچا شاید اس قطع کا ناچ میربدر ہی کا ایجاد ہو۔ مرزاؤں کو ہری سے نکلے اور بالاتفاق جمع ہو کر مرغاب میں آئے تین چار مہینے ہو گئے۔ سلطان قلی خاں نے تنگ ہو کر بلخ شیبانی خاں کے حوالہ کر دیا۔ اس اجماع کی خبر سننے سے بلخ لینے کے بعد ازبک سمرقند کی طرف مراجعت کر گئے۔

ہمارے یہ مرزا اگرچہ جلسے کرنے اور ملنے جلنے میں ایک ڈھنگ کے تھے مگر سپاہ گری کے مکروفریب اور لڑائی بھڑائی کی چال سے واقف نہ تھے۔ مرغاب ہی میں خبر آئی کہ حق نظر نے چار سے پانچ سو آدمیوں سے آکر چلکتو کے نواح کو لوٹ لیا۔ سب مرزا جمع ہوئے۔ بہترین صلاحیں مشورے کئے مگر دفعتاً" فوج ادھر نہ بھیج سکے۔ مرغاب اور چلکتو میں دس کوس کا فاصلہ ہے۔ اس کام کو میں نے اپنے ذمہ لیا۔ شرم کے مارے مجھے بھی اجازت نہ دی۔ شیبانی خاں الٹا پھر گیا تھا اور سال آخر ہو گیا تھا۔ یہ تجویز قرار پائی کہ اس جاڑے میں ہر مرزا ایک مناسب جگہ قشلاق مقرر کرے۔ گرمی کا موسم آتے ہی سب اکٹھے ہو جائیں۔ اور غنیم کی خبرلیں۔ مجھے بھی خراسان میں قشلاق کے لئے کہلا بھیجا۔ چونکہ کابل و غزنی میں ترک۔ مغل' ایماق' احشام' افغان' ہزارہ

وغیرہ مختلف قومیں جمع ہو گئی تھیں۔ اس سبب سے وہ پرشور و شر مقام تھے۔ دوسرے خراسان و کابل میں اتنا بعد ہے کہ برف وغیرہ مانع نہ ہو تو سب سے قریب پہاڑی راستہ مہینہ بھر کا راستہ ہو گا۔ اور سیدھا راستہ چالیس پچاس دن کا۔ ملک بھی ابھی پورا قابو میں نہ آیا تھا۔ اس لئے میرے ہوا خواہوں نے وہاں قشلاق کرنے کی صلاح نہ دی۔ میں نے عذر کہلا بھیجا۔ وہ بہت ہی اصرار کرنے لگے اور آخر بدیع الزمان مرزا۔ ابوالحسن مرزا اور مظفر حسین مرزا خود میرے پاس آئے اور ٹھہرانے پر مصر ہوئے۔

مرزاؤں کے سامنے میں دم نہ مار سکا۔ اول تو یہ ہے کہ ایسے بادشاہوں نے خود آ کر فرمایا۔ دوسرے ہری جیسے شہر کے دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ آج دنیا میں وہ ایک بے نظیر شہر ہے۔ سلطان حسین مرزا کے زمانہ میں اس کی آبادی اور رونق نے دس حصے بلکہ بیس حصے ترقی کی تھی۔ ان وجوہ سے ٹھہر جانا قبول کر لیا۔ ابوالحسن مرزا مرو چلے گئے۔ ابن حسین مرزا تون اور قائن روانہ ہوئے ...... بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا ہری میں آئے۔ دو تین دن پیچھے میں بھی چل دختران اور تاس رباط کی راہ سے ہری کی طرف روانہ ہوا۔ پھپی پائندہ سلطان بیگم۔ خدیجہ بیگم۔ آفاق بیگم اور ابوسعید مرزا کی اور بیٹیاں سلطان حسین مرزا کے مرنے میں جمع ہوئی تھیں۔ سب مرزا کے مقبرہ ہی میں ٹھہری ہوئی تھیں۔ میں ان سے جا کر ملا۔ اول پائندہ بیگم سے زانو مار کر ملا۔ پھر اسی طرح خدیجہ بیگم سے ملا۔ تھوڑی دیر وہاں توقف کیا۔ حفاظ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ ان کو سنتا رہا۔ اس کے بعد مدرسہ کے جنوب میں جہاں خدیجہ بیگم تھیں وہاں گیا۔ انہوں نے آش تیار کرائی۔ آش کھا کر پائندہ بیگم کے مکان میں گیا۔ رات کو وہیں رہا۔ میرے ٹھہرنے کے لئے نئے باغ میں جگہ مقرر کی تھی۔ دوسرے دن میں نئے باغ میں آ اترا۔ اس باغ میں ایک رات رہا۔ وہ مقام میرے مناسب نہ سمجھا گیا۔ علی شیر بیگ کا مکان تجویز ہوا۔ جب تک ہری میں رہا اسی مکان میں رہا۔ دوسرے تیسرے دن باغ جہان آراء میں بدیع الزمان کو سلام کر آتا تھا۔ کئی دن بعد مظفر حسین مرزا نے مجھے اپنے مکان پر بلایا۔ مظفر حسین مرزا باغ سفید میں رہتا تھا۔ خدیجہ بیگم بھی وہیں تھیں۔ میں خدیجہ بیگم سے ملنے گیا تو جہانگیر مرزا بھی میرے ساتھ گیا۔ اور کھانے کے بعد مظفر حسین مرزا ہم کو اس عمارت میں لایا۔ جس کا نام طرب خانہ ہے اور جو بابر مرزا کی بنائی ہوئی ہے۔ طرب خانہ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ یہ

طرب خانہ ایک باغ میں ہے۔ چھوٹا سا دو منزلہ مکان ہے۔ مگر عمارت دلچسپ ہے۔ اس کے اوپر کی منزل کو زیادہ تکلف سے بنایا ہے۔ اس کے چاروں کونوں میں چار حجرے ہیں۔ چاروں حجرے اور ان کا مابین سب ایک مکان ہے۔ حجروں کے مابین میں جو مکان ہیں وہ ایسے ہیں جیسے چارشہ نشینیں۔ اس مکان کے ہر ضلع کی دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اگرچہ اس عمارت کو بابر مرزا نے بنایا تھا مگر تصویریں سلطان ابوسعید مرزا کے حکم سے بنائی گئی ہیں۔ یہ تصویریں ان کی لڑائیوں کی ہیں۔

شمالی شہ نشین میں آمنے سامنے دو مسندیں بچھائی تھیں۔ مسند کے کنارے شمال کی طرف تھے۔ ایک مسند پر مظفر حسین مرزا اور میں بیٹھا۔ دوسری پر سلطان مسعود مرزا اور جہانگیر مرزا بیٹھا۔ چونکہ میں مہمان تھا اس لئے مظفر حسین مرزا نے مجھے صدر میں بٹھایا۔ ساقی کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے جام بھر بھر کے اہل بزم کو دینے شروع کئے۔ اہل بزم بھی جام شراب کو آب حیات کی طرح پینے لگے۔ مجلس گرم ہو گئی۔ مے خواروں کو نشان کے ابھار ہوئے۔ اہل بزم کا خیال تھا کہ مجھے بھی شریک دور کریں۔ میں نے اس وقت تک شراب نہ پی تھی اور نہ اس کی کیفیت و حالت کو میں پورے طور پر جانتا تھا۔ مگر ہاں یہاں آکر میرا دل للچانے لگا۔ لڑکپن میں مجھے شوق نہ تھا۔ بلکہ میں شراب کے نشہ کو اور اس کی حالت کو بھی نہ جانتا تھا۔ ابا جان کبھی فرماتے بھی تھے تو میں انکار کر دیتا تھا۔ پیتا نہ تھا۔ ابا جان کے انتقال کے بعد مولانا خواجہ قاضی کے قدم کی برکت سے میں زاہد اور پرہیز گار رہا۔ مشتبہ کھانے تک سے بچتا تھا۔ چہ جائیکہ شراب پی لوں۔ بعد اس کے جو یہ لت لگی تو جوانی کے تقاضے اور نفس کی شامت سے لگی۔ کوئی دوسرا بہکانے والا نہ تھا۔

کوئی یہ بھی نہ جانتا تھا کہ میرا دل شراب پینے کو چاہتا ہے۔ گو دل للچاتا تھا۔ مگر ایسا کام خود کرنا مشکل تھا۔ اب دل میں آئی کہ ایک تو یہ سب سر ہوتے ہیں۔ دوسرے ہری جیسے آراستہ شہر میں آیا ہوں جہاں دنیا بھر کے عیش و عشرت کے سامان موجود ہیں۔ پھر اب نہ پیوں گا تو کب پیوں گا۔ میں نے شراب پینے کا ارادہ کر لیا۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ بدیع الزمان مرزا بڑا بھائی ہے۔ اس کے جلسہ میں اور اس کے ہاتھ سے تو میں نے پی نہیں۔ اس کے چھوٹے بھائی کے ہاں اگر پی لی تو بدیع الزماں مرزا کیا کہے گا۔ یہ سوچا اور اسی کو میں نے بیان کر دیا۔ اس عذر کو سب مان گئے اور اس جلسہ میں

مجھے معاف رکھا۔

یوں ٹھہری کہ بدیع الزمان مرزا اور مظفر مرزا جب ایک جگہ ہوں تو دونوں کے کہنے سے میں پیوں۔ اس مجلس میں گویّوں میں سے حافظ حاجی۔ جلال الدین محمود نائی اور غلام شادی گویئے کا چھوٹا بھائی (جو چنگ بجاتا تھا) تھے۔ حافظ حاجی نے اچھا گایا۔ ہری کے لوگ نیچے سروں میں چھوٹی آواز سے اور سیدھا سیدھا گاتے ہیں۔ جہانگیر مرزا کے ساتھ ایک گویا میر خاں نام تھا۔ سمرقند کا رہنے والا۔ اونچے سروں میں۔ بڑی آواز سے اور چلت پھرت کے ساتھ گاتا تھا۔ جہانگیر مرزا نے اس موقع پر حکم دیا ہو گا۔ وہ بہت ہی گلا پھاڑتا اور برا گایا۔ خراساں والے ہنسی باز ہیں۔ ایسے گانے سے کسی نے تو کان بند کر لئے۔ کسی نے ناک چڑھائی اور منہ بنایا۔ مگر مرزا کے لحاظ سے کوئی منع نہ کر سکا۔ مغرب کے بعد طرب خانہ سے اٹھے اور اس نے قشلاق کے مکان میں جو مظفر حسین مرزا نے بنوایا تھا آئے۔ جب ہم اس مکان میں آ گئے تو نشہ کی زیادتی سے یوسف کوکلتاش اٹھ کھڑا ہوا اور ناچنے لگا۔ کسبی آدمی تھا۔ خوب ناچا۔ مظفر حسین مرزا نے ایک تلوار۔ برہ کی پوستین اور ایک تپچاق مجھے عنایت کیا۔ یہیں ترکی میں باتیں کیں۔ مظفر حسین مرزا کے دو غلام تھے۔ ایک کا نام کتہ ماہ دوسرے کا نام کچک ماہ۔ نشہ میں وہ بھی گانے لگے۔ مگر بونگے گائے۔ بڑی رات تک جلسہ گرم رہا۔ پھر برخاست ہوا۔ اس رات میں یہیں رہا۔ قاسم بیگ نے جو سنا کہ شراب پینے کی صلاح ہوئی ہے تو اس نے ذوالنون بیگ سے کہلا بھیجا۔ ذوالنون بیگ نے مرزاؤں کو ازراہ نصیحت بہت جھڑکا۔ آخر وہ تجویز موقوف رہی۔

مظفر حسین مرزا کی مہمان داری کی خبر سن کر بدیع الزمان مرزا نے مقوی خانہ میں جلسہ ٹھہرایا۔ اور میری دعوت کی۔ میرے ساتھ میرے بعض مصاحبوں کو بھی بلایا۔ میرے مصاحب میرے خوف سے شراب نہ پی سکتے تھے۔ اگر کبھی پیتے بھی تھے تو مہینوں میں کسی دن دروازہ بند کر کے ڈرتے ڈرتے پیتے تھے۔ ایسوں ہی کو مدعو کیا۔ یہاں بھی انہوں نے یہ کیا کہ کبھی میری آنکھ بچا کر۔ کبھی ہاتھ کی آڑ میں منہ کر کے سو جتنوں سے پیتے رہے۔ میری طرف سے تو ایسی صحبتوں میں عام اجازت تھی۔ اس لئے کہ یہ صحبت ایسی تھی جیسے باپ یا بڑے بھائی کی ہوتی ہے۔ غلام ایک عجیب چیز لائے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ درخت کی اصلی شاخوں میں یا نقلی شاخوں میں شاخ کی لمبائی تک

میں میں ایک شے چھڑکی ہوئی تھی۔ یہ جو کچھ تھا اچھا معلوم ہوتا تھا۔ آخر قاز کے کباب کی تاب میرے آگے رکھی۔ میں اس کا کاٹنا اور کھولنا نہ جانتا تھا۔ نہ کبھی میں نے دیکھا تھا۔ میں نے اس پر ہاتھ نہ ڈالا۔ بدیع الزمان مرزا نے کہا کھاؤ نا۔ میں نے کہا اس کا الگ کرنا میں نہیں جانتا۔ فوراً" بدیع الزمان مرزا نے میرے آگے سے قاب کھینچ لی۔ اور قاز کے ٹکڑے کر کے میرے آگے رکھ دی۔ ان کاموں میں بدیع الزمان مرزا طاق تھا۔ اس جلسہ میں خنجر مرصع۔ چارقب اور تپچاق مجھ کو دیا۔ بیس دن میں ہری میں رہا اور روز ان مقامات کی سیر کرتا رہا جن کو نہ دیکھا تھا۔ یوسف علی کوکلتاش مجھے سیریں کروایا کرتا تھا۔ جس سیرگاہ میں ٹھہرتے تھے وہاں یوسف علی کوکلتاش ایک قسم کی آش حاضر کیا کرتا۔

اس بیس دن میں سوائے سلطان حسین مرزا کی خانقاہ کے شاید کوئی مشہور سیرگاہ دیکھنی رہ گئی ہو۔ جن مقاموں کی سیر میں نے تھوڑے دن میں کر لی۔ وہ یہ ہیں۔ کاریزگاہ۔ علی شیر بیگ کا باغ۔ جوار کاغذ۔ تخت ہستانہ۔ پل گاہ۔ کہدستان۔ باغ نظر گاہ۔ نعمت آباد۔ خیابان کاریز گاہ۔ سلطان احمد مرزا کا خطیرہ۔ تخت سفر نوائی۔ تخت برگیر۔ تخت حاجی بیگ۔ شیخ بہاؤ الدین عمر کا مزار۔ شیخ زین الدین کا مزار۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی کا مزار۔ ان کا مقبرہ۔ نمازگاہ مختار۔ حوض ماہیان۔ ساق سلمان۔ بلوری (یہ ابوالولید کی تھی) امام فخر۔ باغ خیابان۔ مرزا کے مدارس و مقابر۔ گہرشاہ بیگم کا مدرسہ اور مقبرہ اور جامع مسجد۔ باغ زاغان۔ باغ نو۔ باغ زبیدہ۔ آق سرائے (جس کو سلطان ابو سعید مرزا نے دروازہ عراق کے پاس بنایا ہے) پورن۔ صفہ سراندازان۔ چرغلاتک۔ میر واحد۔ پل پالان۔ خواجہ طاق۔ باغ سفید۔ طرب خانہ۔ باغ جہان آراء۔ کوشک۔ مقوی خانہ۔ سوسی خانہ۔ دروازہ برج۔ حوض کلاں (جو جہاں آراء کے شمال میں ہے) اس کے چار طرف کی چار عمارتیں۔ قلعہ کے پانچوں دروازے (دروازہ ملک۔ دروازہ عراق۔ دروازہ پردر آباد۔ دروازہ خوش۔ دروازہ قپچاق) بازار ملک۔ چار سو۔ مدرسہ شیخ الاسلام۔ جامع مسجد ملکان۔ باغ شہر۔ بدیع الزمان مرزا کا مدرسہ (جو دریائے انجیل کے کنارہ پر ہے) علی شیر بیگ کے رہنے کے مکان (جن کا نام انتہ ہے) اس کا مقبرہ۔ اس کی مسجد (جس کو قدسیہ کہتے ہیں) اسی کا مدرسہ۔ خانقاہ (جن کا خلاصہ اور اخلاصہ کہتے ہیں) اس کا حمام۔ اس کا دارالشفاء (جو صفائیہ اور شفائیہ مشہور ہیں)

معصومہ بیگم۔ (سلطان احمد مرزا کی چھوٹی بیٹی۔ حبیبہ بیگم کے پیٹ کی) ان تباہیوں میں خراسان آگئی تھی۔ میں جو ایک دن اکام سے ملنے گیا تو وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ مجھے ملنے آئی۔ دیکھتے ہی میری طبیعت اس کی طرف سوچ کرنے لگی۔ میں نے اکام اور نیکام پاس خفیہ آدمی بھیج کر (میں پاینده سلطان بیگم کو اکام اور حبیبہ سلطان بیگم کو نیکام کہا کرتا تھا) شادی کا پیغام دیا۔ یہ بات قرار پائی کہ میرے جانے کے بعد نیکام اپنی بیٹی کو لئے ہوئے کابل میں آ جائیں۔ محمد برندوق بیگ اور ذوالنون بیگ نے یہاں قشلاق کرنے کے لئے مجھ سے اصرار تو کیا تھا مگر نہ اچھی جگہ تجویز کی اور نہ سامان دیا۔ جاڑا سر پر آگیا۔ کابل اور خراسان کے بیچ میں برف پڑنے لگی۔ کابل کی طرف سے اطمینان نہ ہوا تھا۔ ان لوگوں نے نہ کسی جائے قشلاق کے لئے سامان دیا۔ نہ کسی جگہ سامان کے ساتھ قشلاق مقرر کیا۔ اور ضرورت ہو گئی۔ میں صاف صاف کہہ سکتا نہ تھا۔

ہرات سے مراجعت :۔ شب برات کی ساتویں کو قشلاق کا بہانہ کر کے میں ہری سے نکلا۔ نواح بادغیش میں ہر ہر پڑاؤ پر ایک، ایک دو دو دن مقام کرتا ہوا چلا یہ اس لئے کہ جو لوگ ضروری کاموں کے لئے ادھر ادھر چلے گئے ہیں وہ آ جائیں۔ اس میں اتنا توقف ہوا کہ لنگر میر غیاث سے آگے بڑھنے کے بعد دوسری تیسری منزل میں رمضان شریف کا چاند دکھائی دیا۔ جو لوگ کام کاج کرنے چلے گئے تھے ان میں سے کچھ تو آ گئے اور کچھ مرزاؤں کے پاس رہ گئے۔ رہنے والوں میں سے ایک سیدم علی دربان تھا۔ وہ بدیع الزمان مرزا کا نوکر ہو گیا۔ خسرو شاہ کے نوکروں میں سے اتنی رعایت میں نے کسی کی نہ کی تھی۔ جب جہانگیر مرزا غزنی کو چھوڑ کر چلا گیا تھا تو غزنی میں نے سیدم علی کو دے دیا تھا۔ یہ اپنے سالے ایکو شیخ کو غزنی میں چھوڑ کر لشکر میں آ گیا تھا۔ سیدم علی دربان اور محب علی قورچی سے بہتر دوسرا نہ تھا۔ سیدم علی کے اطوار و اخلاق اچھے تھے۔ تلوار کا دھنی تھا۔ یاروں کا یار تھا۔ سخی تھا۔ کفایت شعاری کے ساتھ باسامان تھا۔ اس کی ہنسی کھلی مزے کی تھی۔ باتیں اس کی میٹھی تھیں۔ خلیق۔ باتون اور ہزل گو تھا۔ اس میں یہ عیب تھا کہ جھوٹا۔ بدکار اور اغلامی تھا۔ مذہب کا ڈھل مل یقین تھا۔ منافق بھی تھا۔ بعض اس کے نفاق کو بیہودہ گوئی پر محمول کرتے ہیں مگر منافق نہیں تھا۔ جس وقت بدیع الزمان مرزا ہری کو غنیم کے حوالے کر کے شاہ بیگ پاس آیا تو شاہ بیگ اور مرزا کے درمیان میں منافقانہ باتیں بنانے سے سیدم علی کو قتل کر کے

دریائے ہیرمند میں اس کی لاش پھنکوا دی گئی۔ محب علی کا حال آگے بیان کیاجائے گا۔

لنگر میرغیاث سے چل کر خرجستھان کے کنارہ کے دیہات کو زیر کرتے ہوئے ہم نخچیران میں پہنچے لنگر سے نواح نخچیران تک برابر برف تھی۔ جس قدر ہم چلتے گئے اسی قدر برف اونچی ہوتی گئی۔ نواح نخچیران میں گھوڑے کی ران سے اونچی برف تھی۔ نخچیران ذوالنون بیگ کے علاقہ میں تھا۔ اس کا ملازم میرک خان آبرود ہان کا حاکم تھا۔ ذوالنون بیگ کے سارے غلہ کی قیمت دے، کر غلہ خرید لیا گیا۔ نخچیران سے جب ہم آگے پہنچے تو دو تین دن کے بعد ایسی بے حد برف پڑنے لگی کہ گھوڑوں کے پٹھوں سے اونچی تھی۔ اکثر جگہ گھوڑے کا پاؤں زمین پر نہ پہنچتا تھا۔ اور برف برابر پڑ رہی تھی۔ جب ہم پراغدان سے گذرے، تو برف بھی بلند تھی اور راستہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ لنگر میر غیاث میں مشورہ ہوا تھا کہ کابل کس راستہ سے چلیں۔ میری اور اکثر کی رائے تھی کہ جاڑا ہے۔ قندھار سے چلنا چاہئے۔ گو راستہ دور کا ہے مگر بے کھٹکے چلے چلیں گے۔ پہاڑ کے راستہ میں خوف اور دقت ہے۔ قاسم بیگ نے کہا۔ وہ راستہ دور کا ہے۔ اور یہ پاس کا۔ وہ اس پر اڑ گیا۔ آخری اسی کے کہنے پر چلے۔ سلطان نام ایک پشتوئی رہبر ہوا۔ معلوم نہیں کہ کثرت برف سے یا کسی اور سبب سے رستہ سے نہ لے جا سکے۔ چونکہ قاسم بیگ کی ہٹ سے اس طرف چلے تھے اس لئے اس کو غیرت آگئی۔ وہ اور اس کے بیٹے پیدل ہو کر برف کاٹ کاٹ کر راستہ کرنے لگے اور آگے بڑھنے لگے۔ ایک دن برف بہت پڑ رہی تھی اور راستہ بھی نہ معلوم ہوتا تھا۔ بہت ہی ہاتھ پاؤں مارے مگر ہم ایک قدم نہ چل سکے۔ ناچار الٹے پھرے۔ ایک جگہ ایندھن ڈھیروں تھا۔ وہیں اتر پڑے۔ ساٹھ ستر سپاہیوں کو حکم دیا کہ جس راستہ سے ہم آئے ہیں ادھر ہی جاؤ۔ ہزارہ قوم کے لوگوں نے پہاڑوں کے نیچے قشلاق کیا ہو گا۔ ان میں سے راستہ دکھانے کے لئے کوئی اگوا لاؤ۔ ان کے آتے تک تین چار دن ہم اس منزل میں پڑے رہے۔ یہ جانے والے کوئی اچھا رہبر نہ لائے۔ خدا پر توکل کر سلطان پشتوئی اگوے ہی کو آگے رکھا اور اسی راستہ میں جہاں سے الٹے پھرے تھے چل کھڑے ہوئے۔

ان دنوں میں بہت ہی مصیبت اور محنت اٹھانی پڑی۔ اپنی عمر میں اتنی مصیبت اور محنت بھی نہ اٹھائی تھی۔ تقریباً ہفتہ بھر برف کاٹتے ہوئے چلے اور دو کوس ڈیڑھ کوس

سے زیادہ نہ چل سکے۔ میں دس پندرہ مصاحبوں سمیت جس میں قاسم بیگ معہ اپنے دونوں بیٹوں کے دستگیر بردی اور قنبر علی اپنے دو تین نوکروں کے ساتھ تھے پیدل ہو گیا۔ ہم سب مل کر برف کاٹتے تھے۔ ہر قدم پر کمر اور سینہ تک برف میں دھنس جاتے تھے اور برف کھودتے تھے۔ چند قدم چلنے کے بعد جو آگے ہوتا تھا وہ تھک کر اور جل کر کھڑا ہو جاتا تھا۔ دوسرا آگے بڑھتا تھا۔ ہم ہی دس پندرہ آدمی برف کھودنے والے تھے۔ یہ حال تھا کہ ایک خالی گھوڑے کو کھینچتے لاتے تھے۔ رکاب اور خوگیر تک وہ برف میں دھنسا رہتا تھا۔ دس پندرہ قدم چل کر ٹھہر جاتا تھا۔ اس کو کونے میں کھڑا کر دیتے تھے اور دوسرے کو بڑھا لاتے تھے۔ اسی مصیبت سے یہ دس پندرہ آدمی برف کاٹتے تھے اور اپنے گھوڑے گھسیٹ لاتے تھے۔ باقی تمام اچھے اچھے سپاہی اور وہ لوگ جو سردار کہلاتے تھے گھوڑوں پر سے کھسکتے نہ تھے۔ کھدے ہوئے اور صاف راستہ سے سر جھکائے ہوئے چلے آتے تھے۔ یہ موقع ایسا نہ تھا کہ کسی کو تکلیف دی جائے جس کو ہمت ہو وہ خود چل پڑے۔

خیر اسی طریق سے برف کاٹتے ہوئے اور راستہ بناتے ہوئے تین چار روز میں کوتل زرین کے آخر خوال قولی نام ایک مقام ہے اس میں آئے۔ اس دن بڑی پریشانی ہوئی۔ ایسی برف پڑی کہ سب کو موت دکھائی دینے لگی۔ یہاں والے غار اور کھو کو خوال کہتے ہیں۔ اس خوال کے پاس جو پہنچے تو اور بھی پریشانی پیدا ہوئی۔ اسی خوال کے پاس ٹھہر گئے' برف بلند' راستہ چھپا ہوا۔ کھودی ہوئی راہ میں بھی گھوڑے وقت سے چلتے۔ دن تھوڑا رہ گیا۔ آگے چلنے والے دن دن میں خوال کے پاس جا پہنچے۔ مغرب سے عشاء تک تو لوگ آگئے پھر نہ آسکے۔ جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ بہتیروں نے تو گھوڑوں کی پیٹھ پر ہی رات گذاری۔ خوال بھی چھوٹی معلوم ہوئی۔ میں نے خوال کے منہ کے پاس برف ہٹا تکیہ نمد کے برابر اپنے لئے جگہ نکالی اور وہیں سمٹ کر میں ہو بیٹھا۔ سینہ تک برف کھودی تھی۔ پھر بھی زمین نہ نکلی۔ البتہ ہوا کا بچاؤ ہو گیا۔ میں وہیں بیٹھا رہا۔ کئی آدمیوں نے کہا کہ اندر چلے جایئے۔ میں نے دل میں کہا کہ سب تو برف اور پریشانی میں ہیں اور میں گرم مکان میں چلا جاؤں اور آرام کروں۔ ساری قوم مصیبت و پریشانی میں مبتلا رہے اور میں لمبے پاؤں پسار کر سوؤں۔ یہ تو مروت اور یک جہتی سے بعید ہے۔ جو تکلیف گذرے میں بھی اس کا مزہ چکھوں جس طرح اور خدا

کے بندے مصیبتیں سہیں میں بھی سہوں فارسی مثل مشہور ہے۔ "مرگ بیاراں عید است" اسی ٹھنڈ اور گڑھے میں جو کھود لیا تھا۔ میں بیٹھا رہا عشاء کے وقت اتنی برف پڑی کہ میں جو گھٹنوں پر سر رکھے ہوئے بیٹھا تھا تو میری پیٹھ پر۔ میرے سر پر اور کانوں پر چار چار انگل برف تھی۔ اسی رات میرے کانوں میں سردی بیٹھ گئی۔ عشاء کے وقت کچھ لوگوں نے غار کو ٹٹولا۔ وہ چلائے کہ کھو بہت فراغ ہے۔ سب کو جگہ مل جائے گی۔ یہ سن کر سر اور منہ پر سے برف جھاڑ میں بھی کھو کے اندر چلا گیا۔ جو لوگ کھو کے باہر ارد گرد سردی کھا رہے تھے ان کو بھی بلا لیا۔ چالیس پچاس آدمیوں کو فراغت سے جگہ مل گئی۔ ازوق یخنی قور داغ اور جو کھانا جس کے پاس تھا وہ اس نے پیش کیا۔ ایسی سردی' برف اور پریشانی میں بڑے امن کی گرم جگہ میں فراغت کے ساتھ ہم آگئے۔

دوسرے دن وہ برف تھمی اور پریشانی موقوف ہوئی صبح ہی وہاں سے چل نکلے۔ وہی کل کی طرح برف کاٹتے اور راستہ بناتے ہوئے دامنہ کے اوپر نکل آئے۔ جو راستہ اوپر کی طرف جاتا تھا وہ بہت اونچائی پر جاتا تھا۔ (اس کو کوتل زرین کہتے ہیں) ہم اوپر کی جانب نہ گئے۔ درہ کے نیچے کی طرف روانہ ہوئے۔ دامن سے ہم نیچے نہ پہنچنے پائے تھے کہ شام ہو گئی۔ درہ ہی میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اس رات بڑی سردی تھی۔ بہت مصیبت اور سختی سے وہ رات بسر ہوئی۔ بہت سوں کے ہاتھ پاؤں کو جاڑا مار گیا۔ اس رات میں کتہ بیگ کے پاؤں۔ سوندرک ترکمان کے ہاتھ اور آتی کے پاؤں کو ٹھنڈک نے مار دیا۔ دوسرے دن صبح کو درہ سے نیچے کی جانب ہم روانہ ہوئے۔ بڑے خراب اور تنگ مقاموں سے اترنے کا موقع ملا۔ مغرب کے وقت درہ سے باہر نکلے۔ کسی بوڑھے بڑے کو یاد نہیں ہے کہ اس پہاڑ میں سے ایسے وقت میں کہ اتنی برف پڑتی ہو کوئی صحیح سلامت نکل گیا ہو۔ بلکہ اس موسم میں ادھر سے راستہ چلنا کسی کے خیال میں نہ آتا ہو گا۔ اگرچہ اس اونچی برف سے چند روز بہت تکلیف اٹھائی مگر اسی اونچی برف کے طفیل منزل پر بھی پہنچ گئے کیونکہ اگر برف اتنی اونچی نہ ہوتی تو اول ہی مقام میں گھوڑے' اونٹ اور آدمی سب کا کام تمام ہو جاتا۔

ہر نیک و بدے کہ در شمار است
تادر نگری صلاح کا راست

عشاء کے وقت ہم یکہ اولانگ میں آن اترے۔ بلکہ اولانگ والے ہمارے اترتے ہی ہمارے آنے سے آگاہ ہوئے۔ انہوں نے گرم مکان خالی کر دیئے۔ ہمارے لئے موٹی موٹی بکریاں وغیرہ حاضر کیں۔ گھوڑوں کے لئے دانہ گھاس اور سینکنے کے ئے پھونس اور اپلوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس ستم کی سردی اور برف سے نجات پا کر ایسے گاؤں اور گرم مکانوں کو ملنا اور اس مصیبت و بلا سے بچ کر ایسی الغاروں روٹیاں اور یہ دم سم چربائی ہوئی بکریاں نصیب ہونی ایک نعمت ہے جس کو محنت کرنے والے ہی جانتے ہیں۔ اور ایک پرورش ہے جس کو بلاکش ہی پہچانتے ہیں۔ دل جمی اور فراغت کے ساتھ یکہ اولانگ میں ایک دن مقام کیا۔ یکہ اولانگ سے کوچ کر کے دو فرسنگ پر ڈیرے کئے۔ دوسرے دن عید ہوئی۔ بامیان میں سے ہوشیر نو پہاڑ سے نیچے اترے۔ اس اترنے میں جگدلگ کو چھوڑ دیا۔ ہمارے سر راہ ہزارہ ترکمان مع گھربار کے قشلاق میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کو اصلا ہماری خبر نہ تھی۔ دوسرے دن جو کوچ ہوا تو ان کے پڑاوؤں اور ڈیروں میں ہم جا گھسے۔ ان کے دو تین پڑاؤ تو لٹے۔ باقیوں نے سب کچھ چھوڑ چھاڑ صرف اپنی جانوں اور بال بچوں کو لے پہاڑ کا راستہ لیا۔ اتنے میں خبر آئی کہ کئی ہزار آدمی نے لشکر کے اگلے لوگوں کو ایک تنگ مقام میں گھیر رکھا ہے۔ تیروں کی بوچھاڑ کر رکھی ہے اور کسی کو جانے نہیں دیتے۔ یہ سنتے ہی میں پلٹا۔ پاس پہنچ کر میں نے دیکھا کہ جگہ تو تنگ نہیں ہے۔ ہاں کچھ ہزارہ لوگ ایک پہاڑ کی بنی گاہ سے تیر مار رہے ہیں۔ ایک ٹیکرے پر اچھے اچھے جوان اکٹھے کھڑے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ہزارہ لوگوں نے اگلے سپاہیوں کا جو راستہ روک رکھا ہے تو سب حیران ہو رہے ہیں۔ اس موقع پر میں اکیلا لپکا اور جو لوگ بھاگے جاتے تھے۔ ان کو "یور یور" کہہ کر تسلی دی۔ ان میں سے ایک نے بھی میری نہ سنی۔ دشمن کی طرف کسی نے منہ نہ کیا۔ ہر کوئی ہر جگہ ٹھہرا رہا۔ گو سوائے ترکش اور کمان کے میرے پاس اور ہتھیار و سامان نہ تھا۔ اور میرے دل میں یہ بات بھی آئی کہ نوکر اسی دن کے لئے رکھتے ہیں کہ موقع پر اپنے کام آئے اور مالک پر جان فدا کرے۔ نہ اس لئے کہ نوکر کھڑا منہ دیکھے اور آقا دشمن کا مقابلہ کرے۔ مگر میں نے اپنا گھوڑا مقابلہ کے لئے ڈال دیا۔ جب لوگوں نے مجھے جاتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ اس پہاڑ کے پاس جہاں ہزارہ تھے پہنچتے ہی ہم نے ان کے تیروں کی ذرا پروا نہ کی اور چڑھنا شروع کر دیا۔

کبھی پیدل ہو کر چڑھنے لگتے تھے۔ کبھی سوار غنیم نے جو دیکھا کہ لشکر ہجوم کر کے چڑھ آیا تو وہ بھاگ نکلا۔ اب ہمارے سپاہیوں نے ان کا پیچھا کیا۔ سب پہاڑ پر چڑھ گئے۔ ہرنوں کی طرح ان کو آگے رکھ لیا۔ اور شکار کرنا شروع کیا۔ جو پکڑے گئے ان کا مال اسباب چھین لیا گیا۔ بال بچے قید کر لئے۔ ان کے مال میں سے کچھ بکریاں میں نے بھی گیریں۔ یارک طغائی کے سپرد کر کے میں آگے بڑھا۔ پہاڑوں کی بلندیوں سے گذرتا ہوا۔ ہزارہ کے گھوڑے بکریاں آگے رکھے ہوئے لنگر تیموریہ بیگ میں ہم اترے۔ ہزارہ قوم کے چودہ پندرہ سردار جو ان میں سرکش اور لٹیرے تھے گرفتار ہو گئے تھے۔ ارادہ تھا کہ جہاں ٹھہریں گے وہاں ان کو قتل کر دیا جائے گا۔ ان سب ڈاکوؤں اور سرکشوں کو عبرت ہو جائے گی۔ اتفاقاً" قیدی قاسم بیگ سے مل گئے۔ قاسم بیگ نے رحم کرکے بے موقع رہائی دے دی۔ مثنوی

نکوئی با بداں کردن چنان است
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں
زمین شور سنبل برنیارد
درو تخم عمل ضائع مگرداں

غرض سارے قیدی چھوڑ دیئے۔

خان مرزا کی بغاوت اور اس پر فتح پانا:۔ اسی یورش کرنے کے موقع پہ خبر پہنچی کہ محمد حسین دوغلت اور سلطان سنجر برلاس نے ان مغلوں کو جو کابل میں رہ گئے تھے اپنے سے ملا خان مرزا کو بادشاہ بنا کابل کا محاصرہ کر لیا ہے اور لوگوں میں یہ خبر اڑا دی ہے کہ بدیع الزمان مرزا اور مظفر حسین مرزا نے بادشاہ کو پکڑ کر ہری کے قلعہ اختیار الدین (جواب بالا قورغان مشہور ہے) میں قید کر دیا۔ کابل میں ملا بابا ساغرچی' خلیفہ محب علی قورچی' احمد یوسف' اور احمد قاسم تھے۔ انہوں نے فوراً قلعہ بندی کر لی اور شہر کی حفاظت کرنے لگے۔ لنگر تیمور بیگ سے میں نے محمد اندجانی (قاسم بیگ کا نوکر) کے ہاتھ امرائے کابل کو لکھ بھیجا کہ میں یہاں آگیا ہوں اور یہ تجویز کی کہ ہم غور بند سے نکل کر ان پر دفعتہ" جا پڑیں۔ نشانی یہ ہو کہ ہمارے باہر آنے کے بعد پہاڑ کے منار پر تم آگ روشن کرو۔ ہم سمجھ جائیں گے ہمارے آنے کو تم جان گئے۔ ہم ادھر سے پہنچیں گے تم ادھر سے باہر نکلنا۔ اور جس قدر تم سے ہو سکے کمی نہ کرنا۔ یہ باتیں محمد

اندجانی کے ہاتھ کہلا بھیجیں۔ دوسرے دن صبح لنگر سے چلے اور شہر استر کے پاس اترے۔ وہاں سے جھٹ پٹے کے وقت غوربند کے درہ سے نکل پل پر آٹھہرے۔ گھوڑوں کو ستایا اور ٹھنڈا کیا۔ ظہر کے وقت پل سے چلے۔ تو تقاول تک برف نہ تھی۔ جب تقاول سے آگے بڑھے تو جس قدر چلتے گئے برف زیادہ ہوتی گئی۔ دمہ پختنی میں خوب سردی پڑی ایسی سردی سے مجھے اپنی عمر میں کبھی پالا نہ پڑا تھا۔ احمدی بساول اور باقر اور احمد بوریخی کو امرائے مقیم کابل پاس بھیج کر کہلا بھیجا کہ ہم وقت موعود پر آتے ہیں۔ تم ہوشیار رہو۔ اور سنبھل جاؤ۔

کوہ منار سے چل کر دامن کوہ میں اتر آئے۔ جاڑے کے مارے دم نہ رہا تھا۔ آگ سلگا کر تاپنے لگے۔ اگرچہ وہ محل آگ جلانے کا نہ تھا مگر ٹھنڈ نے عاجز کر دیا تھا۔ اس لئے الاؤ لگا دیا تھا۔ پو پھٹ چکی تھی جو کوہ منارہ سے ہم چلے۔ کابل اور کوہ منار کے مابین گھوڑے کی ران تک برف تھی۔ راستہ چلنے والے مشکل سے چلتے تھے۔ اس سارے راستہ میں ہم برف ہی میں دھنسے رہے۔ یہی وجہ ہوئی کہ وقت موعود پر کابل میں بڑی دقت سے پہنچنا ہوا۔ بنی ماہ رو پر ہمارے پہنچتے ہی قلعہ سے آگ کی روشنی نمایاں ہوئی۔ معلوم ہوا کہ قلعہ والے خبردار ہو گئے۔ جب ہم سید قاسم کے پل پر پہنچے تو شیرم طغائی کو فوج برنغار کے ہمراہ ملا بابا کے پل کی طرف روانہ کیا۔ قول اور جرانغار کو بابا بولی کے راستہ سے ہم لے گئے۔ جہاں اب خلیفہ کا باغ ہے اس زمانہ میں وہاں الغ بیگ مرزا کا بنایا ہوا ایک چھوٹا سا باغیچہ تھا۔ حویلی کی قطعہ کا۔ کلٹ کباڑ تو اس کا گل گیا تھا مگر چار دیواری باقی تھی۔ خان مرزا اسی میں تھا۔ محمد حسین مرزا الغ بیگ مرزا والے باغ بہشت میں تھا۔ میں ملا بابا کی طرف والے قبرستان میں پہنچا۔ جو لوگ تیزی سے آگے بڑھ گئے تھے پٹ کر میرے پاس آئے۔ یہ آگے بڑھنے والے اس مکان میں جس میں خان مرزا تھا جا گھسے اور یہ چار آدمی تھے۔ سید قاسم ایشک آقا۔ قنبر علی۔ شیر علی قراول مغل اور سلطان احمد مغل (شیر قلی مغل کی فوج میں کا ان چاروں کے بے تحاشا اس حویلی میں (جس میں خان مرزا تھا) گھستے ہی غل مچ گیا۔ خان مرزا گھوڑے پر بیٹھ نکل بھاگا۔ محمد حسین قوربیگی کے چھوٹے بھائی نے (جو خان مرزا کا نوکر ہو گیا تھا) شیر قلی مغل کے تلوار ماری۔ اس کا سر کاٹ ڈالا تو چھٹکارا ہوا غرض یہ چاروں تلوار اور تیر کے زخم کھائے ہوئے جہاں کا میں نے ذکر کیا ہے وہاں میرے پاس

آئے۔ ایک تنگ مقام میں سوار جمع ہو گئے اور بھیڑ ہو گئی۔ اوپر والے بھی ایک جگہ ہو گئے نہ آگے جا سکتے ہیں۔ نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں۔ جو لوگ میرے پاس تھے ان سے میں نے کہا نیچے اترو اور حملہ کر دو۔

دوست ناصر محمد علی کتاب دار' بابا شیرزاد شاہ محمود اور اور جوان نیچے اتر کر تیر مارنے لگے۔ ادھر والوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ قلعہ والوں کی ہم نے بہت راہ دیکھی مگر وہ وقت پر نہ آسکے۔ دشمن کے پست ہونے کے بعد ایک ایک دو دو آنے لگے۔ میں ابھی اس چار باغ میں جس میں خان مرزا تھا' نہ گیا تھا کہ قلعہ والوں میں سے یوسف اور سید یوسف نے میرے ساتھ اس باغ میں جہاں خان مرزا تھا پہنچے۔ معلوم ہوا کہ خان مرزا یہاں سے بھاگ گیا۔ میں جلدی سے الٹا پھرا۔ احمد یوسف میرے پیچھے پیچھے تھا۔ چار باغ کے دروازہ سے پل پر دست پیادہ (جس کو دلیری کے صلہ میں میں نے کوتوال کلل کر دیا تھا) ننگی تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے مجھ پر جھپٹا۔ میں جیبہ پہنے ہوئے تھا۔ غریکی نہ باندھے ہوئے تھا۔ دو بلغہ بھی نہ پہنا تھا۔ ہرچند "ہے دوست۔ ہے دوست" کہہ کر میں چلایا۔ اور احمد یوسف بھی چیخا۔ مگر یا تو اس سبب سے کہ سردی اور برف سے میری صورت پلٹ گئی تھی یا اضطراب جنگ ہو۔ اس نے مجھے نہ پہچانا اور میرے کھلے ہوئے بازو پر ہاتھ مارا۔ عنایت الٰہی سے میں بال بال بچا۔

اگر تیغ عالم بجنبید ز جائے
نہ برد رگے تانخواہد خدائے

خدائے تعالیٰ نے مجھے اس دعاء کی برکت سے بچا لیا جو میں پڑھا کرتا تھا۔ وہ دعا یہ ہے۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت علیک توکلت علیک انت رب العرش العظیم ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واعلمہ ان اللہ علی کل شئی قدیر وان اللہ قد احاط بکل شئی علما اللھم انی اعوذبک من ان اشرک بک ومن شر نفسی ومن شر غیری ومن شر کل انم انت اخذ بنا صینتھا انک انت رب العرش العظیم

وہاں سے میں باغ بہشت میں آیا جہاں محمد حسین مرزا تھا۔ وہ بھاگ کر چھپ گیا۔ باغ کے ایک مقام پر جہاں سے محمد حسین مرزا کو د تھا سات آٹھ آدمی کمانیں لئے ہوئے کھڑے تھے۔ میں نے ان کی طرف گھوڑا ڈپٹایا۔ وہ مقابلہ نہ کر سکے۔ اور بھاگ

نکلے۔ میں نے پہنچ کر ایک کے تلوار ماری۔ تلوار کا ہاتھ ایسا پڑا کہ میں سمجھا شاید اس کا سر اڑ گیا۔ میں آگے بڑھا جس کے میں نے تلوار ماری تھی وہ خان مرزا کا کوکلتاش بولک کوکلتاش تھا۔ تلوار اس کے ہاتھ پر پڑی تھی۔ جب میں اس مکان کے دروازہ میں پہنچا جس میں محمد حسین مرزا تھا تو اوپر سے ایک مغل نے جو میرا نوکر تھا اور میں اس کو پہچانتا تھا۔ ایک تیر جوڑ کر میری طرف رخ کیا۔ ادھر ادھر سے "ہیں ہیں بادشاہ ہیں" آوازیں پڑنے لگیں۔ تیر کو پھینک کر وہ بھاگ گیا۔ تیر مارنے کا کام نہ رہا تھا۔ مرزا اور اس کے سردار بھاگ چکے تھے۔ بعض سردار گرفتار ہو گئے تھے۔ کس کے تیر مارے جاتے۔ یہیں سلطان سنجر کو (اس کو میں نے تومان نیکنہار دیا تھا اور یہ بھی اس بغاوت میں شریک تھا) پکڑ کر اور اس کی گردن باندھ کر گھسیٹتے ہوئے لائے۔ وہ گھبرانے لگا اور لگا چیخنے' "ہائے ہائے" لوگوں نے کہا کہ تیرا جرم اس سے بڑھ کر ہے کیونکہ ان سب کا سرغنہ تو ہی ہے۔ چونکہ میرے ماموؤں کی ماں شاہ بیگم کا وہ بھانجا تھا اس لئے میں نے حکم دیا کہ اتنا بے عزت نہ کرو۔ اور کشاں کشاں نہ لاؤ۔ یہاں سے نکل کر احمد قاسم کوہ برکو جو امرائے متعینہ قلعہ میں سے تھا خان مرزا کی تلاش میں روانہ کیا۔ اسی باغ کے ایک گوشہ میں شاہ بیگم اور خانم مقیم تھیں۔ میں ان دونوں سے ملنے گیا۔ شہر کے لچے گنڈے لاٹھیاں لئے ہوئے لوٹ مار پر پل رہے تھے اور کونہ کونہ ٹٹولنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے لوگوں کو مقرر کیا کہ ہر طرف سے مار کر نکال دیا جائے۔

شاہ بیگم اور خانم ایک ہی جگہ تھیں۔ جہاں میں اترا کرتا تھا۔ وہیں اترا۔ جس طرح پہلے ادب اور تعظیم سے پیش آتا تھا ان سے اسی طرح پیش آیا۔ دونوں بہت ہی کچھ گھبرائی ہوئی اور شرمندگی سے سر جھکائے ہوئے تھیں۔ نہ کوئی عذر معقول کر سکیں۔ نہ محبت سے پیش آئیں۔ مجھے ان سے ایسی توقع نہ تھی۔ یہ لوگ جنھوں نے فساد برپا کیا ایسا نہ تھا کہ بیگم اور خانم کی بات نہ سنتے۔ خان مرزا تو ان کا سگا نواسہ ہی تھا۔ رات دن انہی کے پاس رہتا تھا۔ اگر اور لوگ ان کی نہ سنتے تو خان مرزا کو یہ روک سکتی تھیں۔ زمانہ کی ناسازگاری سے کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ تخت۔ ملک اور نوکر چاکروں سے الگ ہو ان کے پاس گیا ہوں اور التجا کی ہے۔ میری والدہ بھی ساتھ ہوئی ہیں۔ انہوں نے آنکھ تک نہیں ملائی۔ خان مرزا مجھ سے چھوٹا بھائی ہے۔ وہ اور اس کی ماں سلطان نگار خانم آباد ملک کے مالک تھے۔ میں اور میری ماں ملک تو درکنار ایک

گلّوں اور ایک جانور بھی نہ رکھتے تھے۔ کیا میری ماں یونس خاں کی بیٹی نہ تھی اور میں یونس خاں کا نواسہ نہ تھا؟ شاہ بیگم کے آتے ہی میں نے ملک لمغان کو جو کابل کے اعلیٰ علاقوں میں سے ہے ان کی نذر کر دیا۔ دوسرے ہر طرح کی خدمت گزاری میں اور بیٹا بننے میں ذرا کمی نہ کی۔ سلطان سعید خان کاشغری پیدل اور ننگا کئی دفعہ آیا۔ میں اس سے سگے بھائیوں کی طرح ملا۔ لمغان کے علاقوں میں سے مندراور کا پرگنہ میں نے اس کی تواضع کیا۔ جس زمانہ میں شاہ اسمٰعیل صفوی نے شیبانی کو قتل کر ڈالا اور اس قوی دشمن کو ہمارے سر سے ٹالا۔ تو میں ادھر گیا۔ قندز سے چلتے وقت اندجان والے میرا منہ تکنے لگے۔ بعض نے اپنے حکام کو نکال دیا۔ بعض نے اپنے شہروں کا انتظام کر لیا اور میرے پاس آدمی بھیجے۔ میں نے سلطان سعید خاں کے ساتھ اپنے آدمی کر دیئے۔ اپنی فوج کمک کے لئے دی اور اندجان کا ملک اس کو دے دیا۔ سردار بنا کر ادھر روانہ کر دیا۔ آج تک جو وہاں سے آتا ہے میں اس کو اپنے عزیزوں سے کم نہیں جانتا۔ چنانچہ چمن تیمور سلطان اویس تیمور سلطان۔ توغتہ بوغا سلطان اور بابا سلطان اب میرے پاس ہیں۔ میں سب کو اپنے حقیقتوں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اور ہر طرح ان کی خاطر و رعایت کرتا ہوں۔

اس لکھنے سے میرا مدعا شکایت نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک سچی حکایت ہے جو لکھ دی گئی۔ میں کچھ اپنی تعریف کرنی نہیں چاہتا۔ جو گذرا ہے وہ تذکرہ بیان کر دیا۔ میں نے یہ التزام کر لیا ہے کہ اس تاریخ میں سچی سچی باتیں لکھی جائیں۔ کوئی بیان غیر واقعی نہ ہو۔ باپ ہو یا بھائی۔ اپنا ہو یا بیگانہ۔ جس کی جو برائی بھلائی تھی وہ صاف صاف بیان کر دی۔ جس کا جو عیب و ہنر تھا پورا پورا لکھ دیا۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ اور اعتراض نہ کریں۔ یہاں سے میں اٹھ کر چار باغ میں آیا۔ جس میں خان مرزا اترا ہوا تھا۔ سب طرف فتح نامے بھیجے گئے۔ اس کام کے بعد سوار ہو کر ارک میں ہم آئے۔ محمد حسین مرزا ڈر کے مارے خانم کے توشک خانہ میں آکر چھپ گیا تھا۔ توشک کے بوغبند میں لپٹ رہا۔ قلعہ کے متعینوں میں سے میرم دیوان وغیرہ کو حکم دیا کہ ان گھروں کی تلاشی لے لو۔ اور محمد حسین مرزا کو ڈھونڈ لاؤ۔ یہ لوگ خانم کے دروازہ پر آئے۔ خوب ڈانٹا اور دھمکایا۔ بہرحال محمد حسین مرزا کو پکڑ لائے۔ اور قلعہ میں لے آئے۔ میں نے حسب دستور تعظیم دی اور اس کے منہ پر کوئی سخت بات نہ کہی۔ محمد حسین

مرزا کے اگر میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا تو بجا تھا طرح طرح کے عذاب دیتا تو وہ اس کی سزا تھی۔ کیونکہ اس نے ایسی نالائق حرکت کی اور ان سارے فتنوں کی جڑ وہی تھا لیکن ایک طرح کی سگوت تھی۔ میری سگی خالہ خوب نگار خانم کا وہ خاوند تھا۔ صاحب اولاد تھا۔ ان حقوق سے میں نے اس کو ذرا نہ ستایا اور خراسان جانے کی اجازت دے دی۔ یہ بے مروت حق ناشناس میری ایسی نیکی کو کہ میں نے ان کی جان بخشی کر دی۔ بالکل بھول گیا۔ شیبانی کے آگے میری شکایتیں کیں۔ اور مجھے برا بھلا کہا۔ چند ہی روز میں شیبانی خان نے اس کو قتل کر ڈالا کمبخت نے اپنے کیئے کی سزا پائی۔

تو بد کنندہ خود بروزگار سپار
کہ روزگار ترا چاکر یست کینہ گزار

احمد قاسم کوہ برکو کچھ سپاہیوں سمیت خان مرزا کے تجسس میں بھیجا تھا۔ قرابلاق کے پہاڑوں میں اس نے خان مرزا کو جا لیا۔ خان مرزا نہ بھاگ سکا نہ ہاتھ پاؤں ہلا سکا اس کو بھی گرفتار کر لائے۔ جب وہ آیا تو میں شمال و شرق کے آخر والے والان میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ لاؤ۔ ایسا گھبرایا کہ زانو مارنے کے لئے آتے آتے دو دفعہ گرا۔ آتے ہی میں نے پہلو میں بٹھا لیا۔ تسلی دی۔ شربت حاضر ہوا۔ خان مرزا کے رفع وہم کے لئے پہلے میں نے شربت پیا پھر اس کو دیا۔ چونکہ سپاہ' رعیت' مغول اور چغتائی دودلے ہو رہے تھے اس لئے چند روز کی احتیاط کی۔ حکم دیا کہ خان مرزا اپنے گھر میں رہے۔ مگر ان لوگوں سے جن کا ذکر ہوا ہنوز دغدغہ باقی تھا۔ خان مرزا کا کابل میں رہنا مناسب نہ دیکھا۔ کچھ دن بعد اس کو خراسان کی طرف چلے جانے کی اجازت دی گئی۔ ان کو روانہ کر کے مقام سیاران' چاش تو اور گل بہار کی سیر کرنے چلا گیا۔ موسم بہار میں ان مقاموں کی کیفیت قابل دید ہوتی ہے۔ کابل کے اور مقامات کی نسبت یہاں سبزہ بہت ہوتا ہے۔ طرح طرح کا گل لالہ کھلتا ہے۔ ایک بار میں نے لالہ کی قسمیں گنوائیں تو چونتیس قسمیں نکلیں۔ یہاں کی تعریف میں میں نے ایک شعر بھی لکھا ہے۔ اسی اثناء میں ساری غزل لکھی۔ سچ یہ ہے کہ فصل بہار میں شیر۔ شکار اور تیر اندازی کے لئے ایسے مقامات بہت کم ہوں گے۔ چنانچہ کابل و غزنی کی تعریف کسی قدر لکھ دی گئی ہے۔

اسی سال ناصر مرزا کے برتاوے سے اس میں اور امرائے بدخشاں مثل محمد

قورچی۔ مبارک شاہ وزیر اور جہانگیر میں شکر رنجی ہو گئی۔ بلکہ یہ لوگ کھلم کھلا باغی ہو گئے۔ سب نے متفق ہو کر فوج کشی کی۔ دریائے کو چک کے میدان کی طرف سے جو نقیل اور داغ کی جانب ہے اپنے اپنی سوار و پیادوں کو جمع کر پہاڑ کے راستوں سے بچان کے پاس سب آ گئے۔ ناصر مرزا اور اس کے ناتجربہ کار ہمراہیوں نے کسی بات کا خیال نہ کیا اور پشتوں پر آ کر مقابلہ کیا۔ زمین بہت اونچی نیچی۔ پیدل زیادہ دو ایک مرتبہ گھوڑوں کو تیز کرنے میں قائم رہے اور لڑے۔ آخر بھاگ نکلے۔ بدخشانیوں نے ناصر مرزا کو شکست دی۔ ان کے توابع اور لواحق کو لوٹ لیا۔ ناصر مرزا اپنے لٹے پٹے ہمراہیوں کو لئے ہوئے اشکمش اور نارین کے راستہ سے کیلکاری میں آیا اور سرخاب کے اوپر کی جانب سے ہوتا ہوا آب درہ کے راستہ میں آ گیا۔ وہاں سے شیر توکوتل سے نکل ستر اسی ننگوں' بھوکوں اور بھگوڑوں نوکروں سمیت کابل میں آیا۔ خدا بڑا قادر ہے۔ اس سے پہلے دو تین سال ہوئے کہ ناصر مرزا تمام ایل والوس کو لے باغی ہو کابل سے بدخشاں چلا گیا۔ دروں اور قلعوں کا انتظام کر کے کن کن خیالوں میں پھرتا تھا۔ اب اپنے پچھلے کرتوتوں اور یوں چلے جانے سے بہت خجل ہوا۔ میں نے بھی اس سے کچھ نہ کہا۔ اچھی طرح حال پوچھا اور مہربانی کر کے اس کی شرمندگی دور کر دی۔

۹۱۳ ہجری کے واقعات

قوم خلجی پر چڑھائی :۔ خلجی قوم پر چڑھائی کرنے کے لئے میں کابل سے چلا۔ مقام سردہ میں اترنے کے بعد خبر آئی کہ مقام شصت وسہ گانہ میں جو سردہ سے ایک فرسنگ پر ہے مہمند قوم کے لوگ غافل پڑے ہوئے ہیں۔ امراء اور سرداران فوج کی صلاح ہوئی کہ ان کی خبر لینی چاہئے۔ میں نے کہا یہ کب روا ہے کہ جس قصد سے نکلا ہوں اس کو تو پورا نہ کروں اور اپنی ہی رعیت کو ستا کر پلٹ جاؤں۔ یہ امر ممکن نہیں۔ سردہ سے سوار ہو صحرائے کتہ واد کو راتوں رات اندھیرے ہی میں طے کیا۔ اندھیری رات۔ زمین اونچی اونچی' پہاڑ اور ٹیلوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ راستہ کا پتا نہیں اور راستہ بتانے والا نہیں۔ آخر میں خود رہبر بنا۔ دو ایک دفعہ اس نواح میں مجھے آنے

کا اتفاق ہوا تھا۔ اسی قیاس پر قطب کو سیدھے ہاتھ پر رکھ روانہ ہوا۔ خدائے تعالیٰ راست لایا۔ سیدھا تباقبود اولابہ کے درہ پر آ پہنچا۔ اسی درہ سے خواجہ اسماعیل سری میں جہاں قوم غلجی رہتی ہے راستہ جاتا ہے۔ یہیں ٹھہر کر ذرا دم لیا۔ کوئی گھنٹہ بھر ہم سو رہے۔ اور گھوڑوں نے آرام لیا۔ سویرے وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔ سورج نکل آیا تھا کہ ان ٹیلوں اور پہاڑوں سے باہر ہو جنگل و میدان میں ہم آ گئے۔

یہاں سے وہ مقام جہاں غلجی رہتے ہیں پکا ایک فرسنگ ہو گا۔ یہاں سے آبادی یا دھواں سا کچھ نظر آنے لگا۔ اس کو دیکھ کر سارا لشکر دوڑ پڑا۔ کوئی کوس بھر لوگ دوڑتے رہے اور گھوڑوں کو دوڑاتے رہے۔ میں نے لوگوں کو تھمایا۔ پانچ چھ ہزار یورش کرنے والے لشکر کو تھمانا ہنسی ٹھٹھا نہیں ہے۔ مگر خدا کی عنایت سے کوئی ایک کوس شرعی چل کر لشکر ٹھہر گیا۔ آبادی نظر آتے ہی فوج کا ایک دستہ ادھر روانہ کیا۔ بکریاں اس فوج کے ہاتھ بہت لگیں۔ اتنی کسی موقع پر نہ ہاتھ آئی تھیں۔ جس وقت مال اسباب لے کر ہم اترے اس وقت ہر طرف سے دشمن کی جماعتیں آ کر لڑنے لگیں۔ ایک جماعت کو بعض امراء وغیرہم نے پکڑا۔ اور قتل کر ڈالا۔ ایک گروہ کو ناصر مرزا نے جا لیا۔ اور سب کو قتل کیا۔ مقتولوں کے سروں کو اکٹھا کر کے کلہ منارہ چنوا دیا گیا۔ دوست پیادہ کوتوال (جس کا ذکر ہو چکا ہے) کے پاؤں میں تیر لگا۔ جس وقت ہم کابل پہنچے۔ اس وقت اس کا انتقال ہو گیا۔ خواجہ اسماعیل سے اولابہ تو میں آ اترے۔ یہاں بعض امراء اور مقربوں کے نام حکم دیا گیا کہ جتنی لوٹ آئی ہے اس کا پانچواں حصہ سرکار میں داخل کرنے کا انتظام کرو۔ قاسم وغیرہ کو رعایتاً" یہ خمس معاف کر دیا۔ جو خمس لیا گیا اس کی تعداد سولہ ہزار بکریاں قلم بند ہوئیں۔ یہ خمس اسی ہزار کا تھا۔ تلف شدہ اور معاف شدہ کو ملا کر ایک لاکھ بکریوں کے ہونے میں کلام نہیں ہے۔ اس مقام سے کوچ کر کے صحرائے کتہ واو میں شکار جرگہ کے لئے قیام کیا۔ اس جنگل میں ہرن اور گورخر فربہ اور بکثرت ہوتے ہیں۔ جرگہ میں جو بہت سے ہرن اور گورخر گھرے تو شکار بھی خوب ہوا۔ میں نے ایک گورخر کے پیچھے گھوڑا ڈالا اور قریب پہنچ کر تیر مارا۔ دوسرا تیر اور مارا۔ دونوں تیر کاری تو نہ لگے۔ مگر ہاں زخم ایسے آئے کہ وہ دوڑنے سے رہ گیا۔ اور آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ پھر اور پاس ہوتے ہی اس کے دونوں کانوں کے اور سر کے پیچھے میں نے تلوار کا ایک ہاتھ دیا۔ تلوار گلا کاٹتی ہوئی صاف

نکل گئی۔ اس کے پچھلے پاؤں میری رکاب میں لگے۔ میری تلوار نے خوب کاٹ کیا۔ بڑا موٹا گورخر تھا۔ اس کا قطر ایک گز سے کچھ کم ہی ہو گا۔ شیرم طغائی وغیرہ نے مغولستان کے ہرن دیکھے تھے۔ وہ حیران ہوئے اور کہنے لگے۔ مغلستان میں اتنا فربہ ہرن شاذونادر ہوتا ہے۔ آج ہی ایک اور گورخر کا شکار میں نے کیا۔ اس شکار میں اکثر فربہ ہرن اور گورخر ہاتھ آئے۔ مگر جس گورخر کو میں نے مارا تھا اس سے کوئی لگا نہ کھاتا تھا۔ اس مہم سے فارغ ہو کر کابل میں آئے۔

آخر سال میں شیبانی خاں نے سمرقند سے خراسان پر فوج کشی کی۔ شاہ منصور بخشی نمک حرام نے جو حاکم اندخود تھا شیبانی خاں کے پاس آدمی بھیجے۔ اور اس کو بہت جلد آنے پر بلسایا۔ جب شیبانی خاں اندخود کی نواح میں پہنچا تو یہ کمبخت باغی اس بھروسہ پر کہ میں نے اس کو بلایا ہے بن سنور۔ اوتاغہ سر پر رکھ پیش کش وغیرہ لے کر اس کے پاس چلا۔ بے سرے ازبکوں نے چاروں طرف سے گھیر اس نامرد ہیجڑے کا اور اس کی پیش کش کا وہیں سرتا برتا کر لیا۔ بدیع الزمان مرزا۔ مظفر حسین مرزا۔ محمد برندوق اور ذوالنون ارغون سب بابا خاکی کی نواح میں لشکر لئے ہوئے پڑے تھے۔ نہ لڑنے پر کمر باندھی۔ نہ قلعہ بندی کی۔ کوئی کام نہ کیا اور کچھ لڑنا جانتے بھی نہ تھے۔ حیران و پریشان تھے۔ محمد برندوق واقف کار تھا۔ اس کی صلاح تھی کہ میں اور مظفر حسین مرزا تو قلعہ ہرات کا انتظام کریں۔ بدیع الزماں مرزا اور ذوالنون بیگ ہری کی نواح سے پہاڑوں میں جائیں۔ سیستان سے سلطان علی ارغون۔ قندھار و زمین داور سے شاہ بیگ و مقیم کو بلا کر اپنے ساتھ کر لیں۔ جتنا لشکر ہزارہ اور نکدری کا ہے اس کو جمع کر لیں اور تیار ہو کر آمادہ پیکار ہو جائیں۔ پہاڑوں میں تو دشمن کا جانا مشکل ہے۔ اس بیرونی لشکر کے اندیشہ سے قلعہ پر بھی آنے کا حوصلہ نہ پڑے گا۔ اس کی یہ رائے صائب تھی۔ ذوالنون بہادر تو تھا مگر مال پر جان دیتا تھا۔ اور احمق تھا۔ ایک باؤلا اور بغلول آدمی تھا۔ جس زمانہ میں کہ دونوں بھائی ہری کے مشترک حکمران تھے اس زمانہ میں بدیع الزمان مرزا کی سرکار میں یہی مختار تھا۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا۔ پس اس نے مال کی محبت کے سبب سے محمد برندوق کا شہر میں رہنا پسند نہ کیا۔ اپنے رہنے کا خیال کیا اور اس کو بھی نہ نباہ سکا۔ اس کے احمق اور باؤلے پن کی دلیل اس سے زیادہ کون سی ہو گی کہ لالچیوں۔ خوشامدیوں اور جھوٹوں کی باتوں میں آ کر رسوا اور برباد ہو

گیا۔

اس کا مفصل حال یہ ہے کہ جب ہری میں صاحب اختیار و مقتدر ہوا تو ملاؤں اور مشائخ نے آ کر کہا کہ ہم سے یہاں کا قطب ملا کرتا ہے۔ اس نے تیرا لقب ہزبر اللہ رکھا ہے۔ تو ازبک کو شکست دے گا۔ اس فقرہ کو اس نے سچ جانا۔ ایک تھیلی گلے میں ڈال بہت ہی شکر گزار ہوا تھا۔ یہی دھوکا تھا جس سے محمد برندوق کی معقول رائے پر عمل نہ کیا۔ نہ قلعہ کو مستحکم کیا۔ نہ سامان جنگ درست کیا۔ نہ قراول مقرر کئے اور نہ جاسوس کہ دشمن کی نقل و حرکت سے آگاہ کریں۔ نہ فوج کی ترتیب و انتظام کیا کہ اگر دشمن آ بھی جائے تو بخوبی اس کا مقابلہ کرے۔ شیبانی خاں جب محرم کے مہینے میں مرغاب سے پار ہو سرکائے کی نواح میں آ گیا تو ان کی آنکھیں کھلیں۔ اب ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ کچھ بندوبست نہ ہو سکا۔ نہ لوگوں کو فراہم کر سکے اور نہ لشکر درست کر سکے۔ ہر شخص اپنی جگہ سے چل کھڑا ہوا۔ ذوالنون ارغون اسی خوشامدی فقرے کے بھروسے پر چالیس پچاس ہزار فوج کے سامنے ڈیڑھ سو آدمیوں کو لے کر رباط میں جا اترا۔ اس کے وہاں پہنچتے ہی دشمنوں نے آ گھیرا۔ اور اس کا سر کاٹ لیا۔

مرزاؤں کی ماں بہنیں مع مال اسباب قلعہ اختیار الدین (جوالہ قورغان مشہور ہے) میں تھیں مرزا شام کے قریب شہر میں چلے گئے۔ آدھی رات تک گھوڑوں کو دم لینے دیا اور آپ سو رہے۔ صبح سویرے سب کچھ چھوڑ چھاڑ بھاگ نکلے۔ قلعہ کا تو انتظام ہی نہ کر سکے۔ مگر اس عرصہ اور اتنی فرصت میں ماں بہنوں اور بال بچوں کو بھی نہ ساتھ لے سکے۔ سب کو ازبک کے حوالہ کر چلتے بنے۔ پائندہ سلطان بیگم اور خدیجہ سلطان بیگم سلطان حسین مرزا کی اور بیویوں اور بدیع الزمان اور مظفر حسین مرزا کے بال بچوں اور مال و اسباب سمیت قلعہ قورغان میں تھیں۔ قلعہ کا پورا بندوبست نہ کیا تھا۔ جو فوج کمک کے واسطے معین کی وہ بھی نہ پہنچ سکی۔ عاشق محمد ارغون مزید بیگ کا چھوٹا بھائی لشکر سے نکل قلعہ میں آیا۔ قلعہ میں امیر عمر بیگ کا بیٹا علی خان۔ شیخ عبداللہ بکاول۔ مرزا بیگ کیخسروی اور میرک کوردیوان بھی تھے۔ شیبانی خاں کے آنے کے دو تین دن بعد شیخ الاسلام اور اکابر شہر عہد و پیمان کر کے قلعہ سنگین کی کنجیاں لے کر گئے۔ سترہ اٹھارہ دن تک عاشق محمد نے قلعہ بچائے رکھا۔ آخر باہر کی طرف سے رات کو سرنگ لگا آگ دے دی اور ایک برج کو اڑا دیا۔ قلعہ والے عاجز ہو گئے اور

قلعہ کو نہ بچا سکے۔ قلعہ حوالہ کر دیا۔ ہری فتح کرنے کے بعد شیبانی خاں نے فقط ان بادشاہوں کے پس ماندوں ہی کے ساتھ بد سلوکیاں نہیں کیں۔ بلکہ تمام مخلوق کو ستایا اور اس پنج روزہ دنیا کے لئے بدنام ہوا۔

شیبانی خاں کی حرکتیں:۔ اس سے جو نالائق حرکتیں سرزد ہوئیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ چرکہ دیبائی کے لئے خدیجہ سلطان بیگم کو شاہ منصور بخشی کے حوالہ کیا اور طرح طرح کی ایذا دینے کے لئے حکم دیا۔ دوسرے شیخ پوران جیسے عزیز شخص کو عبدالوہاب مغل بے اور اس کے ہر بیٹے کو ایک کے سپرد کیا۔ تیسرے تمام اہل شہر کو اور شعرا کو ملا بنائی کے حوالہ کر دیا۔ چنانچہ ظرفائے خراسان کا اس باب میں ایک قطعہ مشہور ہے۔ قطعہ

بجز عبداللہ کیر خرا مروز
ندیدہ ہیچ شاعر روئے زررا
بنائی زر طلب دارد زشعرش
مگر خواہد گرفتن کیر خررا

چوتھے خانزادہ بیگم (مظفر حسین مرزا کی بیوی) سے جس کی عدت بھی پوری نہ ہوئی تھی ہری کے لئے ہی نکاح کر لیا۔ پانچویں قاضی اختیار محمد میر یوسف کو جو مشہور ملاؤں میں سے تھا بہت جھڑکا۔ چھٹے ملا سلا نعلی کے قطعوں اور بہزاد مصور کی تصویروں کو اصلاح دی۔ ساتویں ایک لغو شعر کہا اور منبر پر چڑھ کر پڑھا اور پھر اس کو بازار میں آویزاں کر کے اس کی داد چاہی۔ گو وہ پڑھا لکھا تھا مگر ایسے لغو اور بے ادبی کے قول و فعل اس سے بہت صادر ہوتے تھے۔ شیبانی خاں ہری لینے کے دس پندرہ دن بعد کہدستان سے ہوتا ہوا پل سالار پر آیا۔ تمام فوج تیمور سلطان اور عبید سلطان کے ہمراہ کر کے ابوالحسن مرزا اور کیپک مرزا کی جانب جو مشہد میں غافل بیٹھے ہوئے تھے روانہ کی۔ وہ حضرات پہلے تو قلات کو محکم کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ ایک دفعہ ہی اس لشکر کے آنے کی جو سنی تو شیبانی خاں پر "دفعتاً" جا پہنچنے کی ٹھان لی۔ یہ ان کے عجیب مزے کے خیال تھے۔ کوئی بات قرار نہ دے سکے۔ یونہی بیٹھے رہے۔ اتنے میں تیمور سلطان "دفعتاً" مع لشکر آن موجود ہوا۔ مرزا بھی سانولے ہو سامنے آئے۔ ابوالحسن مرزا کو چٹکی مارتے میں پکڑ لیا۔ کیپک مرزا کچھ آدمی لے کر دشمن کے مقابل ہوا۔ وہ

بھی پکڑا گیا۔ جس وقت دونوں بھائی ایک جائے بٹھائے گئے اس وقت دونوں ملے۔ ایک نے دوسرے کی پیشانی کو بوسہ دے کر رخصت کیا۔ ابوالحسن مرزا کے چہرہ سے خوف نمایاں تھا۔ کیپک مرزا کے حال میں کوئی فرق نہ تھا۔ دونوں مرزاؤں کے سر کاٹ لئے اور شیبانی خاں پل سالار پر تھا۔ جو اس کے پاس بھیج دیے۔

اسی زمانہ میں شاہ بیگ اور اس کے چھوٹے بھائی مقیم نے شیبانی خاں کے ڈر سے مکرر ایلچی مع عرضیوں کے میرے پاس بھیجے اور یک جہتی و دولت خواہی ظاہر کی۔ مقیم نے تو ایک عرضی میں کھلم کھلا لکھا کہ آپ آیئے۔ اس موقع پر کہ ازبک نے یہ بھی سارا ملک چھین لیا۔ دیدہ و دانستہ کانی دیتی مناسب نہ معلوم ہوئی۔ جب اتنے ایلچی بھیجے اور اس قدر عرضیاں بھیج کر مجھے بلایا تو مجھے ان کے حاضر ہونے میں شبہ نہ رہا۔ سب امراء اور اہل الرائے سے مشورت کی۔ یہ بات قرار پائی کہ میں ضرور چلوں۔ ارغون امراء کے آنے کے بعد جو ان کی صلاح ہو گی وہ کیا جائے گا۔ خواہ خراسان چلنے کی ٹھہرے۔ خواہ کوئی اور بات قرار پائے۔ یہ قصد کر کے ہم قندھار کی طرف روانہ ہوئے۔

خراسان کی طرف باردیگر روانگی :۔ حبیبہ سلطان بیگم جن کو میں بیکام کہا کرتا تھا اپنی بیٹی معصومہ سلطان بیگم کو لے کر اسی اقراء پر جو ہری میں ہوا تھا آئیں۔ ان سے غزنی میں ملاقات ہوئی۔ خسرو کوکلتاش' سلطان علی چناق اور اوکدائی بلال ہری سے بھاگ کر ابن حسین مرزا پاس چلے گئے تھے۔ وہاں سے ابو الحسن مرزا کے پاس چلے گئے۔ یہاں بھی نہ ٹھہر سکے۔ بیگم موصوف کے ساتھ میرے پاس آگئے۔ قلات میں جو پہنچے تو ہندوستان کے سوداگر وہاں آئے ہوئے تھے۔ وہ وہیں رک گئے۔ ہمارے لشکر والوں نے دفعتہ" ان کو جا کر گھیرا۔ بہتوں کا ارادہ ہوا کہ فتنہ و فساد کا موقع ہے۔ اس غیر ملک کے قافلہ کو لوٹ لینا چاہئے۔ میں راضی نہ ہوا۔ میں نے کہا کہ بیچارے سوداگر بے گناہ ہیں۔ خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اگر ایسے فائدہ کو چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہم کو بے حد نفع عنایت کرے گا۔ چنانچہ ابھی کا ذکر ہے کہ جس وقت قوم غلجی پر ہم نے چڑھائی کی ہے اس وقت مہمند قوم اپنے مال اسباب سمیت ہماری لشکر گاہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر تھی۔ بہت لوگ اس کی لوٹ مار پر مصر ہوئے۔ لیکن میں نے حکم نہ دیا۔ دوسرے ہی دن اللہ تعالیٰ نے غلجیوں کا مال اسباب

اس قدر اہل لشکر کو دیا کہ کسی مہم میں اتنا مال ہاتھ نہ آیا ہو گا۔ قلات سے ہم چلے اور ان سوداگروں سے بطریق پیش کش کچھ لے لیا۔ جب میں نے کابل لے لیا ہے تو خان مرزا خراسان میں ٹھہر گیا تھا۔ قلات سے نکلنے کے بعد یہ دونوں مرزا قندھار سے بھاگے ہوئے میرے پاس آئے۔ پیر محمد مرزا (جو بہار مرزا ابن جہانگیر کا پوتا ہے) کی ماں بھی ان دونوں مرزاؤں کے ساتھ چلی آئی۔

شاہ بیگ اور مقیم کے نام خطوط بھیجے گئے کہ تمہارے کہنے میں یہاں تک آگیا ہوں۔ تم نے لکھا تھا کہ ازبک جیسے اجنبی دشمن نے خراسان پر قبضہ کر لیا ہے۔ تم آؤ۔ تمہاری رائے اور اتفاق سے مناسب ہو گا وہ امر قرار دیا جائے گا۔ وہ دونوں مجھے خطوط لکھنے اور بلانے سے انکار کر گئے۔ بیہودہ طریق سے سخت جواب لکھ بھیجے۔ ان بیہودہ طریقوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جو خط مجھے لکھا تھا اس کی پیٹھ پر جہاں امراء کے لئے امراء بلکہ بڑے امراء چھوٹے امراء کے لئے مہر کیا کرتے ہیں مہر کی۔ اگر ایسی بیہودہ حرکتیں نہ کرتے اور ایسے سخت جواب نہ دیتے تو یہاں تک نوبت کیوں پہنچتی۔ سچ کہا ہے۔

ستیزہ   بجائے   رساند   سخن
کہ   ویراں   کند   خانمان   کہن

اپنی انہی لڑائیوں اور بدروشیوں کے طفیل اپنا گھر بار اور تیس چالیس برس کا سامان یہ لوگ کھو بیٹھے۔ شہر صفا کی نواح میں ایک دن یونہی غل غپاڑہ ہوا۔ فوج ساری مسلح ہو کر تیار ہو گئی۔ میں نہا رہا تھا۔ امراء بہت گھبرائے۔ نہا کر میں بھی سوار ہوا۔ چونکہ غلط شور اور غل تھا ایک لحظہ کے بعد فرو ہو گیا۔ وہاں سے کوچ بہ کوچ مقام گذر میں آئے۔ یہاں سے بھی ہرچند مناسب گفتگو کی مگر وہ لوگ ذرا راہ پر نہ آئے۔ وہی سرکشی اور عناد کی باتیں کرتے رہے۔ ان ہوا خواہوں نے جن کو اطراف و جواب سے واقفیت تھی۔ عرض کیا کہ جو راستے قندھار کے ہیں ان کا سرا بابا حسن ابدال اور خلیشک کی طرف ہے۔ اسی جانب چل کر جتنے راستے قندھار کو جاتے ہیں سب کا انتظام کر لینا چاہئے۔ یہی بات قرار پا گئی۔ دوسرے دن جیبہ وغیرہ پہن کر برانغار و جرانغار لشکر درست کر کے خلیشک کی طرف کوچ کر دیا۔

قندھار پر شاہ بیگ اور مقیم سے لڑائی اور ان پر فتح:۔ شاہ بیگ اور مقیم

دونوں کو قندھار کی بنی گاہ میں جہاں میں نے مکان بنایا ہے اس کے سامنے شامیانہ تانے ٹھہرے ہوئے تھے۔ مقیم والے جلدی سے قریب آگئے۔ طوفان ارغون (جو شہر صفا میں بھاگ کر ہمارے ساتھ ہو گیا تھا) اکیلا ارغون کی فوج کی جانب چلا۔ عشق اللہ نامی ایک سردار سات آٹھ آدمیوں سمیت لشکر سے الگ ہو جھپٹ کر آیا۔ طوفان نے تنہا عشق اللہ کا مقابلہ کر کے اس کو گھوڑے سے گرا کر اس کا سر کاٹ لیا۔ جس وقت میں سنگ "نخشک کے پاس پہنچا اس وقت وہ سر لایا۔ میں اس کو نیک شگون سمجھا۔ چونکہ یہاں محلات اور درخت تھے اس لئے اس مقام پر معرکہ آرائی نامناسب معلوم ہوئی۔ دامن کے نیچے سے چل کر مرغزار کی ندی کے کنارہ پر جو قندھار کی جانب ہے قیام کیا۔ اتنے میں شیر قلی نے آکر عرض کیا کہ دشمن نزدیک آپہنچا ہے۔ قلات سے نکلنے کے بعد اہل لشکر بہت بھوکے اور پیاسے تھے۔ جب خلیشک میں پہنچے تو بیشتر سپاہی کھانے پینے کا سامان لینے ادھر ادھر چلے گئے۔

میں نے ان لوگوں کے فراہم ہونے کا انتظام نہ کیا۔ جلدی سے ہم سوار ہو گئے۔ میرے ساتھی تخمیناً" دو ہزار ہوں گے۔ مگر اب جو ٹھہرنے کے موقع پر لوگ متفرق ہو گئے اور فی الوقت حاضر نہ ہو سکے تو باقی ماندہ ایک ہزار کے قریب رہ گئے۔ گو میری فوج کم تھی مگر سب عمدہ باقاعدہ اور مضبوط تھی۔ میں نے لشکر کی صفیں درست کر لی تھیں۔ اس وقت جیسا انتظام میں نے کیا کبھی ایسا نہ کیا تھا۔ فوج خاص میں سب اچھے اور کام کے جوان جدا کر لئے۔ دس دس اور پچاس کی ٹولیاں بنا ہر ٹولی پر ایک ایک سردار مقرر کر دیا۔ ہر دس اور پچاس کی ٹولیاں اپنے ٹھہرنے کی جگہ کے دست راست و چپ میں کھڑی کر دی گئیں تاکہ لڑائی کے وقت جو کام ان کو کرنا پڑے اس کو معلوم کر لیں اور اپنے کام سے ہوشیار رہیں۔ اور برانغار' جرانغار' دست راست' دست چپ۔ پہلوئے چپ کی طرف بے تکلف دوڑ پڑیں۔ اور اپنے مقابل سے بلا کسی روک کے جا بھڑیں۔ (اس مقام پر فوج کی صفوں کے نام جو اپنی طرف سے معین کئے ہیں لکھے ہیں مگر عبارت ایسی مخدوش ہے کہ ترجمہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے ان چند سطروں کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا۔ مترجم) برانغار میں مرزا خان' شیرم طغائی' یارک طغائی اور اس کے بھائی کو چلمہ قول میں ایوب بیگ' محمد بیگ' ابراہیم بیگ' علی سید مغل کو معہ متعلوں کے۔ سلطان علی چہرہ اور خدا بخش کو معہ بھائیوں کے جرانغار میں عبدالرزاق

مرزا' قاسم بیگ' قوچی ۔بنگری' قنبر علی' احمد ایلچی' بوغد غوری برلاس' سید حسین اکبر اور میر شاہ قوچین کو۔ ایراول میں ناصر مرزا' سید قاسم' ایشک آقا' محب علی قورچی' بابا اوغلی' اللہ ویردی ترکمان' شیر قلی قراول مغل کو اس کے بھائیوں سمیت اور علی محمد کو۔ قول میں اپنے دست راست کی طرف قاسم کوکلتاش' خسرو کوکلتاش' سلطان محمد دولدائی' شاہ محمود پروانچی' قل بایزید بکاول' کمال شربت چی کو اور دست چپ کی طرف خواجہ محمد' دوست ناصر' میر ناصر' بابا شیرزاد' خان قلی' ولی خزانچی' قتلق قدم قراول' مقصود سوچی اور بابا شیخی کو مقرر کیا۔ قول میں یہ سارے مصاحب اور سپاہی تھے۔ بڑے امراء میں سے کوئی نہ تھا۔ جن لوگوں کا بیان ہوا ہے' ان میں سے ابھی کوئی سرداری کے مرتبہ پر نہ پہنچا تھا۔

جو گروہ آگے مقرر ہوا تھا اس میں شیر بیگ' جانم قورچی بیگی' کیبک قلی' بابا ابو الحسن قورچی۔ مغلوں میں سے روشن علی' درویش علی' سید خوش کمیلدی' ہمہ دوست کمیلدی جملہ با علقچی۔ اباچی مہدی' ترکمانوں میں سے منصور' رستم معہ اپنے بھائیوں کے اور شاہ نظیر سوندوک تھے۔ دشمن کی فوج کے دو حصے تھے۔ ایک شاہ شجاع ارغون (جو شاہ بیگ مشہور ہے اور آئندہ اس کا نام شاہ بیگ ہی لکھا جائے گا) کے تحت حکم دوسرا اس کے بھائی مقیم کے۔ ارغوانی فوج تخمیناً" چھ سات ہزار ہو گی۔ اور چار پانچ ہزار مسلح میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ دشمن کا قول اور برانغار سامنے آیا۔ ہمارے جرانغار پر جس میں قاسم بیگ اور اس کے ہمراہی تھے مقیم نے حملہ کیا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی قاسم بیگ نے دو تین آدمی بھیجے اور کمک چاہی۔ چونکہ ہمارے مقابلہ میں غنیم چڑھا چلا آتا تھا اس لئے ہم ایک آدمی بھی اپنے سے علیحدہ نہ کر سکے۔ ہم بھی بے توقف دشمن کی طرف متوجہ ہوئے۔ لڑائی شروع ہوتے ہی تیروں کی بوچھاڑ آئی ایک دفعہ ہی دشمن نے ہمارے ایراول کا منہ پھیر ہمارے قول میں اس کو دھنسا دیا۔ ہم بھی تیر مارتے ہوئے بڑھے۔ تھوڑی دیر دشمن بھی اچھی طرح تیر مارتے رہے۔ میرے سامنے ایک شخص لوگوں کو ڈانٹتا ہوا گھوڑے سے کودا' اور اس نے تیر مارنے کا ارادہ کیا۔ میں بے توقف بڑھتا چلا گیا۔ جونہی میں قریب پہنچا وہ سامنے نہ ٹھہر سکا۔ سوار ہو کر بھاگا۔ یہ شخص جو پیدل ہو گیا تھا خود شاہ بیگ تھا۔

اثنائے جنگ میں پری بیگ ترکمان مع اپنے چار پانچ بھائیوں کے اپنی پگڑیاں

ہاتھوں میں لئے دشمن سے روگرداں ہو ہمارے، پاس آگیا۔ (یہ پری بیگ ان ترکمانوں میں سے ہے جن کے امراء عبدالباقی مرزا اور مراد بیگ کے ہمراہ اس زمانہ میں آئے ہیں جب شاہ اسمٰعیل صفوی نے سلاطین کو مارا ہے۔ اور عراق پر قبضہ کر لیا ہے) ہمارے برانغار نے اپنے دشمن کو آگے رکھ کر بڑھنا شروع کیا۔ برانغار کا اوج غوطہ لگا کر اس باغ میں جا گھسا جس کو میں نے بتایا ہے۔ ہمارا جرانغار بابا حسن ابدال کے آخر میں اس کی بڑی ندی اور ندیوں پر جا پہنچا۔ اس کے مقابلہ میں مقیم کی فوج تھی۔ ہمارا جرانغار مقیم کی فوج سے بہت کم تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے مدد کی۔ جو بڑی بڑی ندیاں قندھار کی طرف جاتی ہیں ان میں سے تین چار ندیاں ہمارے جرانغار اور دشمن کے درمیان حائل تھیں۔ ہمارے جرانغار نے ان کے گھاٹوں پر قبضہ کر لیا اور غنیم کو اترنے کا موقعہ نہ دیا۔ اگرچہ ہمارے جرانغار والے اپنی جگہ خوب رہے مگر ارغونیوں میں سے حلواچی ترخان دریا میں آکر باقر علی اور تنگیری بردی سے مقابل ہو خوب لڑا۔ قنبر علی زخمی ہوا۔ قاسم بیگ کی پیشانی میں تیر لگ کر رخسارہ کے پاس سے نکل گیا۔ اسی زد و کشت میں دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ یہ لوگ ان ندیوں سے کوہ مرغان کی بنی گاہ کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

ندیوں سے اترتے وقت ایک شخص تپچاق یوز پر سوار پہاڑ کے دامن میں ادھر ادھر جانے کے لئے حیران اور سرگردان ہو رہا تھا۔ آخر ایک طرف اس کا منہ اٹھ گیا۔ غالباً" وہ شاہ بیگ ہو کیونکہ فتح قندھار کے وقت شاہ بیگ نہ تھا۔ اپنے دشمن کو شکست دیتے ہی سارا لشکر غنیم کا پیچھا کرنے اور قتل کرنے میں مصروف ہو گیا۔ میرے پاس کل گیارہ آدمی رہ گئے ہوں گے۔ ان گیارہ میں ایک عبداللہ کتابدار تھا۔ مقیم میدان میں کھڑا ہوا لڑ رہا تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کی قلت پر ذرا خیال نہ کیا۔ خدا پر توکل کر نقارے بجاتا ہوا دشمن کی طرف میں چلا۔ فوج کم ہو یا زیادہ فتح دینے والا خدا ہے۔ اس کے سامنے کی مجال نہیں۔ "کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله نقاروں کی آواز سنتے ہی اس نے ہماری طرف دیکھا۔ دیکھتے ہی اس کی سٹی گم ہو گئی۔ اور بھاگ نکلا۔ اللہ تعالیٰ نے کام بنا دیا۔ دشمن کو پسپا کر کے ہم قندھار کی طرف چلے اور چار باغ فرخ زاد میں جس کا اب نشان بھی نہیں جا اترے شاہ بیگ اور مقیم جو بھاگے تو قندھار میں نہ جا سکے۔ شاہ بیگ شادو مستونگ کی جانب نکل گیا اور مقیم زمین داور کی طرف

پہنچا۔ شہر میں کوئی ایسا نہ چھوڑا تھا جو شہر کو بچاتا۔ ارغون کے بھائیوں میں سے احمد علی ترخان وغیرہ شہر میں تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ مطیع ہونے پر آمادہ ہیں۔ وہ امان کے طلب گار ہوئے۔ میں نے ان کی استدعا قبول کی۔ قلعہ کا ماشورہ دروازہ انہوں نے کھول دیا۔ اور دروازے اس واسطے نہ کھولے کہ لوگ ہلڑ مچا رہے تھے۔ اس کھلے ہوئے دروازہ پر شیرم طغائی اور یارک بیگ کو متعین کیا۔

میں خود چند مصاحبوں کو ساتھ لے کر اندر آیا۔ مفسدہ پردازوں کو مارا پیٹا۔ دو ایک کو قتل کرا دیا۔ پھر سب سے پہلے میں مقیم کے خزانہ پر پہنچا۔ یہ خزانہ قلعہ سنگین میں تھا۔ عبدالرزاق بیگ مرزا آگے سے آگیا تھا۔ خزانہ میں کسی قدر عبدالرزاق مرزا کو دیا۔ پھر اس خزانہ کو ناصر بیگ' قل بایزید اور بخشیوں میں سے محمد بخشی کے سپرد کیا۔ یہاں سے میں ارک میں گیا۔ شاہ بیگ کے خزانہ پر خواجہ محمد علی۔ شاہ محمود اور بخشیوں میں طغائی شاہ بخشی کو مقرر کیا۔ ذوالنون بیگ کے دیوان میرم خاں مرزا سے اور اوروں کو عبدالرزاق سے گرفتار کرایا۔ اس ملک میں کبھی اتنا روپیہ نہ دیکھا تھا۔ بلکہ کسی سے سنا بھی نہ تھا کہ اتنا روپیہ دیکھا ہو۔ رات کو میں آرک ہی میں رہا۔ شاہ بیگ کے غلام سنبل کو پکڑ کر لائے۔ اگرچہ وہ کچھ بہت چڑھا بڑھا نہ تھا۔ مگر میں نے اس کو ایک شخص کی حراست میں سپرد کر دیا۔ محافظ نے پوری احتیاط نہ کی۔ اس کو بھگا دیا۔ دوسرے دن میں باغ فرخ زاد میں آیا۔ قندھار کا علاقہ میں نے ناصر مرزا کو دیا۔ اور خزانے ضبط کر لیے۔

جس وقت خزانہ کے اونٹ لد کر ارک سے باہر آنے لگے اس وقت ناصر مرزا نے ان میں سے روپیوں کے اونٹ روک لئے۔ میں نے ان ہی کو عنایت کر دیئے۔ وہاں سے کوچ کیا اور مرغزار قوش خانہ میں لشکر اترا۔ اس وقت لشکر تو چلتا گیا اور میں خود سیر کرتا ہوا ذرا دیر میں داخل فرودگاہ ہوا۔ دیکھا تو اب وہ اگلا سا لشکر نہ تھا۔ لشکر پہچانا ہی نہ جاتا تھا۔ گھوڑوں اور گھوڑیوں کی قطاریں ہیں۔ طرح طرح کے اسباب سے خچریں لدی ہوئی ہیں۔ عمدہ عمدہ خیمے خرگاہیں ہیں۔ مخمل اور سقرلات کے شامیانے کھنچے ہوئے ہیں۔ ہر کارخانہ میں صندوقوں کے تووے لگے ہوئے ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کے مال اسباب کو علیحدہ کرایا۔ کپڑوں کے صندوق۔ قسم قسم کے برتنوں کے تھیلے۔ طرح طرح کا اسباب ہر شخص کے خیمہ میں الغاروں بھرا ہوا تھا۔ ہزاروں بکریاں ماری

مارتی پھرتی تھیں۔ کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔ قلات میں سے مقیم کے کچھ لوگ جن کے سردار فوج بیگ ارغون اور تاج الدین محمود تھے قاسم بیگ کے پاس آگئے تھے۔ ان کا مال اسباب ان کو عنایت کر دیا گیا۔

قندھار سے جانب کابل مراجعت :۔ قاسم بیگ دانا اور دور اندیش آدمی تھا۔ قندھار میں میرا زیادہ ٹھہرنا نامناسب سمجھا۔ تحصیل کرنے کے لئے کہہ کہہ کر مجھے وہاں سے لے نکلا۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ قندھار ناصر مرزا کو دے دیا تھا۔ ان کو رخصت دے کر میں نے کابل کا قصد کر دیا۔ قندھار میں تو خزانہ تقسیم کرنے کی مہلت نہ ہوئی قراباغ میں ٹھہر کر خزانہ تقسیم کیا۔ گننا مشکل تھا۔ ترازو میں تول تول کر دینا شروع کیا۔ امیروں' سرداروں' سپاہیوں اور خدمت گاروں نے تھیلے اور طباق بھر بھر کے اپنی تنخواہوں کے روپے لئے۔ اورلاد کر لے گئے۔ غرض بے انتہا مال و متاع اور عزت و آبرو کے ساتھ کابل میں آنا ہوا۔

معصومہ سلطان بیگم سے نکاح :۔ سلطان احمد مرزا کی بیٹی معصومہ سلطان بیگم کو کابل سے بلا لیا تھا یہیں اس سے میں نے نکاح کیا۔

شیبانی خان نے قندھار کو گھیر لیا :۔ چھ سات دن کے بعد ناصر مرزا کا ایک آدمی آیا اور اس نے خبر دی کہ شیبانی خاں نے قندھار کو گھیر لیا۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مقیم زمین داور کی طرف بھاگ گیا۔ وہ جا کر شیبانی خاں سے ملا۔ شاہ بیگ نے بھی کئی آدمی پے در پے بھیجے۔ ان دونوں کے بھکانے اور اکسانے سے شیبانی خاں نے کوہستان کے راستہ سے دفعتہً مجھ کو قندھار میں گھیرنا چاہا۔ قاسم بیگ ایک تجربہ کار آدمی تھا۔ سمجھے ہوئے تھا۔ مجھ کو تحصیل کرنے کے بہانے سے قندھار سے لے نکلا۔

> ہرچہ در آئینہ جواں بیند
> پیر در خشت پختہ آں بیند

شیبانی خاں نے آکر قندھار میں ناصر مرزا کو گھیر لیا۔ اس خبر کے سنتے ہی میں نے امراء سے مشورہ کیا۔ یہ باتیں بیان کی گئیں کہ ازبک جیسی قوم اور شیبانی خاں جیسا گھاگ دشمن ہے جو ملک امیر تیمور کی اولاد کے قبضہ میں تھا وہ اس نے لے لیا۔ ترکوں اور چغتائیہ خاندان میں سے جو جہاں تھا کوئی تو خوشی اور کوئی مجبور اس سے مل گیا۔

صرف ایک میں کابل میں آپڑا تھا۔ دشمن طاقت دار' میں نہایت ضعیف' نہ صلح کی امید۔ نہ مقابلہ کی تاب۔ ایسی حالت میں اپنے لئے کوئی اور مقام تلاش کرنا چاہئے۔ ایسے میں موقع ہے اور وقت ہے۔ جو کریں کر سکتے ہیں اور دشمن سے دور ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان کی طرف یا بدخشاں کی طرف نکل چلو ان دونوں طرفوں میں سے ایک طرف چلنے کا قصد کر لو۔ قاسم بیگ اور شیرم طغائی وغیرہ نے تو بدخشاں چلنے کی رائے دی۔ اور امراء نے ہندوستان کو پسند کیا۔ اس گفتگو کے بعد ہم لمغان کی طرف متوجہ ہوئے۔

قلات بھی نکل گیا:۔ قندھار اور قلات فتح کرنے کے بعد قلات اور ترنوکر کا ملک عبدالرزاق مرزا کو دے دیا گیا تھا۔ اور عبدالرزاق مرزا کو قلات میں چھوڑ دیا تھا۔ ازبک نے جو قندھار کو آگھیرا تو عبدالرزاق مرزا قلات میں نہ ٹھہر سکا۔ قلات کو چھوڑ ہمارے چلنے کے زمانہ میں کابل میں آگیا۔ میں نے کابل اس کے سپرد کیا۔ بدخشاں میں بادشاہوں اور شاہزادوں میں سے کوئی نہ تھا۔ خان مرزا نے شاہ بیگم کی مناسبت سے اور اسی کی صلاح سے بدخشاں کی خواہش کی۔ میں نے اس کو بدخشاں جانے کی اجازت دے دی۔ شاہ بیگم بھی خان مرزا کے ساتھ ہو لی۔ خالہ مہر نگار خانم نے بھی بدخشاں جانا چاہا۔ مناسب تو یہ تھا کہ وہ میرے پاس رہتیں۔ کیونکہ میں ان کا سگا بھانجا تھا۔ ہر چند میں نے منع کیا مگر انہوں نے نہ مانا اور بدخشاں چلی گئیں۔

ہندوستان کی جانب دوسرا حملہ:۔ ماہ جمادی الاولیٰ میں میں نے کابل سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا۔ چھوٹے کابل کی راہ سے شرح رباط میں آئے۔ قورہ تی سائی کوتل سے نکلنا ہوا۔ جو افغانی قومیں کابل اور لمغان کے بیچ میں آباد ہیں وہ امن کے زمانہ میں بھی چوریاں کرنے اور ڈاکے مارنے سے نہیں چوکتیں۔ بے امنی کا زمانہ تو وہ خدا سے چاہتی ہیں اور مشکل سے ان کو ایسا موقع ملتا ہے۔ اس خیال سے کہ مرزا کابل چھوڑ کر ہندوستان جاتا ہے اس کی حرمزدگی دو چند ہو گئی۔ ان کے اچھے بھی بد ہو گئے۔ یہ نوبت پہنچی کہ دوسرے دن جو ہم جگدلک سے چلے تو خضر خیل' شموخیل اور جگ بانی وغیرہ جو اس درمیان میں آباد ہیں جگدلک کی گھاٹی کا رستہ روکنے کے لئے شمالی پہاڑ پر آن موجود ہوئے۔ لگے نقارے بجانے اور تلواریں ہلانے' میں نے سوار ہوتے ہی حکم دیا کہ جو سپاہی جہاں ہے وہیں سے پہاڑ پر چڑھ جائے۔ لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔

افغان کوئی لمحہ بھر ٹھہرے ہوں گے۔ ایک تیر بھی نہ مار سکے۔ اور بھاگ نکلے۔ افغانوں کو بھگا کر ہم پہاڑ پر آگئے۔

ایک افغان میرے پہلو میں سے نیچے کی طرف بھاگا جاتا تھا۔ میں نے اس کے بازو میں تیر مارا اور اس تیر خوردہ اور کئی اور افغانوں کو لوگ پکڑ لائے۔ انتظام کے لئے دو ایک کو تیغ سے مار دیا گیا۔ پھر تومان نیک نہار میں قلعہ آدینہ پور کے سامنے مقام ہوا۔ پہلے سے براہ دور اندیشی کوئی فکر نہ کی تھی۔ نہ چلنے کی جگہ مقرر کی تھی۔ نہ چھاؤنی ڈالنے کی۔ اوپر نیچے تک فوج کے چار حصے کر کے کوچ ہوتا تھا۔ تاکہ ایک کو دوسرے کی خبر رہے۔ تیر کے مہینے کا آخر تھا۔ میدانوں میں اکثر جگہ سے دھان اٹھا لئے گئے تھے۔ جو لوگ واقف تھے انہوں نے عرض کی کہ تومان علیشنگ کی ندی کے بالائی حصہ میں کفار دھان بہت بوتے ہیں۔ غالباً اہل لشکر کو جاڑے کے لئے غلہ ہاتھ آجائے۔ اس خیال سے نیک نہار کے میدان سے ہم چلے اور قدم اٹھائے ہوئے سیاہ گل سے نکل درۂ برامین تک گئے۔ لشکر والوں نے خوب دھان لئے۔ یہ دھنوڑیاں پہاڑ کے نیچے تھیں۔ یہاں کے رکھوالے بھاگ گئے تھے۔ کچھ کافر مارے بھی گئے۔ درۂ برامین کی بنی گاہ پر سپاہیوں کی ایک ٹکڑی حفاظت کے لئے کھڑی کر دی تھی۔ کافروں کے پلٹنے کے وقت یہ لوگ پہاڑ سے تیر برسانے لگے۔ قاسم بیگ کے داماد پوران کے پاس اسی موقع پر کہ یہ تیر مار رہے تھے کافر آپہنچے اور چاہا کہ اس کو پکڑ لیں اور سپاہیوں نے حملہ کر کے پوران کو چھڑا لیا اور غنیم کو باندھ لیا۔ کافروں کی ان دھنوڑیوں میں ایک رات ٹھہرے۔ بہت سا غلہ لے کر لشکر میں آئے۔ تومان مندر اور میں ہی تھے جو مقیم کی بیٹی ماہ جوجوک (اب شاہ حسن کی بیوی ہے) کا نکاح قاسم کوکلتاش سے کر دیا۔ چونکہ ہندوستان جانے کی صلاح نہ ٹھہری اس لئے ملا بابا ساغرچی کو مع چند سپاہیوں کے کابل بھیج دیا۔ نواح مندر اور سے چل کر اتر وشیو میں آئے۔ کچھ دن وہاں قیام کرنے کا اتفاق ہوا۔ اتر سے جا کر کونر اور دیور گل کی میں نے سیر کی۔ کونر سے میں جالہ میں بیٹھ کر داخل لشکر ہوا۔ اس سے پہلے مجھے جالہ میں بیٹھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ جالہ میں بیٹھنا بہت ہی مجھے پسند آیا۔ اسی کے بعد جالہ کا رواج ہو گیا۔

شیبانی کا قندھار پر آنا اور واپس جانا:۔ اسی زمانہ میں ملا میرک فرکتی ناصر مرزا کے پاس آیا۔ اس نے شیبانی خاں کا شہر قندھار پر قبضہ کرنا۔ ارک نہ لینا۔ پھر بعض وجوہ

سے شہر قندھار چھوڑ دینا اور ناصر مرزا کا غزنی میں آجانا یوں مفصل بیان کیا کہ آپ کے جانے کے چند روز بعد شیبانی خاں غفلت دے کر قندھار پر چڑھ آیا۔ ناصر مرزا قندھار کے قلعہ سنگین کو مستحکم نہ کر سکے۔ یوں ہی چھوڑ دیا۔ ارک کے گرد کئی جگہ دشمن نے سرنگ لگائی۔ کئی بار لڑائی ہوئی۔ ناصر مرزا کی گردن میں تیر لگا۔ قریب تھا کہ قلعہ فتح ہو جائے۔

اسی حالت اضطراب میں خواجہ امین۔ خواجہ دوست۔ خاوند اور محمد علی پیادہ ساقی قلعہ سے نکل کھڑے ہوئے اور مایوس ہو گئے۔ لیکن باوجود اس کے شیبانی خاں نے صلح کا پیغام دیا اور قندھار سے محاصرہ اٹھا لیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ شیبانی خاں نے قندھار پر چڑھائی کرتے وقت اپنے گھر والوں کو فرہ تو میں بھیج دیا تھا۔ وہاں ایک شخص نے سر اٹھایا اور فرہ تو پر قبضہ کر لیا۔ اس مجبوری سے اس کو صلح کرنی پڑی۔ اگرچہ جاڑا خوب پڑ رہا تھا۔ مگر ہم چند روز بعد براہ بادیچ کابل میں چلے آئے۔ بادیچ کے اوپر ایک پتھر نصب کرنے کا میں نے حکم دیا۔ جس پر اس آمد و رفت کی تاریخ کندہ کرائی گئی۔ حافظ جرک نے اس کو لکھا اور استاد شاہ محمد نے کندہ کیا۔ جلدی کے سبب سے اچھا کندہ نہ ہوا۔ ناصر مرزا کو میں نے غزنی دیا۔ عبدالرزق مرزا کو تومان نیک نہار' منداور' درۂ نور' کورنر اور نوا گل عطا کیا۔

بادشاہ لقب اختیار کیا:۔ آج تک تیمور بیگ کی اولاد کو بادشاہ ہونے پر بھی مرزا کہتے تھے۔ اب میں نے حکم دیا کہ مجھ کو بادشاہ کہا کرو۔

ہمایوں کی ولادت:۔ اسی سال کے آخر میں سب سہ شنبہ ماہ ذیقعدہ ھ کی چوتھی تاریخ آفتاب برج حمل میں تھا کہ ارک کابل میں ہمایوں پیدا ہوا۔ مولانا مشہدی نے اس کی تاریخ ولادت "میون خاں" کہی۔ کابل کے ایک شاعر نے "شاہ فیروز قدر" لکھی۔ تین چار دن کے بعد ہمایوں ہی نام رکھ دیا۔ ہمایوں کے پیدا ہونے کے پانچ چھ دن بعد چار باغ میں ہمایوں کے پیدا ہونے کی شادی ہوئی۔ امراء اور متعلقین نے ساتھ کی رسم ادا کی۔ زر سفید کا ڈھیر لگ گیا۔ اس سے پہلے کبھی اتنے روپوں کا ڈھیر دیکھنے میں نہ آیا تھا۔ بڑی دھوم کی شادی ہوئی۔

۹۱۴ھ کے واقعات

اس سال کے موسم بہار میں مہمند افغانوں کی ایک بستی جو نواح نغزک میں تھی ہم نے جالوٹی۔ اس مہم سے فارغ ہو کر اپنے مقام پر آئے۔ تھوڑے دن بعد قوچ بیگ' فقیر علی کریم دادا اور بابا چہرہ نے بھاگ جانے کا قصد کیا تھا۔ جب معلوم ہوا تو ان کے پاس آدمی بھیجا۔ استرغچ کے پرے سے ان کو پکڑ لائے۔ جہانگیر مرزا کی زندگی میں بھی ان کی بعض بیہودہ باتیں میں نے سنی تھیں۔ حکم دیا کہ ان سب کو سر بازار قتل کر دو۔ دروازہ پر لے جا کر ان کے گلوں میں رسیاں ڈالی ہی تھیں۔ اتنے میں قاسم بیگ نے خلیفہ کو بھیج کر اصرار کے ساتھ ان کے گناہ بخش دینے کی درخواست کی۔ قاسم بیگ کی خاطر سے میں نے جان بخشی کر دی۔ اور حکم دیا کہ قید کر دو۔ اسی اثناء میں دو تین ہزار آدمیوں نے (جن میں حصاری' قندزی۔ خسرو شاہ کے مغل ملازموں کے اکابر (چلمہ علی۔ سید شمک۔ شیر قلی اور انکو سالم) خسرو شاہ کے امراء چغتائیہ (سلطان علی چہرہ۔ خدا بخش اور ان کے متعلق) اور ترکمان (سیوندک اور شاہ نظیر وغیرہ) تھے) باہم سازش کر کے بغاوت کرنی چاہی تھی۔ یہ لوگ عبدالرزاق مرزا کو نیک نہار سے لے آئے تھے اور پٹھانوں کے دیہات میں خواجہ اورش کے سامنے مرغزار سیوندک وقور عان سے مرغزار چالاک تک پڑے ہوئے تھے۔ کئی دفعہ محب علی قورچی نے خلیفہ اور ملا بابا سے ان کے منصوبہ کا ذکر کیا تھا۔ مجھ سے بھی اشارۃً کہہ دیا تھا۔ یقین کرنے کی بات نہ تھی۔ کسی کو بھی اس کی پروا نہ تھی۔ ایک دن میں چار باغ میں تھا۔ رات کو عشا کے بعد میرے پہلو میں سے موسیٰ خواجہ اور ایک دوسرے شخص نے جلدی جلدی آکر میرے کان میں کہا تحقیق خبر ہے کہ مغل باغی ہو گئے۔ پہلے بھی عبدالرزاق مرزا کا ان سے مل جانا میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اب بھی ان کا باغی ہونا میرے خیال میں نہ آیا۔ میں ٹال گیا۔ لحظہ بھر کے بعد میں محل میں گیا۔ اس وقت محل کے لوگ باغ خلوت اور باغ نور تحفہ میں تھے۔ میں محل کے قریب پہنچا تھا کہ لچوں اور غنڈوں کے برگشتہ ہو جانے کا حال معلوم ہوا۔ لوگوں کے برگشتہ ہونے کے بعد میں اور غلام سرور شہر کی طرف چلے۔ خندق کے راستہ سے ہم آہنیں دروازے میں پہنچے تھے کہ بازار سے

خواجہ محمد علی آکر ساتھ ہو گیا۔

۹۱۵ھ کے واقعات

دو شنبہ کے دن محرم کی پہلی تاریخ میدان چندول کے آخر میں بھونچال آیا۔ نصف ساعت نجومی تک رہا۔ دوسرے دن ہم نے یہاں سے کوچ کیا۔ قلعہ باجور پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے قلعہ کے قریب خیمہ زن ہوئے۔ دلہ زاک افغانوں میں سے ایک شخص کو بجور بھیجا اور سلطان بجور سے کہلا بھیجا کہ اطاعت قبول کرو۔ اور قلعہ حوالہ کر دو۔ ان جاہلوں نے ایک نہ سنی واہی تباہی جواب دے دیئے۔ میں نے حکم دیا کہ جال اور سیڑھیاں وغیرہ آلات قلعہ گیری درست کر لئے جائیں۔ اس نظام کے لئے ایک دن اس منزل میں ٹھہرنا پڑا۔

قلعہ باجور فتح ہوا:۔ جمعرات کے دن چوتھی تاریخ حکم دیا کہ لشکر تیار ہو جائے۔ جرانغار بجور کے بالائی سمت دریا سے پار ہو کر قلعہ کے شمال میں ٹھہرے۔ قول والے شمال و مغرب کے مابین دریا سے اتر کر اونچے نیچے مقامات پر قائم ہو جائیں۔ برانغار مغرب کی طرف دروازہ کے نیچے مقیم رہے۔ دوست بیگ اور جرانغار کے سردار جس وقت دریا سے پار ہوئے تو قلعہ سے سو سو پچاس پچاس سپاہیوں نے نکل کر تیر مارنے شروع کئے۔ ان سرداروں نے بھی تیروں کی بوچھاڑ کی۔ اور اپنے پیدل سپاہیوں کو قلعہ کی فصیل کے نیچے تک پہنچا دیا۔ عبدالملک خوستی دیوانہ وار فصیل کے نیچے پشتہ تک جا پہنچا۔ اگر سامان قلعہ گیری تیار ہوتا تو اسی دن شام سے پہلے قلعہ فتح ہو جاتا۔ ملا ترک علی (تنگری بردی کا نوکر) نے دشمن سے خوب مقابلہ کیا جس سے مقابلہ ہوا تھا اس کا سر کاٹ لایا۔ استاد علی قلی نے پانچ آدمی توپ سے گرائے اور گولنداز بھی دلیری سے ساتھ برابر فیر کرتے رہے۔ شام تک تقریباً ستر اسی بجوری ان توپوں سے مارے گئے۔ ہر شخص سے انعام وغیرہ کا وعدہ کیا گیا۔ شام کو میں نے حکم دیا کہ رات ہو گئی ہے۔ لشکر واپس ہوا۔ اور قلعہ گیری کا سامان درست کر کے صبح ہی قلعہ پر دھاوا کر دے۔

جمعہ کے دن پانچویں محرم کو صبح ہی نماز کے وقت حکم ہوا کہ طبل جنگ بجا دو۔ اور ہر شخص اپنی جگہ سے قلعہ پر حملہ کر دے۔ حکم ہوتے ہی جرانغار اور قول اپنے

اپنے مورچوں سے اسباب قلعہ گیری لے کر قلعہ کی دیوار سے جا چکے۔ خلیفہ شاہ حسن ارغوان اور احمد یوسف کو جو قول کے دست چپ میں تھے حکم دیا کہ اپنی اپنی فوجیں لے کر جرانغار کی مدد کرو۔ مشرق اور شمال کے مابین والے برج کے نیچے دوست بیگ کے آدمیوں نے آکر دیوار کو گرانا اور کھودنا شروع کیا۔ وہیں استاد علی قلی بھی موجود تھا۔ اس دن بھی اس نے خوب آگ برسائی۔ دو دفعہ عمدہ نشانی لگائے ولی خازن نے بھی ایک آدمی کو بندوق سے مارا۔ قول کے الٹے ہاتھ کی طرف سے ملک علی قطبی بھی سیڑھی پر چڑھ گیا۔ اور بہت دیر تک لڑتا رہا۔ قول کے مورچہ سے محمد علی جنگ جنگ اور اس کے چھوٹے بھائی نوروز سیڑھی پر چڑھ کر خوب برچھے اور تلواریں ماریں۔ بابائی بساول اوپر چڑھ گیا۔ تیروں کا مینہ برساتا رہا۔ اور قلعہ کی دیوار توڑتا رہا۔ اکثر سپاہی اچھی طرح وہاں پہنچ گئے اور ایسے نشانے مارتے رہے کہ غنیم کو سر اٹھانے کی فرصت نہ ملی۔ کچھ سپاہی برابر قلعہ کی دیوار گراتے رہے۔ انہوں نے ذرا غنیم کے حربوں اور تیروں کی پروا نہ کی۔ چاشت کا وقت تھا کہ مشرق و شمال کے بیچ والے برج کو جسے دوست بیگ کی فوج گرا رہی تھی ڈھا دیا۔ اور دوست بیگ کے لوگ غنیم کو ہٹا کر اوپر چڑھ گئے۔ عنایت الٰہی سے بڑا مضبوط اور پکا قلعہ دو تین گھنٹہ میں فتح ہو گیا۔ فوج کے سب سپاہیوں نے حتی المقدور بہت تن دہی کی اور بڑی نیک نامی حاصل کی۔ بجور میں گھستے ہی مردوں کا قتل عام کیا گیا۔ اور ان کے بال بچے قید کر لئے گئے۔ تخمیناً" تین ہزار آدمی سے زیادہ قتل ہوئے ہوں گے۔

فتح ہونے کے بعد میں شہر میں داخل ہوا۔ شہر کی سیر کی اور والی بجور کے مکانوں میں اترا۔ بجور کا ملک خواجہ کلاں کو عنایت کیا۔ اس کی مدد کے لئے عمدہ عمدہ دار متعین کر دیئے۔ پھر مغرب کے وقت میں لشکر میں واپس آیا۔ دوسرے دن کوچ کر کے بجور کے ایک میدان میں چشمہ بابا قرار پر ڈیرے پڑے۔ کچھ قیدی رہ گئے تھے۔ خواجہ کلاں کی سفارش سے چھوڑ دیئے گئے۔ ان کے بال بچے حوالہ کر کے ان کو رخصت دے دی۔ بعض ملکوں اور سرکشوں کو جو پکڑے گئے تھے قتل کر ڈالا۔ کچھ ملکوں کے سر اور فتح کی خبر کابل بھیجی گئے۔ بدخشاں اور بلخ بھی فتح نامے معہ سروں کے روانہ کئے گئے۔ شاہ منور یوسف زئی یوسف زئی سے آکر اس موقع پر شریک ہو گیا تھا۔ خلعت اور فرمان دے کر یوسف زئی کے انتظام کے لئے اس کو رخصت کیا۔ بجور کے انتظام

سے فارغ ہو نویں تاریخ سہ شنبہ کو کوچ کیا۔ کوئی کوس دو کوس چلے اور اسی میدان میں اتر پڑے۔ ایک اونچے مقام پر کلہ مینار بنانے کا حکم دیا۔ چار شنبہ دسویں محرم کو سیر کرنے کے لئے سوار ہو کر میں بجور میں گیا۔ خواجہ کلاں کے مکان پر شراب کی محفل ہوئی۔ بجور کے کافر شراب اور میوے لائے تھے۔ بجور میں شراب اور میوہ کافرستان ہی سے آتا ہے۔ رات کو وہیں رہنا ہوا۔ دوسرے دن قلعہ کے برج اور فصیل کا ملاحظہ کر کے لشکر میں آگیا۔ صبح کو کوچ کر دیا۔ دریائے جندول کے کنارہ پر لشکر اترا۔ حکم دیا کہ جو لوگ بجور کی کمک کے لئے متعین ہوئے ہیں وہ سب بجور چلے جائیں۔ ایک نہ رہے۔ اتوار کے دن چودھویں تاریخ خواجہ کلاں کو توغ عنایت کر کے بجور جانے کے لئے رخصت دی۔ اس کے جانے کے دو ایک روز بعد یہ قلعہ خیال میں آیا۔ اس کو لکھ کر خواجہ کلاں کے پاس بھیج دیا۔ قطعہ

قرار و عہد بیار ایں چنیں نبود مرا
گزید ہجر و مرا کرد بے قرار آخر
خشوہائے زمانہ چہ چارہ سازد کس
بجور کرد جدا یار راز یار آخر

بدھ کے دن سترھویں تاریخ سلطان علاؤ الدین سوادی جو سلطان ویس سوادی کا مخالف تھا ملازمت کے لئے حاضر ہوا۔ اٹھارہویں تاریخ کوہ مہر میں جو بجور اور چندول کے بیچ میں ہے شکار کھیلا۔ اس پہاڑ کی گایوں اور بارہ سنگوں کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور وہ اچھا رنگ ہوتا ہے۔ شاید اس پہاڑ کے نیچے ملک ہندوستان میں بارہ سنگھے اور گائیں کالی ہی ہوتی ہیں۔ آج ہی ایک ساریق زس کا شکار ہوا۔ وہ بھی کالا تھا۔ آج ہی ایک کالا ہرن یورکوٹ نے پکڑا۔ لشکر میں غلہ کی کمی ہو گئی تھی۔ درۂ کھراج میں سے لوگوں نے غلہ لیا۔

سواد کی طرف چلے :۔ یوسف زئی پر چڑھائی کرنے کے قصد سے سواد کی طرف جمعہ کے دن کوچ کیا۔ جہاں دریائے چندول' دریائے بجور اور دریائے پنج کوزہ ملتے ہیں وہاں اترنا ہوا۔ شاہ منصور یوسف زئی چند کمالی بہت عمدہ مزے کی لے کر آیا۔ ایک کمالی کے میں نے کئی حصے کئے۔ ایک حصہ میں نے کھایا۔ ایک حصہ اکدائی طغائی نے اور ایک حصہ عبداللہ کتابدار نے کھایا۔ اسی پر سب نے اکتفا کیا۔ اس وقت جو شام ہو گئی تھی تو

امراء سے مشورہ کرنے کے لئے بھی نہ نکل سکتا تھا۔ یہ عجیب کھانا تھا۔ اگر اس قسم کی کھلی اب ساری کھا جائیں تو معلوم نہیں کہ اس سے آدھا مزہ بھی آئے یا نہ آئے۔ یہاں سے چلے اور درۂ کھراج و درۂ پیش کرام کے دہانہ پر پنج کوزہ کے قریب فروکش ہوئے۔ ہم اسی مقام پر تھے جو برف پڑی۔ ان دنوں میں کبھی کبھار برف پڑتی ہے۔ اس برف باری پر لوگ تعجب کرتے تھے۔ سلطان اویس سواری کی اتفاق رائے سے لشکر کے لئے کھراج والوں سے چار ہزار خردار چاول لینے تجویز ہوئے۔ اس غلہ کی تحصیل کے لئے سلطان اویس سوادی کو بھیجا۔ ان گاؤں والوں اور پہاڑیوں نے اتنا غلہ کبھی نہ دیا تھا۔ اب بھی دینا گوارا نہ کیا۔ اور اپنے اپنے گھر چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔ منگل کے دن تیسویں تاریخ ہندو بیگ کو کچھ فوج کے ہمراہ پنج کوزہ کی مہم پر بھیجا۔ پنج کوزہ کمر کوہ سے کچھ اونچا ہے۔ کوس بھر کے قریب پہاڑ کی اونچائی سے ملے ملے جائیں تو پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں والے بھاگ گئے تھے۔ کسی قدر ان کی بھیڑ بکریاں' گایوں کے ریوڑ اور غلہ لے آئے۔ دوسرے دن قوچ بیگ کے ساتھ فوج بھیجی گئی۔ جمعرات کے دن پچیسویں تاریخ درۂ کھراج کے موضع بابندبس میں غلہ لینے کے لئے لشکر اترا۔

اسی سال میں ہمایوں کے بعد کئی بچے اور پیدا ہوئے مگر گذر گئے۔ ہندال ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔ میں اسی نواح میں تھا کہ ماہم کے پاس سے خط آیا۔ لکھتی ہے کہ بیٹا ہو یا بیٹی جو ہو میری قسمت سے جیتا جاگتا ہو۔ اور مجھے اس کا پالنا نصیب ہو۔ جمعہ چھبیسویں تاریخ اسی منزل میں ہندال کا نام اور خطوط لکھ کر یوسف علی رکابدار کے ہاتھ ماہم روانہ کئے۔ ابھی ہندال نہ ہوا تھا یہیں درہ میں اوپر کی جانب ایک اتنا بڑا چبوترہ تیار کرایا جس کے بیچ میں مکان بن جائے۔ اس چبوترے کے لئے تمام مصاحبوں اور سپاہیوں نے پتھر لا کر جمع کئے۔ یوسف زئی پٹھانوں میں سے ملک شاہ منصور ملک سلیمان شاہ حاضر ہوا اور اس نے اظہار دولت خواہی کیا۔ یوسف زئی قوم کے میل جول کے خیال سے اس کی بیٹی کی خواست گاری کی گئی۔ شام کو شراب نوشی کا جلسہ منعقد ہوا۔ سلطان علاؤ الدین کو بھی اس میں شریک کیا۔ اس کو خلعت وغیرہ بھی عطا کیا۔ اٹھائیسویں تاریخ اتوار کے دن درۂ کھراج سے باہر ہوئے۔ طاؤس خاں یوسف زئی شاہ منصور کا بھائی اپنی بھتیجی کو اس منزل میں لایا۔ چونکہ بہوت لوگ بجور ہی سے متعلق تھے اس لئے یہاں سے یوسف علی بکاول کو بھیجا گیا کہ ان کو بجور میں لے کر آئے۔ جو

لشکر کابل میں تھا اس کو لکھا گیا کہ یہاں آجائے۔ جمعہ کے دن صفر کی تیسری تاریخ وہاں اترے جہاں دریائے بجور اور دریائے پنج کوزہ ملتے ہیں۔ اتوار کے دن پانچویں کو یہاں سے میں بجور گیا۔ خواجہ کلاں کے ہاں شراب نوشی کا جلسہ ہوا۔

منگل کے دن ساتویں کو امراء اور دلہ زاک افغانوں سے مشورت کی۔ یہ بات قرار پائی کہ سال آخر ہو گیا ہے حوت کے دو دن رہ گئے ہیں۔ جو غلہ کٹا تھا اس کو کاشت کار اٹھا لے گئے ہوں گے۔ اس موسم میں اگر سواد چلیں گے تو غلہ نہ میسر آنے سے لشکر کو بڑی تکلیف ہو گی۔ ابنائی اور پانی بالی کی راہ سے ہوتے ہوئے ہشنغر کے کنارہ کے اوپر کی طرف دریائے سواد سے پار ہو ہنکا ہورائی یوسف زئی کے سامنے ان یوسف زئی اور محمد زئی پٹھانوں پر جو جنگل اور میدان میں پڑے ہوئے ہیں دفعتہً چڑھائی کرنی چاہئے۔ آئندہ سال میں غلہ تیار ہونے کے موقع پر یہاں والوں کی خبر لے لیں گے۔ یہی بات ٹھہرا کر دوسرے دن چہار شنبہ کو سلطان ویس۔ سلطان علی اور سلطان علاؤ الدین کو گھوڑے اور خلعت وغیرہ عنایت کر کے اور ان کی دل جوئی کر کے ان کو رخصت کیا۔ ہم وہاں سے کوچ کر کے بجور کے سامنے اترے۔ شاہ منصور کی بیٹی کو واپس آنے تک یہیں ٹھہرایا۔ دوسرے دن یہاں سے چلے۔ اور خواجہ خضر میں فروکش ہوئے۔ اس مقام سے خواجہ کلاں کو رخصت کیا۔ بھیر اور بھاری اسباب کو کو ... کے راستہ سے لمغان بھیجنے کی تجویز کی۔ دوسرے دن کوچ کر دیا گیا۔ بھاری اسباب اور اونٹوں کو خواجہ میراں کے ہمراہ خور غاتو۔ دروازہ کوتل قراکوبہ کے راستہ سے چلتا کیا۔ اور ہم جریدہ سواروں کو ساتھ لے کر تل انبالہ سے ہوتے ہوئے اور ایک اور پہاڑ سے نکل عصر کی نماز کے بعد جھٹ پٹے کے وقت پانی بالی میں آ گئے۔ اوغان بردی کو چند آدمیوں کے ساتھ سن گن لینے آگے بھیجا۔ ہم میں اور افغانوں میں بہت فاصلہ تھا۔ اس واسطے رات کو ہم نے کوچ نہ کیا۔ چاشت کے وقت اوغان بردی آیا۔ ایک افغان کو پکڑ کر اس کا سر کاٹ لایا۔ مگر راستے میں گر پڑا۔ جو دل چاہتا تھا وہ خبر لے آیا۔

دوپہر کو ہم نے کوچ کر دیا۔ دریائے سواد سے پار ہو عصر سے پہلے منزل پر جا اترے۔ عشاء کی نماز کے وقت چل نکلے اور قدم اٹھائے ہوئے چلے۔ آفتاب ایک نیزہ بلند ہو گا کہ رستم ترکمان جو قراولی کے لئے بھیجا گیا تھا آیا۔ اس نے بیان کیا کہ افغانوں کو خبر ہو گئی۔ وہ ہر طرف منتشر ہو گئے ہیں اور ان کا ایک گروہ پہاڑ پر چڑھ رہا ہے۔

یہ سنتے ہی ہم نے قدم بڑھایا۔ فوج کا ایک دستہ آگے روانہ کیا۔ جس نے افغانوں کو جا لیا۔ کچھ افغانوں کو مار کر ان کے سر کاٹ لئے۔ بہت سوں کو پکڑ لایا۔ اور ان کے ریوڑ بھی گھیر لئے۔ دلہ زاک افغان بھی کئی کے سر کاٹ لائے۔ وہاں سے پلٹ کر ہم کاتلنگ کی نواح میں آئے۔ خواجہ میر میراں بھیر وغیرہ کو دوسری طرف سے لے آتا تھا۔ اس کے پاس آدمی بھیجا کہ مقام پر آکر ہم سے ملے۔ دوسرے دن کوچ کر دیا۔ بلایک کے راستہ سے مقام میں اترے۔ شاہ منصور کا آدمی آیا۔ خسرو کوکلتاش اور احمدی پروانچی کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ اس کے پاس بھیج دیا۔ سہ شنبہ چودھویں تاریخ جس وقت ہم ارک میں آئے اس وقت وہ آکر ہم سے ملے۔ تیس چالیس برس ہوئے کہ شہباز نامی ایک فقیر ملحد تھا۔ اس نے یوسف زئی اور دلہ زاک کے کچھ لوگوں کو ملحد بنا دیا تھا۔ یہیں پہاڑ کے قریب ایک پہاڑی ہے بہت ہی پرفضا اور خوش منظر۔ اتنی اونچی ہے کہ تمام جنگل اس پر سے نظر آتا ہے۔ اس پر شہباز قلندر مذکور کی قبر ہے۔ اس مقام کی میں نے سیر کی۔ دل میں آیا کہ ایسی عمدہ جگہ ایسے ملحد کی قبر بدزیب ہے۔ میں نے حکم دیا کہ اس قبر کو ڈھا کر برابر کر دو۔ چونکہ بہت ہی صاف اور ہوادار مقام تھا اس لئے یہاں معجون کھائی اور تھوڑی دیر یہیں بیٹھے رہے۔

بجور سے بھیرہ جانے کا خیال تھا۔ اصل یہ ہے کہ جب سے میں کابل میں آیا تھا ہندوستان کی یورش کی مجھے دھن لگی ہوئی تھی۔ مگر بعض موانع سے یہ خیال پورا نہ ہوا تھا۔ تین چار مہینے لشکر بجور کے علاقہ میں پھرتا رہا۔ مگر اہل لشکر کو کچھ اچھی طرح ہاتھ نہ لگا اور چونکہ بھیرہ خود ہندوستان کا دروازہ ہے وہ قریب تھا اس لئے ارادہ ہوا کہ دَ جریدہ ہی سے ادھر چلے چلیں۔ امید ہے کہ اہل لشکر کے ہاتھ کچھ نہ کچھ لگ جائے۔ اس خیال سے واپس ہو افغانوں کو جا مارا۔ مقام میں اترنے کے بعد بعض دولت خواہوں نے عرض کیا کہ اگر ہندوستان چلنے کا ہم قصد کریں تو پورا سامان کر کے چلنا چاہئے۔ اس وقت بہت سی فوج تو کابل میں ہے۔ کچھ لوگ بجور میں چھوڑ دیئے گئے ہیں بہت سا لشکر گھوڑوں کے ناکارہ ہونے سے لمغان چلا گیا ہے۔ جو لوگ ساتھ ہیں ان کے گھوڑے بھی ایسے تھک گئے ہیں کہ ایک دن کی دوڑ کے قابل نہیں رہے بے شک یہ باتیں معقول تھیں۔ لیکن ارادہ کر لیا تھا۔ ان باتوں کی کچھ پروا نہ کی۔ صبح ہی اندھیرے منہ دریائے سندھ کے گھاٹ کی طرف رخ کر دیا۔ میر محمد جالہ بان کو معہ اس

کے بھائیوں کے اور چند سپاہیوں کے دریا کے ادھر ادھر گھاٹ دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔

لشکر کو دریا کی جانب روانہ کر کے آپ سواتی کی طرف جس کو کرک خانہ کہتے ہیں شکار کھیلنے چلا گیا۔ کئی کرک دکھائی دیے۔ لیکن ان کا جنگل بہت وسیع تھا۔ اس سبب سے وہ باہر نہ نکلے۔ ایک بچہ والی مادہ میدان میں آئی۔ اور بھاگی۔ اس پر تیروں کی بوچھاڑ پڑ گئی۔ چونکہ اس کا جنگل قریب تھا اس لئے اس میں گھس گئی۔ جنگل میں آگ لگا دی گئی۔ وہ بھاگی ہوئی تو نہ ملی۔ ایک اور کرک نظر آیا۔ آگ میں جلا ہوا پڑا ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اسی کو ذبح کر کے ہر ایک نے حصہ لیا۔ سواتی سے پلٹتے وقت بڑی سرگردانی اٹھا کر عشاء کے وقت ہم باہر نکلے۔ جن کو گھاٹ دیکھنے بھیجا تھا وہ دیکھ کر آگئے تھے۔ دوسرے دن جمعرات کی سولھویں تاریخ گھوڑوں اونٹوں اور پر تل نے گھاٹ سے عبور کیا۔ لشکر کے پیدلوں اور اہل بازار کو جالہ کے ذریعہ سے اتارا آج ہی نیلاب والے سر راہ حاضر ہوئے۔ ایک گھوڑا بکتر دار اور تین سے شاہرخی پیش کش لائے۔ دریا سے اترتے ہی ظہر کے وقت سب آگے چلے۔ پہر رات گئے تک کچھ کوٹ کے دریا کے پاس آن پڑے۔ وہاں سے دھندلکے میں چل کھڑے ہوئے دریائے کچھ کوٹ سے پار سکندا کے پہاڑ سے نکل کر مقام کیا۔ قاسم ایشک آغا چانداول تھا۔ کچھ کوجور لوگ جو لشکر کے پیچھے لگے آتے تھے ان کو پکڑ لیا اور ان میں سے بعض کے سر کاٹ لایا۔ صبح ہی سکندا کی سے کوچ ہوا اور ظہر کے وقت دریائے سوہان سے پار جا اترے۔ لشکر کے پچھلے لوگ آدھی رات تک آئے۔ منزل ذرا کڑی تھی۔ گھوڑوں کے تھک جانے ہی کا موقع تھا۔ چلتے چلتے اکثر گھوڑے بیکار ہو گئے تھے۔

بھیرہ سے سات کوس شمال کی طرف ایک پہاڑ ہے اس کو ظفر نامہ وغیرہ کتب تاریخ میں کوہ جودہ لکھا ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ معلوم نہ تھی۔ اب معلوم ہوا کہ اس پہاڑ کے لوگ ایک دادا کی اولاد ہیں۔ ان میں دو قومیں ہیں۔ ایک کا نام جودہ ہے۔ دوسری کا نام جنجوہہ۔ اس پہاڑ پر اور نیلاب و بھیرہ میں جو قومیں آباد ہیں ان پر جنجوہہ قوم قدیم سے حکومت کرتی چلی آئی ہے۔ طرز حکومت دوستانہ اور برادرانہ ہے۔ حاکموں کا جو دل چاہتا ہے وہ نہیں کر سکتے یا نہیں لے سکتے۔ مال گزاری کی رقم بالمقطع ابتدا میں مقرر کر دی ہے۔ اس رقم مقررہ سے زیادہ نہ دینے والے دیتے ہیں نہ لینے

والے لے سکتے ہیں۔ وہ رقم فی گھر ایک شاہرخی ہے۔ شادی کے موقع پر سپاہیوں کو سات شاہرخیاں دی جاتی ہیں۔ جودہ کی بھی کئی شاخیں ہیں اور جنجوہہ کی بھی۔ یہ پہاڑ جو بھیرہ سے سات کوس ہے کوہستان کشمیر (کوہستان کشمیر اور کوہ ہندوکش دوسری طرف واقع ہے) سے الگ ہو کر جنوب و مغرب کے بیچ میں ہوتا ہوا دینکوت کے نیچے دریائے سندھ پر ختم ہوتا ہے۔ آدھے پہاڑ میں قوم جودہ آباد ہے اور آدھے پہاڑ میں جنجوہہ مگر جودہ ہی کے نام سے منسوب ہو کر کوہ جودہ کہلاتا ہے۔ ان کے سب سے بڑے سردار کو رائے کہتے ہیں۔ اور اس کے بھائی بیٹوں کو ملک۔ یہ قوم جنجوہہ لشکر خان کی ننھیال ہے۔

دریائے سوہان کی نواح میں جو قومیں ہیں ان کے حاکم کا نام ملک ہست تھا۔ (اصل میں تو اس کا نام اسد تھا۔ ہندوستانی بھی ایسے متحرک حرف کو ساکن کر دیتے ہیں اس سبب سے ہست کو اسد کہنے لگے۔ جیسے خبر کو خبرؔ کہتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ ہست ہو گیا) یہاں پہنچتے ہی لشکر خاں کو ملک ہست کے لانے کے لئے بھیجا گیا۔ وہ فوراً وہاں گیا اور اس کو میری عنایت و مہربانی کا امیدوار کر کے عشاء کے وقت ساتھ لے کر آیا۔ ہست نے ایک گھوڑا مع سامان نذر کیا۔ اور ملازمت حاصل کی۔ اس کی عمر بائیس تیس برس کی ہو گی۔ ان لوگوں کے مویشیوں کے ریوڑ لشکر کے ادھر ادھر بہت تھے۔ مجھ کو تو مدت سے ہندوستان لینے کا خیال تھا۔ یہ قطعہ ملک جس میں بھیرہ۔ خوشاب۔ چناب اور جنیوت شامل ہے مدتوں ترکوں کے قبضہ میں رہا ہے۔ اس کو ہم اپنی ہی ملکیت تصور کئے ہوئے ہیں۔ اور مجھے یقین تھا کہ خواہ بزور شمشیر خواہ بطریق صلح ہم اس کو لیں گے اور ضرور لیں گے اس وجہ سے ان پہاڑیوں کے ساتھ عمدہ سلوک کرنا لازم تھا۔ میں نے حکم دیا کہ ان کی ایک بھیڑ بلکہ رسی کے ٹکڑے اور ٹوٹی ہوئی سوئی کو بھی کوئی نگاہ بھر کے نہ دیکھے۔ اور ان کو نقصان نہ پہنچائے۔ یہاں سے چلے اور ظہر کے وقت کلدہ کنار میں اترے۔

یہاں چاروں طرف خوبدے کے کھیت کے کھیت تھے۔ یہ مقام قابل دید ہے۔ بھیرے سے دس کوس کے فاصلہ پر پہاڑ میں ایک ہموار قطعہ ہے۔ اسی میدان میں ایک طرف جگہ بڑا تالاب ہے۔ گرد کے پہاڑوں اور بارش کا پانی یہاں جمع ہوتا ہے۔ اس تالاب کے گرد اولا تقریباً تین کوس کا ہو گا۔ مرغزار کے شمال میں ایک ندی ہے۔ اس

کے مغرب میں دامن کوہ ہے۔ اور اس میں ایک چشمہ ہے۔ اس چشمہ کا پانی ان بلندیوں پر جو تالاب کے اوپر ہیں ٹھہرا رہتا ہے چونکہ جگہ عمدہ تھی اس لئے میں نے یہاں باغ تیار کرایا۔ اس کا نام باغ صفا رکھا۔ یہ باغ ہوادار اور صاف مقام پر بنا۔ اس کا مفصل حال آگے بیان ہو گا۔ کلدہ کنارے ہم صبح ہی روانہ ہوئے۔ پہاڑ پر کئی جگہ لوگ حاضر ہوئے اور مختصر مختصر پیش کشیں انہوں نے پیش کیں۔ ان آنے والوں کو عبدالرحیم شقاول کے ہمراہ کر کے بھیرے بھیجا اور بھیرے والوں سے کہلا بھیجا کہ تم ڈرو نہیں۔ ہر طرح سے مطمئن رہو۔ یہ ملک قدیم سے ترکوں کے تحت میں رہا ہے۔ تم لوگ منتشر نہ ہو۔ ہم کو اس ملک اور اہل ملک کا خیال ہے۔ یہاں کیل کا کھٹکا نہ ہو گا۔

چاشت کے وقت پہاڑ کے نیچے لشکر کے ڈیرے ہوئے۔ قربان حرخی اور عبدالملک ہستی کو سات آٹھ آدمیوں سمیت خبر دریافت کرنے کے لئے آگے روانہ کیا۔ ان آگے جانے والوں میں سے محمد مہدی خواجہ ایک شخص کو لایا۔ اسی اثناء میں افغانوں کے کئی سردار معہ پیش کش حاضر ہو کر باریاب ہوئے۔ ان کو لشکر خاں کے ساتھ بھیرے والوں کے پاس بھیج دیا۔ پہاڑ اور جنگل سے نکل برانغار' جرانغار' قول اور ییاول درست کر کے بھیرے کی طرف ہم چلے۔ بھیرے کے نزدیک جب ہم پہنچے تو دولت خاں یوسف خیل کا بیٹا علی خاں اور دیوہ ہندو وغیرہ بھیرے سے آکر شرف یاب ملازمت ہوئے۔ ظہر کا وقت تھا کہ دریائے بہت کے کنارہ پر بھیرہ کے مشرق میں بغیر اس کے کہ بھیرہ والوں سے کچھ تعرض کیا ہو ایک سرسبز مقام پر جا اترے جب شہر تیمور صاحب قراں ہندوستان میں آئے ہیں اور چلے گئے ہیں تو یہ کئی علاقے بھیرہ' خوشاب' چناب اور چنیدت صاحب قراں اور ان کی اولاد کے قبضہ میں رہے۔ سلطان مسعود مرزا (سیور غتمش کا بیٹا اور شاہرخ مرزا کا پوتا) جب کابل وزابل کا بادشاہ ہوا تو (اسی سبب سے اس کو سلطان مسعود کابلی کہتے ہیں) اس کے امراء میں میر علی بیگ کے کئی بیٹے بابا کابلی دریا خاں اور اپاق خاں (جس کا لقب آخر میں غازی خاں ہو گیا) ان علاقوں کے حاکم رہے۔ سلطان مسعود مرزا اور اس کے بیٹے علی اصغر مرزا کے بعد ان کی خاں کابل۔ زابل اور ان علاقوں کو دبا بیٹھا۔ ۹۱۰ھ میں جو میں کابل آیا اور ہندوستان لینے کے خیال سے براستہ خیبر پشاور میں آگیا۔ اور باقی چغانیانی کے کہنے سے ملک بنگش

کی طرف جا کر وہاں کے افغانوں اور بنو دشت والوں کو تاخت و تاراج کرتا ہوا دکہ کے مقام سے چلا گیا تھا تو اس زمانہ میں بھیرہ' خوشاب اور چناب کا حاکم سید علی خاں (غازی خاں کا بیٹا۔ میر علی بیگ کا پوتا) تھا۔ وہ سکندر بہلول کے نام کا خطبہ پڑھواتا تھا اور اسی کا مطیع تھا۔ میرے آنے سے ڈر کر بھیرے کو اس نے چھوڑ دیا اور دریائے بہت کے پار مقام شیر کوٹ میں (جو بھیرہ کا ایک موضع ہے) وہ جا بیٹھا۔

اس کے ایک دو سال کے بعد افغان میرے طرف دار ہو کر سید علی سے بگڑ گئے۔ وہ بھی اس سبب سے بہت ڈرا۔ آخر اس نے اس ملک ہی کو چھوڑ دیا۔ دولت خاں ولد تاتار خاں یوسف خیل ان دنوں میں حاکم لاہور تھا۔ اس نے اپنے بڑے بیٹے علی خاں کو دے دیا تھا۔ وہی اس زمانہ میں بھیرے کا حاکم تھا۔ تاتار خاں (دولت خاں کا باپ) ان چھ سات سرداروں میں سے ہے جنہوں نے خروج کر کے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ اور بہلول کو بادشاہ کر دیا تھا۔ دریائے ستلج کے شمالی اضلاع اور سرہند پر تاتار خاں قابض تھا۔ اس ملک کی آمدنی تین کروڑ سے زیادہ تھی۔ تاتار خاں کے مرنے کے بعد سلطان سکندر نے اپنے عہد سلطنت میں یہ ملک تاتار خاں کی اولاد سے لے لیا۔ اور کابل میں میرے آنے سے دو برس پہلے صرف ایک لاکھ دولت خاں کو دے دیا۔ دوسرے دن بعض مقاموں میں جہاں مناسب تھا فوج کے دستے روانہ کئے گئے۔ اسی دن میں نے بھیرے کی سیر کی۔ لشکر خاں جنجوہہ بھی آج ہی آیا۔ ایک گھوڑا اس نے نذر لایا۔ اور ملازمت سے مشرف ہوا۔ بائیسویں تاریخ جمعرات کے بھیرے کے چودھریوں اور اکابر کو بلایا۔ چار لاکھ شاہرخی محصول قرار دے کر تحصیل دار مقرر کر دیئے۔ اس کے بعد سوار ہوا۔ کشتی میں بیٹھ کر معجون کا شغل کیا۔ اور سیر کرتا ہوا روانہ ہوا۔

حیدر عملدار کو ان بلوچوں کے پاس بھیجا جو بھیرے اور خوشاب کے علاقہ میں تھے۔ دوسرے دن جمعرات کو وہ لوگ حاضر ہوئے اور ایک تپچاق گل بادای پیش کش لائے۔ اتنے میں لوگوں نے عرض کی کہ کچھ سپاہیوں نے بھیرے والوں کو ستایا ہے اور ان پر ہاتھ ڈالا ہے۔ فوراً ان سپاہیوں کو گرفتار کر کے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا اور بعض کی ناکیں کٹوا کر تشہیر کرایا۔ اس ملک کو تو ہم اپنا ہی جانتے تھے۔ اس وجہ سے اس کو بالکل محفوظ و مامون رکھا۔ یہاں والوں نے بھی کہا کہ اگر بطریق مصالحت دربار دہلی میں پیغام بھیجا جائے تو جو ملک ترکوں کا ہے وہ اس پر دعویٰ نہیں کرنے کے۔

اس لئے ملا مرشد کو ایلچی مقرر کیا۔ اور سلطان ابراہیم (پانچ چھ مہینے ہوئے تھے کہ اس کا باپ مر گیا تھا۔ اور وہ ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا تھا) اس کے پاس بھیجا۔ اور جتنا ملک قدیم سے ترکوں کا تھا اس کا دعویٰ کیا۔ جو خطوط دولت خاں اور سلطان ابراہیم کے نام لکھے تھے وہ ملا مذکور کے حوالے کئے۔ کچھ زبانی بھی کہہ دیا اور اس کو رخصت کیا۔ ہندوستانی خصوصاً" پٹھان بیوقوف ہوتے ہیں۔ نہ دشمنی کی لیاقت رکھتے ہیں۔ نہ دوستی کی راہ رسم برت سکتے ہیں۔ نہ مقابلے میں ٹھہرنے کی تاب رکھتے ہیں۔ نہ بھاگنے کا انداز جانتے ہیں۔ ہمارے ایلچی کو عرصہ تک دولت خاں نے لاہور میں ٹھہرائے رکھا۔ نہ تو آپ اس سے ملا نہ اس کو ابراہیم کے پاس بھیج دیا۔ اس بیچارے کی جب کسی نے بات نہ پوچھی اور اس کو کوئی جواب نہ ملا تو کچھ دن بعد وہ کابل میں چلا آیا۔

جمعہ کے دن خوشاب والوں کی عرض داشت آئی۔ شاہ حسین بن شاہ شجاع ارغون خوشاب جانے پر معین ہوا۔ ہفتہ کے دن چھبیسویں تاریخ شاہ حسین خوشاب بھیجا گیا۔ اتوار کو ایسا مینہ برسا کہ سارے جنگل میں جل تھل بھر گئے۔ بھیرے میں ان پہاڑوں کے نیچے جہاں ہمارا لشکر پڑا ہوا تھا ایک چھوٹی سی ندی تھی۔ ظہر کے وقت تک اس کا پاٹ بڑے دریا کے برابر ہو گیا۔ پہلے بھیرے کے قریب گز بھر سے زیادہ پاٹ نہ تھا۔ اب تیر کر جانے کے قابل ہو گیا تیسرے پہر کو میں بھی سیر کرنے گیا۔ اس قدر ہوا اور بارش تھی کہ لشکر میں واپس آنے تک میں گھبرا گیا۔ اسی دریا میں تیر کر ہم آئے۔ اہل لشکر کا بہت ہی پتلا حال ہوا۔ بہتوں نے اپنے ڈیرے چھوڑ دیئے۔ اپنے ہتھیار اور سامان کندھے پر ڈال ننگی پیٹھ کے گھوڑوں پر سوار ہو تیر کر نکل گئے۔ تمام جنگل میں پانی ہی پانی تھا۔ دوسرے لوگ کشتیاں لے آئے۔ بہت سوں نے اپنے خیموں اور اسباب کو کشتیوں میں لاد لاد کر پار اتار دیا۔ مغرب کے وقت تک لشکر والوں نے کوس بھر اوپر کے رخ جا کر اترنے کا موقع پایا۔ لوگ وہیں سے پار ہو قلعہ میں جس کو جہاں نما کہتے ہیں جا اترے۔ ایک روز وہاں ٹھہرے۔ دوسرے دن مینہ اور رو کے خیال سے ان بلند مقاموں پر جو بھیرے کے شمال میں ہیں ڈیرے ڈالے۔

بھیرے وغیرہ کا انتظام :۔ جو محصول مقرر کیا گیا تھا اس کے دینے میں رعایا نے کچھ مچر کی۔ اس کا یہ انتظام کیا کہ ملک کو چار سرکاروں پر منقسم کیا۔ ایک سرکار پر خلیفہ کو دوسری پر قوچ بیگ کو۔ تیسری پر دوست ناصر بیگ کو۔ چوتھی پر سید قاسم اور محب علی

کو مقرر کیا۔ اور ان امراء کو حکم دیا کہ انتظام کر کے روپیہ داخل کرو۔

ہندال کی پیدائش :۔ جمعہ کے دن دوسری شعبان کو شیبان پیادہ اور درویش علی پیادہ (جو اب بندوقچی ہے) ہندال کے پیدا ہونے کی خبر لائے۔ چونکہ اس تسخیر ہند کے موقع پر یہ خبر آئی اس لئے بطریق شگون مولود کا نام ہندال رکھا۔ قنبر بیگ بھی بلخ سے محمد زمان مرزا کی عرضی لایا۔ دوسرے دن دربار برخاست کرنے کے بعد سیر کے لئے کشتی میں سوار ہوا۔ شراب کا دور چلا۔ اہل مجلس خواجہ دوست خاوند' خسرو میرم۔ مرزا قلی۔ محمدی۔ احمدی۔ کدائی۔ لقمان۔ لشکر خان۔ قاسم علی تریاکی۔ یوسف علی اور تنکر قلی تھے۔ کشتی کے سرے پر ایک پٹا ہوا دالان تھا۔ اس کی چھت ہموار تھی۔ میں چند مصاحبوں کے ساتھ اسی پر بیٹھا تھا۔ کچھ لوگ نیچے دالان میں تھے۔ کشتی کے دنبالہ کی طرف بھی بیٹھنے کی جگہ تھی۔ محمد۔ کدائی اور لقمان وہاں بیٹھے تھے۔ عصر کے وقت تک شراب کا شغل رہا۔ پھر اس سے دل بھر گیا تو معجون کھائی گئی۔ کشتی والوں کو معلوم نہ ہوا کہ میں نے معجون کھائی ہے۔ وہ یہی جانتے تھے کہ شراب پی رہے ہیں۔ عشاء کے وقت اندھیرے میں کشتی سے اتر کر ہم لشکر میں آئے۔ محمدیم اور کدائی یہی خیال کر کے کہ میں نے صرف شراب ہی پی ہے شائستہ خدمت کرنے پر آمادہ ہوئے۔ شراب کی ایک ٹھلیا باری باری سے گھوڑوں پر رکھ کے کچھ عجب خوشی اور اتراہٹ کے ساتھ لے کر آئے۔ اور کہنے لگے کہ اس اندھیری رات میں ہم باری باری سے اٹھا کے لائے ہیں۔ مگر انہوں نے دیکھا کہ صحبت کا اور رنگ ہے۔ کچھ معجونی ہیں اور کچھ شراب سے متوالے ہیں۔ معجونی اور شرابی کی ذرا نہیں بنتی۔ اس سبب سے وہ بہت شرمندہ ہوئے۔ میں نے کہا کہ یہ بات کچھ نہیں۔ جلسہ کا مزہ کرکرا نہ کرو۔ جس کا دل شراب پینے کو چاہے وہ شراب پئے جس کا دل معجون کھانے کو چاہے وہ معجون کھائے۔ کوئی کسی سے الجھے نہیں۔ اس کہنے سے کسی نے شراب پی اور کسی نے معجون کا استعمال کیا۔ تھوڑی دیر تک یہ جلسہ رہا۔

بابا جان کشتی میں ہی تھا۔ جب ہم خانہ سفید میں آئے تو اس کو بلایا۔ اس نے شراب مانگی۔ تردی محمد قیچاق کو بھی بلایا۔ ان کو مستوں نے شریک صحبت کیا۔ معجونیوں اور شرابیوں کی تو بنتی نہیں۔ شرابیوں نے واہی تباہی بکنا شروع کی۔ یہ لوگ معجون اور معجونیوں پر منہ آنے لگے۔ بابا خان بھی نشہ میں بہک رہا تھا۔ تردی محمد کو بھی

گلاس پر گلاس پلا کر مستوں نے بے سدھ کر دیا۔ میں نے بہت چاہا کہ سنبھالوں مگر نہ سنبھال سکا۔ بڑی دھند مچی۔ جلسہ مٹی ہو گیا سب متفرق ہو گئے۔ پیر کے دن پانچویں تاریخ بھیرہ ہندو بیگ کے سپرد کیا اور حسین انکراک کو چناب کا حاکم کیا۔ حسین انکراک اور چناب والوں کو رخصت دی گئی۔ انہی دنوں میں منوچہر خاں جب مجھے اطلاع دے کر ہندوستان سے چلا اور اوپر کے راستے سے آنے لگا تو تاتار خاں ککھڑ سے اس کی ملاقات ہوئی۔ اس نے اسے روک لیا۔ اور اپنی بیٹی سے اس کی شادی کر دی۔ چند روز منوچہر خاں وہاں رہا۔ پھر میرے پاس چلا آیا۔ نیلاب و بھیرہ کے بیچ میں جو پہاڑ کشمیر کے پہاڑوں سے ملے ہوئے ہیں ان میں قوم جودہ اور جنجوہہ کے علاوہ جت اور گجور کی قومیں بھی آباد ہیں۔ انہوں نے ہر پشتہ اور درہ میں اپنے گاؤں بسا لئے ہیں۔ ان قوموں کا حاکم ککھڑ ہے ان کی طرزِ حکومت جودہ اور جنجوہہ کی سی ہے۔ اس زمانہ میں اس دامن کوہ کی حکومت تاتار ککھڑ اور ہاتی ککھڑ سے متعلق تھی۔ یہ دونوں ایک دادا کی اولاد اور باہم چچیرے ہوتے تھے۔ ٹیلوں اور کھڈوں میں ان کے مقامات تھے۔ جو بہت ہی مستحکم تھے۔ تاتار کی ریاست گاہ پر ہالہ تھا۔ یہ ملک برخان کے پہاڑ سے بہت ہی نیچے واقع ہے۔ ہاتی کا علاقہ پہاڑ سے ملا ہوا ہے۔ مقام کنجرزا بابو خان کے تحت میں تھا۔ اس کو بھی ہاتی نے چھین لیا تھا۔ تاتار ککھڑ دولت خاں سے مل کر کسی قدر اس کا مطیع ہو گیا تھا۔ ہاتی اس سے نہ ملا تھا۔ اور برسر فساد تھا۔ امرائے ہند کی بل پر اور ان کے کہنے سے تاتار ہاتی کے مقابلہ میں پڑا ہوا تھا۔ مگر دور دور تھا۔ اس زمانہ میں جبکہ ہم بھیرے میں تھے ایک بہانہ سے ہاتی عین غفلت میں تاتار پر جا پڑا۔ اس کو قتل کیا۔ اور اس کا خزانہ اور مال اسباب لے لیا۔

ظہر کے وقت میں سیر کرنے کشتی میں سوار ہوا۔ شراب کا شغل شروع ہوا۔ اہل بزم یہ لوگ تھے۔ دوست بیگ۔ مرزا قلی۔ احمدی۔ کدائی۔ محمد علی جنگ۔ جنگ عسس افغان اور نردی مغل۔ گویوں میں سے روح دم۔ بابا خان۔ قاسم علی۔ یوسف علی۔ تنگری قلی۔ ابو القاسم اور رمضان لولی تھے۔ شام تک ساغر کا دور چلتا رہا۔ عشاء کے وقت رحمت بنے ہوئے تھے جو کشتی سے اتر کر سوار ہوئے۔ مشعل میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ دریا کے کنارہ سے لشکر تک کبھی گھوڑا ادھر ڈالتا تھا کبھی ادھر۔ غرض لڑکھڑاتا ہوا آیا۔ میں نشہ میں اتنا چور تھا کہ مجھے ذرا خبر نہ تھی۔ صبح کو جو رات کا

یہ حال مجھ سے بیان کیا تو باور نہ آیا۔ مکان پر آتے ہی میں نے کئی بار قے کی۔ جمعہ کے دن سیر کے لئے سوار ہوا۔ کشتی میں بیٹھ کر پار گیا اس جانب کے باغوں۔ پھلواری اور گنوں کے کھیتوں کی سیر کی۔ ان کے ڈول اور ہٹ دیکھے۔ اپنے سامنے پانی کھنچوایا۔ اور پانی نکالنے کی کیفیت دریافت کی۔ بلکہ بار بار کھنچوایا۔ اثنائے سیر میں معجون کا استعمال کیا۔ وہاں سے پھرا اور کشتی میں سوار ہوا۔ منوچہر خاں کو بھی معجون کھلائی تھی۔ اس کو اتنا نشہ ہوا کہ دو آدمی بازو پکڑے ہوئے کھڑے رکھتے تھے۔ تھوڑی دیر کشتی کا لنگر ڈلوا کر دریا کے بیچ میں ٹھہر رہے۔ پھر دریا کے نشیبی جانب گئے۔ کچھ دور چل کر کشتی کو اوپر کی طرف کھنچوایا۔ رات کو کشتی میں رہے۔ صبح کے قریب لشکر میں آئے۔

شنبہ دسویں ربیع الاول کو آفتاب برج حمل میں آیا۔ آج ہم تیسرے پہر سیر کے واسطے روانہ ہوئے۔ کشتی میں بیٹھ کر شراب پی گئی۔ مجلسیوں میں خواجہ دوست خاوند' دوست بیگ۔ میرم۔ مرزا قلی۔ محمدی۔ احمدی۔ یونس علی۔ محمد علی جن جنگ۔ گدائی طغائی۔ میر خسرو۔ عسس۔ گویوں میں روح دم۔ بابا خان۔ قاسم علی۔ یوسف علی تنکری اور رمضان تھے۔ دریا کی ایک شاخ میں آکر نشیبی جانب چلے گئے اور بہت دور جا کر نکلے۔ شام کو لشکر میں آئے اسی روز شاہ حسین خوشاب سے آیا۔ چونکہ شاہ دہلی کے پاس ایلچی بھیج دیا تھا۔ اور ترکوں کے اس قدیمی ملک کے مطالبہ کے لئے مصالحت کا پیغام بھیجا تھا اس لئے جو محصول یہاں مقرر کیا تھا اس میں سے کسی قدر وصول کیا۔ گرمی سر پر آگئی۔ ہندو بیگ کی کمک کے لئے شاہ محمد مہردار اور اس کے چھوٹے بھائی دوست مہردار وغیرہ کو جو مناسب معلوم ہوئے مقرر کیا۔ ان میں ہر ایک کے لئے اعلیٰ قدر مراتب اخراجات وغیرہ کا بندوبست کر دیا گیا۔ لشکر خاں یورشوں کا باعث ہوا تھا۔ اور اس نے بے حد کوشش کی تھی۔ اس کو خوشاب عنایت کر کے توغ عطا کی۔ اس کو بھی ہندو بیگ کی کمک کے لئے چھوڑا۔ جو ترک سپاہی اور زمیندار بھیرے میں رہے تھے ان کی تنخواہیں بڑھا دیں۔ اور ان کو بھی ہندو بیگ کی مدد کے واسطے مقرر کر دیا۔ ان میں منوچہر خان تھا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ نظر علی ترک تھا۔ منوچہر خاں کا قرابتی لشکر خاں جنجوہہ اور ملک ہست جنجوہہ تھا۔

کابل کی جانب مراجعت :۔ بالفعل صلح کی امید پر اس ملک کا انتظام اسی طرح کر کے اتوار کے دن ربیع الاول کی گیارھویں تاریخ بھیرے سے کابل کی طرف مراجعت

کلدرہ کنار میں آکر ٹھہرے۔ اس دن بھی شدت سے مینہ برستا تھا۔ کپنک وار اور غیر کپنک وار برابر تھا۔ لشکر کے پچھلے لوگ رات کو عشاء کے وقت منزل پر پہنچے۔

ہائی پر چڑھائی اور فتح :۔ جن کو اس ملک کا بخوبی حال معلوم تھا علی الخصوص جنجوہہ جو گکھر کے قدیمی دشمن تھے انہوں نے عرض کی کہ ہائی گکھر بڑا بدذات ہے۔ راستہ لوٹ لیتا ہے اور مسافروں کو سخت پریشان کرتا ہے۔ یا تو اس کو یہاں سے نکال دیجئے۔ یا پوری پوری گوشمالی دیجئے۔ اس کام کے لئے دوسرے دن خواجہ میر میراں اور میرم ناصر کو میں نے لشکر میں متعین کیا۔ اور خود چاشت کے وقت ہائی کے سر کچلنے کے لئے سوار ہوا۔ ہائی گکھر اسی زمانہ میں تاتار کو مار کر اس کا ملک پر ہالہ دبا بیٹھا تھا جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے۔ لشکر سے ہم علیحدہ ہوئے اور چلتے چلتے عصر کے وقت ٹھہرے۔ گھوڑوں کو ذرا ستا اور دانہ کھلا عشاء کے وقت وہاں سے چلتے ہوئے۔ ملک ہست کا ایک ملازم سریا نام گجوری ہمارا رہبر تھا۔ رات بھر چلے اور صبح دم لیا۔ بیگ محمد مغل کو لشکر کی طرف الٹا پھیر دیا۔ دن نکلے ہم سوار ہوئے۔ چاشت کے وقت جیبہ پہن قدم اٹھا کر چلے کوس بھر سے پر ہالہ کا سواد دکھائی دیا۔ فوج درست کر کے روانہ کی گئی۔ برنغار پر ہالہ کے مشرق کی طرف گیا۔ قوچ بیگ کا جو جرانغار کا سردار تھا۔ مدد کے لئے اس کے پیچھے روانہ کیا۔ جرانغار اور قول کے فوج نے پرہالہ پر دھاوا کیا۔ دوست بیگ کو ان لوگوں کی کمک کے لئے بھیجا جو پرہانہ کے زیر دیوار پہنچ گئے تھے۔

پرہالہ ایسی جگہ پر ہے جہاں چاروں طرف کھڈ اور ٹیلے ہیں۔ شہر کے دو راستے ہیں۔ ایک جنوب و مشرق سمت کے بیچ میں ہے۔ ہم اسی راستہ سے آئے۔ یہ راستہ کھڈوں میں سے ہے۔ اس کے دونوں طرف کھڈ اور ٹیلے ہیں۔ آدھ کوس سے شہر کے دروازہ تک اس راستہ کے کھڈ ایسے پاس ہو گئے ہیں کہ چار پانچ جگہ نالی سی ہو گئی ہے۔ چنانچہ گز بھر بھی بڑی دیکھ بھال سے، راستہ چلا جاتا ہے۔ دوسرا راستہ مغرب اور شمال کے مابین ہے۔ وہ ایک کھلے ہوئے درہ میں سے پرہالہ تک ہے اور ایک راہا ہے۔ ان دونوں کے سوا تیسرا رستہ کسی طرف سے نہیں ہے اگرچہ شہر کی چار دیواری نہیں ہے مگر ایسی قلب جگہ ہے کہ حملہ کرنا بھی دشوار ہے۔ شہر کے گرد سات آٹھ گز چوڑان میں کھڈ واقع ہیں۔ جرانغار والے، ان سکڑے مقاموں سے نکل کر دروازہ پر جا پہنچے۔ ہائی نے تیس چالیس سواروں اور بہت سے پیدلوں کے ساتھ ہمارے لشکر کے

مقدمہ کا مقابلہ کر کے اس کو ہٹا دیا۔ دوست بیگ، جو پیچھے مدد پر تھا جا پہنچا۔ اور اس نے زبردست حملہ کیا۔ دشمن کے بہت آدمی گرائے اور اس کو ہزیمت دی۔ ہائی ان میں بڑا بہادر مشہور تھا۔ ہرچند اس نے ہاتھ پاؤں مارے، مگر نہ ٹھہر سکا۔ آخر بھاگ نکلا۔ ان کھڈوں میں سے بھاگ کر شہر میں پہنچا۔ اس کو بھی نہ سنبھال سکا۔ حملہ آور اس کے پیچھے پیچھے شہر میں گھس گئے۔ آخر ہائی اس دروازہ سے جو شمال و غرب میں ہے نکل بھاگا۔ یہاں دوست بیگ نے بہت کوشش کی۔ فتح دوست بیگ ہی کے نام پر ہوئی ہے۔ میں اسی دن پرہالہ میں آیا۔ تاتار کے مکانوں میں ٹھہرا۔ فوج کی صف بندی کے وقت اس جمعیت میں سے جس کو اپنے پاس ٹھہرنے کے لئے مقرر کیا تھا کچھ لوگ حملہ آوروں میں مل گئے تھے۔ ان میں سے امین محمد قراجہ اور ترخان ارغون کو عدول حکمی کی سزا میں ایک کجور رہبر کے ہمراہ لشکر کے سامنے ننگے سر ننگے پاؤں جنگل کی طرف نکلوا دیا۔

دوسرے دن غرب و شمال کے مابین والے کھڈوں میں سے نکل ایک جویدزار میں قیام ہوا۔ بابولی خزانچی کو کچھ سپاہیوں سمیت لشکر سے آگے سوہان ندی کی طرف روانہ کیا۔ پنجشنبہ پندرھویں تاریخ مقام اندرانہ میں جو دریائے سوہان کے کنارہ پر ہے خیمہ زن ہوئے یہ اندرانہ ہمیشہ سے ملک ہست کے باپ کے تحت میں تھا۔ ملک ہست کے باپ کو جب سے ہائی نے مارا اس وقت سے وہ ویران پڑا تھا۔ اور ان دنوں میں بھی اجاڑ ہی تھی۔ جو اہل لشکر کلدرہ کنار سے رخصت کر دیئے گئے تھے وہ بھی عشاء کے وقت یہاں آگئے۔ ہائی نے جب تاتار کو مار لیا ہے تو پربت نام اپنے قرابت دار کے ہاتھ ایک گھوڑا معہ سامان بطریق پیش کش بھیجا تھا۔ پہلے اسے حاضر ہونے کا موقع نہ ملا۔ اب پس ماندہ لشکر وغیرہ کے ہمراہ آکر اس نے ملازمت حاصل کی۔ اور پیش کش گذرانی، لشکر خاں بھیرہ کی چند قوموں کے ساتھ بعض کاموں کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا۔ اور اب حاضر ہوا تھا اس کو بھی بعض زمینداران بھیرہ کے ہمراہ رخصت کیا۔ پھر ہم نے کوچ کر دیا۔ دریائے سوہان سے عبور کر کے پشتہ پر منزل کی۔ ہائی کے قرابت دار پربت کو خلعت دیا۔ اور ہائی کے نام استمالت کا فرمان لکھ بھیجا۔ اور محمد علی جنگ جنگ کے ایک ملازم کو اس کے ساتھ کر دیا۔

ہمایوں کے ملازم جو بابا دوست اور ہلال کے ساتھ نیلاب، ہزارہ اور قارلوق (یہ

مقامات کو دے دیئے گئے تھے) کے داروغہ ہو کر آئے تھے قارلوق کے ملک مرزا الموئے
قارلوق کو میں چالیس آدمی سمیت ہمراہ لے کر حاضر ہوئے۔ انہوں نے ایک گھوڑا
کیچم دار نذر کیا۔ اور ملازمت حاصل کی۔ دلہ زاک افغانوں کا لشکر بھی آیا۔
دوسرے دن وہاں سے کوچ کیا۔ اور دو ایک کوس پر قیام ہوا۔ ایک اونچے مقام پر سے
لشکر کو ملاحظہ کیا۔ حکم دیا کہ اونٹوں کو گنو۔ پانچ سو اسی اونٹ تھے۔ درخت سنبل کی
تعریف سنی تھی۔ یہاں اس کو آنکھ سے بھی دیکھ لیا۔ اس پہاڑ کے دامن میں سنبل
کے درخت بہت نہیں ہوتے۔ کہیں کہیں اکا دکا ہوتے ہیں۔ ہندوستان کے پہاڑوں میں
ان کی کثرت ہے اور بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ جہاں ہندوستان کے حیوانات اور نباتات
کا ذکر آئے گا وہاں ان کا بھی بیان ہو گا۔ یہاں سے نقارہ بجنے کے وقت کوچ کیا۔
چاشت کے وقت سنگ دوا کے کوتل کے نیچے ٹھہرے۔ عصر کے وقت ہم نے کوچ
دیا۔ درو و کوتل سے نکل کر ایک اونچی جگہ اترے۔ آدھی رات کو وہاں سے چلے۔
بھیرے جاتے وقت جس گھاٹ سے گئے تھے اور وہاں سیر بھی کی تھی۔ اسی گھاٹ میں
ایک جالہ غلہ سے بھرا ہوا رہ گیا تھا۔ اس کے مالکوں نے بہت کوشش کی مگر اس نے
جنبش نہ ہوئی۔ اس میں سے ہم نے غلہ لے کر ہمراہیوں پر تقسیم کیا۔ یہ غلہ بڑے
موقع پر ملا۔ شام کے قریب دریائے کابل اور دریائے سندھ کے ملنے کی جگہ نیلاب سے
نیچے کی جانب ہوتے دونوں کے بیچ میں اوپر کی طرف اترے۔ نیلاب سے لوگ پانچ چھ
کشتیاں لے آئے۔ برانغار' جرانغار اور قول میں یہ کشتیاں بانٹ دی گئیں۔ سب نے
دریا سے عبور کرنے کی کوشش کی۔ پیر کے دن تو ہم یہاں پہنچے تھے۔ منگل کی رات
سے منگل کے دن چہار شنبہ کی رات اور چہار شنبہ کے دن تک اہل لشکر اترتے رہے۔
جمعرات کو بھی کچھ لوگ پار ہوئے۔ پربت (ہاٹی کا قرابت دار) جو نواح اندرانہ سے محمد
علی جنگ جنگ کے ملازم کے ساتھ بھیجا گیا تھا دریا کے کنارہ پر آکر باریاب ہوا۔ ہاٹی
کی طرف سے ایک کیچم دار گھوڑا پیش کش لایا۔ نیلاب والے بھی ایک گھوڑا کیچم
دار لائے اور باریاب ہوئے۔

محمد علی جنگ جنگ کو بھیرے میں رہنے کی تمنا تھی۔ بھیرا تو ہندو بیگ کو عنایت
ہو گیا تھا۔ بھیرے اور سندھ کا درمیانی ملک اور قاربوں ہزارا۔ ہاتی۔ عنایت وال اور
کھت قوموں کی حکومت محمد علی کو عطا کی۔ اور حکم دیا کہ جو اطاعت کرے اس کو امن

دیا جائے۔ جو سرتابی کرے اس کے ساتھ اس شعر کے مضمون پر عمل کیا جائے۔

جو اطاعت نہ کرے اس پہ چڑھائی کیجئے
جب وہ دب جائے تو پھر اس سے بھلائی کیجئے

محمد علی جنگ جنگ کو سیاہ مخمل کا قلماقی جیبہ عنایت کیا اور توغ عطا کی۔ ہائی کے رشتہ دار کو رخصت دی۔ تلوار' خلعت اور فرمان استمالت اس کے ہاتھ ہائی کو بھیجا گیا۔ جمعرات کے دن آفتاب نکلتے ہی دریا کے کنارہ سے کوچ کیا۔ آج معجون کھائی۔ معجون کے سرور میں اس مقام کی عجیب پھلواری کا تماشا دیکھا۔ زمین کے ایک ایک قطعہ پر پھول کھل رہے تھے۔ ایک تختہ میں زرد پھول کھلے ہوئے تھے تو دوسرے میں ارغوانی اور کہیں ایسے جیسے افشاں کئے ہوئے لشکر کے قریب ایک اونچی جگہ بیٹھ کر اس دلفریب منظر کی بہار دیکھی۔ اس بلندی کے گرد چھ طرفوں میں تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ نقاشی کی ہوئی ہے۔ اگر ایک تختہ زرد پھولوں کا تھا تو ایک ارغوانی کا اور خط اس طرح پڑے ہوئے تھے کہ مسدس کی شکل پیدا ہو گئی تھی۔ دو طرفوں میں پھول کم تھے غرض جہاں تک آنکھ کام کرتی تھی یہی پھلواری نظر آتی تھی۔ پشاور کی نواح موسم بہار میں بڑی گلزار ہوتی ہے۔ صبح اس منزل سے چلے۔ دریا کے کنارہ کے راستہ سے ایک شیر دہاڑتا ہوا نکلا۔ شیر کی آواز سنتے ہی گھوڑے بدل گئے۔ چاروں طرف بھاگنے لگے اور کھڈوں وغیرہ میں گرنے لگے۔ شیر جھاڑی میں گھس گیا۔ میں نے حکم دیا کہ بھینس کو جنگل میں باندھو اور شیر کو نکالو۔ لوگوں نے یہی کیا۔ شیر پھر دہاڑتا ہوا نکلا۔ چاروں طرف سے تیروں کی بھرمار ہونے لگی۔ میں نے بھی ایک تیر مارا۔ جاکو پیادہ نے جو برچھا مارا تو شیر نے سنان کو دانتوں سے چبا ڈالا۔ شیر بے شمار تیر کھا کر بھاگا اور ایک بھٹ میں جا چھپا۔ بابا بساول تلوار سونت اس کے پاس پہنچا۔ حملہ کرنے میں شیر کے سر پر گر پڑا۔ پھر علی سیستانی نے شیر کی کمر میں تلوار کا ایک ہاتھ دیا۔ شیر اچھل کر دریا میں کود پڑا۔ دریا میں سے اس کو نکالا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کی کھال الگ کر لو۔

دوسرے دن کوچ کیا اور بکرام میں آئے۔ کورکھتری کی سیر کی۔ ایک چھوٹا سا معبد ہے دروازہ سے اندر گھس کر دو ایک سیڑھیاں نیچے ایک آدمی کے لیٹ جانے کی جگہ ہے۔ اندھیرا ایسا کہ بغیر روشنی کے قدم نہ رکھا جائے۔ اس مکان کے باہر اردگرد بے شمار ڈاڑھی مونچھ منڈے پڑے رہتے ہیں۔ اس کے اطراف میں ایسے حجرے بنے

ہوئے ہیں مدرسوں اور مسافر خانوں میں ہوتے ہیں۔ جب اول سال کابل میں آنے کے بعد کھت اور بنو دشت پر چڑھائی کی تو بکرام اور ترکلان کی سیر کا اتفاق تو ہوا تھا مگر کورکھترنہ دیکھا تھا۔ کورکھترنہ دیکھنے کا افسوس تھا۔ اب دیکھا کہ قابل دید مقام ہے۔ آج ہی میری عمدہ بہری جاتی رہی۔ نیکم میر شکار کے ہاتھ پر تھی۔ کلنگ اور لکلک کو مزے سے پکڑتی تھی۔ دو تین دفعہ کر پڑ بیٹھ چکی تھی۔ کیوں نہ جاتی۔ میں نے بھی تو ایک بیہوش آدمی کو میر شکار کر دیا تھا۔ ولہ زاک افغانوں کے جو عمائد ملک ترخان اور ملک موسیٰ کے ساتھ تھے ان میں سے چھ سرداروں کو سو سو مشقال چاندی۔ ایک تھان جامہ دار تین تین گائیں اور ایک ایک بھینس فی آدمی ہندوستان کی سوغات دی۔ اوروں کو بھی اعلیٰ قدر مراتب زرد کپڑے' گائیں اور بھینسیں عنایت کیں۔

علی مسجد میں پہنچے تو یعقوب خیل ولہ زاک میں سے معروف نام ایک سردار نے چالیس دنبے۔ دو گونیں چاول کی اور آٹھ بکرے نذر کئے۔ علی مسجد سے بدھ پیر میں آئے۔ وہاں سے جوئے شاہی میں ظہر کے وقت آکر اترے۔ اسی دن دوست بیگ کو تپ محرقہ لاحق ہوئی۔ جوئے شاہی سے دوسرے دن روانہ ہوئے۔ دوپہر باغ وفا میں گذاری۔ ظہر کے وقت باغ وفا سے چل کھڑے ہوئے۔ دریائے گندمک سے پار ہو شام کو ایک خویدزار میں گھوڑوں کو ستایا۔ دو تین گھڑی کے بعد سوار ہوئے سرخاب سے نکل مقام گزک میں پہنچے۔ رات کو سو رہے۔ صبح ہونے سے پہلے سوار ہو گئے۔ جہاں سے قرارتو کو راستہ پھٹتا تھا۔ وہاں سے میں پانچ چھ آدمی ساتھ لے جو باغ میں نے قراتو میں بنایا تھا اس کی سیر کرنے لگا۔ خلیفہ اور شاہ حسین بیگ وغیرہ کو سیدھے راستہ سے روانہ کیا کہ قاروق سائی میں توقف کریں۔ جس وقت ہم قراتو میں پہنچے اس وقت معلوم ہوا کہ شاہ بیگ ارغون پھر گیا۔ اور اس کے ملازم قنبریل نے خیر کا ہان کو تاخت و تاراج کر دیا۔ میرا حکم تھا کہ مجھ سے پہلے میرے آنے کی کوئی خبر نہ کرے۔

کابل میں داخل ہوئے:۔ ظہر کا وقت تھا جو میں کابل میں داخل ہوا۔ جب تک قتلق قدم کے پل پر پہنچے ہیں کسی کو خبر نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ہمایوں اور کامران کو خبر ہوئی اس کو موقعہ نہیں ملا کہ فوراً سوار ہوں اور اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر شہر کے باہر آجاتے۔ شہر اورارک کے دروازوں کے بیچ میں آکر ملے۔ عصر کے وقت قاسم بیگ اور قاضی شہر وغیرہ ملازم جو کابل میں تھے حاضر خدمت ہوئے۔ جمعہ غرۂ ربیع الاول

کو شراب کی مجلس منعقد ہوئی۔ شاہ حسین کو میں نے خلعت خاص عنایت کیا۔ ہفتہ کے دن صبح کشتی میں بیٹھ کر صبوحی پی۔ اس جلسہ میں نور بیگ نے عود بجایا۔ اس زمانہ میں میں تائب نہ تھا۔ ظہر کے وقت کشتی سے اترا۔ اور اس باغ کی سیر کو گیا جو میں نے کلکتہ میں پہاڑ کے درمیان میں بنوایا ہے۔ اس کی سیر کر کے عصر کے وقت باغ بنفشہ میں آگیا۔ پانچویں تاریخ سہ شنبہ کی رات کو دوست بیگ نے جس کو راستہ میں شدت کا بخار چڑھا تھا انتقال کیا۔ مجھے بہت ہی رنج اور صدمہ ہوا۔ اس کا جنازہ بڑی دھوم سے اٹھا۔ روضہ سلطان کے دروازہ کے پاس دفن کیا۔

وہ بڑا عمدہ سپاہی تھا۔ ابھی مرتبہ امیری پر پہنچا تھا۔ اس سے پہلے جب وہ امیر نہ تھا اور پیش خدمت تھا اس نے کئی عمدہ خدمتیں انجام دی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں رباط قاروق میں تھا جو اندجان سے ایک فرسنگ پر ہے۔ وہاں جب سلطان احمد تنبل نے مجھ پر شبخون مارا تو میں نے دس پندرہ آدمیوں سے اس کی اگلی فوج کو مار کر ہٹا دیا۔ اور جس وقت میں اس کے قول تک جا پہنچا۔ جس میں تخمیناً" سو آدمی تھے اس وقت میرے ساتھ صرف تین آدمی رہ گئے۔ ایک دوست ناصر۔ دوسرا مرزا قلی۔ اور تیسرا کریم داد۔ میرے پاس صرف تین تیر تھے۔ تنبل مع ایک آدمی کے ایک مکان کے فاصلہ سے آگے کھڑا تھا۔ میرا اور اس کا سامنا ہوا۔ میں نے اس کے دو بلغہ میں ایک تیر مارا۔ دوسرا تیر اور اس کے سر کو تاک کر لگایا۔ ادھر سے بھی ایک تیر آیا جو میری گردن کے پاس سے نکل گیا۔ تنبل نے میرے سر پر ایک تلوار کا ہاتھ مارا۔ عجیب تماشہ ہوا۔ میرے سر پر دو بلغہ کی طاقی تھی۔ اس کا تو ایک تار نہ کٹا اور میرے سر پر کاری زخم لگا۔ نہ اس وقت کسی نے میری مدد کی نہ کوئی میرے ساتھ تھا۔ مجبوراً میں نے گھوڑے کی باگ پھیری۔ اس وقت میرے پیچھے دوست بیگ تھا۔ تنبل نے مجھے چھوڑ کر اس کے تلوار ماری دوسری بار آخشی میں یہ موقع ہوا کہ جب لڑبھڑ کر میں آخشی سے نکلا اور میرے ساتھ فقط آٹھ آدمی رہ گئے تو ایک ان میں یہ بھی تھا۔ دو آدمیوں کے بعد دوست بیگ کو بھی دشمنوں نے گرا دیا تھا۔ امیر ہونے کے زمانہ میں بھی جب سونمک خاں سلاطین کے ہمراہ تاشکند میں احمد قاسم کے مقابلہ پر آیا ہے تو اس موقع پر بھی اس نے جان لڑا دی۔ اور دشمنوں کو زیر کر کے ان میں سے صاف نکل کر شہر میں آگیا۔ پھر جب احمد قاسم بغیر اس کے کہ اس کو خبر کرے شہر کو چھوڑ کر بھاگ گیا تو وہاں سے بھی یہ دشمنوں

کو مارتا ہوا عمدگی سے نکل آیا۔ شیر طغائی اور مرید جس زمانہ میں باغی ہوئے ہیں اور غزنی سے ایلغار کر کے آئے ہیں تو ان مغلوں نے تین سو چار سو آدمی دوست بیگ کے مقابلہ کے لئے بھیجے۔ دوست بیگ نے شروکان کے مقام پر اس فوج کو بھاری شکست دی۔ بہت سوں کو قتل کیا اور بہت سوں کے سر کاٹ لایا۔ بجور کے قلعہ پر بھی دوست بیگ دو تین آدمیوں سمیت سب سے پہلے چڑھا ہے۔ پرہالہ میں بھی دوست بیگ ہی نے ہائی کو نوک دم بھگایا۔ اور پرہالہ فتح کر لیا۔ غرض دوست بیگ کے مرنے کے بعد اس کی جاگیر اس کے چھوٹے بھائی میرم ناصر کو میں نے عطا کی۔

جمعہ کے دن ربیع الاول کی آٹھویں کو قلعہ سے چار باغ میں آیا۔ سہ شنبہ بارہویں تاریخ سلطان حسین مرزا کی بڑی بیٹی اور سلطان بیگم جو ان جھگڑوں میں خوارزم میں تھیں کابل میں آئیں۔ باغ خلوت میں ان کو اتروایا۔ اترنے کے بعد میں ان سے ملا۔ بڑی بہن تھیں۔ تعظیماً میں نے زانو مارا۔ انہوں نے بھی زانو مارا۔ پھر اسی قاعدہ سے ملتا رہا۔ اتوار کے دن سترہویں تاریخ بابا شیخ نمک حرام کو جو مدت سے قید تھا رہا کر دیا۔ اس کے گناہ معاف کر دیئے اور خلعت عطا کیا۔ منگل کے دن ۱۹ تاریخ دوپہر کو خواجہ سیاران کی سیر کے لئے میں سوار ہوا۔ آج میں روزہ سے تھا۔ یونس علی وغیرہ کو تعجب ہوا۔ کہنے لگے کہ منگل کا دن اور حضور کو روزہ ہے! یہ عجیب بات ہے۔ مقام بہزادی میں آیا اور وہاں کے قاضی کے ہاں اترا۔ رات کو جلسہ کی ٹھہری قاضی نے عرض کیا کہ میرے مکان میں کبھی ایسی مجلس نہیں ہوئی' ویسے آپ بادشاہ ہیں۔ آپ کو اختیار ہے۔ گو جلسہ کے اسباب مہیا ہو گئے تھے مگر قاضی کی خاطر سے شراب کا شغل موقوف کر دیا گیا۔ جمعرات کے دن اکیسویں تاریخ اس پہاڑ کی بنی گاہ میں جس میں باغ تیار کرایا ہے۔ ایک چبوترہ بننے کا حکم دیا۔ جمعہ کے دن پل کے اوپر سے جالہ میں بیٹھے۔ جب ہم چڑی ماروں کی بستی کے پاس پہنچے تو انہوں نے ایک جانور دیک نام جو پکڑا تھا پیش کیا۔ میں نے دیک کبھی نہ دیکھا تھا۔ نئی صورت کا جانور ہے ہندوستان کے جانوروں کا جہاں بیان ہو گا وہاں اس کا بھی ذکر ہو گا۔ ہفتہ کے دن تیئیسویں کو چبوترے کے گرد چنار اور بل کے درخت لگائے گئے۔ تیسرے پہر شراب نوشی کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن صبح کو اسی چبوترے پر صبوحی اڑائی۔ یہاں سے خواجہ حسن ہوتے ہوئے کابل چلے۔ خواجہ حسن میں نشہ کی زیادتی سے ذرا سو رہے۔ خواجہ حسن سے آدھی

رات کو چار باغ میں آگئے۔ راستہ میں عبداللہ کپڑوں سمیت دریا میں کود پڑا۔ چونکہ رات تھی اس لئے سردا گیا اور آ نہ سکا۔ رات کو قتلق خواجہ کے پل پر رہ گیا۔ دوسرے دن کل کی بے اعتدالی سے متنبہ ہو کر توبہ توبہ کرتا ہوا آیا۔ میں نے کہا کہ ابھی توبہ نبھ سکے یا نہ نبھ سکے اس واسطے ایسی توبہ کر کہ سوائے ہماری صحبت کے اور کہیں شراب کو ہاتھ نہ لگا۔ کئی مہینے تک تو ایسا ہی کرتا رہا۔ پھر یہ توبہ بھی ٹوٹ گئی۔ پیر کے دن پچیسویں تاریخ ہندو بیگ (جن کو بھیرے میں صلح کی امید پر یونہی سا بندوبست کر کے چھوڑا تھا) چلا آیا۔ معلوم ہوا کہ فریق ثانی نے صلح کی بات نہ سنی۔ وہ مجھے خاطر میں نہ لایا اور میری بات اس کان سنی اس کان اڑا دی۔ وہاں سے میرے پلٹتے ہی بہت سے پٹھان اور ہندوستانی جمع ہو ہندو بیگ پر چڑھائی کرنے بھیرے کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں کے زمیندار بھی پٹھانوں کے ساتھ ہو گئے۔ ہندو بیگ بھیرے میں نہ ٹھہر سکا۔ خوشاب چلا آیا۔ دین کوٹ کے علاقہ میں ہوتا ہوا نیلاب آیا اور وہاں سے کابل میں آگیا۔ سکتو کے بیٹے بوہندہ اور چند ہندوؤں کو بھیرے سے پکڑ لایا تھا۔ ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔ بلکہ ان کو خلعت۔ گھوڑے اور انعام دے کر رخصت کر دیا۔

جمعہ کے دن دسویں تاریخ بدن میں حرارت سی معلوم ہوئی۔ میں نے فصد کھلوا ڈالی۔ ان دنوں میں دوسرے دن بخار ہو جاتا تھا۔ ہر بار بخار چڑھنے کے بعد جب تک پسینہ نہ آجاتا تھا تپ نہ اترتی تھی۔ دس بارہ دن کے بعد خواجہ نے مرکب شربت تیار کیا۔ دو ایک خوراکیں پیں۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ اتوار کے دن جمادی الاولیٰ کی تیرہویں کو خواجہ محمد علی خوست سے آیا۔ ایک گھوڑا مع زین نذر کیا۔ تصدیق کے لئے نقد بھی پیش کیا۔ محمد شریف منجم اور خوست کے مرزا بھی محمد علی کے ہمراہ آئے۔ انہوں نے بھی ملازمت حاصل کی۔ دوسرے دن پیر کو ملا کبیر کاشغر سے آیا۔ ملا اندجان سے کاشغر ہوتا ہوا کابل میں آیا ہے۔ تیسویں تاریخ پیر کے دن ملک شاہ منصور یوسف زئی مع چند سرداران یوسف زئی سوات سے آیا۔ ان سب کو خلعت عنایت کئے۔ ملک شاہ منصور کو جامعہ قماش تکمہ دار۔ ایک کو جامہ قماش پلک دار اور چھ کو جامہ قماش دے کر رخصت کیا۔ یہ تو ٹھہری ہوئی ہے کہ الوہبہ بالا سے کوئی سوات میں دخل نہ دے۔ اور ساری رعایا کو اپنے سے علیحدہ کر دیں۔ اب یہ قرار پایا کہ جو افغان بجور اور سوات میں زراعت کریں وہ چھ ہزار گونین دھان کی دیوانی میں داخل کریں۔

تیسری تاریخ چہار شنبہ کو میں نے مسہل لیا۔ پیر کے دن آٹھویں کو خلیفہ کی بڑی بیٹی کے ساتھ قاسم بیگ کے چھوٹے بیٹے حمزہ کی رسم ساچق ادا ہوئی۔ اس نے ایک ہزار شاہرخی دی اور ایک گھوڑا مع زین دیا۔

سہ شنبہ کو شاہ حسین بیگ نے مجلس شراب کی اجازت چاہی۔ کچھ امراء (جیسے محمد علی وغیرہ) کو اپنے مکان پر لے گیا۔ یونس علی اور کدائی طغائی میرے پاس رہے۔ مجھے ابھی پرہیز تھا۔ میں نے کہا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں تو ہشیار رہا ہوں اور اور متوالے ہو گئے ہوں۔ میں خالی رہا ہوں اور دوسروں نے شراب پی ہو۔ آؤ میرے ہی پاس جلسہ کرو۔ میں بھی یہ تماشا دیکھوں کہ مستوں اور ہشیاروں کا میل جول کیونکر ہوتا ہے۔ چار باغ کے دروازہ میں جانب شرق و غرب ایک صورت خانہ بنایا گیا تھا۔ اس میں ایک خانہ سفید بنایا تھا کبھی کبھی میں اس میں بیٹھا کرتا ہوں۔ وہیں یہ مجلس منعقد ہوئی۔ عنایت مسخرہ بھی آیا۔ کئی بار ہنسی سے اس کو باہر نکلوا دیا آخر مسکاتا ہوا محفل میں آگیا۔ محمد قپچاق اور ملا کتابدار کو بھی بلا لیا۔ یہ رباعی اسی وقت کہہ کر شاہ حسین اور اہل مجلس کے پاس بھیجی۔

احباب کہ بزمیدا گلستاں خوش طور
بوق امیدی الا بزمید ازراو ستور
اول جمعدا کر حضور و جمعیت نور
لشکر ت وجمع بے حضور امر ماس تور

(ترجمہ) "دوستوں کی بزم گلستان حسن ہے۔ لیکن مجھے اس بزم میں شریک ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر اس مجمع میں حضوری اور جمعیت ہے تو شکر ہے کہ یہاں بھی حضور نہیں ہیں"۔ یہ رباعی امرا ہم چرہ کے ہاتھ بھیجی۔ دو نمازوں کے درمیان تک اس بزم کے لوگ پی پلا متوالے ہو چلتے بنے۔

اس علالت کے زمانہ میں تخت رواں پر سوار ہو کر میں پھرتا رہا۔ اس سے کچھ دن پہلے شراب ممزوج پی گئی تھی۔ فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دی تھی۔ کسی قدر نقاہت باقی تھی کہ دریائے رحمت پر غرب و جنوب کی طرف ایک سیب کے درخت کے نیچے جلسہ منعقد ہوا۔ میں نے شراب ممزوج پی۔ جمعہ کے دن بارہویں تاریخ احمد بیگ اور دولدئی جو کمک کے لئے بجور میں تھے حاضر ہوئے۔ بدھ کے دن سترہویں

تاریخ حیدر تقی کے باغ میں نگری بردی وغیرہ امراء نے جلسہ کیا۔ میں نے بھی اس میں شریک ہو کر شراب پی۔ عشاء کے وقت وہاں سے اٹھے اور بڑے سفید مکان میں آئے۔ وہاں بھی کچھ پی۔

ملا محمود سے فقہ کا درس لینا:۔ جمعرات کے دن پچیسویں تاریخ ملا محمود سے فقہ کا سبق شروع ہوا۔ منگل کے دن سلخ کو شاہ شجاع ارغون کے پاس سے ابو مسلم کوکلتاش ایلچی ہو کر آیا۔ ایک تپچاق پیش کش لایا۔ آج ہی یوسف علی رکاب دار باغ چنار کے حوض میں تیرا۔ تقریباً سو بار تالیاں بجاتا رہا اور ادھر سے ادھر۔ ادھر سے ادھر تیرتا ہوا آتا جاتا رہا۔ انعام میں اس کو خلعت اور گھوڑا زین سمیت عطا ہوا۔ رجب کی آٹھویں تاریخ بدھ کے دن شاہ حسین کے ہاں جا کر میں نے شراب کا شغل کیا۔ اکثر مصاحب اور امراء ساتھ تھے۔ ہفتہ کے دن گیارھویں تاریخ جلسہ ہوا۔ عصر اور مغرب کے مابین بڑے کبوتر خانہ کی چھت پر بیٹھے اور شراب کا دور چلا۔ شام کو دیکھا کہ کچھ ترک سوار پٹھانوں کے گاؤں سے چلے آتے ہیں اور شہر کی طرف جا رہے ہیں۔ تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ درویش محمد ساربان ہے جو مرزا خان کے پاس سے ایلچی ہو کر آیا ہے۔ کوٹھے پر سے اسے بلا بھیجا اور کہلا بھیجا کہ سفارت کے قاعدوں اور قرینوں کو چھوڑ کر بے تکلفا نہ چلا آ۔ درویش محمد فوراً چلا آیا۔ تار تلیق کر کے شریک صحبت ہوا۔ وہ اس زمانہ میں صوفی تھا۔ کچھ کھاتا پیتا نہ تھا۔ جب تک نشہ کا ابھار نہ ہو لیا ہمیں پیتے رہے۔ دوسرے دن دربار میں قاعدہ اور قرینہ سے درویش محمد حاضر ہوا۔ مرزا خان نے جو پیش کش بھیجی تھی گزارئیں۔ اگلے سال بڑی کوشش سے اور بہت وعدوں سے ادھر کی قوموں وغیرہ کو کابل میں لایا گیا تھا۔ کابل ایک چھوٹی سی جگہ ہے۔ مختلف قوموں اور متعدد مویشی کے لئے قشلاق و ایلاق وہاں نہیں ہو سکتا۔ اگر جنگلی قوموں کو ان کی خوشی پر چھوڑ دیا جائے تو ایک بھی کابل میں نہ رہے۔ اسی لئے ایماق و اتراک نے قندز اور بغلان کی طرف جانے کے لئے قاسم بیگ کی منت سماجت کی اور اسی کے وسیلہ سے درخواست دی۔ آخر قاسم بیگ نے بڑے اصرار سے ان لوگوں کے قندز اور بغلان جانے کی اجازت حاصل کی۔

حافظ خیر کاتب کا بڑا بھائی سمرقند سے آیا ہوا تھا۔ ان ہی دنوں میں اسے رخصت کیا۔ پولاد سلطان کو اس کے ہاتھ اپنا دیوان بھی میں نے بھیجا۔ اس کی پشت پر یہ قطعہ

لکھ دیا۔ قطعہ

اول سرو نیک حرتمغہ کر تلاسنک اے (باد)
پرکیل تو ہجر خستہ سدین ماکو کیلکا
رضم ایلاماں ساغیما بائی بابرنی یارامید
سانعائی خدائے بے پولاد کو تکلب کا

یعنی اے صبا میں اس سرو سے بہت خوش ہوں۔ اگر تو اس کے پاس جائے تو اس خستہ ہجر کی یاد دلانا۔ اس نے ترس کھا کر کبھی بابر کو یاد نہ کیا۔ امید ہے کہ خدا اس کے فولاد دل کو نرم کر دے۔ جمعہ کے دن سترھویں تاریخ محمد زمان مرزا کے پاس سے شاہ فرید کوکلتاش کچھ تصدق اور ایک گھوڑا نذر کے لئے لایا۔ آج ہی شاہ بیگ ارغون کے سفیر ابو مسلم کوکلتاش کو خلعت و انعام دے کر رخصت کیا۔ خواجہ محمد علی اور تنگری بردی کو بھی ان کے علاقوں خوست اور اندراب میں جانے کی اجازت دی۔ جمعرات کے دن تیئسویں تاریخ محمد علی جنگ جنگ جس کو نواح کچھ کوٹ اور قاربوق کا حکم کیا تھا حاضر ہوا۔ شاہ حسین (مرزا بلوی قارلوق کا بیٹا) وغیرہ اس کے ہمراہ تھے۔ آج ہی ملا علی خان جو اپنے بال بچوں کو لانے کے لئے سمرقند گیا تھا آیا۔ اور اس نے ملازمت حاصل کی۔

عبدالرحمٰن افغان پر چڑھائی :- عبدالرحمٰن افغانوں کا سرغنہ کرویز کی سرحد پر رہتا تھا۔ محصول وغیرہ سیدھے ہاتھوں نہ دیتا تھا اور اس طرف سے آنے جانے والوں کو ستاتا بھی تھا۔ بدھ کے دن انتیسویں تاریخ اس کے انتظام کے واسطے ادھر جانے کا ارادہ کیا۔ تنک اور عجان کی نواح میں جا کر ہم اترے۔ وہاں ظہر کے وقت آش کھا کر روانہ ہوئے۔ رات کو راستہ بھول گئے۔ مشرق اور جنوب میں مقام شہنہ کے اس طرف پہاڑوں اور جنگلوں میں جا پھنسے۔ بڑی سرگردانی اور پریشانی اٹھائی۔ بہت دیر کے بعد راستہ ملا۔ نماز کے وقت چشمہ تیرہ کے پہاڑ سے براہ درۂ بافش لیق کرویز کی جانب باہر نکلے اور میدان میں آئے۔ فوج کی ٹولیاں آگے روانہ کیں۔ ایک ٹولی کوہ کرباس کی جانب جو کرویزے سے مشرق میں ہے گئی۔ اس کے پیچھے خسرو مرزا قلی اور سید علی کوقول کے دست راست والوں میں سے کچھ لوگوں کے ساتھ کر کے چلتا کیا۔ بہت سے اہل لشکر نے کرویز کے مشرق کی طرف میدان سے اوپر کے رخ حملہ کیا۔ ان کے پیچھے

سید قاسم ایشک آقا' میر شاہ قوچین' قیام' ہندو بیگ۔ قتلق قدم اور حسین کو مع ان کے ہمراہیوں کو بھیجا۔ چونکہ بہت سا لشکر میدان کے اوپر کی جانب چلا گیا تھا۔ ان کے چلتا کرنے کے بعد میں بھی سب کے پیچھے چلا۔

اس میدان کے اوپر کی جانب جانے والے بہت دور تھے اور ان کے گھوڑے تھک گئے تھے اس سبب سے ان کے ہاتھ کچھ نہ لگا۔ اتنے میں چالیس پچاس افغان جنگل میں نمودار ہوئے جو لوگ پیچھے گئے تھے انہوں نے ان کا ذرا خیال نہ کیا۔ میں دوڑا۔ میرے پہنچنے سے پہلے حسین ایک بیہودہ طور سے اکیلا گھوڑا دوڑا ان افغانوں میں جا گھسا۔ یہ تلوار کو میان سے نکالتا ہی رہا کہ افغانوں نے تیر مار کر اس کے گھوڑے کو گرا دیا اور اس کے اٹھتے اٹھتے پاؤں میں تلوار کے ہاتھ مار اس کو گرا دیا۔ پھر چاروں طرف سے چھروں اور تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ہمارے امرا دیکھتے رہے کسی نے مدد نہ کی۔ جب مجھے معلوم ہوا تو کدائی طغائی' پائندہ محمد تیلان' ابو الحسن قورچی اور مومن آتکہ اور اچھے اچھے جوانوں کو جلوریز آگے روانہ کیا اور خود بھی دوڑ پڑا۔ سب سے پہلے مومن آتکہ نے ایک افغان کو نیزے مار کے گرایا اور اس کا سر کاٹ لیا۔ ابو الحسن قورچی بے سامان تھا مگر اس نے جھپٹ کر بڑی خوبی سے افغانوں کا آگا جا گھیرا۔ گھوڑا لپکا ایک افغان کے تلوار ماری اور اس کا سر کاٹ لیا۔ اس کے تین زخم لگے اور گھوڑے کے ایک زخم آیا۔ پائندہ محمد تیلان بھی خاصا پہنچا۔ ایک کو تلوار سے مار اس کا سر کاٹ لایا۔ اگرچہ ابو الحسن اور پائندہ محمد تیلان کی خوبیاں اس سے پہلے معلوم تھیں۔ لیکن اس یورش میں انہوں نے اپنی کارگذاری بہت ظاہر کی۔ غرض یہ چالیس پچاس افغان یہیں تہ تیغ ہو گئے۔ سب کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے۔ ان کے قتل ہو جانے کے بعد ایک خویدزار میں اترے۔ میں نے حکم دیا کہ ان مقتولوں کے سروں کا منارہ چن دو۔ جب ہم راستہ پر آنکلے تو وہ امراء بھی آگئے جو حسین کے ہمراہ تھے۔ میں ان پر بہت غصہ ہوا۔ میں نے کہا کہ اتنے لوگ کھڑے دیکھتے رہے۔ تھوڑے سے پیدل افغان تھے۔ میدان زمین تھی۔ تم نے ایسے جوانوں کو ضائع کرا دیا۔ تم اس قابل ہو کہ تمہارے درجے گھٹا دیئے جائیں۔ تمہاری جاگیریں ضبط کر لی جائیں اور تمہاری ڈاڑھیاں منڈوا کر تشہیر کرائی جائے تاکہ پھر کوئی ایسے جوانوں کو یوں دشمنوں میں نہ گھروائے۔ جو ایسی میدانی زمین میں دانستہ ہاتھ پاؤں چھوڑے کھڑا رہے اس کی یہی سزا

ہے۔ جو فوج کوہ کریاس کی طرف گئی تھی اس میں سے بابا قشقہ کی ایک افغان سے مٹھ بھیڑ ہوئی۔ جونہی افغان نے تلوار کا ہاتھ مارا بابا قشقہ نے قائم رہ کر ایک تیر مار کے اس کا کام تمام کر دیا۔

دوسرے دن یہاں سے ہم کابل کی جانب چلے۔ محمد بخشی' عبدالعزیز میر آخور اور میر خورد یکاول کو حکم دیا کہ چشمہ تر مین سے کوئی قرغاول پکڑو۔ میں خود چند آدمیوں کے ساتھ میدان رستم کے راستہ سے جس کو میں نے کبھی دیکھا نہیں تھا روانہ ہوا۔ میدان رستم کوہستان میں ایک پہاڑ کی چوٹی کے قریب واقع ہے۔ کچھ بہت اچھی جگہ نہیں ہے۔ دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک میدان ہے۔ اس کے جنوب کی طرف پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹا سا چشمہ ہے۔ بڑے بڑے درخت بھی ہیں۔ جو راستہ گرویز سے اس میدان کیطرف آتا ہے اس میں کثرت سے چشمے اور درخت ہیں۔ یہ درخت چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اگرچہ یہ مقام بہت چھوٹا ہے مگر اس کے آخر کی جانب نہایت شاداب ایک سبزہ زار ہے۔ میدان رستم کے اسی جنوبی پہاڑ پر ایک بہت صاف مقام ہے۔ جہاں سے کوہستان کریاس اور کوہستان بنگش نیچے معلوم ہوتے ہیں۔ اس ملک میں اگر برسات نہیں ہوتی تو پانی بھی کہیں نہیں ہوتا۔ ظہر کے وقت ہم ہوتی میں آکر اترے۔ دوسرے دن وہ محمد آقا کی نواح میں ٹھہرنا ہوا۔ معجون کھائی' مچھلیاں پکڑنے کی دوا دریا میں ڈال کر مچھلیاں پکڑیں۔ اتوار کے دن تیسری شعبان کو کابل میں آگئے۔ منگل کے دن پانچویں تاریخ درویش محمد فضیلی اور خسرو کے آدمیوں سے نیلاب کی کیفیت دریافت کی گئی۔ جن لوگوں نے کوتاہی کی تھی تحقیقات کے بعد ان کے درجے گھٹا دیئے۔ ظہر کے وقت درخت چنار کے نیچے مے نوشی کی محفل ہوئی۔ بابا قشقہ مغل کو خلعت اور انعام عطا ہوا۔ جمعہ کے دن آٹھویں تاریخ ماہ کتہ جو مرزا خان پاس گیا تھا آیا۔

خواجہ سیاران کی سیر:۔ جمعرات کے دن میں مصاحبوں سمیت خواجہ سیاران کی سیر کے لئے سوار ہوا۔ عشا کے وقت ہم بابا خاتون میں پہنچے دوسرے دن استالف میں اترے۔ اس دن معجون کا استعمال ہوا۔ ہفتہ کے دن استالف میں شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن استالف سے چلے۔ درۂ نجحد سے نکل کر جس وقت خواجہ سیاراں میں پہنچے ہیں اس وقت ایک بڑے سانپ کو مارا۔ اس کی ضخامت کلائی کے برابر اور لمبائی

آدمی کے قد کے برابر ہو گی۔ اس سانپ کے پیٹ میں سے ایک چھوٹا سا سانپ نکلا۔ شاید اس نے اس کو ابھی کھایا ہو۔ اس چھوٹے سانپ کے سارے اعضا درست تھے۔ یہ سانپ تھا تو چھوٹا پر اس کے پیٹ میں سے بڑا چوہا نکلا۔ چوہا بھی جیسے کا تیسا تھا۔ خواجہ سیاران میں آن کر بزم شراب آراستہ ہوئی۔ ادھر کے سرداروں کو کبکیہ لو نعقار کے ہاتھ اس مضمون کے فرمان بھیجے گئے کہ لشکر آتا ہے۔ تیار ہو کر حاضر ہو۔ دوسرے دن سوار ہوئے اور معجون کھائی گئی۔ دریائے بردان کے پاس پہنچے تو اگلے دن کی طرح مچھلیاں پکڑنے کی دوا ڈالی۔ اور مچھلیاں پکڑیں میر شاہ بیگ نے آش حاضر کی اور گھوڑا نذر کیا۔

وہاں سے چلے اور گل بہار میں پہنچے۔ مغرب کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ ان صحبتوں میں درویش محمد ساربان شریک ہوتا تھا۔ تھا تو جوان اور سپاہی لیکن شراب نہ پیتا تھا۔ صوفی تھا۔ قتلق خواجہ کوکلتاش مدت سے سپاہ گری کو چھوڑ فقیر ہو گیا تھا۔ اس کی عمر بہت تھی اور اس کی ڈاڑھی سفید ہو گئی تھی۔ بااین ہمہ ہمیشہ جلسوں میں شراب پیا کرتا تھا۔ میں نے درویش محمد سے کہا کہ خواجہ کی سفید داڑھی کی شرم تو نہیں کرتا۔ وہ تو فقیر۔ بوڑھا اور سفید ریش ہو کر ہمیشہ شراب پئے اور اس کے کیا معنی کہ ماشاء اللہ تو سپاہی۔ گبرو اور سیاہ ریش ہو کر منہ نہ لگائے چونکہ میرا قاعدہ اور طریقہ یہ نہ تھا کہ جو شخص نہ پیتا ہو اس پر زبردستی کروں اس لئے اتنا ہی ہنسی سے کہہ چپ ہو رہا۔ اس کے دوسرے دن صبح کو صبوحی پی۔ چار شنبہ کو گل بہار سے کوچ کیا۔ میوہ خاتون کے گاؤں میں پہنچے اور ہم زرگر کے باغوں میں ڈیرے ہوئے۔ ظہر کے بعد شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن خواجہ خان سعید کے مزار کی زیارت کی۔ جیبہ تورغانی سے جالہ میں سوار ہوئے۔ جہاں دریائے پنج ہیر ملتا ہے وہاں سے جالہ نکلتے ہی ایک پتھر سے ٹکرا کر ڈوبنے لگا۔ اور جب جالہ پہاڑ پر پہنچا تو روح دم تنگری قلی اور میر محمد جالہ جان دریا میں گرے۔ روح دم اور تنگری قلی کو بڑی مشکل سے نکالا اور جالہ میں بٹھلایا۔ ایک چینی کا پیالہ۔ چمچہ اور دائرہ دریا میں گر پڑا۔ یہاں سے چلتے چلتے سنگ بریدہ کے پاس پہنچے تو نہ معلوم کسی شاخ سے یا کسی کھونٹے سے جالہ ٹکرایا۔ شاہ حسین بیگ ایک دفعہ ہی اوندھا ہو گیا اور مرزا قلی کو پکڑ کر گر پڑا۔ درویش محمد ساربان بھی دریا میں گرا۔ مرزا قلی کے ہاتھ میں خربوزہ کاٹنے کی چھری تھی۔ یہ اس ڈھنگ سے گرا کہ گرتے

وقت چھری جالہ کے بورے میں گھس گئی۔ مرزا قلی جالہ میں نہ آیا۔ کپڑوں سمیت تیرتا ہوا نکل گیا۔ اس رات ہم جالہ بانوں کے گھروں میں ٹھہرے۔ جیسا ہفت رنگا پیالہ دریا میں گرا تھا ویسا ہی پیالہ درویش محمد نے نذر کیا۔

جمعہ کو دریا کے کنارہ سے سوار ہو کر باریک کے دامن میں فروکش ہوئے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے بہت سی مسواکیں توڑیں۔ ظہر کے وقت قتلق خواجہ کی جاگیر کے موضع لمغانی میں مقام کیا۔ قتلق خواجہ نے دعوت کی۔ کھانا کھا کے ہم سوار ہو گئے اور کابل میں داخل ہوئے۔ پیر کے دن چھبیسویں تاریخ درویش محمد ساربان کو خلعت خاص اور گھوڑا معہ زین عنایت کیا۔ وہ آداب بجا لایا۔ چار مہینے سے میں نے اصلاح نہ بنوائی تھی۔ بدھ کے دن ستائیسویں تاریخ اصلاح بنوائی۔ آج ہی شراب کا جلسہ ہوا۔ جمعہ کے دن انتیسویں تاریخ میرخورد کو حکم دیا کہ ہندال کی اتالیقی کی نذر گذارے۔ اس نے ہزار شاہرخی پیش کی۔ رمضان کی پانچویں تاریخ جمعرات کے دن تولک کوکلتاش کے پاس سے اس کا نوکر برلاس چکتی عرضی لایا۔ اس نواح میں ازبک کی فوج آ گئی تھی۔ تولک نے جنگ و مقابلہ کے بعد اس کو ہزیمت دی۔ ایک ازبک کو زندہ گرفتار کیا۔ ایک کا سر کاٹ لایا۔ شنبہ کے دن آٹھویں تاریخ قاسم بیگ کے ہاں ہم نے روزہ کھولا۔ اس کے دوسرے دن خواجہ محمد علی اور جان خیر جو شریک لشکر ہونے کے لئے بلائے گئے تھے اپنے اپنے علاقوں سے آئے۔ بدھ کے دن بارھویں تاریخ سلطان علی مرزا کا ماموں جو اگلے سال (جب ہم خوست کابل گئے ہیں) کاشغر گیا تھا آیا۔

قوم یوسف زئی پر یورش :- جمعرات کے دن تیرھویں تاریخ یوسف زئی قوم کی تنبیہہ کے واسطے سوار ہوئے۔ اس مرغزار میں لشکر اترا جو وہ یعقوب سے کابل کی طرف ہے۔ سوار ہونے کے وقت بابا خان آختہ جی نے گھوڑا اچھا نہ کسا تھا۔ میں جھلا گیا۔ اس کے منہ پر ایک گھونسا مارا۔ میری بیچ کی انگلی جڑ کے پاس سے اتر گئی۔ گرم گرم چوٹ تھی۔ اس وقت تو کچھ نہ معلوم ہوا۔ جب منزل پر اترے تو بہت تکلیف ہوئی۔ کئی دن یہی حال رہا۔ ایک حرف نہ لکھا جاتا تھا۔ آخر آرام ہو گیا۔ اسی منزل میں میری خالہ دولت سلطان خانم کا کوکا قتلق قدم خانم کے پاس سے آیا۔ ان کا خط اور ان کی خبر لایا۔ آج ہی نوخان اور موسیٰ (سرواران ولہ زاک) حاضر ہوئے اور پیش کش لائے۔ اتوار کے دن سولھویں تاریخ قوچ بیگ آیا۔ بدھ کے دن انیسویں تاریخ یہاں

سے چل کر ندی کے کنارے پر جہاں ہمیشہ ٹھہرتے ہیں اترے۔ چونکہ قوچ بیگ کا اور ازبک کا علاقہ قریب تھا اس لئے اس کو لشکر کی شرکت سے معاف کیا اور اسی منزل میں اپنے سر کی مندیل اس کو عنایت کر کے اس کے علاقہ کی طرف جانے کی رخصت دی۔ جمعہ کے دن اکیسویں کو بادام چشمہ میں آئے۔ دوسرے دن یکاب میں پہنچے۔ میں قراتو کی بھی سیر کرتا آیا۔ اسی منزل میں میں نے حمام کیا۔ اب منزل در منزل چلنا شروع کیا۔ بدھ کے دن چھبیسویں تاریخ باغ وفا میں اترے۔ جمعرات کے دن باغ میں مقام کیا۔ جمعہ کو کوچ کر دیا۔ سلطان پور سے نکل کر ڈیرے پڑے۔ آج شاہ میر حسین اپنے علاقہ سے آیا تھا۔ مولے خاں اور اور سرداران ولہ زاک آج ہی حاضر ہوئے۔

یوسف زئی چڑھائی کرنے کے لئے سوات کی طرف رخ کیا۔ ولہ زاک ملکوں نے عرض کیا کہ ہشتنغر میں بہت سے قبیلے ہیں۔ غلہ کثرت سے ہاتھ آئے گا۔ ادھر چلنا چاہئے۔ مشورہ کے بعد یہی بات ٹھہری کہ ہشتنغر میں غلہ کثرت سے ہے تو وہیں کے پٹھانوں کو مار پیٹ کر اور غلہ لے کر قلعہ ہشتنغرا قلعہ پشاور کو درست کر کے اس غلہ میں سے وہاں ذخیرہ جمع کرایا جائے اور شاہ میر حسین کو کچھ فوج کے ساتھ چھوڑ دیا جائے۔ اسی کام کے لئے شاہ میر حسین کو پندرہ دن کی رخصت دی کہ اپنے علاقہ میں جائے اور سامان درست کر کے چلا آئے۔ ہم دوسرے دن کوچ کر کے جوئے شاہی پر اترے۔ اسی پڑاؤ پر تنگری بر دی اور سلطان محمد دولدائی آکر ہمراہ ہوئے۔ قندز سے حمزہ بھی آج آگیا۔ اتوار کے دن سلخ کو جوئے شاہی سے کوچ ہو کر فریق اریق میں اترنا ہوا۔ میں کئی مصاحبوں سمیت جالہ میں آیا۔ عید کا چاند اسی منزل میں دیکھا۔ کئی خچریں شیرے کی درۂ نور سے لوگ لائے تھے۔ مغرب کے بعد جلسہ ہوا۔ اہل جلسہ محب علی قورچی بیگ خواجہ۔ محمد علی کتاب دار۔ شاہ حسین بیگ۔ سلطان محمد دولدئی اور درویش محمد ساربان تھے۔ درویش محمد بچپن سے صوفی تھا۔ میں نے تو کہہ دیا تھا کہ جو نہ پئے اس کو کیوں ستایا جائے ہمیشہ درویش محمد شریک صحبت ہوتا تھا۔ لیکن کبھی کوئی اس سے اصرار نہ کرتا تھا۔ آج محمد علی نے کسی ترکیب سے اسے پلا ہی دی۔ دوسرے دن پیر کو عید ہوئی اور ہم سوار ہو گئے۔

خمار دفع ہونے کے لئے راستہ میں معجون کا استعمال کیا۔ معجون والا تخم حنظل لایا۔ درویش محمد حنظل کو نہ پہچانتا تھا۔ میں نے کہا کہ ہندوستان کا بھدانہ ہے۔ ایک

کرچی توڑ کر میں نے اس کو دی۔ اس نے بڑے مزے سے چبایا مگر ایسا منہ کڑوا ہو گیا کہ شام تک تلخی نہ گئی۔ گرم چشمہ کی بلندی پر اتر کر تھوڑی دیر ٹھہرے تھے کہ لشکر خاں جو مدت سے ایک جگہ تھا آیا۔ کسی قدر معجون اس نے نذر کی۔ اور شرف اندوز ملازمت ہوا۔ یہاں سے چل کر پدہ سر میں اترے عصر کے وقت چند مصاحبوں کے ساتھ میں جالہ میں بیٹھا اور کوئی کوس بھر نیچے کی طرف جا کر چلا آیا۔ صبح وہاں سے کوچ کر دیا۔ خیبر کے پہاڑ کے نیچے اترنا ہوا۔ آج ہی سلطان بایزید ہماری خبر سن کر نیلاب سے آیا۔ یہ ہمارے پیچھے پیچھے نشیبی راستہ سے آیا تھا۔ اس نے عرض کی آفریدی پٹھان مع بال بچوں اور مال اسباب کے بارہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ انہوں نے دھان بہت بو رکھا ہے۔ کھیتی تیار ہے اور کٹنے کو ہے۔ چونکہ ہشتنغر میں یوسف زئی پٹھانوں کا تاخت و تاراج کرنا ٹھان لیا تھا اس لئے ادھر آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔ ظہر کے وقت خواجہ محمد علی کی قیام گاہ میں جلسہ ہوا۔ اسی جلسہ میں اس طرف آنے کی کیفیت سلطان تیرائی کے ہاتھ خواجہ کلاں کو بجور لکھ بھیجی۔ فرمان کے حاشیہ پر یہ شعر میں نے لکھ دیا۔

صبا بہ لطف بگو آں غزال رعنا را
کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادۂ مارا

وہاں سے کوچ کر کے خیبر کے پہاڑ اور گھاٹی سے نکل علی مسجد میں آئے۔ ظہر کے وقت میں بھیر سے الگ ہو کر روانہ ہوا۔ تقریباً آدھی رات آئی ہو گی جو دریائے کابل کے کنارہ پر آ گیا۔ ذرا سو رہا۔ صبح ہی لھاٹ کا پتا لگا دریا سے عبور کیا۔ اطلاع دی کہ افغان لوگ حال سن کر بھاگ گئے۔ دریا سے اتر کر افغانوں کے کھیتوں میں ہم پہنچے۔ جتنا بیان کیا تھا اس کا آدھا بلکہ چوتھائی غلہ بھی ہاتھ نہ آیا۔ اور ہشتنغر پر اسی امید سے چڑھائی کی تھی کہ خوب غلہ دستیاب ہو گا۔ جن دلہ زاک ملکوں نے اس یورش کی صلاح دی تھی وہ بہت ہی منفعل ہوئے۔ عصر کے وقت دریائے سوات سے کابل کے رخ چل کر اترے' دوسرے دن دریائے سوات سے کوچ کیا۔ اور دریائے کابل پر اترنا ہوا۔

آفریدیوں پر یورش کی تجویز:۔ امراء سے مصلحت کی۔ یہ تجویز قرار پائی کہ سلطان بایزید نے آفریدیوں کا حال بیان کیا تھا ان پر چڑھائی کرنی چاہیے۔ اور ان کے مال و غلہ سے قوت حاصل کر کے قلعہ پشاور کو آراستہ کر لیجئے۔ اور کسی کو وہاں مقرر کر

دیکھئے۔ ہندو بیگ اور مرزا ہادی اسی مقام پر حاضر ہوئے۔ آج بس وقت معجون کا استعمال کیا ہے اس وقت درویش محمد ساربان۔ محمد کوکلتاش' کدائی طغائی اور عسس اوغان حاضر تھے۔ شاہ حسین کو بھی بلا لیا۔ آش نوش کرنے کے بعد عصر کے وقت جالہ میں بیٹھے۔ لشکر خاں ساری کو بھی جالہ میں بلا لیا۔ مغرب کے وقت جالہ سے نکل لشکر میں آئے۔ پھر تجویز مذکورہ کے بموجب دریا کے کنارہ سے صبح ہی کوچ کر دیا۔ کشتی میں بیٹھ دریا سے اترے اور علی مسجد میں ٹھہرے۔

بدخشاں کے فساد کی خبر آئی :۔ ابو الہاشم سلطان علی نے آکر عرض کیا کہ عرفہ کی رات کو جوئے شاہی میں جو شخص بدخشاں سے آیا تھا۔ مجھ سے ملا۔ اس کا بیان ہے کہ سلطان سعید خاں نے بدخشاں پر چڑھائی کی ہے۔ میں بادشاہ سے اطلاع کرنے آیا ہوں۔ یہ سنتے ہی امراء کو بلا کر مشورہ کیا۔ اس خبر کے سننے سے قلعہ کے درست کرنے کی نہ ٹھہری۔ بدخشاں جانے کے قصد سے مراجعت کر دی۔ لشکر خاں کو خلعت دیا۔ اس رات خواجہ محمد علی کے خیمہ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ دوسرے دن اندھیرے میں کوچ کر دیا۔ خیبر کے پہاڑ سے نکل پہاڑ کے نیچے اترے۔

خضر خیل کا انتظام :۔ خضر خیل نے بہت نالائق حرکتیں کی تھیں۔ لشکر کے آنے جانے کے وقت جو اکا دکا پیچھے رہ جاتا تھا اور لشکر سے دور ہوتا تھا اس کا گھوڑا چھین لیتے تھے۔ ان کو سزا دینی لازم تھی۔ اس خیال سے صبح کوچ کر غلاموں کے گاؤں میں دوپہر گزاری اور ظہر کے وقت گھوڑوں کو دانہ گھاس کھلا سوار ہو گئے۔ محمد حسین قورچی کو کابل بھیجا کہ جو خضر خیل کابل میں ہیں ان کو قید کر لے۔ اور ان کا مال اسباب ضبط کرنے کے بعد اطلاع دے اور بدخشاں کا جو حال ہو اس کو بھی مفصلاً" لکھ بھیجے۔ اسی رات کوچ کر دیا۔ دوپہر تک چلتے رہے۔ سلطان پور سے تھوڑی دور نکل کر اترے۔ تھوڑی دیر سوئے اور پھر چل کھڑے ہوئے۔ خضر خیل کے لوگ مقام بہار اور مسیح رام میں پڑے ہوئے تھے۔ صبح سویرے ان کو جا لیا۔ فوج کی ایک ٹکڑی روانہ کر کے پہاڑ پر بھاگ گئے۔ اس کے دوسرے روز مقام نیلاعو میں اترنا ہوا۔ اسی منزل میں ایک ہرئل پکڑا گیا۔ جو لشکر پیچھے رہ گیا تھا وہ اسی منزل میں آن ملا۔ وزیری افغان ہمیشہ تھنڈے پیٹوں محصول نہ دیتے تھے۔ اس سیاست سے انہوں نے تین سو دنبے پیش کئے۔ جس دن میرے ہاتھ میں درد ہوا تھا اس دن سے ایک حرف نہ لکھا تھا۔ آج کے

دن چودھویں مارچ کچھ لکھنے کا شغل کیا۔ دوسرے دن تمی اور تموبا افغانوں کے سردار حاضر ہوئے۔ ولہ زاک کے امراء نے ان کی بہت سفارش کی۔ خیر ان کے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ ان کے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔ چار ہزار دنبے ان پر محصول مقرر کر دیا۔ ان کے سرداروں کو خلعت دے اور تحصیل دار معین کر دے۔

جانب کابل مراجعت :۔ اس کام سے فرصت پا کر جمعرات کے دن اٹھارہویں تاریخ بہار اور مسیح کرام کا قیام کیا۔ دوسرے دن باغ وفا میں آ گئے۔ باغ وفا خوب تیار تھا۔ تمام صحن باغ سرسبز تھا۔ حوض بھرے ہوئے تھے۔ سارے درخت شاداب تھے۔ نارنج کے درخت جھوم رہے تھے۔ درختوں کی بھی کثرت تھی۔ اور پھل بھی بہت تھا۔ مگر نارنج ابھی اچھی طرح پختہ نہ ہوئی تھے۔ اس کے انار اگرچہ ولایت کے اناروں سے تو لگا نہیں کھاتے مگر پھر بھی عمدہ ہوتے ہیں۔ باغ وفا کو دیکھ کر ایک دفعہ ہی دل باغ باغ ہو گیا۔ اب کی بار جو تین چار دن تک باغ میں ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تو تمام اہل لشکر نے خوب انار چیٹ کیے۔ پیر کے دن باغ وفا سے ہم نے کوچ کر دیا۔ سب چلے گئے میں کوئی پہر بھر تک ٹھہرا رہا۔ دو درخت شاہ حسین کو عنایت کیے۔ کچھ اور عہد داروں در امراء کو بھی عطا کیے۔ کسی کو ایک درخت دیا کسی کو دو دیئے۔ چونکہ جاڑے کے موسم میں ملتان کی سیر کا قصد تھا اس لئے حکم دیا کہ حوض کے گرد جو درخت ہیں ان کی اچھی طرح حفاظت کی جائے۔ آج گندلک میں خیمے پڑے۔ شام کے قریب شراب نوشی کی بزم منعقد ہوئی۔ اکثر مصاحب شریک بزم تھے۔ آخر میں قاسم بیگ کا بھانجا گدائی محمد کو ہوش نہ رہا۔ نشہ کی زیادتی میں میرے پہلو کے تکیہ سے لگ کر ہو بیٹھا۔ گدائی طغائی اس کو مجلس سے اٹھا لے گیا۔ یہاں سے اندھیرے میں چل کھڑے ہوئے۔ درہ کے اوپر کی جانب وہاں کی سیر کرنے گئے۔ جہاں سے دریائے خوردق سائی نکلتا ہے۔ اس جگہ براق کے کچھ درخت تھے جو کیفیت کھا رہے تھے۔ ہم یہیں ٹھہر گئے۔ جام شراب کا دور چلنے لگا۔ راستہ میں سے دنبے لے لئے تھے۔ ان کے کباب لگائے۔ درخت بلوط کی شاخوں کو آگ لگا کر ان کا تماشا دیکھتے رہے۔ ملا عبدالملک دیوانہ نے جو میرے آنے کی خبر سنی تو اس نے کابل چلنے کی خواہش کی۔ اس کو کابل بھجوا دیا گیا۔ حسن نبیرؔہ مجھ سے اجازت لے کر مرزا خان کے پاس سے آیا تھا۔ یہیں اس نے ملازمت حاصل کی۔ دوپہر کو یہاں شراب کا شغل کیا۔ پھر سوار ہو گئے۔ اہل مجلس نشہ میں چور تھے۔ سید

قاسم کو ایسا نشہ تھا کہ امین ترخان اور مستی چہرہ وغیرہ جو اس کے ہمراہ تھے انہوں نے بہتیرا سنبھالنا چاہا مگر گھوڑے پر سوار نہ کر سکے۔ سر پر پانی بھی ڈالا وہ ہوشیار نہ ہوا۔ اسی موقع پر افغانوں کا ایک گروہ دکھائی دیا۔ امین ترخان کو خیال آیا کہ اس کو یہیں پڑا رکھنا چاہئے ایسا نہ ہو کہ پٹھان آن کر اس کو پکڑ لے جائیں۔ یا سر کاٹ لیں۔ جس طرح بنے لے چلنا چاہئے۔ بارے بڑی دقت سے گھوڑے کی پیٹھ پر ڈال لے آئے۔

کابل میں داخل ہوئے :۔ آدھی رات گئے ہم داخل ہوئے۔ دوسرے دن دیوان قلی بیگ سفیر ہو کر سلطان سعید کے پاس کاشغر گیا تھا۔ حاضر ہو کر شرف یاب ملازمت ہوا۔ مرزا انبارچی بھی قلی بیگ کے ساتھ گیا تھا۔ یہ لوگ اس ملک کی کسی قدر سوغات بھی لائے۔ چار شنبہ غرہ ذیقعدہ کو کور قابل کے قریب اکیلے جا کر میں نے صبوحی نوش کی۔ اس کے بعد اہل مجلس بھی ایک ایک دو دو آگئے۔ دن چڑھے باغ بنفشہ میں جا کر حوض کے کنارے پر شراب پی۔ دوپہر کو ذرا نیند لے لی۔ دوپہر کے بعد پھر شراب کا دور چلا۔ اسی جلسہ میں تنگری قلی بیگ مغول کو جس کو کبھی پہلے اپنی صحبت میں شراب نہ پلائی تھی شراب پلائی۔ عشاء کے وقت میں حمام میں آیا۔ رات کو حمام ہی میں رہا۔ جمعرات کے دن ہندوستانی سوداگروں کو جن کا میر قافلہ یحیٰی لوحانی تھا کئی خلعت عطا کئے۔ اور رخصت کیا۔ اتوار کے دن چھوٹے صورت خانہ میں جلسہ ہوا۔ اگرچہ وہ چھوٹا سا حجرہ ہے مگر سولہ آدمی اس میں سما گئے۔

سیر موسم خزاں :۔ پیر کے دن موسم خزاں کی سیر دیکھنے استالف گئے۔ آج معجون کا شغل ہوا۔ آج خوب مینہ برسا۔ جو امراء اور سپاہی ہمراہ تھے ان میں سے اکثر باغ میں گئے اور درختوں کے نیچے ہو بیٹھے۔ دوسرے دن اسی باغ میں شراب کا جلسہ ہوا۔ رات بھر شراب اڑی۔ صبح کی صبوحی نے سب کو سلا دیا۔ دوپہر کے بعد استالف سے چلے۔ رستہ میں معجون کھائی۔ عصر کے وقت ہم بہزاد میں آگئے۔ خزاں بڑی بہار کی تھی۔ اثنائے سیر میں یاروں نے شراب پینے کے لئے ہلسایا۔ گو معجون کھا لی تھی مگر خزاں کی جو کیفیت خوب تھی تو خزاں رسیدہ درختوں ہی کے نیچے بیٹھ کر جام شراب کا دور چلا۔ عشاء کے وقت تک وہیں جلسہ ہوتا رہا۔ اتنے میں ملا محمود خلیفہ آیا۔ اس کو بھی صحبت میں بٹھا لیا۔ عبداللہ کو بہت نشہ ہو گیا تھا۔ خلیفہ سے کچھ کہنے لگا۔ ملا محمود کا خیال نہ رہا۔ یہ مصرعہ پڑھنے لگا۔ ع

در ہر کہ بنگی بہ ہمیں داغ جلاست

ملا محمود ہشیار تھا۔ عبداللہ کے اس مصرعہ پڑھنے پر ہنسی سے ملا محمود نے بہت اعتراض جڑے۔ عبداللہ سمجھا اور گھبرایا۔ لگا میٹھی میٹھی باتیں کرنے۔ جمعرات کے دن سولہویں تاریخ باغ بنفشہ میں معجون کھائی۔ بعضے مصاحبوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے۔ ہمایوں اور کامران بھی آگئے۔ ہمایوں نے ایک مرغابی کا شکار مزہ سے کیا۔

ہفتہ کے دن اٹھارہویں تاریخ دوپہر کو چار باغ سے سوار ہوا۔ تو ۔مقطاز وغیرہ مقاملت میں گشت کرتا ہوا پل بابا پر سے ہو دیورتن کی گھاٹی سے نکل رود بازار یان کی کاریز پر پہنچا۔ اور حرم خانہ کے رستہ سے شام کو تردی بیگ کی کاریز پر آگیا۔ تردی بیگ میرے آنے کی سنتے ہی گھبرا کر دوڑ آیا۔ اس کی مفلسی مجھے معلوم تھی۔ میں سو شاہرخیاں لیتا گیا تھا۔ وہ اس کو دے دیں۔ اور کہا کہ شراب و سامان لے آ۔ دل چاہتا ہے کہ جلسہ کریں۔ تردی بیگ سب کچھ لینے بہزادی کو گیا۔ میں نے اپنا گھوڑا تردی بیگ کے ایک غلام کے ہاتھ ایک درہ میں بھیج دیا اور آپ کاریز کے پیچھے ایک ٹیلے پر ہو بیٹھا۔ کوئی پہر بھر کے بعد تردی بیگ شراب کا ایک خم لایا۔ ہم شراب پینے لگے۔ تردی بیگ جب شراب لایا ہے تو محمد قاسم برلاس اور شاہزادہ کو بھی معلوم ہوگیا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے پیدل ہی چلے آئے۔ میں نے ان کو شریک صحبت کرلیا۔ تردی بیگ نے عرض کیا کہ ہل ہل آتکہ چاہتا ہے کہ وہ اور قنبر بیگ شراب پئیں۔ میں نے کہا کہ میں نے انہیں شراب پیتے کبھی نہیں دیکھا۔ کیا مضائقہ ہے بلا لو۔ شاہی نام ایک درویش کو بھی ایک کاریزی کے ساتھ جلسہ میں بلا لیا۔ کاریز کے عقب میں ایک اونچی جگہ بیٹھے ہوئے شام تک شراب پیتے رہے۔ پھر تردی بیگ کے گھر آگئے۔ شمع روشن کردی۔ اور بڑی رات گئے تک یہی مشغلہ رہا۔ عجب بے تکلف صحبت تھی۔ میں ذرا لیٹ رہا۔ اہل مجلس نقارہ بجنے کے وقت تک پیتے رہے۔ ہل ہل آتکہ نے مجھے بہت سلام کئے۔ آخر میں نشہ کا بہانہ کرکے کھسک گیا۔

میرا ارادہ تھا کہ لوگوں کو غفلت دے، کر اکیلا استرغنج چلا جاؤں۔ مگر سب جان گئے۔ جس وقت نقارہ بجتا ہے اس وقت میں سوار ہوا۔ تردی بیگ اور شاہزادہ کو اطلاع کرکے تین آدمیوں کو ہمراہ لے استرغنج روانہ ہوا۔ نماز کے وقت استالف کے نیچے مقام خواجہ حسن میں تھوڑی دیر ٹھہرا۔ معجون کھائی اور خزاں کی سیر کرتا رہا۔ سورج

نکلتے ہی باغ استالف میں آگیا۔ کچھ انگور و نگور کھائے۔ پھر سوار ہو خواجہ شہاب (جو استرغنج کے علاقہ میں ہے) آکر سو رہا۔ میر آخور کا گھر یہیں تھا۔ میرے بیدار ہونے تک اس نے آش تیار کر رکھی۔ جب اٹھا تو آش اور ایک شراب کا خم حاضر کیا۔ خزاں نہایت کیفیت کی تھی۔ میں کئی جام پی کر سوار ہو گیا۔ ظہر کے وقت استرغنج کے ایک عمدہ باغ میں آکر ٹھہرے بزم شراب منعقد ہو گئی۔ لحہ بھر کے بعد خواجہ محمد امین آموجود ہوا۔ عشاء کے وقت تک جلسہ رہا۔ اسی رات اور اسی دن عبداللہ عسس۔ نور بیگ اور یوسف علی آگئے۔ دوسرے دن آش کھانے کے بعد سوار ہو گئے۔ باغ بادشاہی کی (جو استرغنج سے نیچے کی جانب ہے۔ سیر کی) اس میں ایک سیب کا درخت خزاں رسیدہ دیکھا۔ کئی شاخوں میں پانچ چھ پتے رہ گئے ہوں گے۔ اس کی ہیئت ایسی تھی کہ اگر مصور لاکھ جان مارے تو بھی اس کا نقشہ نہ کھینچ سکے۔

استرغنج سے چلے۔ خواجہ حسن میں آش کھائی۔ اور مغرب کے وقت بہزادی میں آگئے۔ خواجہ محمد امین کے مکان میں اترے اور شراب کا شغل رہا۔ اس کے دوسرے دن منگل کو کابل کے چار باغ میں آگئے۔ جمعرات کے دن تیسویں تاریخ یہاں سے قلعہ میں گئے۔ جمعہ کو محمد علی رکاب دار ایک توی لغون کو پکڑ لایا اور پیش کیا۔ ہفتہ کے دن پچیسویں تاریخ باغ چنار میں جلسہ ہوا اور عشاء کے وقت برخاست ہو گیا۔ سید قاسم پچھلے واقعہ سے شرمندہ تھا۔ اس کے ہاں گئے اور چند جام پیے۔ جمعرات کے دن غرہ ذی الحجہ کو تاج الدین محمود قندھار سے آکر ملا۔ ہفتہ کو محمد علی تاجیک آیا۔ منگل کو لشکر خاں جنجوہہ نے بھیرہ سے آکر ملازمت حاصل کی۔ جمعہ تیسویں تاریخ علی شیر بیگ کے چاروں دیوانوں کا انتخاب پورا ہو گیا۔ منگل کے دن ستائیسویں تاریخ ارک میں جلسہ ہوا۔ اس جلسہ میں میں نے حکم دیا کہ جس وقت کسی شخص کو نشہ بہت ہو جائے اسی وقت اس کو جلسہ سے باہر کر دو۔ اور دوسرے کو بلا لو۔ جمعہ کے دن سلخ کو لمغان کی سیر کے لئے میں روانہ ہوا۔

۹۲۷ھ کے واقعات

ہفتہ کے دن محرم کی پہلی تاریخ خواجہ سیاران میں ہم گئے۔ ایک ٹیلے پر جو ندی

کے کنارے تھا شراب کا جلسہ کیا۔ دوسرے دن ریگ رواں کی سیر کی۔ سید قاسم کے بلبلی خانہ میں ہم نے قیام کیا اور جلسہ کیا۔ صبح وہاں سے معجون کھا کر سوار ہو گئے اور مقام لکیر میں مقام ہوا۔ رات کو تو شراب نہ پی تھی۔ البتہ صبح کو صبوحی پی گئی۔ ظہر کے وقت درنامہ میں آگئے۔ شراب کی مجلس آراستہ ہوئی۔ صبح اندھیرے منہ صبوحی کی۔ درنامہ کے سردار حسن داؤ نے اپنا باغ نذر کیا۔ جمعرات کے دن تاہکیوں کے ایک گاؤں میں جو علاقہ بخراد ہے ڈیرے پڑے۔ جمعہ کے دن چہل قلبہ اور دریائے باران کے بیچ میں جو پہاڑ ہے وہاں شکار کھیلا۔ جب سے میری انگلی میں ضرب آئی تھی میں نے تیر کو ہاتھ نہ لگایا تھا۔ آج کمان لیزم سے ایک ہرن کے بازو میں ایسا اچھا تیر مارا کہ آدھے پر خانہ تک گھس گیا۔ عصر کے وقت شکار سے فارغ ہو بخراد میں آگئے۔ اس کے دوسرے دن بخراد والوں کو پیش کش۔ ساٹھ مثقال سونا مقرر کیا۔ دل چاہتا تھا کہ اس سفر میں ہمایوں بھی ساتھ رہے۔ مگر وہ نہ ٹھہرا۔ کوتل کوزہ سے اسے رخصت کر دیا۔ ہم بدران میں آن اترے۔ دریائے باران میں سے ماہی گیروں نے بہت سی مچھلیاں پکڑیں۔ چار گھڑی دن رہے جالہ میں بیٹھ کر شراب کا شغل ہوا۔ شام کو جالہ میں سے اترے۔ اور سفید مکان میں آکر شراب پی گئی۔ حیدر علی علم دار کو اپنی طرف سے کافروں کے پاس بھیجا تھا۔ وہ کافروں کے پانچ سرداروں کو مع بہت سی شراب کے کوتل ملور کے نیچے لایا۔ سب نے ملازمت حاصل کی۔ پہاڑ سے نکلتے وقت دیکھا کہ شکار کثرت سے ہے۔ دوسرے دن جالہ میں بیٹھے اور معجون کھائی۔ بولاق کے راستہ سے بہت نیچے نکلے۔ اور لشکر میں آئے۔ جالے دو تھے۔ جمعہ کے دن کوچ کیا۔ مندواور سے دامن کوہ کے نیچے قیام ہوا۔ رات کو شراب کا جلسہ ہوا۔ ہفتہ کو جالہ میں بیٹھے۔ تنگی کے مارے اس کو تنہ میں چھوڑا اور ہم جہاں نما سے اوپر کی جانب جالہ سے باہر آکر باغ وفا کی طرف چلے۔ یہ باغ ادینہ پور کے پاس ہے۔ جالہ سے اترتے وقت قیام شاہ حاکم نیک نہار نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔

بہت دن سے لشکر خان ساری نیلاب میں تھا۔ وہ بھی آکر باریاب ہوا۔ باغ وفا میں ہم اترے اس کے نارنج خوب پختہ ہو گئے تھے۔ زرد اور صاف تھے۔ پانچ چھ دن تک باغ وفا میں ہم مقیم رہے۔ ارادہ تھا کہ چالیس برس کی عمر میں شراب سے توبہ کر لوں اور اب چالیسویں سال میں ایک برس سے کچھ کم باقی ہے۔ اس واسطے دل کھول کر

شراب پی جاتی ہے۔ اتوار کے دن اٹھارویں کو صبوحی پینے کے بعد ہوشیار ہوئے۔ ہم معجون کھا رہے تھے کہ ملا یار بک نے جو نقش بنایا تھا پیش کیا۔ اچھا نقش بنایا تھا۔ مدت سے میں ادھر متوجہ نہ ہوا تھا۔ مجھے بھی خیال ہوا کہ کچھ بناؤں میں نے چار گاہ کی صورت بنائی۔ چنانچہ اپنے موقع پر اس کا ذکر کیا جائے گا۔ بدھ کے دن ہنسی سے میں نے حکم دیا کہ جو شخص تاجیکی گانا گائے اس کو ایک پیالہ شراب کا ملے گا۔ اس سے بہتوں نے شراب پی۔ صبح صادق سے پہلے درخت چنار کے نیچے جو چمن میں ہے بیٹھ کر حکم دیا کہ جو ترکوں کا گانا گائے وہ ایک پیالہ پیے۔ یہاں بھی بہت سوں نے شراب پی۔ آفتاب نکلنے کے وقت نارنج کے درختوں کے نیچے حوض کے کنارے پر شراب پی گئی۔ دوسرے وندونہ سے جالہ میں بیٹھ جوئے شاہی سے پار ہو مقام اسر میں پہنچے۔ اسر سے چلے تو درۂ نور کی سیر کرتے ہوئے موضع ساسون پہنچے اور وہاں سے پلٹ کر آملہ میں آن اترے خواجہ کلاں نے بجور کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ چونکہ وہ مصاحب تھا اس لئے اس کو بلا لیا اور بجور کو شاہ میر حسین کے سپرد کیا۔ منگل کے دن بائیسویں تاریخ شاہ میر حسین کو رخصت دی۔ آج آملہ میں بھی مے نوشی ہوئی۔ دوسرے دن مینہ برسا۔ ہم بارش ہی میں کرسے کلہ کرام میں جہاں ملک قلی خاں کا مکان ہے آئے۔ اس کے منجھلے بیٹے کا مکان نارنج زار کے پاس ہے۔ اس میں اترے۔ بارش کی وجہ سے نارنج زار میں نہ گئے۔ وہیں پینے پلانے کا شغل ہونے لگا۔ مینہ کی جھڑی لگ گئی۔ مجھے ایک تعویذ دیا تھا۔ میں نے ملا علی کو سکھایا۔ اس نے کاغذ کے چار پرزوں پر اس کو لکھ کر جو چار طرف لٹکایا تو فوراً مینہ تھم گیا۔ اور ہوا نے ابر کو پھاڑ دیا۔

دوسرے دن جالہ میں بیٹھے۔ دوسرے جالہ میں اور لوگ بیٹھے۔ دیکور کی نواح میں گھاس کے سرپر سے ایک چیز لیتے ہیں جس کو کیم کہتے ہیں۔ اس کا بوزہ بناتے ہیں اور ٹکیاں بنا کر خشک کر لیتے ہیں۔ اس بوزہ کی اصل کیم ہے۔ بعض بوزہ بہت نشہ کا ہوتا ہے۔ مگر بے حد کڑوا اور بدمزہ ہوتا ہے۔ میں نے بھی اس کا استعمال کرنا چاہا تھا مگر اتنا کڑوا تھا کہ منہ نہ لگا سکا۔ آخر معجون کھالی عسس' حسن انکرک اور مستی دوسرے جالہ میں بیٹھے تھے۔ ان کو حکم دیا کہ اس بوزہ کو کھاؤ۔ اس کو تو ایسا نشہ ہوا کہ حسن انکرک بیہودہ طرح سے بکنے لگا۔ عسس آپے سے باہر ہو گیا۔ لگا اچھلنے کودنے۔ میں ان کی حرکتوں سے تنگ ہونے لگا۔ میرا ارادہ ہوا کہ ان کو جالہ سے نکلوا کر دریا میں

دھکے دلوا دوں۔ بعض نے سفارش کی میں چپکا ہو رہا۔ ان ہی دنوں میں بجور شاہ میر حسین کے سپرد کر کے خواجہ کلاں کو میں نے بلا لیا۔ اس لئے کہ خواجہ کلاں میرا مصاحب تھا۔ بجور میں اسے رہتے ہوئے بہت دن ہو گئے تھے اور بجور کا انتظام بھی ہو گیا تھا۔ دریائے گزدار سے عبور کرتے وقت شاہ میر حسین کو بعض باتیں زبانی سمجھا دیں اور مختار کر کے رخصت کر دیا۔

ہم نور گل کے قریب پہنچے تو ایک بڈھا آکر بھیک مانگنے لگا۔ جو لوگ جالہ میں بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ہر کسی نے چغہ۔ پگڑی اور اور چیزیں اسے دیں۔ غرض وہ بہت کچھ لے گیا۔ آدھے راستہ پر جالہ ایک بری جگہ ٹکرایا۔ بہت ہی گھبراہٹ ہوئی۔ اگرچہ جالہ غرق نہ ہوا مگر میر محمد جالہ بان دریا میں گر پڑا۔ رات کو امر کے قریب رہے۔ ہفتہ کے دن میدر میں آگئے۔ قتلق قدم اور اس کے باپ دولت قدم نے جلسہ کا سامان کر رکھا تھا۔ گو دلچسپ جگہ نہ تھی۔ لیکن ان کی خاطر سے کئی پیالیاں پی لیں۔ دوپہر کے بعد لشکر میں آگئے۔ بعد کے دن چشمہ کندگر کی میں نے سیر کی۔ کندگر ایک گاؤں ہے۔ تومان مندر اور کے علاقہ میں۔ اس سارے علاقہ میں کھجور یہیں پیدا ہوتی ہے۔ یہ موضع پہاڑ کے دامن سے بہت اونچا آباد ہے۔ اس کے باغات اس کے مشرق میں ہیں اور یہ باغوں کے کنارہ پر واقع ہے۔ چشمہ کے سرے سے چھ سات گز نیچے پتھر چن کر نہانے کا ٹھکانا بنا دیا ہے۔ پانی گرنے کی جگہ اس کے اوپر بنا دی ہے۔ جو نہانے بیٹھے پانی اس کے سر پر گرتا ہے۔ اس چشمہ کا پانی بہت معتدل ہے۔ جاڑوں میں کوئی اس پانی سے نہائے تو پہلے اسے پانی ٹھنڈا معلوم ہو گا۔ پھر چاہے جتنا اس میں رہے ناگوار نہیں ہوتا۔

جمعرات کے دن شیر خاں نے اپنے ہاں اتارا اور دعوت کی۔ ظہر کے وقت سوار ہو کر ماہی خانہ میں آئے جو تیار کر رکھا تھا اور مچھلیاں پکڑیں۔ یہ ویسا ہی ماہی خانہ ہے جس کا بیان ہو چکا ہے جمعہ کے دن خواجہ میر میراں کے موضع کے قریب اترے۔ مغرب کے بعد جلسہ ہوا۔ ہفتہ کے دن علی شنگ اور النگار کے بیچ میں جو پہاڑ ہے اس میں شکار کھیلا۔ ایک طرف سے النگاریوں نے اور دوسری جانب سے علی شنگیوں نے ہانکا کر کے ہرنوں کو پہاڑ میں سے نکالا۔ بہت سے ہرن شکار ہوئے۔ شکار سے واپس آئے تو النگار میں آئے۔ اور ملکوں کے باغ میں ٹھہرے۔ صحبت گرم ہوئی۔ میرا

آگے کا ایک دانت آدھا ٹوٹ گیا تھا۔ آدھا باقی تھا۔ آج کھانا کھاتے میں وہ بھی ٹوٹ گیا۔ دوسرے دن سوار ہو کر مچھلیاں پکڑیں۔ دوپہر ہو گئی تھی کہ ملیشنگ میں پہنچے۔ باغ میں گئے اور شراب پی۔ دوسرے دن حمزہ خاں (ملک علی شاہ کا بیٹا) کو جس نے بہت سے خون ناحق کئے تھے اس کے مدعیوں کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اس سے بدلہ لے لیا۔ منگل کے دن وظیفہ پڑھ کر بولاغ کے نیچے کے راستہ سے کابل کیطرف مراجعت کی۔ عصر کے وقت النغورات سے چل کر مغرب کے وقت قراتو میں آ گئے۔ گھوڑوں کو دانہ چڑھا دیا۔ اور ہمارے لئے خاصہ حاضر کیا۔ گھوڑے دانہ کھا کر اور ہم کھانا کھا کر سوار ہو گئے۔

۹۳۲ھ کے واقعات

ہندوستان کا قصد:۔ جمعہ کے دن صفر کی پہلی تاریخ ۹۳۲ھ میں جب کہ آفتاب برج قوس میں تھا ہندوستان کی طرف چلنے کا قصد کیا۔ تھوڑی دور چل کر وہ یعقوب کے مغرب میں جو مرغزار ہے وہاں فروکش ہوئے۔ اس منزل میں عبدالملک قورچی (سات آٹھ مہینے سے سفیر ہو کر سلطان سعید خاں کے پاس گیا ہوا تھا) بانکے بیگ کوکلتاش کے ساتھ حاضر ہوا۔ خان وغیرہ کے خطوط اور سوغاتیں لایا۔ لشکر فراہم ہونے کے لئے دو دن تک یہیں قیام رہا۔ یہاں سے کوچ کر کے رات گزرنے کے بعد بادام چشمہ پر آن اترے۔ اس منزل میں میں نے معجون کھائی۔ بدھ کے دن جب دریائے باریک پر ہم [اُت]ر ٹھہرے خواجہ حسین دیوان لاہور نے چوبیس ہزار شاہرخی کے برابر سونا۔ کچھ اشرفیاں اور روپے نور بیگ کے ہاتھ بھیجے تھے وہ پہنچے۔ کسی قدر اس میں سے ملا احمد [کے] ہاتھ بلخ والوں کے لئے بلخ روانہ کیا۔ جمعہ کے دن آٹھویں تاریخ گندمک میں مجھے [ج]اڑے سے بخار چڑھا۔ الحمدللہ کہ جلدی سے اتر گیا۔

ہفتہ کے دن باغ وفا میں اترے۔ ہمایوں اور اس طرف کے لشکر کے انتظار میں [کئ]ی دن باغ وفا میں ٹھہرنا ہوا۔ باغ وفا کا حال اس کتاب میں لکھا جا چکا ہے۔ باغ تو باغ [ہ]ی ہے۔ جو خریداری کی نظر سے دیکھے گا وہ جانے گا کہ کیسا باغ ہے۔ جتنے دن ہم وہاں [ر]ہے اکثر مے نوشی کا شغل رہا۔ شراب نہ پی تو معجون کھائی۔ وقت مقررہ پر نہ آنے [س]ے ہمایوں کو کئی خط بھیجے۔ تاکید کی اور بہت سخت و سست الفاظ لکھے۔ ہفتہ کے دن [ست]رہویں تاریخ صبوحی پی جا چکی تھی کہ ہمایوں آیا۔ تاخیر کے سبب سے ذرا اس کو ڈانٹا۔

آج ہی خواجہ کلاں بھی غزنی سے آگیا۔ دوشنبہ کی رات کو نئے باغ میں جو سلطان پور اور خواجہ رستم کے درمیان میں بنا ہے آئے۔ بدھ کو وہاں سے کوچ کر دیا۔ جالہ میں بیٹھے قوس گنبد تک شراب پیتے رہے۔ قوس گنبد میں جالہ سے نکل لشکر میں آئے۔

دوسرے دن لشکر کو چلتا کیا اور ہم جالہ میں بیٹھے۔ معجون کھائی۔ فریق اریق میں پہنچے۔ وہاں ہرچند ادھر ادھر دیکھا کہیں لشکر کا پتا نہ ملا۔ گھوڑے بھی نظر نہ آئے۔ دل میں آئی کہ چشمہ قریب ہے۔ اور وہاں سایہ بھی ہے۔ شاید لشکر وہیں اترا ہو۔ چشمہ پر پہنچے۔ وہاں بھی لشکر کا نشان نہ پایا۔ رات ہو گئی تھی۔ رات کو پھرتے رہے۔ آخر جالہ ایک جگہ ٹھہرا دیا۔ اور ذرا نیند لے لی۔ نماز سے پہلے یدہ سرا میں آئے۔ آفتاب نکلے لشکر والے سیر کرتے ہوئے آنے شروع ہوئے۔ یہ لوگ دو روز سے فریق اریق میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مگر ہم کو نہ دکھائی دیئے۔ جالہ میں اکثر وہ لوگ تھے جو شعر کہتے تھے جیسے شیخ ابو الوجد۔ شیخ زین۔ ملا علی خان۔ تردی بیگ اور خاکسار وغیرہ۔ اثنائے صحبت میں محمد صالح کا یہ شعر پڑھا گیا۔

محبوبی ہر عشوہ گرے راچہ کند کس
جائیکہ تو باشی دگرے راہ کند کس

فرمائش کی کہ اس زمین میں کچھ کہو۔ شاعر اور موزوں طبع فکر کرنے لگے۔ ملا علی خاں سے بہت ہنسی کھلی ہوتی تھی۔ ہنسی سے میں نے فی البدیہہ یہ شعر کہا۔

مانند تو مدہوش گرے راچہ کند کس
نرگاؤ کے مادہ خرے راچہ کند کس

پہلے اس سے جو کچھ اچھا برا کہنے کا یا ہزل نظم کرنے کا اتفاق ہوتا تھا تو لکھ لیا جاتا تھا۔ جب سے مبین کو نظم کرنے لگا تو دل میں آیا کہ جس زبان سے یہ پاک الفاظ نکلیں حیف ہے کہ اس سے بیہودہ لفظ بھی نکلیں اور جس دل میں ایسے مقدس مضامین کھلیں افسوس ہے کہ اس میں ایسے ناپاک خیال بھی پیدا ہوں۔ اسی دن سے ہزل کہنا ترک کر دیا تھا۔ اس شعر کے کہتے وقت اصلا خیال نہ رہا۔ دو ایک روز کے بعد بگرام میں آکر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا۔ کھانسی بھی ہو گئی۔ اور کھنکار میں خون آنے لگا۔ اب میں سمجھا کہ یہ تنبیہہ کس طرح سے ہے اور یہ تکلیف کیوں ہے۔ فمن نکث فانما ینکث علی نفسه ومن اوفی بما عاهد علیه فیوتیه اجرا عظیما

بیت ترکی

من بتیک بیلا ای بل
بملنکندین بیتک تجم فاندور
بنچہ رنجشی ولسانک تو ہرایلہ شعر
برسی تحش ذ بری یالغا ندور
کرد لسانک کو بماین یوم جرم پیلہ
حیدر بنکی بو عرضہ دین باند ور

یعنی اے زبان! میں تیرا کیا علاج کروں۔ تیری طفیل میرے دل کا خون ہو گیا ہے۔ تو کب تک ایسے اشعار کہے جائے گی جن میں سے کوئی فحش ہے اور کوئی جھوٹ۔ اگر تو کہے کہ میں اس گناہ سے کیوں کر بچوں تو تو اس میدان سے اپنی باگ موڑ لے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا ویغفرلنا لنکونن من الخاسرین میں نے بارد گر توبہ کی اور اس نالائق طرز سے دل ہٹا لیا۔ سچ یہ ہے کہ کسی گنہگار بندہ کے دل میں ایسے خیال کا پیدا ہونا ایک بڑی دولت ہے جو خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ جو بندہ اس طرح متنبہ ہو جائے وہ اس کو سعادت عظمیٰ سمجھے۔

المدعا۔ وہاں سے کوچ کیا۔ اور علی مسجد میں ٹھہرنا ہوا۔ اس منزل کا پڑاؤ تنگ ہے اس واسطے میں ہمیشہ یہاں ٹیلے پر اترتا ہوں۔ اور لشکر گھاٹی میں اترتا ہے۔ اب بھی یہی ہوا۔ رات کو اہل لشکر نے الاؤ لگائے تو عجیب خوبی کے ساتھ چراغ جلتے ہوئے معلوم ہوئے۔ جب اس منزل میں اترنا ہوا ہے تو اسی لطف کے سبب سے شراب کا شغل ضرور ہوا ہے۔ صبح سے پہلے معجون کھا کر سوار ہو گئے۔ اس دن میں نے روزہ رکھ لیا۔ بکرام کے پاس خیمے پڑے۔ دوسرے دن یہیں مقام کیا اور شکار کھیلنے گیا۔ بکرام کے آگے سے دریائے سیاہ کے پار ہو کر دریا کے ادھر گھیرا ڈالا۔ تھوڑی دور چلے تھے کہ پیچھے سے کسی نے آکر خبر دی کہ بکرام کے پاس جھاڑی میں گینڈے آموجود ہوئے ہیں۔ ہم وہاں سے گھوڑے ڈپٹائے ہوئے پہنچے۔ پہنچتے ہی گھیرا ڈال دیا۔ غل شور مچایا تو وہ میدان میں نکل آئے اور بھاگنے لگے۔ ہمایوں نے اور ان لوگوں نے جو ادھر سے تازہ آئے ہوئے تھے کسی کبھی گینڈے کو نہ دیکھا تھا۔ ان کا خوب تماشا دیکھا۔ تقریباً

کوس بھر تک ان کا پیچھا کر کے بہت سوں کو تیروں سے مارا۔ کسی گینڈے نے کسی آدمی اور گھوڑے پر حملہ نہ کیا۔ گینڈے ہی بہت سے مارے گئے۔ بہت دن سے دل میں تھا کہ اگر ہاتھی کو گینڈے کے سامنے کریں تو دیکھیں کس طور سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اب کے فیل بان ہاتھیوں کو لے آئے۔ ایک گینڈے سے مقابلہ ہوا فیل بانوں نے جوں ہی ہاتھی لائے گینڈا سامنے سے بھاگ گیا۔ اس دن ہم بکرام میں رہے۔

لشکر کا جائزہ اور شمار:۔ امیروں' بخشیوں' دیوانی والوں اور مصاحبوں کے چھ سات حصے کر کے ان کو نیلاب کے گھاٹ پر کشتیوں میں سے اترنے والے لشکر کے جائزہ لینے اور گنتی کرنے کے لئے مقرر کر دیا۔ اسی رات کو کسی قدر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا کھانسی بھی اٹھی۔ ہر کھنکار میں خون آیا۔ بہت ہی فکر ہوئی۔ خدا کا شکر ہے کہ دو تین دن میں آرام ہو گیا۔ بکرام سے دو منزل چل کر پنجشنبہ کے دن اٹھائیسویں تاریخ دریائے سندھ کے کنارے پر لشکر اترا۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی پہلی کو سندھ چھوڑ دریائے کچھ کوٹ سے عبور کیا۔ اور دریا کے کنارے پر خیمہ زن ہوئے۔ جو لوگ لشکر کا جائزہ لینے کشتیوں پر متعین ہوئے تھے انہوں نے جائزہ لینے کے بعد عرض کیا کہ تمام لشکر مع بھیر وغیرہ بارہ ہزار آدمی قلم بند ہوئے ہیں۔ اس سال یہاں کے جنگلوں میں بارش کم ہوئی تھی۔ شہر کے قریب کے دامن کوہ میں خاصی ہو گئی تھی۔ غلہ کے خیال سے براہ سیالکوٹ دامن کوہ کی جانب متوجہ ہوئے۔ جب ہاتھی کھکر کے علاقہ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک ندی میں ہر جگہ پانی ٹھہرا ہوا ہے۔ یہ سارا دریا یخ بستہ تھا۔ اگرچہ یخ بہت سے بہت ہاتھ بھر اونچی ہو گئی۔ زیادہ نہ ہو گی۔ مگر ہندوستان میں تو اتنی برف بھی عجیب بات ہے۔ یخ ارہ کو یہیں دیکھا۔ کئی سال سے میں ہندوستان میں آتا ہوں لیکن یخ اور برف اس کئی برس میں ابھی دیکھنے میں آئی ہے۔ غرض سندھ سے پانچ منزل چل کر چھٹی منزل میں کوہ جودہ سے ملا ہوا جو بال ناتھ جوگی کا پہاڑ ہے۔ اس کے نیچے ایک ندی کے کنارہ پر لشکر اترا۔

دوسرے دن غلہ لینے کے لئے وہیں مقام کیا۔ اس دن عرق پیا گیا۔ ملا محمدی نے بہت باتیں بنائیں کبھی اتنی بکواس اس نے نہ کی ہو گی۔ ملا شمس نے بھی اسی طرح مغز کھایا۔ ایک بات شام سے جو چھیڑی تو صبح تک تمام نہ کی۔ اہل لشکر سپاہی وغیرہ غلہ لینے گئے تھے۔ غلہ کو چھوڑ جھاڑیوں۔ پہاڑوں اور قلب مقامات میں منہ اٹھائے ہوئے

جا گھسے۔ کئی آدمیوں کو ضائع کروا آئے۔ چکتہ تو نقطار وہیں فوت ہوا۔ وہاں سے کوچ کیا۔ اور دریائے بہت سے جہلم کے نیچے کی طرف عبور کیا۔ ولی قرلی جس کا پرگنہ میر ذکری کو دے دیا تھا یہاں حاضر ہوا۔ سیالکوٹ کی حفاظت نہ کرنے کے سبب سے میں اس سے ناراض تھا۔ اس نے عرض کیا کہ میں اپنے پرگنہ سے آگیا تھا۔ مگر خسرو کوکلتاش نے سیالکوٹ سے اپنے نکلنے کی خبر مجھے نہ کی۔ اس کا یہ عذر قابل سماعت تھا۔ اس سے کہا گیا کہ جب سیالکوٹ سے سب لاہور چلے گئے تو تو ان امراء کے ساتھ کیوں نہ چلا گیا۔ چونکہ کام کرنے کا موقع تھا اس لئے زیادہ سر نہیں ہوا۔ اسی منزل سے سید طوفان اور سید لاچین کو ان لوگوں کے پاس جو لاہور میں تھے گھوڑوں کی ڈاک بٹھا کر دوڑا دیا اور کہلا بھیجا کہ جنگ نہ کرو۔ سیالکوٹ میں میرے پاس چلے آؤ۔ افواہ یہ تھی کہ غازی خاں نے تیس چالیس ہزار فوج جمع کی ہے اور اپنی کمر میں دو تلواریں باندھی ہیں۔ وہ ضرور مقابلہ کرے گا۔ مجھے خیال ہوا کہ مثل مشہور ہے "نو سے دس اچھے" جو لوگ لاہور میں ہیں ان کو ساتھ لے کر کر لڑنا بہتر ہے۔ اسی وجہ سے امراء کے پاس آدمی روانہ کئے۔

ہم ایک منزل کے دریائے چناب کے کنارے پر اترے۔ بہلول پور خالصہ میں ہے۔ راستہ میں سے میں اس کی سیر کرنے گیا۔ اس کا قلعہ دریائے چناب کے کنارے پہ اونچی جگہ واقع ہے۔ وہ مجھے بہت ہی پسند آیا۔ دل میں آئی کہ یہاں سیالکوٹ والوں کو آباد کرنا چاہئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ فرصت ہو جائے تو ایسا ہی کروں گا۔ بہلول پور سے کشتی میں بیٹھ کر داخل لشکر ہوا۔ کشتی میں جلسہ تھا۔ کسی نے عرق پیا۔ کسی نے بوزہ اور کسی نے معجون کھائی۔ عشاء کے بعد کشتی میں سے اترے اور خیمہ میں آکر بھی کچھ پیا کھایا۔ گھوڑوں کو آرام دینے کے لئے ایک دن دریا کے کنارے پر مقام کیا۔ جمعہ کے دن چودھویں ربیع الاول کو پھر سیالکوٹ میں آگئے۔ جب ہم ہندوستان سے گئے ہیں تو یہ معلوم ہوا کہ گائیں بھینسیں لوٹنے کے لئے سینکڑوں جاٹ اور گوجر پہاڑ اور جنگل سے آگئے ہیں اور مویشی کو ظالم لوٹ لے گئے ہیں۔ پہلے یہ ملک پرایا تھا کچھ انتظام نہ کیا جاتا تھا۔ اب کی بار یہ سارا ملک مطیع ہو گیا ہے۔ اب جو ایسا ہوا تو بہت سے بھوکے ننگے غریب اور محتاج فریاد کرتے ہوئے آئے کہ ہم کو لوٹ لیا۔ ایک بار ہی غل مچ گیا۔ جن لوگوں نے لوٹ مار کی تھی ان کی تلاش کی گئی۔ دو تین کو ان میں پکڑ

پکڑ کر ٹکڑے کرا دیا۔

اسی منزل میں ایک سوداگر آیا۔ عالم خاں۔ رخصت ہونے کے بعد اس گرمی میں کہ لو چل رہی تھی دو منزلہ کر کے لاہور میں آیا۔ عالم خاں کو جس وقت رخصت کیا ہے اس وقت ازبک سرداروں وغیرہ نے آکر بلخ میں قتل عام کیا تھا۔ عالم خاں کو میں نے ہندوستان بھیجا اور آپ بلخ گیا۔ عالم خاں ہندوستان میں آیا اور جو امراء محصل ہندوستان میں تھے ان سے اس نے کہا کہ بادشاہ نے تم لوگوں کو میری کمک کے لئے مقرر کیا ہے۔ تم میرے ساتھ چلو میں غازی خاں کو بھی ساتھ لوں گا اور دلی پر چڑھائی کروں گا۔ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم غازی خاں کے ساتھ کیونکر ہو جائیں۔ ہم کو تو حکم یہ ہے کہ جس وقت غازی خاں اپنے بھائی حاجی خاں کو مع اپنے بیٹے کے بادشاہ کے حضور میں بھیج دے یا لاہور میں بطریق اول رکھے اس وقت تم اس کے ساتھ ہو جانا۔ ورنہ نہ ہونا۔ تم ہی کو کل وہ لڑوا دے گا اور پٹوا دے گا۔ بھلا پھر کس بھروسے پر اس کے ساتھ ہوتے ہو۔ ہماری صلاح نہیں ہے کہ تم اس کی ہمراہی کرو۔ ہر چند امرا نے یہ باتیں کیں اور منع کیا۔ مگر اس نے ایک نہ سنی۔ اپنے بیٹے شیر خاں کو بھیج کر دولت خاں اور غازی خاں سے گفتگو کر کرنے کے لئے باہم ملاقات کی۔ دلاور خاں جو بہت دن تک مقید رہا تھا دو تین مہینے ہوئے کہ قید سے بھاگ کر لاہور آگیا تھا۔ اس کو بھی اپنے ساتھ لیا۔ مرزا محمود خاں خان جہاں جس نے لاہور حوالہ کر دیا تھا اس کو بھی ساتھ لیا۔ غالباً" انہوں نے یہ بات قرار دی کہ دولت خاں و غازی خاں اور امراء جو ہندوستان میں چھوڑے گئے ہیں۔ بلکہ اس طرف کے سب لوگوں کو اپنے تحت میں لے لے۔ دلاور خاں اور حاجی خاں عالم خاں کے ہمراہ ہوں۔ اور یہ لوگ دلی اور آگرہ کے علاقوں کا فتح کرنا اپنے ذمہ لیں۔ اسمٰعیل خاں حلوانی اور امراء عالم خاں سے آکر ملے اور سب فوراً کوچ در کوچ دلی کی طرف روانہ ہوئے مقام اندری میں پہنچے تو سلیمان شیخ زادہ بھی ان سے آملا۔ ان کے پاس تیس چالیس ہزار آدمی کا لشکر جمع ہو گیا۔ ان لوگوں نے دلی کو گھیر لیا۔ لڑائی تو کوئی ہوئی نہیں مگر ہاں اہل شہر کو تنگ کرنے لگے۔

سلطان ابراہیم اس لشکر کی خبر سنتے ہی مقابلہ کے لئے چل کھڑا ہوا۔ جب وہ قریب آگیا تو یہ بھی قلعہ چھوڑ سامنے آئے۔ انہوں نے تجویز کی کہ اگر دن کو لڑیں گے تو پٹھان آپس کی غیرت سے بھاگنے کے نہیں اور اگر ہم شب خون ماریں گے تو

اندھیری رات میں کوئی کسی کو دیکھتا نہیں۔ ہر سردار اپنا رستہ لے گا۔ یہ بات ٹھہرا کر تقریباً چھ کوس سے شب خون مارنے چلے۔ دو دفعہ اسی قصد سے دوپہر کو اپنی جگہ سے سوار ہوئے اور آدھی رات تک گھوڑوں کی پیٹھوں پر رہے مگر نہ آگے بڑھے نہ پیچھے ہٹے۔ نہ کوئی بات قرار دے سکے۔ تیسری دفعہ پہر رات آئی ہو گی کہ شب خون مارنے چلے۔ ان کا شب خون مارنا یہی تھا کہ خیموں۔ ڈیروں میں آگ لگا دیں۔ غرض پہر رات گئے پیچھے سے آئے۔ اور آگ لگا کر غل مچا دیا۔ جلال خاں ہمکت وغیرہ قائم خاں سے آملے۔ سلطان ابراہیم اپنے سراچہ میں اپنے چند مصاحبوں کے ساتھ رات بھر جاگتا تھا۔ اور وہیں صبح کر دیتا تھا۔ عالم خاں کی فوج لوٹ مار میں مصروف ہو گئی۔ سلطان ابراہیم نے جو دیکھا کہ دشمن کی جمعیت تھوڑی سی ہے۔ تو وہیں سے جہاں تھا کسی قدر فوج اور ایک ہاتھی کو لے کر ان کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جونہی ہاتھی قریب پہنچا دشمن کو مقابلہ کی تاب نہ رہی۔ سب بھاگ نکلے۔ اسی بھگدڑ میں عالم خاں میان دوآب سے ہوتا ہوا پانی پت کی نواح میں آ گیا۔ پھر پانی پت سے یہ لوگ بھاگے۔ تو سلیمان تین چار آدمی لے کر چل دیا اسمٰعیل خان حلوانی - دریا خان اور عالم خان کا بیٹا جلال خاں ان سے الگ ہو دوآبے میں چلے گئے۔ پھر عالم خاں کے جمع کیے ہوئے لشکر میں سے کچھ لوگ جیسے سیف خاں' دریا خاں' محمود خاں' خان جہاں اور شیخ جمال فرلی وغیرہم لڑائی سے پہلے سلطان ابراہیم کے پاس بھاگ کر چلے گئے۔ عالم خاں' دلاور خاں اور حاجی خاں سرہند سے جو چلے تو میرے آنے اور بلوت لینے کی خبر انھوں نے سنی۔ دلاور خاں جس نے ہمیشہ میرا دم بھرا ہے۔ اور میرے ہی لئے تین چار مہینے کی قید بھگتی تھی ان سے جدا ہو کر سلطان پور اور کوچی میں آیا اور بلوت لینے کے تین چار روز بعد نواح بلوت میں مجھ سے آملا۔ عالم خاں اور حاجی خاں دریائے شلت ہوددن کے پہاڑ کے نیچے دکنکوتہ کے قلعہ میں جو بہت مستحکم تھا آ گئے۔ کچھ فوج افغان و ہزارہ نے ان کو آگھیرا۔ اور ایسے مضبوط قلعہ کو قریب تھا کہ لے لیں۔ اتنے میں شام ہو گئی۔ اندر والوں نے باہر نکلنا چاہا۔ گھوڑے ایسے تھک گئے تھے کہ باہر نہ نکل سکتے تھے۔ ہاتھی بھی تھے ان کو آگے دھکیلا۔ گھوڑوں کی باگ ڈوریں پکڑ کر کھینچا پھر بھی گھوڑوں پر سوار باہر نہ آ سکے۔ آخر رات کے اندھیرے میں بڑی دقت سے پیادہ پا نکلے۔ اور غازی خاں کے پاس بلویہ میں آئے۔ وہ پہاڑ کی طرف بھاگا جاتا تھا۔ اس کے ہمراہ ہوئے۔ غازی خاں نے

پوری توجہ نہ کی۔ ہودن کے نیچے بھلور کی نواح میں عالم خاں نے ملازمت حاصل کی۔

جو لوگ لاہور میں تھے ان کے پاس سے سیالکوٹ میں آدمی آیا۔ انہوں نے کہلا بھیجا کہ کل ہم سب حاضر ہوتے ہیں۔ دوسرے دن کوچ کر کے ہم سرور میں مقیم ہوئے۔ محمد علی جنگ جنگ خواجہ حسین اور امراء یہاں حاضر ہوئے۔ غنیم کا لشکر دریائے راوی کے کنارے پر لاہور کی طرف تھا۔ بو چک کو اس کے ساتھیوں سمیت سن گن کے لئے بھیجا۔ تین پہر رات گذری ہو گی جو خبر آئی کہ غنیم ہماری سنتے ہی منتشر ہو کر بھاگ گئے۔ ایک نے ایک کی سدھ نہ لی۔ دوسرے دن ہم نے کوچ کر دیا۔ بھیر وغیرہ سے الگ ہو شاہ حسین اور لوگوں کو تو بھیر میں چھوڑا اور میں خود مع کسی قدر فوج کے دوڑ پڑا۔ تیسرے پہر ہم کلانور میں جاموجود ہوئے۔ محمد سلطان مرزا اور عادل سلطان مرزا وغیرہم امراء نے یہاں ملازمت حاصل کی۔ رات کو ہم کلانور سے چل کھڑے ہوئے۔ راستے میں خبر ملی کہ غازی خان اور بھاگے ہوئے قریب ہی میں محمدی' احمدی اور اکثر کو جن کو کابل میں حکم دیا گیا تھا کہ سرسواری حاضر ہوں ان بھاگے ہوؤں کے پیچھے روانہ کیا اور سمجھا دیا کہ اگر ان تک پہنچ جاؤ تو واہ ہے۔ اور اگر نہ پہنچ سکو تو قلعہ بلوت کو اس طرح گھیر لینا کہ قلعہ والے بھاگنے نہ پائیں۔ اس احتیاط سے میری غرض غازی خاں سے تھی۔ ان امراء کو تو آگے بھیجا اور میں کلانور کے قریب دریا سے پار ہوا۔ یہاں سے دو منزلہ کر کے قلعہ بلوت والے درہ کے دامن میں آن اترا۔ آگے پہنچ جانے والے امراء اور ہندوستانی امراء کو حکم دیا گیا کہ قلعہ کو پاس سے گھیر لو۔ دولت خاں کا پوتا علی خاں کا بیٹا اور اسمٰعیل خاں دولت کا بڑا بیٹا یہاں حاضر ہوا۔ ان کو کچھ دھمکایا اور کچھ تسلی دے قلعہ کی طرف بھیجا۔

جمعہ کے دن لشکر کو آگے بڑھایا۔ آدھ کوس کے فاصلہ سے ڈیرے ڈال دیئے۔ میں نے خود جا کر قلعہ کو دیکھا۔ برانغار جرانغار اور قول کے مورچے مقرر کئے۔ پھر لشکر میں واپس آیا۔ علی خاں نے عرض کرا بھیجا کہ غازی خاں تو پہاڑ کی طرف بھاگ گیا۔ اگر میری خطا معاف ہو تو میں غلامی میں حاضر ہو کر قلعہ سونپ دوں۔ خواجہ میراں کو اس کے پاس بھیجا۔ خواجہ اس کو مطمئن کر کے اپنے ساتھ لے آیا۔ علی خاں اپنے بیٹے کے ہمراہ حاضر ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ وہی دونوں تلواریں جو میرے مقابلہ کے لئے کمر میں باندھی تھیں اس کی گردن میں لٹکا دو۔ ایسے گستاخ کی سزا یہی ہے

یہاں تک نوبت پہنچی پر بھی اینٹھتا ہی رہا۔ لوگ آگے لائے۔ میں نے حکم دیا کہ تلواریں گردن سے نکال لو۔ سامنے آکر زانو مارنے میں بھی رکا۔ میں نے حکم دیا کہ اس کا پاؤں کھینچ کر رسم تعظیم ادا کراؤ۔ اور بٹھا دو۔ ایک ہندوستاں کو ترجمان بنایا اس سے کہا کہ جو میں کہوں۔ وہ ایک ایک بات اس کو سمجھا کر کہہ۔ اس سے کہہ کہ میں تجھ کو باپ کہا کرتا تھا۔ جس طرح تیرا دل چاہتا تھا ویسی ہی تیری عزت کیا کرتا تھا۔ تجھے اور تیرے بچوں کو ملو خاں کی دروازہ پر ٹھوکریں کھانے سے بچایا تیرے کنبے کو گھربار کو ابراہیم کی قید سے چھڑایا اور تاتار خاں کا تین کروڑ کا ملک تجھ کو دیا۔ میں نے تیرے ساتھ کونسی برائی کی تھی جس کے بدلے میں تو نے دو دو تلواریں کمر میں باندھ کر مجھ پر فوج کشی کی۔ میرے ملک میں فتنہ و فساد برپا کیا۔ بوڑھا بوبک بڑ بڑانے لگا اور کوئی بات اس کے منہ سے نہ نکلی۔ ان باتوں کے جواب میں سوائے سکوت کے کہہ ہی کیا سکتا تھا۔ خیر یہ تجویز ہوئی کہ اس کے کنبے اور گھربار کو اسی کے حوالے کر دیا جائے۔ باقی مال اسباب ضبط سرکار ہو۔ اور یہ خواہ میر میراں کے پاس رہے۔ ہفتہ کے دن بائیسویں ربیع الاول کو اس کے کنبے اور بال بچوں کے صحیح سالم نکلوا دینے کے لئے میں آپ ایک اونچی جگہ بلوت کے دروازہ کے سامنے ٹھہرا۔ علی خاں آیا۔ کچھ اشرفیاں اس نے نذر کیں اور ظہر کے وقت تک اپنے متعلقوں کو نکال لے گیا۔

عبدالعزیز محمد علی جنگ جنگ۔ قتلق قدم۔ محمدی۔ احمدی اور امراء کو حکم ہوا کہ قلعہ میں جائیں اور ان کے تمام خزانے اور کارخانے ضبط کر لیں۔ اس کے لوگوں نے تو یہی کہا تھا کہ غازی خاں چلا گیا ہے مگر بعض یہ بھی کہتے تھے کہ ہم نے قلعہ میں دیکھا ہے۔ اسی واسطے چاپیوں کے پہرے دروازے پر مقرر کر دیئے اور کہہ دیا کہ جہاں شبہ ہو تلاشی لے لو۔ ایسا نہ ہو کہ غازی خاں دھوکا دے کر نکل جائے۔ اصلی غرض تو یہی تھی اور ایسا خیال بھی تھا کہ جو کچھ جواہر وغیرہ پوشیدہ لے جانا چاہے وہ چھین لیا جائے۔ قلعہ کے دروازہ پر لوگ لگے بلوہ کرنے۔ انتظام کے لئے میں نے چند تیر مارے۔ قضارا ایک تیر ہمایوں کے چوبان کے قبضہ میں لگا۔ وہ فوراً مر گیا۔ رات کو میں اسی بلندی پر رہا۔ پیر کو قلعہ میں جا کر سیر کی۔ غازی خاں کے کتب خانہ میں گیا۔ کچھ کتابیں اچھی نکلیں۔ کئی ہمایوں کو دیں اور کئی کامران کو بھیجیں۔ ملاؤں کے مطلب کی زیادہ کتابیں تھیں جیسی عمدہ کتابوں کی امید تھی ویسی نہ نکلیں۔ رات کو میں شہر میں رہا

اور صبح وہاں سے آیا۔ میرا خیال تھا کہ غازی خاں شہر میں ہے۔ مگر وہ بے غیرت نامردمان۔ باپ چھوٹے بھائی اور چھوٹی بہن کو بلوت میں چھوڑ کر چند آدمیوں کے ساتھ نکل بھاگا۔ قطعہ

ببیں آں بے حمیت را کہ ہرگز
نخواہد دید روئے نیک بختی
تن آسانی گزیند خویشتن را
زن و فرزند بگذارد بہ سختی

بدھ کے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ اسی پہاڑ کی طرف چلے جدھر غازی خاں بھاگ گیا تھا۔ درہ بلوت کے منزل میں ایک کوس چل کر درہ میں اترنا ہوا۔ دلاور خاں نے یہاں آکر ملازمت حاصل کی۔ دولت خاں' علی خاں' اسمٰعیل خاں اور ان کے کئی سرداروں کو قید کر کے کتہ بیگ کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ قلعہ ملونی میں جو بھیرہ میں ہے ان کو لے جائے اور حفاظت سے رکھے۔ ان کے علاوہ جس کو جس نے گرفتار کیا اس کی قیمت گرفتار کرنے والے کے لئے دلاور خاں کے اتفاق رائے سے مقرر کر دی۔ بعض کی قیمت دلوا دی گئی اور بعض کو قید کر کے روانہ کیا۔ وہ قیدیوں کو لے گیا۔ سلطان پور پہنچا ہو گا کہ دولت خاں مر گیا۔ ملوت کو محمد علی جنگ جنگ کے سپرد کیا تھا۔ اس نے اپنے چھوٹے بھائی ارغون کو اپنی طرف سے مقرر کیا۔ اور افغان و ہزارہ کے بھی دو سو ڈھائی سو آدمی کمک کے لئے متعین کر دیئے۔ خواجہ کلاں غزنی سے شراب کے کئی اونٹ لایا تھا۔ اس کا مکان قریب ہی تھا جو قلعہ اور ارک کے اوپر کی جانب تھا۔ وہیں جلسہ منعقد ہوا۔ کسی نے شراب پی اور کسی نے عرق پیا۔ پھر یہاں سے چلے۔

دریائے کند کی اور بلوت کی پہاڑیوں سے نکل دون میں آئے۔ ہندوستان کی زبان میں میدان کو دون کہتے ہیں۔ ہندوستان میں ایسے کھیت جن میں پانی رواں ہو اسی میدان میں ہیں۔ میدان کے گرد بہت سے دیہات ہیں۔ یہ مقام دلاور خاں کے ماموں حسوان کا پرگنہ تھا۔ خوش قطع مقام ہے۔ اس کے اطراف میں دو مرغزار ہیں۔ اس میں دھان بوئے جاتے ہیں۔ تین چار آسیا کے برابر پانی بہتا رہتا ہے۔ میدان کی وسعت کہیں کوس دو کوس اور کہیں تین کوس کی ہو گی اس کے پہاڑ چھوٹے چھوٹے ہیں۔ ایسے ہیں جیسے پشتے' سارے گاؤں دامن کوہ میں آباد ہیں۔ جہاں آبادی ہے وہاں مور

اور بندر کثرت سے ہوتے ہیں۔ چڑیوں جیسے جانور بھی بہت ہیں۔ صورت تو مرغ کی سی مگر اکثر ایک رنگ چونکہ غازی خاں کا حال معلوم نہ ہوا کہ کہاں ہے اس لئے تردی بیگ کو برم دیو ملنہا کے اس ساتھ مقرر کیا کہ جہاں غازی خاں ہو وہاں اس کی خبر لو۔ اس میدان کی پہاڑیوں میں چاروں طرف مضبوط مضبوط قلعے ہیں۔ شمال مشرقی سمت میں ایک قلعہ ہے کوتلہ نام۔ اس کا گرداولا ستر اسی کوس کا ہے۔ بڑے دروازہ کی طرف سات آٹھ گز کی ہو گی۔ گذرگاہ کی فراخی دس بارہ گز ہو گی۔ دو لمبے لکڑوں کا پل باندھ دیا ہے۔ گھوڑے اور مویشی کو اسی پر سے لے جاتے ہیں۔ یہاں کے کوہستان میں غازی خاں نے جن قلعوں کو درست کیا تھا ان میں سے ایک قلعہ یہ بھی تھا۔ قلعہ میں سپاہی متعین تھے۔ ان قلعہ پر ہماری فوج کی ایک ٹکڑی گئی۔ لڑائی ہوئی۔ قلعہ فتح ہونے کو تھا کہ شام ہو گئی۔ قلعہ والے ایسے مستحکم قلعہ کو چھوڑ بھاگ گئے۔ دوسرا مضبوط قلعہ قلعہ کنکونہ ہے۔ اس کی چار دیواری ہے مگر قلعہ کوتلہ جیسی نہیں ہے۔ عالم خاں اسی قلعہ میں آیا تھا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

غازی خاں پر فوج روانہ کرنے کے بعد ہمت کی رکاب میں پاؤں رکھ اور توکل کی باگ ہاتھ میں لے سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر بن سلطان بہلول لودھی افغان کی جانب جو ان دنوں میں ہندوستان کا بادشاہ تھا اور جس کا دارالسلطنت دلی تھا اور جس کی رکاب میں ایک لاکھ فوج اور ایک ہزار ہاتھی کا ہونا بیان کیا جاتا تھا متوجہ ہوا۔ ایک منزل کے بعد باقی شقاول کو دیبال پور عنایت کر کے بلخ کی مدد کے لئے روانہ کیا۔ بلخ کے انتظام کے لئے بہت سا روپیہ بھیجا۔ کابل میں جو فرزند و اقارب تھے ان کے لئے سوغاتیں اور وہ اسباب جو بلوت کی فتح میں ہاتھ لگا تھا بھیجا۔ میدان کے آخر کی طرف دو ایک منزل کے بعد ارائش خاں اور ملا مذہب کے خطوط لے کر شاہ عماد حاضر ہوا اور دولت خواہی ظاہر کی۔ اس یورش میں انہوں نے بہت سعی کی تھی۔ میں نے بھی ایک آدمی کے ہاتھ عنایت آمیز فرامین ان کو لکھ بھیجے۔ میں آگے بڑھا۔ جو فوج کا دستہ بلوت میں تھا اس نے چڑھائی کر کے ہندورا ور کھلور وغیرہ کے قلعوں کو جن کی طرف ان کی مضبوطی کے باعث سے مدتوں سے کسی نے رخ نہ کیا تھا فتح کیا اور وہاں والوں کو لوٹ مار کر پھر وہ ہم سے آن ملا۔ عالم خاں بھی پریشاں حال پیادہ پا اسی منزل میں آیا۔ امراء اس کی پیشوائی کے واسطے بھیجے گئے۔ گھوڑے بھی اس کے لئے بھجوا دیئے۔ اس نواح

کے پہاڑوں اور گھاٹیوں میں فوج گئی اور دو ایک دن کے بعد واپس آگئی۔ کچھ بہت اس کے ہاتھ نہیں لگا۔ شاہ میر حسین اور جان بیگ وغیرہ بھی رخصت لے کر گرد اوری کے لئے گئے۔ انہی دنوں میں دو تین دفعہ اسمٰعیل حلوانی کی عرضیاں آئیں۔ یہاں سے بھی اس کی خواہش کے موافق فرمان بھیجے گئے۔ دون سے کوچ کر کے ہم روپڑ میں آئے۔

روپڑ سے چلے اور سرہند کے نزدیک تالاب پر خیمہ زن ہوئے۔ یہاں ایک ہندوستانی سلطان ابراہیم کا ایلچی بنا ہوا آیا۔ اگرچہ اس کے پاس کوئی خط نہ تھا مگر اس نے مجھ سے ایک ایلچی کے بھیجنے کی استدعا کی۔ میں نے بھی ایک لفنگا سواتی اسی طرح بھیج دیا۔ جب دونوں پہنچے سلطان ابراہیم نے ان کو قید کر دیا۔ جس دن ابراہیم کو شکست ہوئی اسی دن سواتی رہا ہوا۔ ایک منزل کے بعد دیہور دستور میں اترے۔ ہندوستان کے دریاؤں سے علیحدہ یہاں ایک ندی بہتی ہے اس کو گکر کہتے ہیں۔ چھتر بھی اسی ندی کے کنارے پر ہے۔ دریا کے بالائی جانب، سیر کرنے کے لئے میں سوار ہوا۔ چھتر سے تین چار کوس اس دریا سے اونچی جانب ایک درہ سے بہت صاف اور عمدہ ندی نکل کر آتی ہے۔ ایک اور کشادہ درہ سے چار پانچ آسیا کے برابر پانی آتا ہے۔ (اس مقام کو نہایت پرفضا اور ہوادار دیکھ کر یہاں ایک چار باغ بنانے کا حکم دیا) یہ پانی صحرا میں ایک کوس بھر بہہ کر ندی میں مل جاتا ہے۔ دریائے گھگر کے نکلنے کی جگہ ان دیہات سے جن کے نیچے دریا بہتا ہے تین چار کوس ہٹ کر ہو گی۔ اس منزل میں مجھے معلوم ہوا کہ سلطان ابراہیم جہاں دلی کے اس جانب تھا وہاں سے کوس بھر آگے آیا ہے۔ اور حمید خاں خاص خیل حاکم حصار و فیروزہ مع اس نواح کی فوج کے دس پندرہ کوس ادھر آگیا ہے اور چلا آتا ہے۔ کتہ بیگ کو ابراہیم کے لشکر کا اور مومن آتکہ کو لشکر حصار کا حال دریافت کرنے روانہ کیا۔

اتوار کے دن تیسویں جمادی الاول کو انبالہ سے کوچ کر کے ایک تالاب کے کنارہ پر ہم اترے تھے کہ مومن آتکہ اور کتہ بیگ آج ہی آئے۔ برانغار کی فوج میں سے خواجہ کلاں۔ سلطان محمد دولدائی۔ ولی خازن۔ خسرو بیگ' ہندو بیگ عبدالعزیز اور محمد علی جنگ جنگ کو اور قول میں سے بھی شاہ منصور برلاس' کتہ بیگ اور محب علی وغیرہ کو ہمایوں کے ساتھ کر کے حمید خاں کے مقابلہ کے لئے مقرر کیا۔ امین نے

بھی اسی منزل میں آکر ملازمت حاصل کی۔ یہ پٹھان بھی بڑے گنوار اور جاہل ہیں۔ بلوجودیکہ دلاور خاں عمدہ اور مرتبہ میں اس سے زیادہ ہے۔ عالم خاں اس کا سردار زادہ ہے اور یہ میرے سامنے نہیں بیٹھنے پاتے۔ مگر اس نے بیٹھنے کی خواہش کی۔ پیر کے دن چوبیسویں تاریخ ہمایوں نے حمید خاں پر دھاوا کر دیا۔ سو ڈیڑھ سو آدمی چھنٹے ہوئے بطریق قراولی آگے روانہ کئے۔ یہ قراول بہت آگے پہنچ کر دشمن سے جا بھڑا۔ کچھ چھیڑ چھاڑ ہوئی تھی۔ اتنے میں عقب سے ہمایوں کا لشکر پہنچ گیا۔ اس کے پہنچتے ہی غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے۔ سو دو سے آدمیوں کو گھیر کر آدھوں کے سر کاٹ لئے اور آدھوں کو زندہ گرفتار کر لیا۔ سات آٹھ ہاتھی بھی چھین لئے اور سب کو لے آئے۔ ہمایوں کو اس فتح کی خبر اٹھائیسویں تاریخ جمعہ کے دن ملا بیگ میر مغل اسی منزل میں لایا۔ اسی وقت خلعت خاص اور ایک خاص کا گھوڑا اس کو عنایت کیا۔ پیر کے دن اکیسویں تاریخ اسی منزل میں ہمایوں سو قیدیوں اور سات آٹھ ہاتھیوں سمیت آیا اور ملازمت کی۔ انتظام کے خیال سے علی قلی اور تفنگچیوں کو حکم دیا کہ ان سب قیدیوں کو گولیاں مار دو۔ ہمایوں کی پہلی لڑائی یہی تھی اور پہلا کام اس نے یہی کیا تھا۔ شگون تو اچھا ہوا۔ بھاگے ہوؤں کے پیچھے فوج روانہ ہوئی۔ حصار فیروزہ کو اس نے چھین لیا۔ حصار فیروزہ مع توابعات اور ایک کروڑ زر نقد ہمایوں کو انعام میں دیا۔

ہم یہاں سے کوچ کر کے شاہ آباد میں آئے۔ شاہ آباد میں چند روز ٹھہرنا ہوا۔ یہیں سے رحمت پیادہ کے ہاتھ کابل کو فتح نامے بھیجے۔ اسی مقام پر ہمایوں نے اپنی داڑھی منڈائی۔ اس کو آج اٹھارھواں سال ہے اور مجھ کو چھیالیسواں۔ ہم اسی منزل میں تھے کہ اٹھائیسویں جمادی الاولیٰ کو آفتاب برج حمل میں آیا۔ ابراہیم کے لشکر سے برابر خبریں آئیں کہ ایک ایک دو دو کوس کوچ ہوتا ہے اور ہر منزل میں دو دو تین تین دن تک مقام رہتا ہے۔ ہم بھی آگے بڑھے۔ شاہ آباد سے ایک منزل چل کر سرساوہ کے مقابل میں دریائے جمنا کے کنارے پر خیمہ زن ہوئے۔ خواجہ کلاں کے ملازم حیدر قلی کو حریف کی سن گن لینے کے لئے بھیجا گیا۔ میں نے جمنا کے پار جاکر سرساوہ کی سیر کی۔ اس دن میں نے معجون کا استعمال کیا تھا۔ سرساوہ میں ایک چشمہ بھی ہے۔ اس چشمہ سے پانی جاری رہتا ہے۔ یہ مقام برا نہیں ہے۔ تردی بیگ خاکسار نے ایک کشتی میں دالان بنایا تھا۔ کبھی میں اسی کشتی میں بیٹھ کر سیر کرتا تھا اور کبھی طی منازل بھی کرتا

تھا۔ اسی منزل سے دریا کے کنارے کنارے نیچے کی جانب بڑھتے چلے جاتے تھے۔ اسی اثناء میں حیدر قلی جو جاسوسی کے لئے گیا تھا خبر لایا کہ داؤد خاں اور ہیتم خاں کو چھ سات ہزار سوار کے ساتھ دو آبہ سے روانہ کیا ہے۔ ابراہیم کے لشکر سے تین چار کوس اس طرف ڈیرے ڈالے وہ پڑے ہوئے ہیں۔ اٹھارہویں جمادی الاخریٰ کو ہفتہ کے دن چین تیمور سلطان۔ مہدی خاں۔ محمد سلطان مرزا اور عادل سلطان مرزا کو تمام فوج جرانغار کے ساتھ جس میں سلطان جنید' شاہ میر حسین اور قتلق قدم تھے اور قول میں سے یونس علی۔ عبداللہ۔ احمدی اور کتہ بیگ کے ساتھ فوراً روانہ کیا۔ یہ لشکر ظہر کے وقت دریا سے اتر عصر و مغرب کے درمیان میں وہاں سے نکل چلا۔ اور مغرب کے اول وقت غنیم کے سر پر جا دھمکا۔ یہ لشکر اس طور سے بڑھا اور حملہ آور ہوا کہ اس کے قریب ہوتے ہی دشمن کی فوج ایسی بھاگی کہ ابراہیم کی فرودگاہ کے قریب جا کر ٹھہری۔

ہیتم خاں کو جو داؤد خاں کا بڑا بھائی اور ایک سردار تھا مار کر ستر اسی قیدی اور آٹھ سات ہاتھی یہ لوگ پکڑ لائے۔ رعب جمانے کے لئے اکثر قیدیوں کو قتل کر ڈالا۔ فوج کی صفیں آراستہ کر یہاں سے آگے بڑھے۔ معمول ہے کہ جب فوج تیار ہو کر چلنے لگتی ہے تو کمان یا چابک ہاتھ میں لے کر دستور کے موافق اس کا تخمینہ کیا جاتا ہے اور اسی کے بموجب حکم لگایا جاتا ہے کہ اتنا لشکر ہے۔ میں اپنے لشکر کو جس قدر سمجھے ہوئے تھا تخمینہ کے وقت اس قدر نہ نکلا۔ اسی منزل میں توقف کیا۔ تاکہ جتنے ہو سکیں چھکڑے تیار کر لیں۔ سات سو چھکڑے تیار ہوئے۔ استاد علی قلی کو حکم دیا کہ رومی طریقہ سے چھکڑوں کو زنجیر کے بدلے رسیوں سے باندھا جائے۔ ہر جگہ دو چھکڑوں کے بیچ میں چھ سات جالی کے خانے ہوں۔ گولہ اندازان چھکڑوں اور جالیوں کی آڑ میں کھڑے ہو کر گولے ماریں۔ اس سامان کے درست کرنے کے لئے پانچ چھ دن یہیں ٹھہرے رہے۔ سب اسباب لیس ہو جانے کے بعد تمام امراء اور افسران فوج کو جو بات سمجھتے تھے عام طور سے جمع کر کے مشورہ کیا۔ باتفاق آرا یہ بات قرار پائی کہ پانی پت میں مکانات اور محلے بہت ہیں۔ ایک طرف تو اس کو رکھنا چاہئے اور دوسری طرفوں کو ارابوں اور جالوں سے مستحکم کر کے گولہ اندازوں اور پیدلوں کو ان کے پیچھے کھڑا کر دیا جائے۔ اس تجویز کے بعد کوچ کر دیا۔

ایک منزل سے چل کر جمعرات کے دن جمادی الاخریٰ کی سلخ کو ہم پانی پت۔ ۴۶۰ میں آئے۔ دست راست کی طرف شہر کو رکھا اور ادھر جو چھکڑے اور جل تیار کئے تھے قائم کر دیئے۔ دست چپ وغیرہ کی سمتوں میں خندق کھودی۔ اور جھانکڑ لگا دیئے۔ ہر جانب ایک ایک تیر کے پرتاب سے اتنی جگہ چھوڑ دی کہ سو ڈیڑھ سو آدمی نکل جائیں۔ فوج کو ذرا تردد اور ہراس تھا۔ مگر یہ بیہودہ بات تھی۔ خدا نے جو قسمت میں لکھ دیا ہے وہی ہوتا ہے۔ لوگوں میں یہ عیب تھا۔ لیکن اس عیب کی گرفت بھی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وطن چھوڑے دو تین مہینے ہو گئے تھے۔ ایک اجنبی قوم سے کام پڑ گیا تھا۔ نہ ہم اس کی زبان سے آشنا تھے نہ وہ ہماری زبان سے۔

شدہ جمعے و بود جمعے پریشاں
گرفتار قومے و قومے عجائب

غنیم کا لشکر جتنا سامنے تھا اس کا تخمینہ ایک لاکھ کیا جاتا تھا اور ہزار کے قریب ہاتھیوں کی تعداد بیان کی جاتی تھی۔ اپنے وقت اور باپ کے وقت کا خزانہ کھچا کھچ بھرا ہوا پاس تھا۔ ہندوستان میں یہ رسم ہے کہ جس وقت ایسا کام پڑتا ہے اس وقت کچھ دن کے لئے فوج بھرتی کر لیتے ہیں۔ اس کو سربندی کہتے ہیں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو حریف ایک لاکھ فوج اور رکھ سکتا تھا۔ خدا کی قدرت۔ نہ وہ اپنے لشکر کو راضی کر سکا نہ خزانہ تقسیم کر سکا۔ لوگوں کو راضی کیوں کر کرتا اس کی طبیعت بہت ہی ممسک تھی۔ اپنے تلڑ میں روپیہ رکھنے کا مزہ تھا۔ ایک جوان آدمی تھا اور ناتجربہ کار نہ اس نے آتے وقت معقول بندوبست کیا۔ نہ ٹھہرنے کا اور بھاگنے کا ٹھکانا کیا۔ جب ہم پانی پت میں ٹھہر کر چھکڑوں اور خندق سے اپنا بندوبست کر رہے تھے اس موقع پر حملہ کرنے کا خیال نہ کیا۔

درویش محمد ساربان نے عرض کیا کہ اب ایسی احتیاط ہو گئی ہے کہ دشمن کی ہوا بھی ہمارے لشکر میں نہیں آسکتی۔ میں نے کہا کہ ازبک وغیرہ پر قیاس نہ کرنا چاہئے (جس سال کہ ہم سمرقند سے چلے اور حصار میں آئے تو سب خان اور سلاطین ازبک متفق ہو کر در بند سے ہم پر چڑھائی کرنے چلے۔ ہم سب مع گھربار تیس ہزار آدمی تھے۔ ہم نے حصار کے محلات کو خوب مضبوط کر لیا۔ دشمن کی فوج کی آمد و رفت وغیرہ سے آگاہ تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان لوگوں نے حصار کو پناہ کی جگہ بنا لیا ہے اور دل میں ٹھان لی ہے کہ یہیں مرنا یہیں جینا۔ چڑھائی کا موقع نہیں ہے۔ وہ الٹے پھر

گئے) اس کو اس سے مشابہ نہ کر۔ یہ لوگ موقع و محل کیا جانیں۔ خدا کی شان! جو میں نے کہا تھا وہی ہوا۔ سات آٹھ دن تک ہم پانی پت میں رہے۔ ہمارے تھوڑے تھوڑے سے سپاہی ان کے لشکر کے پاس جاتے تھے اور بہت سوں کا مقابلہ کرنے پر پلٹتے تھے مگر وہ اپنی جگہ سے ہلتے نہ تھے۔

آخر بعض ہندوستانی امراء کے کہنے پر عمل کیا۔ مہدی خواجہ' محمد سلطان مرزا' عادل سلطان' خسرو شاہ' میر حسین' سلطان جنید' برلاس' عبدالعزیز میر آخور۔ محمد سلطان۔ جنگ جنگ قتلق قدم۔ ولی خازن۔ محب علی۔ خلیفہ۔ محمد بخشی۔ جان بیگ اور قراقوی وغیرہم سرداروں کو چار پانچ ہزار فوج کے ساتھ شبخون مارنے کے لئے بھیجا۔ یہ لوگ عمدہ طور سے مجتمع نہ ہو سکے اور الگ الگ بھی کچھ نہ کر سکے۔ صبح کر دی۔ دن نکلے غنیم کے لشکر کے پاس پہنچے۔ غنیم کی فوج بھی سانوٹی ہو گئی۔ نقارے بجاتی ہوئی اپنے ہاتھیوں کو لئے ہوئے نکلی۔ اگرچہ ہماری فوج نے کوئی نمایاں کام نہیں کیا مگر یہ کیا کہ اتنی کثیر فوج میں سے صحیح سالم بغیر اس کے کہ کوئی پکڑا بھی گیا ہو نکل آئی۔ محمد علی جنگ جنگ کے پاؤں میں تیر لگا۔ کاری نہ لگا تھا۔ پر لڑائی کے دن تک وہ کام کا نہ رہا۔ میں نے مذکورہ بالا خبر کے سنتے ہی ہمایوں کو اس کے لشکر سمیت کوس ڈیڑھ کوس ان کی پیشوائی کے لئے بھیجا اور خود باقی فوج کو لے کر باہر نکل آیا۔ شبخون والے ہمایوں سے آملے چونکہ غنیم آگے نہ بڑھا اس لئے ہم بھی واپس آگئے۔ اسی رات غلطی سے لشکر میں غل مچ گیا۔ تقریباً گھنٹہ بھر تک یہ غل رہا جن لوگوں نے ایسا غل غپاڑہ نہ سنا تھا۔ وہ بہت سراسیمہ ہوئے۔ بارے تھوڑی دیر بعد غل تھم گیا۔

پانی پت کی لڑائی ۱۵۲۶ء :- سویرے قراول نے اطلاع دی کہ غنیم سیدھا چلا آتا ہے ہم بھی درست ہو کر سوار ہوئے۔ برانغار میں ہمایوں خواجہ کلاں' سلطان محمد دولدائی' ہندو بیگ' ولی خازن اور پیر قلی سیستانی تھا۔ جرانغار میں مہدی خواجہ دولدائی۔ مرزا۔ عادل سلطان۔ شاہ میر حسین۔ سلطان جنید۔ قتلق قدم۔ جان بیگ محمد بخشی اور شاہ حسین مغل غانچی تھا۔ قول کے دست راست میں چین تیمور سلطان۔ سلیمان۔ محمدی کوکلتاش۔ شاہ منصور برلاس۔ یونس علی۔ درویش محمد ساربان اور عبداللہ کتاب دار تھا۔ قول کے دست چپ میں خلیفہ۔ خواجہ میر میراں۔ احمدی۔ پروانچی۔ تردی بیگ۔ توچ بیگ۔ محب علی۔ خلیفہ۔ مرزا بیگ ترخان تھا۔ ایراول میں خسرو کوکلتاش اور محمد

علی جنگ جنگ تھا۔ عبدالعزیز میر آخور کو طرح میں مقرر کیا۔ برانغار کے اوج میں ولی قزل۔ ملک قاسم اور بابا قشقہ کو مع مغلوں کے تو نغمہ پر معین کیا۔ جرانغار کے اوج میں قراقوزی۔ بوالمحمد نیزہ باز۔ شیخ جمال بازی۔ مندی اور تنگری قلی مغل کو تو نغمہ پر کھڑا کیا۔ اور حکم دیا کہ جس وقت دشمن کی فوج قریب آئے تو تم اس کے پیچھے ہو جانا۔ جب غنیم کا لشکر نمودار ہوا تو معلوم ہوا کہ برانغار کی جانب اس کا زور زیادہ ہے۔ اس واسطے عبدالعزیز کو جو طرح میں تھا برانغار کی کمک کے لئے بھیجا۔ سلطان ابراہیم کی فوج جو دور سے آتی ہوئی معلوم ہوتی تھی وہ قدم اٹھائے ہوئے چلی آتی تھی۔ ہماری فوج میں غنیم کی آمد اور انتظام کی ترکیب دیکھ کر ذرا کھلبلی مچی کہ ٹھہریں یا نہ ٹھہریں۔ مقابلہ کریں یا نہ کریں۔ موقع کی بات کرنی چاہئے۔ ایسوں سے مقابلہ ہے جو بے توقف چلے آتے ہیں۔ میں نے حکم دیا کہ تو نغمہ والے غنیم کے دست راست اور دست چپ سے پھر کر تیر مارنے شروع کریں اور لڑائی میں مشغول ہوں۔

برانغار بھی جا پہنچے تو نغمہ والے غنیم سے پلٹ کر تیروں کا مینہ برسانے لگے۔ جرانغار میں سے مہدی خواجہ سب سے آگے پہنچا۔ مہدی خواجہ کے مقابلہ میں کچھ فوج ایک ہاتھی لئے ہوئے آئی۔ مہدی خواجہ والوں نے تیروں کی بھرمار سے اس فوج کا منہ پھیر دیا۔ جرانغار کی کمک کے لئے قول میں سے احمدی پروانچی' تردی بیگ' قوچ بیگ اور محمد علی خلیفہ بھیجے گئے۔ برانغار میں بھی لڑائی شروع ہو گئی۔ محمدی کوکلتاش' شاہ منصور برلاس' یونس علی اور صدر اللہ کو حکم دیا کہ قول سے آگے بڑھ کر لڑائی شروع کرو۔ استاد علی قلی بھی قول کے آگے آکر فائر کرنے لگا۔ مصطفیٰ توپچی دست چپ سے خوب گولے مارنے لگا۔ تو نغمہ والوں نے چاروں طرف سے غنیم کو گھیر لیا۔ اور ہنگامہ پیکار گرم کر دیا۔ دو ایک مرتبہ برانغار اور قول نے خفیف سے حملے کئے۔ پھر تلواریں سونت لیں۔ اب تو دست راست و دست چپ اور قول وغیرہ سب گڈ مڈ ہو گئے۔ گھمسان کی لڑائی ہونے لگی۔ غبار ایسا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔ آفتاب کوئی ایک نیزہ بلند ہوا ہو گا کہ جنگ مغلوبہ شروع ہوئی۔ دوپہر تک چلتی رہی۔ دوپہر ہوتے ہی دشمن پست ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک ایسا مشکل کام ہم پر آسان کر دیا کہ وہ بے شمار لشکر دوپہر کے عرصہ میں خاک میں مل گیا۔ پانچ ہزار آدمی تو سلطان ابراہیم کے ساتھ ایک جگہ مارے گئے۔ باقی ہر جگہ کشتوں کے پشتے لگے ہوئے

تھے۔ ہم نے اس وقت مقتولوں کا تخمینہ اپنے نزدیک پندرہ سولہ ہزار آدمی کیا۔ مگر آگرے میں ہندوستانیوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اس معرکہ میں پچاس ساٹھ ہزار فوج کام آئی تھی۔

المختصر بقیتہ السیف فرار ہوئے۔ اور ہم آگے بڑھے جو امراء آگے بڑھے تھے وہ بھاگے ہوئے افغانوں کو پکڑ لائے۔ ہاتھیوں کے غول کے غول فیل بانوں سمیت گرفتار کر کے لائے۔ اور نذر کئے۔ فراریوں کے عقب میں بابا چہرہ وغیرہ کو اس خیال سے کہ ابراہیم ہمراہیوں کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ روانہ کیا اور حکم دیا کہ بہت جلد چلے جاؤ اور آگرہ تک جا پہنچو۔ اس کے بعد لشکر ابراہیم میں آیا اور اس کے خیموں ڈیروں کو ملاحظہ کیا۔ پھر سدائی کے کنارہ پر ہم ٹھہرے۔ ظہر کے وقت طاہر (خلیفہ کا چھوٹا بھائی) تیریزی نے ابراہیم کی لاش بہت سی لاشوں میں پڑی ہوئی دیکھی۔ یہ فوراً اس کا سر کٹ لایا۔ اس دن ہمایوں مرزا۔ خواجہ کلاں۔ محمدی۔ شاہ منصور برلاس۔ یونس علی۔ عبداللہ اور ولی خازن کو حکم دیا کہ ابھی چلے جاؤ۔ آگرہ پر قبضہ کر لو اور خزانے ضبط کر لو۔ مہدی خواجہ محمد سلطان مرزا' عادل سلطان' جنید برلاس اور قتلق قدم کو حکم دیا کہ بہیر سے علیحدہ ہو کر فوراً دلی چلے جاؤ اور وہاں کے خزانوں کی احتیاط رکھو۔ دوسرے دن ہم کوس بھر چلے۔ گھوڑوں کو آسائش دینے کے لئے جمنا کے کنارے پر ڈیرے کئے۔ پھر دو منزل چل کے سہ شنبہ کو دہلی میں داخل ہوئے۔

دلی میں آنا اور خطبہ پڑھوانا:۔ اول حضرت شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مزار کی زیارت کی۔ دلی کے قریب جمنا کے کنارے پر اترے۔ بدھ کی رات کو دلی کے قلعہ کی سیر کر کے رات وہیں گذاری۔ صبح حضرت خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوا۔ سلطان غیاث الدین بلبن اور سلطان علاؤ الدین خلجی کے مقبروں۔ عمارتوں۔ لاٹھ۔ شمسی تالاب۔ حوض خاص۔ مقبرہ سلطان بہلول۔ مقبرہ سلطان سکندر اور باغ کی سیر کی۔ سیر کر کے کشتی میں بیٹھ کر عرق پیا۔ دلی بیگ قرلی کو دلی کا صوبہ دار اور دوست بیگ کو دلی کا دیوان مقرر کیا۔ خزانوں پر مہریں لگا کر ان کے سپرد کر دیئے۔ جمعرات کو دلی سے کوچ کر دیا۔ اور تغلق آباد کے قریب جمنا کے کنارہ پر لشکر اترا۔ جمعہ کے دن یہاں مقام ہوا۔ مولانا محمود اور شیخ زین وغیرہ یہاں سے شہر گئے۔ دلی کی جامع مسجد میں انہوں نے جمعہ کی نماز پڑھی۔ میرے نام کا

خطبہ پڑھوایا۔ اور فقراء کو بہت سا روپیہ تقسیم کر کے واپس آئے۔ ہفتہ کو اس منزل سے چلے۔ میں نے تغلق آباد کی سیر کی۔ کوچ در کوچ آگرہ چلے گئے۔ جمعہ کے دن بائیسویں رجب کو نواح آگرہ میں پہنچے۔ اور سلیمان فرملی کے مکان میں اترنا ہوا۔ یہ مقام شہر سے بہت دور تھا۔ صبح یہاں سے جلال خاں جگت کے محلوں میں جا ٹھہرے۔ ہمایوں وغیرہ پہلے سے آگئے تھے۔ قلعہ والوں نے قبضہ دینے میں حیلے حوالے کئے۔ انہوں نے دیکھا کہ لوگ بگڑے ہوئے ہیں۔ تاکید کی کہ خزانوں کو کوئی ہاتھ نہ لگائے اور کوئی باہر نہ نکلنے پائے۔ یہ انتظام کر کے میرے منتظر رہے۔ بکرتا جیت ہندو گوالیار کا راجہ تھا۔ اور سو برس سے اس کے بزرگ وہاں راج کرتے تھے۔ سلطان سکندر گوالیار چھیننے کے لئے کئی برس سے آگرہ کو دارالسلطنت بنائے ہوئے تھا۔ ابراہیم کے وقت میں اعظم ہمایوں اور سروانی نے کئی بار چڑھائی کی۔ آخر صلح سے گوالیار لے لیا اور شمس آباد اس کو دے دیا۔ ابراہیم کی شکست کے زمانہ میں بکماجیت مر گیا۔

بکماجیت کے بال بچے اور متعلق آگرہ میں تھے۔

مشہور ہیرا کوہ نور کا ہاتھ آنا اور آگرہ پر قبضہ کرنا:۔ جب ہمایوں آگرہ آیا تو بکماجیت کی اولاد بھاگنے کے خیال میں تھی۔ ہمایوں نے سپاہی متعین کر دیئے تھے۔ انہوں نے روکا۔ مگر ہمایوں نے ان کے لوٹنے اور مارنے کی اجازت نہیں دی۔ انہوں نے اپنی خواہش سے بہت سا جواہر ہمایوں کی نذر کیا۔ اس میں ۲۱۔۴ ایک مشہور ہیرا تھا جو سلطان علاؤ الدین لایا تھا۔ کہتے ہیں کہ بعض نے اس کی قیمت ساری دنیا کے خراج کا نصف تشخیص کی تھی۔ غالباً" اس کا وزن آٹھ مثقال ہے۔ جب میں آیا تو ہمایوں نے اس کو میرے آگے پیش کیا۔ میں نے ہمایوں ہی کو دے دیا۔ قلعہ میں جتنی فوج تھی ان میں ملک داوا کرانی۔ ملی سور اور فیروز خاں میواتی ہوشیار آدمی تھے۔ انہی نے کسی قدر ہیر پھیر کی۔ ان کی تادیب کے لئے کچھ لوگ بھیجے گئے۔ ملک داوا کرانی نے بعض سرداروں کے وسیلہ سے عرض معروض کی۔ لوگ ادھر ادھر آئے گئے۔ ان باتوں میں چار پانچ دن گذرے۔ آخر ان کے مدعا کے موافق ان کی پرورش کی گئی۔ اور جرائم معاف کر دیئے گئے۔ سلطان ابراہیم کی ماں کو سات لاکھ نقد کا پرگنہ عنایت کیا۔ ان امیروں کو جاگیریں عطا کیں۔ اور ابراہیم کی ماں کے رہنے کو آگرہ سے کوس بھر کے فاصلہ پر دریا کے اس طرف ایک مکان دیا۔ رجب کی ستائیسویں تاریخ ہفتہ کے دن بعد

دوپہر کو شہر آگرہ میں داخل ہوا۔ سلطان ابراہیم کے محل میں اترا۔

کابل سے ہندوستان تک کی فتح کا مجمل بیان :۔ ۹۱۰ ہجری میں کابل فتح ہوا۔ جب سے اب تک ہندوستان لینے کی ہوس تھی۔ کبھی امراء کی بے ہمتی سے اور کبھی بھائیوں کی بغاوت سے یہ آرزو پوری نہ ہوئی۔ آخر وہ موانع نہ رہے۔ چھوٹے بڑے امیروں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو خلاف مقصود دم مار سکے۔ ۹۲۵ھ میں بجور کا قلعہ دو تین گھنٹے میں بزور شمشیر چھین لیا اور وہاں قتل عام کر کے بھیرے میں آگیا۔ بھیرے والوں کو نہ لوٹا نہ مارا۔ جان و مال کی اس کو امان دی اور چار لاکھ شاہرخیہ کا نقد و جنس خراج کے لئے اہل لشکر پر تقسیم کر کابل میں آگیا۔ اس سن سے ۹۳۲ھ تک آٹھ سات برس میں نے پانچ حملے ہندوستان پر کئے۔ پانچویں بار اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے سلطان ابراہیم جیسے مقابل کو زیر کرا دیا۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک مسخر فرما دیا حضرت رسالت پناہ ﷺ کے زمانہ سے آج تک ادھر کے بادشاہوں میں سے تین حملہ آور بادشاہ کامیاب ہوئے ہیں۔ ایک سلطان محمود جس کی اولاد تھی مدتوں ملک ہند پر فرماں روا رہی ہے۔ دوسرا سلطان شہاب الدین غوری۔ اس کے متعلق غلام برسوں یہاں کے حکمران رہے ہیں۔ تیسرا میں ہوں۔ مگر میری اور ان بادشاہوں کی پوری مماثلت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سلطان محمود نے جب ہندوستان کو لیا ہے اس وقت سلطان کی قوت اتنی تھی کہ خراسان اس کے تحت میں تھا۔ شاہان خوارزم و دارالمرز اس کے مطیع تھے۔ سمرقند کا بادشاہ اس کا محکوم تھا۔ اس کا لشکر حملہ کے وقت اگر دو لاکھ نہیں تو ایک لاکھ ضرور ہو گا۔ دوسرے تمام ہندوستان میں ایک بادشاہ نہ تھا۔ مختلف راجہ تھے۔ اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری اگرچہ خراسان پر قابض نہ تھا مگر اس کا بڑا بھائی سلطان غیاث الدین غوری مالک خراسان تھا۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ سلطان مرحوم ایک لاکھ آٹھ ہزار مسلح سواروں سے ہندوستان پر آیا تھا۔ اس کے مقابلہ میں بھی متفرق راجہ تھے۔ سارے ہندوستان کا ایک بادشاہ نہ تھا۔

جب میں بھیرے میں آیا ہوں تو زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو ہزار فوج میرے ساتھ ہو گی۔ اب پانچویں مرتبہ جو میں نے حملہ کیا ہے اور سلطان ابراہیم کو شکست دے کر ہندوستان کو فتح کر لیا ہے تو سارا لشکر مع بھیرو بنگاہ بارہ ہزار لکھا گیا تھا اور کبھی اتنی

جمعیت لے کر آنے کا موقع نہ ملا تھا۔ بدخشاں' قندھار' کابل اور قندز کا ملک میرے قبضہ میں تھا۔ پر ان کی آمدنی بہت نہ تھی۔ بلکہ بعض علاقے دشمنوں کے ملک سے ایسے قریب تھے کہ وہاں بڑی مدد دینی پڑتی تھی۔ سارا ماوراء النہر ازبکوں کے قبضہ میں تھا۔ ان کی فوجیں تخمیناً" ایک لاکھ کے قریب بیان کی جاتی تھیں اور وہ ہمارے قدیمی دشمن تھے۔ ہندوستان کی قلمرو بھیرے سے ملک بہار تک پٹھانوں کے تحت میں تھی۔ یہاں کا بادشاہ سلطان ابراہیم تھا۔ پانچ لاکھ سے کم اس کی فوج نہ سمجھنی چاہیئے بے شک پورب کے بعض امراء اس وقت اس کے مخالف تھے۔ اس پر بھی کہتے ہیں کہ تخمیناً" ایک لاکھ سوار پیدل اور ہزار امرائے فیل نشین حاضر رکاب تھے۔ بایں ہمہ میں نے خدا پر بھروسہ کیا۔ ازبک جیسے لاکھ دشمنوں کو پیچھے چھوڑا اور سلطان ابراہیم جیسے صاحب لشکر و ملک سے جو سلیماں حشم تھا جا بھڑا۔ خدائے تعالٰی نے میری محنت اور کوشش ضائع نہ کی۔ ایسے زبردست مقابل کو مغلوب کر دیا۔ اور ہندوستان جیسا وسیع ملک فتح کرا دیا۔ میں اس دولت کے حاصل کرنے کو اپنی تاب و طاقت پر محمول نہیں کرتا اور اس سعادت کے نصیب ہو جانے کو اپنی کوشش و ہمت کی بدولت نہیں جانتا بلکہ محض خدائے تعالٰی کی عنایت سمجھتا ہوں۔

ہندوستان کا بیان :۔ ہندوستان وسیع' بہت آباد اور سیر حاصل ملک ہے۔ اس کے مشرق و جنوب بلکہ کسی قدر مغرب میں بھی دریائے سمندر ہے۔ شمال میں ایک پہاڑ ہے جو کوہ ہندوکش' کافرستان اور کوہستان کشمیر سے ملا ہوا ہے۔ اس کے مغرب و شمال میں کابل' غزنی اور قندھار ہے۔ ہندوستان کا دارالملک آج تک دلی ہے۔ سلطان شہاب الدین غوری کے بعد سے سلطان فیروز شاہ کے آخر زمانہ تک ہندوستان کا تقریباً سارا ملک شاہان دلی کے زیر نگین رہا ہے۔ اب جب کہ میں نے اس کو فتح کیا ہے تو پانچ مسلمان بادشاہ اور دو ہندو راجہ یہاں حکومت کرتے ہیں۔ گو چھوٹے چھوٹے رائے اور راجہ پہاڑوں اور جنگلوں میں بتیرے ہیں۔ مگر مقتدر اور مستقل یہی ہیں۔ ان میں سے ایک پٹھان تھے جن کا تسلط بھیرے سے بہار تک تھا۔ ان افغانوں سے پہلے جون پور سلطان حسین شرقی کے پاس تھا۔ ان کو پوربی کہتے ہیں۔ ان کے بزرگ سلطان فیروز شاہ کے دربار کے امراء میں سے تھے۔ فیروز شاہ کے بعد جون پور کے یہی مستقل بادشاہ ہو گئے۔ دلی سلطان علاؤ الدین کے قبضہ میں رہی۔ یہ لوگ سید تھے۔ امیر تیمور نے دلی فتح

کر کے ان کو دے دی تھی۔ سلطان بہلول لودھی اور اس کے بیٹے سلطان سکندر نے دلی سے جون پور تک قبضہ کر لیا تھا۔ دونوں دارالسلطنتوں میں ایک ہی بادشاہ ہو گیا۔

دوسرا سلطان مظفر گجرات میں تھا۔ ابراہیم سے چند روز پہلے اس کا انتقال ہو گیا۔ وہ بڑا متشرع بادشاہ تھا۔ عالم تھا۔ محدث تھا۔ اور ہمیشہ قرآن شریف لکھا کرتا تھا۔ اس خاندان کو تانک کہتے ہیں۔ ان کے بزرگ بھی سلطان فیروز شاہ کے اہل خدمت میں سے شراب دار تھے۔ فیروز شاہ کے بعد گجرات دبا بیٹھے۔ تیسرا دکن میں بہمنی۔ آج کے زمانہ میں بہمنی سلطنت میں دم نہیں رہا۔ اس کا سارا ملک اس کے بڑے بڑے امراء میں منقسم ہو گیا۔ بادشاہ وقت امراء کا محتاج ہے۔ چوتھا مالوہ میں (جس کو مندو بھی کہتے ہیں) سلطان محمود تھا۔ اس خاندان کو خلجی کہتے ہیں۔ اس کو رانا سانگا نے زیر کر لیا۔ اور اس کے ملک کے اکثر حصے چھین لئے۔ یہ سلطنت اب بودی ہو گئی۔ ان کے باپ دادا بھی فیروز شاہی امیر تھے پھر مالوہ کے حاکم بن بیٹھے۔

پانچواں نصرت شاہ بنگالہ میں تھا۔ اس کا باپ بنگالہ کا بادشاہ ہوا تھا۔ جس کا نام سلطان علاؤ الدین تھا۔ اور جس کی قوم سید تھی۔ نصرت شاہ کو سلطنت ترکہ میں ملی ہے۔ بنگالہ میں سلطنت ملنے کی یہ عجیب رسم ہے کہ میراثی بہت کم ہوتی ہے۔ حقیقت میں بادشاہ تخت ہے بادشاہ کے لئے بھی اس کی جگہ معین ہے۔ اور امراء وزراء اہل مناصب کے واسطے بھی ایک ایک جگہ مقرر ہے۔ گویا بنگالیوں کے نزدیک وہ تخت اور وہ جگہ ہی کچھ چیز ہے۔ اس ہر جگہ سے نوکروں چاکروں کی ایک جماعت متعلق ہے۔ جس امیر یا وزیر کا عزل و نصب بادشاہ کو منظور ہوتا ہے۔ اس کی جگہ بدل دی جاتی ہے۔ اس جگہ کے ساتھ جو حشم و خدم ہوتے ہیں وہ جدید شخص کے متعلق ہو جاتے ہیں۔ یہی بادشاہی تخت کی صورت ہے۔ بادشاہی یوں حاصل ہوتی ہے کہ جو کوئی بادشاہ حال کو مار کر جھٹ پٹ تخت پر بیٹھ جاتا ہے اسی کو تمام امراء' وزراء' فوج اور رعیت بادشاہ سمجھنے لگتی ہے۔ مقتول بادشاہ کی طرح قاتل بادشاہ کے سب مطیع ہو جاتے ہیں۔ بنگالیوں کا قول ہے کہ ہم تو تخت کے نوکر ہیں۔ جو تخت پر بیٹھ جائے وہی ہمارا بادشاہ ہے چنانچہ نصرت شاہ کے باپ سلطان علاؤ الدین سے پہلے ایک حبشی بادشاہ کو قتل کر کے تخت پر ہو بیٹھا تھا۔ مدتوں اس نے حکومت کی حبشی کو سلطان علاؤ الدین مار کر بیٹھ

گیا اور بادشاہ ہو گیا۔ البتہ علاؤ الدین کے بعد اس کا بیٹا نصرت شاہ بطور وراثت اب بادشاہ ہوا۔ بنگالہ میں یہ بھی دستور ہے کہ ہر بادشاہ کو نیا خزانہ جمع کرنا لازم ہوتا ہے۔ خزانہ جمع کرنا ان لوگوں کے نزدیک بڑے فخر کی بات ہے۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ خزانہ عامرہ بلکہ تمام خانگی اخراجات شاہی کے واسطے ہمیشہ سے تنخواہ میں جاگیریں مقرر ہیں۔ ان کی آمدنی اور کاموں میں بالکل نہیں صرف ہوتی۔ یہ تو مسلمانوں کے پانچ بادشاہوں کا حال ہے۔ ان کے علاوہ مسلمان سردار صاحب ملک و فوج اور بہت سے ہیں۔ جو خود مختار اور ذی اقتدار ہیں۔

ہندوؤں میں سب سے بڑا راجہ آج کل ایک بے جانگر والا ہے اور دوسرا رانا سانگا ہے۔ جس نے اپنی چالاکی اور جرات سے اقتدار حاصل کیا ہے۔ اس کا اصلی ملک بیتور ہے۔ مندو کے بادشاہوں کی کمزوری کے زمانہ میں رنتھنبور۔ رنگ پور پھلسا اور چندیری کے علاقے اس کے قبضہ میں آگئے۔ ۹۳۴ھ میں عنایت الٰہی سے چندیری کو جو کئی برس سے دارالحرب تھا رانا سانگا کے بڑے سردار میدانی راؤ حاکم چندیری سے دو گھڑی میں بزور شمشیر میں چھین لیا اور کفار کو قتل کر کے دارالسلام بنا دیا۔ چنانچہ اس کا مشرح ذکر آگے آئے گا۔ ان دونوں کے علاوہ ہندوستان میں رائے اور راجہ بتیرے ہیں۔ بعض تو مطیع الاسلام ہیں اور کچھ اس سبب سے کہ رستے دور ہیں اور ان کے مقامات مستحکم ہیں مسلمان بادشاہوں کی ذرا اطاعت نہیں کرتے۔ ہندوستان اقلیم اول دوم اور سوم میں ہے۔ اقلیم چہارم میں اس کی کوئی جگہ واقع نہیں ہے۔ یہ ایک اجنبی ملک ہے۔ ہماری ولایت سے دوسری دنیا ہے۔ پہاڑ' دریا' جنگل' جانور' نباتات' آدمی' زبان' ہوا اور مینہ سب اور ہے۔ اگرچہ کابل کے علاقہ جات میں سے گرم سیر ملک بعض چیزوں میں ہندوستان سے مشابہ ہے اور بعض میں نہیں ہے مگر دریائے سندھ کے ادھر آتے ہی زمین۔ دریا۔ درخت۔ پتھر۔ قومیں اور ان کی راہ و رسم سب ہندوستانی طریق کی۔

پربت کا حال :۔ شمال کی طرف دریائے سندھ کے پار ہوتے ہی سارے پہاڑ میں آبادی ہے اور وہ ملک کشمیر کے علاقہ میں گنا جاتا ہے جیسے پکلی اور سمنک وغیرہ کے علاقے۔ ان علاقوں میں سے اس زمانہ میں بہت سے علاقے گو کشمیر کے تعلق سے نکل گئے ہیں لیکن پہلے داخل کشمیر ہی تھے۔ کشمیر سے بنگالہ تک اس پہاڑ میں بڑا وسیع ملک

ہے۔ گاؤں کے گاؤں آباد ہیں۔ اور بے شمار قومیں ہیں۔ یہ پہاڑ سمندر کے کنارے پر ختم ہوتا ہے۔ بہت تحقیق و دریافت کیا پورا حال تو کوئی نہ کہہ سکا۔ ہاں اتنا بیان کیا کہ یہاں کی ساری مخلوق ہندوستانی ہے اور ان کو کس کہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اہل ہند شین کو سین بولتے ہیں۔ چونکہ اس پہاڑ میں بڑا شہر کشمیر ہے اور کشمیر کو کسمیر کہا کرتے ہیں اس لئے یہ پہاڑ کسیا میر مشہور ہے اور یہاں کے پہاڑی کس کہلاتے ہیں۔ کشمیر کے علاوہ اس پہاڑ میں کوئی اور بڑا شہر سننے میں نہیں آیا۔ اور عجب نہیں کہ اسی وجہ سے اس کو بھی کشمیر کہتے ہوں۔ اس پہاڑ کی اجناس مشک نافہ۔ قرناس۔ بحری۔ زعفران' سیسہ اور تانبا ہیں۔ ہندو اس کو سوالک پربت بھی کہتے ہیں۔ ہندوستان میں سو ربع کو لک سو ہزار کو اور پربت پہاڑ کو کہتے ہیں۔ یعنی سوا لاکھ پہاڑ۔ اس پہاڑ پر ہمیشہ برف رہتی ہے۔ ہندوستان کے بعض قطعات جیسے لاہور' سرہند اور ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے یہ پہاڑ سفید برف کا معلوم ہوتا ہے۔ کابل کے علاقہ میں اسی پہاڑ کا نام ہندوکش ہے۔ یہی پہاڑ کابل سے مشرق کی طرف مائل بہ جنوب چلا گیا ہے۔ اس پہاڑ کے جنوب میں سارا ہندوستان ہے اور شمال میں ملک تبت ہے۔ اس پہاڑ میں سے بہت سے دریا نکل کر ہندوستان میں بہتے ہیں۔

سرہند کے شمال میں چھ دریا ہیں۔ سندھ' چناب' راوی' بیاج اور ستلج۔ یہ سب دریا اس پہاڑ سے نکل کے ملتان کی نواح میں جمع ہوتے ہیں اور وہاں سے دریائے سندھ کے نام سے مشہور ہو کر مغرب کی طرف ملک ٹھٹھا میں بہتے ہوئے دریائے عمان میں جا گرتے ہیں۔ ان کے علاوہ جیسے جمنا' گنگا' رہپ' کودی' سرو' کندک اور بہت سی ندیاں اور دریا اسی پہاڑ سے نکل کر گنگا میں ملتے ہیں۔ اور گنگا کے نام سے مشرق کی جانب ملک بنگالہ میں بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں۔ غرض ان سارے دریاؤں کا منبع سوالک ہی ہے۔ اور بہت سے دریا ہیں جو وسط ہند کے پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ جیسے چنبل' بنارس' بن بوئی اور سون وغیرہم۔ یہ بھی گنگا کے ہمراہ ہو جاتے ہیں۔

پہاڑوں کا حال :۔ وسط ہند کے پہاڑوں پر برف نہیں پڑتی۔ ہندوستان میں بہت پہاڑ ہیں۔ ان میں سے ایک پہاڑ شمال سے جنوب میں جاتا ہے۔ یہ پہاڑ دلی کے علاقہ سے شروع ہوتا ہے۔ اس جگہ پتھریلی پہاڑی ہے جس پر سلطان فیروز شاہ کا محل موسوم بہ جہان نما بنا ہوا ہے۔ یہاں سے یہی پہاڑی دلی کی نواح میں جا بجا چھوٹی چھوٹی سنگین

پہاڑیوں کی صورت کا ہوتا ہوا ملک میوات میں جاتا ہے اور میوات میں بڑا ہو جاتا ہے۔ میوات سے بیانہ کے علاقہ میں جاتا ہے۔ سیکری' باڑی اور دھولپور کے پہاڑ اسی کی شاخیں ہیں۔ مگر مسلسل نہیں ہیں۔ گوالیار کا پہاڑ جس کو کالپور کہتے ہیں اسی پہاڑ کا شعبہ ہے۔ رنتھمبور۔ چتور۔ مندر اور چندیری کے پہاڑ بھی اسی کی شاخیں ہیں۔ ان میں کہیں کہیں سات آٹھ کوس کا فاصلہ ہو گیا ہے۔ یہ پہاڑ نیچے نیچے۔ ہموار اور پتھریلے ہیں اور ان میں جھاڑیاں ہیں۔ ان میں برف مطلق نہیں پڑتی۔ ہندوستان کے بعض دریا ان پہاڑوں سے بھی نکلتے ہیں۔ ہندوستان کے اکثر قطعات میدانوں اور ہموار زمینوں میں واقع ہیں۔ اتنے شہر اور مختلف ملک جتنے ہندوستان میں ہیں کسی ولایت میں نہیں ہیں۔ یہاں نہریں کہیں جاری نہیں ہیں۔ یہاں دریا بہتے ہیں۔ بلکہ بعض دریا بہت بڑے ہیں۔ کسی کسی شہر میں ایسا موقع بھی ہے کہ نہر جاری کی جائے اور وہاں نہر بھی لے آئے ہیں۔ اسی سبب سے وہاں کی زراعت اور باغات سرسبز رہتے ہیں۔ پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ خریف تو برسات ہی سے ہو جاتی ہے۔ یہ بڑی بات ہے کہ مینہ نہ بھی برسے تو بھی ربیع کی فصل ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے درختوں کی پودھ کو برس دو برس رہٹ سے یا چرس سے پانی دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ بڑے ہو گئے اور پھر پانی دینے کی احتیاج مطلق نہیں رہتی۔ البتہ ترکاریوں وغیرہ کو پانی دیتے رہتے ہیں۔

لاہور۔ دیپالپور اور سرہند وغیرہم کی نواح میں رہٹ سے پانی دینے کا دستور ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کنوئیں کے گہراؤ کے برابر رسی کے دو حلقے بناتے ہیں۔ ان دونوں میں لکڑیوں کے ٹکڑے یوں باندھتے ہیں کہ لکڑی کا ایک سرا ایک حلقہ کی رسی میں۔ دوسرا دوسرے کی رسی میں۔ ان لکڑیوں میں لٹیاں باندھ دیتے ہیں۔ ان لکڑیوں اور لٹیوں بندھے ہوئے حلقہ کو اس چرخ میں ڈال دیتے ہیں جو کنویں کے منہ پر ہوتا ہے۔ اس چرخ کے سرے پر ایک چرخی دندانہ دار ہوتی ہے۔ اس چرخی کے پاس اور چرخ دندانہ دار ہوتا ہے۔ جس کے دندانے چرخی کے دندانوں سے ٹکراتے ہیں۔ اور جس کا شہتیر سیدھا کھڑا ہوتا ہے۔ اس میں بیل جوتتے ہیں۔ جب بیل اس چرخ کو پھراتا ہے تو اس کے دندانے اس چرخی کے دندانوں سے ٹکرا کر اس کو چکر دیتے ہیں۔ چرخی کے چکر سے وہ حلقہ والا چرخ پھرتا ہے۔ اس کے پھرنے سے حلقہ کو گردش ہوتی ہے۔ حلقہ کی گردش سے لٹیاں اوپر نیچے آتی ہیں اور پانی گراتی ہیں۔ اس

جانوروں کا ذکر:۔ ہندوستان کے مخصوص چند جانوروں میں سے ایک ہاتھی ہے۔ ہاتھی کالپی کی سرحد کے قریب ہوتا ہے۔ جتنا مشرق کی جانب اوپر کو چلتے جاؤ اتنا ہی ملتا جائے گا۔ اسی جنگل میں سے ہاتھی پکڑے جاتے ہیں۔ آگرہ اور ناگپور کے علاقہ کے تیس چالیس گاؤں والوں کا یہی کام ہے۔ اگرچہ ہاتھی بڑے جسم کا جانور ہے مگر ایسا سدھ جاتا ہے کہ جو کہو وہ کرتا ہے۔ ہاتھی کی قیمت اس کے چھوٹے بڑے ہونے پر مقرر ہے۔ جیسا ہاتھی ویسی قیمت۔ جتنا بڑا ہوگا اتنی قیمت زیادہ ہوگی۔ یہاں تو چار گز سے زیادہ اونچا دیکھنے میں نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ اور جزیروں میں بھی ہاتھی ہوتا ہے اور بڑے قد کا ہوتا ہے۔ باقی سونڈ کے ذریعہ سے کھاتا پیتا ہے۔ اس کے منہ میں اوپر کی جانب دو بڑے دانت باہر نکلے ہوتے ہیں۔ ان دانتوں سے وہ دیواروں اور درختوں کو زور دے کر گرا دیتا ہے۔ ان ہی دانتوں سے حرب اور ضرب کا کام لیتا ہے۔ ہاتھی دانت بھی ان سے ہی مراد ہے۔ ہندوستانی ان دانتوں کی بہت قدر کرتے ہیں۔ اور جانوروں کی طرح ہاتھی کے جسم پر بال اور پشم نہیں ہوتی۔ ہندوستانیوں کے نزدیک ہاتھی بڑی عزت کی چیز ہے۔ ہر سردار کے لشکر میں کئی کئی ہاتھی ہوتے ہیں۔ ہاتھی کام بھی بہت دیتا ہے۔ بڑے بڑے پاٹ دار اور تیزی سے بہتے ہوئے دریاؤں سے ڈھیروں اسباب پیٹھ پر لاد کر آسانی سے پار لے جاتا ہے۔ جس چھکڑے کو چار پانچ سو آدمی کھینچ سکیں اس کو دو تین ہاتھی بے تکان کھینچ لے جاتے ہیں۔ البتہ پیٹ اس کا بہت بڑا ہوتا ہے۔ وہ تین چار اونٹوں کا دانہ اکیلا چٹ کر جاتا ہے۔

ایک جانور گینڈا ہے۔ یہ بھی بڑا جانور ہے۔ دو تین بھینسوں کے برابر موٹا ہوتا ہے۔ دوسرے ملکوں میں مشہور ہے کہ گینڈا ہاتھی کو اپنے سینگ سے اٹھا لیتا ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اس کے ماتھے پر ایک سنگ بالشت بھر سے کچھ زیادہ کا ہوتا ہے۔ دو بالشت کا نہیں دیکھا۔ ایک بڑے سینگ سے آبخورے کی کشتی اور طاس بنا۔ شاید کسی سے تین چار کشتیاں بھی بن جائیں۔ گینڈے کی کھال بہت دبیز ہوتی ہے۔ اگر کڑی کمان کو اتنا کھینچ کر کہ بغل کھل جائے تیر مارا جائے تو تین چار انگل تیر گھس جائے۔ مشہور ہے کہ بعض جگہ اس کی کھال میں تیر اچھی طرح گھس جاتا ہے۔ اس کے دونوں کاندھوں کے اور دونوں رانوں کے کنارے خالی ہوتے ہیں۔ دور سے وہ مثل پردے کے نظر آتی ہیں۔ اور حیوانوں کی نسبت گھوڑے سے اور اس میں مشابہت ہے۔ جیسا گھوڑے

کا پیٹ چھوٹا ہے ویسا ہی اس کا پیٹ چھوٹا ہے۔ جس طرح گھوڑے کی گاچی میں ایک ہڈی ہوتی ہے اسی طرح اس کے ہوتی ہے۔ گھوڑے کے ہاتھوں میں بھی گٹے ہوتے ہیں اس کے بھی ہوتے ہیں۔ ہاتھی سے یہ زیادہ درندہ ہوتا ہے۔ ہاتھی کے برابر فرماں بردار بھی نہیں ہوتا۔ گینڈا پشاور اور ہشتنغر کے جنگلوں میں بہت ہوتا ہے۔ اور دریائے سرود کے جنگل میں بھی ہوتا ہے۔ ہندوستان پر جب یورشیں کی ہیں تو پشاور اور ہشتنغر کے جنگلوں میں دیکھا ہے۔ وہ اکثر سینگ مارتا ہے۔ شکاروں میں بہتوں کے سینگ مارے ہیں۔ ایک شکار میں مقصود چرہ کے گھوڑے کو ایسا سینگ مارا کہ وہ ایک تیر کے برابر اچھل کر گر پڑا۔ اسی سے اس کا نام گینڈا رکھا۔

ایک بڑا جانور بھینسا ہوتا ہے۔ اس کے سینگ معمولی بھینس کی طرح پیچھے کو الٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ مگر چپکے ہوئے نہیں ہوتے طاقت دار اور مرکھنا جانور ہے۔ ایک نیل گائے ہے۔ گھوڑے کے برابر قد۔ مگر جسم اس سے دبلا پتلا۔ اس کا سر بالکل نیلا ہوتا ہے۔ اور مادہ بارہ سنگے کے رنگ کی ہوتی ہے۔ گردن میں بالشت بھر سے زیادہ لمبے تھوڑے سے بال ہوتے ہیں۔ آواز قوناش جیسی ہوتی ہے۔ گائے کا سا کوہان ہوتا ہے۔ ایک کوتہ پا ہے۔ یہ سفید ہرن کے برابر ہوتا ہے۔ چاروں ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کو کوتہ پا کہتے ہیں۔ اس کے سینگ بارہ سنگے کی طرح شاخ دار ہوتے ہیں۔ لیکن چھوٹے چھوٹے۔ بارہ سنگے کی طرح اس کے سینگ بھی ہر سال جھڑتے ہیں۔ یہ بہت دوڑتا نہیں۔ اسی باعث سے جنگل کے باہر نہیں نکلتا۔ ایک قسم کا ہرن مونہ زجران جیسا ہوتا ہے۔ اس کی پیٹھ کالی ہوتی ہے۔ اور پیٹ سفید ہوتا ہے۔ مونہ کے سینگ سے اس کا سینگ زیادہ لمبا اور سخت ہوتا ہے۔ ہندوستانی اس کو کلہرہ کہتے ہیں۔ اصل میں کالا ہرن ہے۔ تخفیف کر کے کلہرہ کر دیا۔ اس کی مادہ سفید رنگ کی ہوتی ہے۔ اس کلہرہ کو پال کر اس سے جنگلی کلہرہ پکڑتے ہیں۔ پکڑنے کی ترکیب یہ ہے کہ پلے ہوئے ہرن کے سینگ میں ایک جال کا حلقہ مضبوط باندھتے ہیں اور گیند سے بڑا پتھر پاؤں میں باندھ کر لٹکا دیتے ہیں۔ جب اس کو چھوڑ دیتے ہیں تو وہ کہیں جا نہیں سکتا۔ پھر جنگلی کلہرہ کو جہاں دیکھتے ہیں اس پر اس کو چھوڑتے ہیں۔ یہ قسم لڑاکا بہت ہے۔ فوراً دونوں سینگوں سے لڑنے لگتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دھکیلتا ہے۔ اس دھکا پیلی میں جنگلی ہرن کا سینگ اس جال کے حلقہ میں پھنس جاتا ہے جو

خانگی ہرن کے سینگ میں بندھا ہوا ہوتا ہے۔ اب اگر جنگلی ہرن بھاگنا چاہتا ہے تو نہیں بھاگ سکتا۔ غالباً" وہ پتھر نہیں بھاگنے دیتا جس کو خانگی ہرن کے پاؤں باندھا ہے۔ اس ڈھنگ سے بیسیوں ہرن پکڑے جاتے ہیں۔ پکڑے ہوؤں کو سدھاتے ہیں۔ پھر ان سے اور پکڑتے ہیں۔ ان سدھے ہوئے ہرنوں کو گھروں میں بھی لڑاتے ہیں۔ یہ خوب لڑتے ہیں۔

پہاڑوں کے دامنوں میں ایک چھوٹا ہرن ہوتا ہے۔ بڑے سے بڑا ایک سالہ بوقلی کے برابر ہو گا۔ اس کا گوشت بڑا ہی ملائم اور مزہ کا ہوتا ہے۔ ایک گائے ہوتی ہے چھوٹی۔ بہت بڑی ہو تو ولایت کے تو چقار کے برابر ہوتی ہے۔ ایک جانور میمون ہے۔ ہندوستانی اس کو بندر کہتے ہیں یہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے جس کو ان ملکوں میں لے جاتے ہیں اور وہاں کے بازی گر اس کو ناچنا اور تماشے کرنا سکھاتے ہیں۔ یہ قسم درۂ نور کے پہاڑوں میں۔ درۂ خیبر کے پہاڑوں کے دامنوں میں اور ادھر تمام ملک ہند میں ہوتی ہے۔ ان مقاموں سے اوپر مقاموں میں نہیں ہوتی اس کے بال زرد ہیں۔ منہ سفید ہے۔ دم بہت لمبی نہیں ہوتی۔ ایک قسم کا بندر ہے جو بجور اور اس کے نواح میں نہیں نظر آتا ہے۔ یہ قسم اس قسم سے جسے ولایت میں لے جاتے ہیں۔ بہت بڑی ہے۔ اس کی دم بڑی لمبی ہوتی ہے۔ بال سفید ہوتے ہیں اور منہ بالکل سیاہ ہوتا ہے۔ اس کو لنگور کہتے ہیں۔ ہندوستان کے پہاڑوں اور پہاڑی جنگلوں میں یہ کثرت سے ہوتا ہے ایک قسم ہے کہ اس کے بال سارے اعضاء اور منہ کالا ہی ہے۔ اس قسم کے بندر بعض جزائر سے آتے ہیں۔ ایک اور قسم کا جزائر میں ہوتا ہے جس کا رنگ زرد نیلاہٹ لئے ہوئے پوستین جیسا ہوتا ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ ہروقت خر خر کرتا رہتا ہے۔ کبھی چپکا نہیں رہتا۔

ایک جانور نیولا ہے چھوٹے کیس سے چھوٹا۔ درخت پر چڑھ جاتا ہے۔ بعض اس کو موش خرما کہتے ہیں۔ اور اس کو مبارک سمجھتے ہیں۔ ایک جانور ہے چوہے جیسا اس کا نام گلہری ہے۔ یہ ہمیشہ درختوں پر رہتا ہے۔ درختوں پر عجب پھرتی سے چڑھتا اترتا ہے۔ پرندہ جانوروں میں مور ہے۔ نہایت رنگین اور زینت دار۔ اس کا ڈیل ڈول اس کے رنگ اور زینت کے لائق نہیں ہے۔ جسم کلنگ کے برابر ہوتا ہے۔ مگر قد کلنگ سے ٹھنگنا۔ نر کے سر پر دو تین انگل اونچی کئی پروں کا تاج ہوتا ہے۔ مادہ کے سر

پر تاج نہیں ہوتا اور نہ وہ خوبصورت ہوتی ہے۔ نہ اس کے پر رنگین ہوتے ہیں۔ نر کا سوسنی اور چمکتا ہوا رنگ ہوتا ہے۔ گردن نیلی خوش رنگ۔ گردن سے نیچے پشت ساری زرد اور نیلی ہوتی ہے۔ دم پر منقش ہوتے ہیں۔ پشت کے گل چھوٹے چھوٹے پیٹھ سے دم کے آخر تک رنگین اور منقش بڑے بڑے گل ہوتے ہیں۔ بعض مور سر سے دم تک آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے۔ ان منقش اور گل دار دم کے پروں سے نیچے چھوٹے چھوٹے پر اور جانوروں کی دم جیسے بھی ہوتے ہیں۔ یہ دم کے چھوٹے پر اور بازو سرخ ہوتے ہیں۔ بجور اور اس سے نیچے کے ملکوں میں یہ جانور ہوتا ہے۔ اوپر کی جانب لمغانات وغیرہ میں نہیں ہوتا۔ ہریل سے اس کی اڑان بہت کم ہے۔ دو ایک بار سے زیادہ نہیں اڑ سکتا۔ اسی کم پروازی کے سبب سے اکثر پہاڑوں میں رہتا ہے۔ جب آدمی کے قد کے برابر اس جھاڑی سے اس جھاڑی تک چلتا ہو تو بھیڑیئے سے کیونکر بچ سکتا ہے۔ ہندوستانی اس کو مور کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کوفی کے مذہب میں حلال ہے۔ اس کا گوشت مزے کا ہوتا ہے۔ تیتر کے گوشت جیسا تو ہوتا ہے مگر اونٹ کے گوشت کی طرح ذرا کراہیت سے کھایا جاتا ہے۔

ایک طوطی ہے۔ موسم بہار میں جب شہتوت پکتا ہے تو نیک نہار اور لمغانات میں یہ جانور آجاتا ہے۔ پھر نظر نہیں آتا۔ طوطی کئی قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قسم ہے کہ اس کو وہاں والے پالتے ہیں اور بولیاں سکھاتے ہیں۔ دوسری قسم کا طوطی اس سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کو بھی بولیاں سکھاتے ہیں۔ اس کو جنگلی کہتے ہیں۔ یہ قسم بجور اور سوات کی نواح میں بہت ہے۔ پانچ پانچ چھ چھ ہزار کے جھلڑ جا بجا اڑتے پھرتے ہیں۔ ان کے اور ان کے جسم میں فرق ہے اور رنگ ایک سا ہے۔ ایک اور قسم کا طوطی ہوتا ہے جو اس جنگلی طوطی سے چھوٹا ہے۔ اس کا سر لال ہوتا ہے اور پر بھی سرخ ہوتے ہیں۔ یہ طوطی بولیاں نہیں بولتا۔ اس کو طوطی کشمیر کہتے ہیں ایک قسم کا طوطی جنگلی طوطی سے کسی قدر چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی چونچ سرخ ہوتی ہے۔ جو بولی سکھاؤ سیکھ جاتا ہے۔ میں نے غور سے دیکھا کہ طوطی اور مینا کو جو بولی سکھا دو وہ بولنے لگتے ہیں۔ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کر سکتے۔ ابو القاسم جلائر نے جو میرے مصاحبوں میں سے ہے ان ہی دنوں میں ایک عجیب ذکر کیا کہنے لگا۔ "میرے پاس اسی قسم کا طوطی تھا۔ پنجرے پر میں نے بسنتی باندھ رکھی تھی۔ طوطی نے کہا اس کو اتار ڈالو۔ میں

نے اسی وقت بستنی اتار ڈالی پھر ایک بار اس کا پنجرا دریا پر کھول دیا تھا۔ رستہ چلنے والے چلے جاتے تھے۔ طوطی نے کہا۔ لوگ جاتے ہیں یہ نہیں جاتے"۔ دروغ برگردن راوی۔ گو وہ بیان کرتا تھا مگر جب تک اپنے کانوں سے نہ سن لیں یقین نہیں ہوتا۔ ایک قسم کا طوطی ہوتا ہے نہایت شوخ رنگ۔ سرخ رنگ کے علاوہ اور رنگ بھی ہوتے ہیں۔ اس کی پوری ہیئت مجھے یاد نہیں۔ اسی سبب سے اس کا مفصل حال نہیں لکھا۔ یہ طوطی خوبصورت بہت ہوتا ہے۔ باتیں بھی کرتا ہے۔ اتنا عیب ہے کہ آواز بھونڈی ہے۔ ایسی ہے جیسے چینی کے ٹکڑے کو تانبے کے برتن پر گھسیٹنے سے آواز نکلتی ہے۔

ایک جانور مینا ہے۔ لمغانات میں مینا بہت ہوتی ہے۔ اس سے نشیبی ملک میں جو ہندوستان ہے کثرت سے ہے۔ یہ کئی قسم کی ہوتی ہے۔ ایک قسم ہے کہ اس کا سر سیاہ اور کچھ پر سفید ہیں۔ جثہ حل یک چڑی سے بڑا ہے۔ باتیں دیر میں سیکھتی ہے۔ ایک اور قسم کی ہوتی ہے۔ اس کو بنداوی کہتے ہیں۔ بنگالہ میں ہوتی ہے۔ اس کا رنگ کالا ہوتا ہے۔ جسم یہاں کی مینا سے چھوٹا چونچ اور پاؤں زرد۔ دونوں کانوں میں پردے لٹکے ہوئے ہوتے ہیں جو بدنما ہوتے ہیں۔ اس کو بنگالے کی مینا کہتے ہیں۔ باتیں خوب بناتی ہے۔ فصیح ہوتی ہے۔ ایک اور قسم کی مینا ہوتی ہے مذکورۂ بالا میناؤں سے ذرا نازک۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوتی ہیں۔ یہ باتون نہیں ہوتی۔ ان دنوں میں میں نے گنگا کا پل بندھوا کر مخالفوں کو بھگایا اور لکھنؤ اور اودھ میں آیا تو یہاں ایک طرح کی مینا دیکھی جس کا سینہ سفید۔ سر ابلق اور پیٹ سیاہ ہے۔ اس قسم کی مینا پہلے نہ دیکھی تھی۔ غالباً" یہ باتیں کرنی نہیں سیکھتی۔ ایک جانور نوحہ ہے۔ اس کو بوقلمون بھی کہتے ہیں۔ سر سے دم تک پانچ چھ طرح کے صاف رنگ ہوتے ہیں۔ ایسے جیسے کبوتر کی گردن۔ قد و قامت کبک دری کے برابر۔ عجب نہیں کہ ہندوستان کی کبک دری یہی ہو۔ جس طرح کبک دری پہاڑوں پر پھرتی ہے۔ یہ بھی پہاڑوں کی چوٹیوں پر پھرا کرتی ہے۔ یہ جانور کابل کے علاقوں میں بجراو اور اس کے نیچے کے تمام پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ اوپر کی طرف نہیں ہوتا۔ اس کا عجیب حال سننے میں آیا ہے۔ کہتے ہیں کہ جب جاڑا پڑتا ہے تو پہاڑ کے دامنوں میں یہ آجاتا ہے ہنکانے سے یا اڑانے سے اتنا بھی اس سے نہیں اڑا جاتا کہ انگور کے درختوں پر سے اڑ جائے۔ آخر لوگ پکڑ لیتے ہیں۔ اس کا گوشت حلال

ہے اور مزے دار ہے۔

ایک جانور تیتر ہے۔ ہندوستان ہی کے ملک پر منحصر نہیں بلکہ سب گرم سیر ولایتوں میں ہوتا ہے۔ البتہ بعض قسم کا تیتر سوائے ہندوستان کے دوسری ولایتوں میں نہیں ہوتا۔ اس واسطے اس کا بیان یہاں لکھا گیا۔ اس کا قد کلنگ یعنی کبک کے برابر ہوتا ہے۔ پیٹھ کے پروں کا رنگ جنگلی مرغ جیسا۔ گردن سینہ کلا۔ اس پر سفید چتیاں۔ دونوں آنکھوں کے دونوں طرف سرخ ڈورے پڑے ہوئے۔ ایک طرح کی فریاد کرتا رہتا ہے۔ اس کی آواز سے یہ الفاظ نکلتے ہیں۔ "سردارم شکرک" استر آباد وغیرہ کے تیتر کے بولنے میں یہ لفظ معلوم ہوتے ہیں۔ "بے توتی لار" عرب کے تیتر "بالشکر تدوم النعم" کہا کرتے ہیں۔ اس کا مادہ رنگ ہریل جیسا ہوتا ہے۔ یہ جانور بجزاو سے نشیبی ملکوں میں ہوتا ہے۔ ایک قسم کا تیتر ہوتا ہے۔ اس کو کنجل کہتے ہیں۔ معمولی تیتر کے برابر جسم میں۔ آواز کبک کی آواز میں ملتی جلتی ملک کبک کی آواز سے بھاری۔ اس کی مادہ اور نر کے رنگ میں یوں ہی سا فرق ہوتا ہے۔ پشاور۔ ہشتنغر اور ان سے نشیبی ملکوں میں ہوتا ہے۔ بالائی ملکوں میں نہیں ہوتا۔ ایک جانور یل بکار ہے۔ جسم اور رنگ مرغی کا سا۔ ماتھے سے سینہ تک سرخ رنگ۔ یہ جانور ہندوستان کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔ ایک جنگلی مرغی ہوتی ہے۔ اس میں اور خانگی مرغی میں اتنا ہی فرق ہے کہ یہ ہریل کی طرح پرواز کرتی ہے۔ ایک خانگی مرغی ہوتی ہے۔ ہر رنگ کی۔ یہ مرغی بجور اور لمان کے پہاڑوں سے نیچے اور اوپر کے ملکوں میں نہیں ہوتی۔ ایک جانور ہے ملیکار جیسا۔ مگر ملیکار اسے بہت خوش رنگ ہوتا ہے۔ یہ بھی بجور کے کوہستان میں ہوتا ہے۔ ایک شام جانور ہے مرغ خانگی کے برابر اس کا رنگ ایکساں ہے۔ بجور کے پہاڑوں میں ہوتا ہے۔

ایک جانور پودنہ ہے۔ پودنہ اور ملکوں میں بھی ہوتا ہے مگر چار پانچ قسم کا خصوصاً" ہندوستان میں ہوتا ہے۔ ایک قسم جس کو اور ملکوں میں لے جاتے ہیں۔ اس قسم کا پودنہ بڑا اور موٹا تازہ ہوتا ہے۔ ایک قسم کا پودنہ اس سے چھوٹا ہے۔ اس کے پروں اور دم کا رنگ لال ہوتا ہے۔ خرچل کی طرح اڑتا ہے۔ ایک اور قسم کا پودنہ ہے جو ولایت جانے والے پودنہ سے بہت چھوٹا ہے۔ اس کے سینے اور گردن میں سیاہی زیادہ ہے۔ ایک پودنہ ہے' وہ کابل کم جاتا ہے۔ یہ بھی چھوٹا سا ہوتا ہے۔ قارچہ سے

کچھ بڑا' کابل میں اس کو قوراتو کہتے ہیں۔ ایک جانور خرچل ہے بڑے سے بڑا بوغداق کے برابر۔ کیا عجب ہے کہ یہ ہندوستان کا بوغداق ہو۔ اس کا گوشت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ کسی کی صرف ران کا اور کسی کے تمام اعضاء کا گوشت لذیذ ہوتا ہے۔ ایک جانور حرر ہے۔ اس کا جسم توغدری سے ذرا ویلا ہوتا ہے۔ نر کی پیٹھ تو غداق جیسی ہوتی ہے۔ اس کا سینہ کالا ہے۔ مادہ ایک رنگ ہوتی ہے۔ حرر کا گوشت بھی مزے کا ہوتا ہے۔ جیسا خرچل توغداق کا مشابہ ہے ویسا صرر توغدری سے مشابہ ہے۔ ایک جانور باغری قرائے ہندوستان ہے۔ یہ ولایت کے باغری قرا سے چھوٹا اور پتلا ہے۔ اور جانور ہیں جو دریا کے کنارے پر رہتے ہیں۔ ان میں سے ایک ونگ ہے۔ یہ جسیم جانور ہے۔ اس کے پر و بال آدمی کے قد کے برابر ہوتے ہیں۔ اس کے سر اور گردن پر پر نہیں ہوتے۔ گردن میں ایک تھیلی سی لٹکتی ہوتی ہے۔ پیٹھ کا رنگ کالا اور سفید ہے۔ یہ جانور کابل میں بھی آجاتا ہے۔ ایک سال لوگ پکڑ لائے تھے۔ خوب سدھ گیا تھا۔ گوشت کی بوٹی کو پھینکتے تھے تو جھٹ چونچ سے لپک لیتا تھا۔ ایک دفعہ چھ نعلی جوتی لے اڑا تھا۔ اک دفعہ ایک جنگلی مرغ کو پروں سمیت نگل گیا تھا۔

ایک جانور سارس ہے جتنا ہندوستان میں ہوتا ہے کہیں نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں ... سے کسی قدر یہ چھوٹا ہے۔ اس کو پالا کرتے ہیں۔ خوب ہل جاتا ہے۔ ایک ... لکسار ہے۔ قد سارس کے برابر اور جسم اس سے چھوٹا۔ جسم لکلک جیسا مگر اس سے بہت بڑا۔ چونچ لکلک سے بڑی اور کالی۔ سرسوئی' گردن سفید' بازو اور پروں کے کنارے ابلق ہوتے ہیں۔ ایک جانور لکلک کی قسم ہے۔ اس کی گردن سفید۔ اس کا سر اور سب اعضاء کالے ہیں۔ اس کو غیر ملکوں میں لے جاتے ہیں۔ لکلک سے یہ بہت چھوٹا ہے۔ اس کو ہندوستانی یک و بیک کہتے ہیں۔ لکلک دوسرا جانور ہے۔ جس کا رنگ اور وضع اس لکلک سے یہ چھوٹا ہے۔ ایک اور جانور ہے جو بگلے اور لکلک دونوں سے مشابہ ہے۔ اس کی چونچ بگلے سے بڑی اور لمبی اور جسم لکلک سے چھوٹا ہے۔ ایک جانور برک کلاں ہے۔ بڑائی میں سار کے برابر۔ اس کی پیٹھ بازوؤں سے اونچی ہوتی ہے۔ ایک برک کلاں ہے۔ اس کا سر سفید۔ بازو سیاہ۔ اس کو بھی اور ملکوں میں لے جاتے ہیں۔ ہندوستان کے برک سے یہ چھوٹا ہوتا ہے۔

ایک مرغابی ہے جس کو مرغیائی کہتے ہیں یہ سونہ پوچین سے بڑی۔ اس کو نر و

مادہ کا ایک رنگ ہے۔ بشتغر میں تو یہ ہمیشہ ہوتی ہے اور لمغانات میں کبھی چلی جاتی ہے۔ برک سے بہت اونچی ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کی برک سے بہت چھوٹی۔ اس کی ناک اونچی ہوتی ہے۔ اور ہندوستان کی برک سے بہت چھوٹی۔ اس کی ناک اونچی۔ سینہ سفید۔ پیٹھ کالی اور گوشت مزے کا ہے۔ ایک رم ہے۔ لور کوٹ کے برابر ہوتا ہے اور رنگ کالا۔ ایک سارادور ہے۔ اس کی پیٹھ اور دم سرخ ہے۔ ایک الہ قرغہ ہند ہے۔ اس ولایت کے الہ قرغہ سے بہت دبلا پتلا۔ گردن میں ذرا سفیدی ہوتی ہے۔ ایک اور جانور ہے یراغ ۔ عکہ جیسا۔ لمغانات میں اس کو مرغ جنگل کہتے ہیں۔ اس کا سینہ اور سر سیاہ۔ بازو اور دم بہت سرخ ہے۔ اس میں اڑان کم ہے۔ اسی لئے جنگل سے کم نکلتا ہے۔ اور اسی سبب سے اس کو مرغ جنگل کہتے ہیں۔ ایک بڑی شپرہ ہے جس کو چگلوڑ کہتے ہیں۔ ایک اور چگلوڑ پایا لاغ کے برابر ہوتی ہے۔ اس کا سر سور اور کتے کے سر جیسا ہوتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ جس درخت میں یہ رہتی ہے اس کی شاخ میں الٹی لٹکتی ہے۔ ایک جانور ہندوستان کا عکہ ہے۔ اس کو نیا کہتے ہیں۔ عکہ سے کچھ چھوٹا عکہ سیاہ اور سفید رنگ کا ابلق ہوتا ہے۔ نیا ٹکیجے اور سیاہ رنگ کی ابلق ہے۔ ایک جانور اور ہے ارک۔ سادہ اور لاغ مولہ کے برابر۔ اس کو مولہ کہتے ہیں۔ خوش رنگ سرخ ہے۔ بازو کے پر کسی قدر سیاہی لئے ہوئے۔ ایک جانور کرکرچہ ہے قالد غاج فرا سے بہت مشابہ۔ مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ ایک رنگ کالا ہے۔ ایک جانور کوئل ہے۔ لمبان میں کوے کے برابر۔ کوے سے بہت دبلی۔ بولتی خوب ہے۔ گویا بلبل ہندوستان یہی ہے۔ ہندوستانی اس کو بلبل سے کم نہیں سمجھتے۔ جن باغوں میں درخت بہت ہوتے ہیں ان میں رہتی ہے۔ ایک جانور ہے شقراق جیسا درختوں پر چمٹا رہتا ہے۔ شقراق ہی کے برابر بڑا ہوتا ہے۔ طوطی کا سا سبز رنگ۔

آبی جانور:۔ آبی جانوروں میں ایک شیرابی ہے۔ جس کا گزر بڑے بڑے دریاؤں پر رہتا ہے۔ کیلس کی سی صورت ہوتی ہے۔ کہتے ہیں کہ آدمی بلکہ بھینسے کو بھی پکڑ لیتا ہے۔ ایک سیار ہے۔ اس کی وضع بھی کیلس جیسی ہوتی ہے۔ یہ ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے۔ اس کو پکڑ لائے تھے۔ چار پانچ گز لمبا تھا۔ اس سے بھی لمبا ہوتا ہے۔ اس کی تھوتھنی آدھ گز سے زیادہ لمبی تھی۔ اوپر اور نیچے کے جبڑے میں مہین مہین دانتوں کی قطار ہوتی ہے۔ دریا کے کنارہ پر پڑا انڈا کرتا ہے۔ ایک دریائی سور

ہے۔ یہ بھی ہندوستان کے سب دریاؤں میں ہوتا ہے۔ اس کو پکڑ کر لائے تھے۔ چار پانچ گز کا لمبا ہو گا۔ اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی تھوتھنی آدھ گز کے قریب دفعتہ" پانی سے باہر نکلتی ہے۔ سر پانی سے باہر نہیں ہوتا کہ پھر پانی میں چلی جاتی ہے۔ اس کی دم باہر دکھائی دیتی رہتی ہے۔ اس کا جبڑا بھی سیسار کے جبڑے کے برابر لمبا ہے اور اسی طرح دانتوں کی قطاریں ہیں۔ ایک جانور تتہ ہے مچھلی جیسا۔ آپس میں کھیلتے وقت ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسے مشک۔ آبی سور جو دریائے سرود میں ہوتے ہیں وہ تو پھیلتے وقت دریا سے باہر آجاتے ہیں۔ یہ مچھلی کی طرح دریا ہی میں رہتا ہے۔

ایک جانور گریال (گھڑیال) ہے۔ یہ بہت بڑا ہے دریائے سرود میں ہمارے لشکر میں سے بہت لوگوں نے اس کو دیکھا ہے۔ یہ آدمی کو پکڑ لیتا ہے۔ جب ہم دریائے سرود کے کنارے پر خیمہ زن تھے تو دو ایک آدمیوں کو اس نے پکڑ لیا تھا۔ غازی پور اور بنارس کے درمیان میں بھی لشکر کے تین چار آدمی پکڑ لئے تھے۔ میں نے اسی نواح میں گھڑیال کو دور سے دیکھا ہے۔ لیکن اچھی طرح تمیز نہیں ہوئی۔ ایک ککلہ ماہی ہے۔ اس کے دونوں کانوں کے پاس دو ہڈیاں انگلی بھر کی نکلی ہوئی ہوتی ہیں۔ اس کو پکڑو تو دونوں ہڈیوں کو ہلاتا ہے۔ جس سے نئی طرح کی آواز نکلتی ہے شاید اسی وجہ سے لوگ اس کو ککلہ کہتے ہوں۔ ہندوستان کی مچھلیوں کا گوشت بڑا لذیذ ہوتا ہے۔ کانٹے بھی کم ہوتے ہیں۔ بڑی چالاک مچھلیاں ہیں۔ ایک بار ایک دریا میں دونوں طرف جال ڈالے۔ جال ہر طرف دریا سے گز بھر اونچے تھے۔ مچھلیاں جال سے گز گز بھرا اچھل کر نکل گئیں۔ ہندوستان کے بعض دریاؤں میں چھوٹی مچھلیاں بھی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی دھماکا ہو یا پاؤں گھنگھولنے کی آواز ہو تو ایک بار آدھ گز پانی سے اچھل جاتی ہیں۔ ایک جانور مینڈک ہے۔ یہاں کے مینڈک پانی میں سات آٹھ گز دوڑتے ہیں۔

نباتات :۔ ہندوستان کے خاص میووں میں سے ایک انبہ ہے۔ اکثر ہندوستانی اس کی بے کو ساکن بولتے ہیں۔ چونکہ وہ تلفظ برا معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے بعض اس کو نغزک کہتے ہیں چنانچہ امیر خسرو فرماتے ہیں۔

نغزک ما نغز کن بوستان
نغز تریں میوۂ ہندوستاں

اس میں خوشبو ہوتی ہے اور یہ خود رو بھی ہوتا ہے۔ مگر خود رو عمدہ نہیں ہوتا۔

اکثر کچی کیریاں توڑ لیتے ہیں اور پال ڈال کر پکاتے ہیں۔ گدری کیریاں ترشی لئے ہوتی ہیں۔ گدری کیریوں کا مربہ خوب بنتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ آم ہندوستان کے عمدہ میووں میں سے ہے۔ اس کا درخت بہت بڑھتا ہے۔ بعض تو آم کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ سوائے خربوزہ کے سب میووں سے بہتر کہتے ہیں۔ ایسا تو نہیں ہے ہاں شفتالوے کاردی سے ملتا جلتا ہے۔ برسات کے موسم میں پکتا ہے۔ اس کو ایک تو اس طرح کھاتے ہیں کہ نیچے کی طرف کو پلپلاتے ہیں۔ پھر اس کے منہ میں سوراخ کرتے ہیں اور رس چوستے ہیں۔ دوسرے یوں کھاتے ہیں کہ شفتالوے کاروی کی طرح پوست کو علیحدہ کر کے کھاتے ہیں۔ اس کا پتا شفتالو کے پتے سے کچھ کچھ مشابہ ہے۔ تنا بے ہنگم اور بے ڈول ہوتا ہے۔ بنگالہ اور گجرات میں اس کی کثرت ہے۔ ایک میوہ کیلا ہے۔ جس کو اہل عرب موز کہتے ہیں۔ اس کا درخت بہت اونچا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس ڈھنگ کا ہوتا ہے کہ جس کو درخت نہیں کہہ سکتے۔ گویا گھاس اور درخت کے بین بین میں ایک چیز ہے۔ پتا امان قرا کے پتے کی صورت کا ہوتا ہے۔ مگر کیلے کا پتا تقریباً دو گز لمبا ہوتا ہے اور ایک گز چوڑا پتے اور درخت کے بیچ میں سے ایک شاخ دل کی شکل کی نکلتی ہے۔ اس شاخ کے منہ پر غنچہ ہوتا ہے۔ اس غنچہ کی وضع بکرے کے دل جیسی ہوتی ہے۔ غنچہ کی جو پنکھڑی کھلتی ہے اس کی جڑ میں سے چھ سات کلیوں کی قطار پھوٹتی ہے۔ یہی کلیاں کیلا ہو جاتی ہیں۔ جو شاخ دل کی صورت کی تھی وہ پریشان ہو جاتی ہے۔ اور اس بڑے غنچے کی پنکھڑیاں کھل کر کیلے کی گیل بن جاتی ہے۔ کیلے میں دو لطافتیں ہیں ایک یہ کہ اس کا چھلکا آسانی سے اتر ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے اندر بیج یا اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔ کیلا بیگن سے لمبا اور پتلا ہوتا ہے۔ میٹھا خوب ہوتا ہے۔ بنگالے کے کیلے بہت ہی میٹھے ہوتے ہیں اس کا درخت بھی خوش نما ہوتا ہے۔ اس کے چوڑے چوڑے اور ہرے ہرے پتے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

ایک املی ہے۔ خرمائے ہندی اسی کو کہتے ہیں۔ اس کے پتے میں چھوٹی چھوٹی پتیاں ہوتی ہیں۔ کسی قدر یویا کے پتے سے چھوٹے ہیں۔ درخت بہت خوبصورت ہے گھن کا ہے اور بڑھتا بھی بہت ہے۔ ایک مہوہ ہے۔ اس کا درخت خوش نما اور سایہ دار ہے۔ ہندوستانیوں کے مکانوں میں اکثر مہوہ کی لکڑی کام آتی ہے۔ مہوہ کے پھولوں کا عرق کھینچتا ہے۔ اس کے پھول کو مویز کی طرح سکھا کر کھاتے ہیں اور اس کا عراق

بھی کھینچتے ہیں۔ کشمش جیسا ہو جاتا ہے۔ مزہ بھی برا نہیں ہوتا۔ اور بو بھی اچھی ہوتی ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ کھا سکتے ہیں۔ مہو جنگلی اور بستانی دونوں طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کھرنی ہے۔ اس کا درخت اگر بہت اونچا نہیں ہوتا تو چھوٹا بھی نہیں ہوتا۔ اس کا پھل زرد ہوتا ہے۔ سنجد سے پتلا ہوتا ہے۔ مزہ کچھ انگور میں ملتا ہے۔ آخر میں ذرا کسیلا پن ہوتا ہے۔ غرض برا نہیں ہے کھا سکتے ہیں۔ اس کا پوست چمٹا ہوا ہوتا ہے۔ ایک میوہ جامن ہے۔ اس کا پتا تال کے پتے میں کچھ ملتا ہے۔ یہ پتا گول اور سبز زیادہ ہے۔ اس کا درخت بدشکل نہیں ہے۔ پھل ایسا ہے جیسا کالا انگور۔ مزہ میں زیادہ اچھا نہیں ہے۔ کسی قدر ترشی لئے ہوئے ہے۔ ایک کمرک ہے۔ اس کے پانچ پہلو ہوتے ہیں۔ بڑائی میں غنیالو کے برابر ہوتی۔ اور لمبائی میں چار انگل کی۔ پکنے کے بعد زرد ہو جاتی ہے۔ اس میں گٹھلی نہیں ہوتی۔ اگر کچی توڑو تو بہت کڑوی ہوتی ہے۔ پک کر اس کی ترشی مزے کی ہو جاتی ہے۔ اچھا اور لطیف میوہ ہے۔ ایک کٹھل ہے۔ یہ بڑا ہی بدصورت اور بدمزہ میوہ ہے۔ صورت بعینہ بکرے کی اور اوجھڑی جیسی۔ کیپی کی طرح پھولتا رہتا ہے۔ بدصورت اور بدمزہ میوہ ہے۔ مزہ میٹھا ہے اور اس کے اندر فندق کے سے دانے ہیں۔ جو کسی قدر خرما سے مشابہ ہوتے ہیں۔ مگر اس کے دانے گول ہوتے ہیں۔ بہت ہی چپا ہوتا ہے۔ چپاہٹ کے سبب سے اکثر لوگ ہاتھ اور منہ کو چکنائی مل کر کھاتے ہیں۔ یہ درخت کی شاخ میں بھی لگتا ہے اور تنا میں بھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا درخت میں کپیتاں لٹکی ہوئی ہیں۔ ایک بڑھل ہے۔ سیب کے برابر۔ اس کی بو اچھی ہوتی ہے۔ عجیب بے مزہ چیز ہے۔

ایک بیر ہے۔ فارسی میں اس کو کنار کہتے ہیں۔ یہ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ آلوچہ سے ذرا بڑا۔ ایک قسم کا بیر انگور حسینی کے برابر ہوتا ہے۔ اس قسم کا اکثر بڑا ہوتا ہے۔ باندے میں ایک قسم کا بیر میں نے دیکھا وہ بہت عمدہ تھا۔ ثور اور جوزا میں اس کی پت جھڑ ہوتی ہے۔ سرطان میں جو ٹھیٹھ برسات ہے پتے پھوٹ کر ہرا بھرا ہو جاتا ہے۔ جب آفتاب دلو اور حوت میں آتا ہے تو پھل پک جاتا ہے۔ ایک کروندہ ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے بکہ کی طرح لبوترا گول۔ بکہ پہاڑوں میں ہوتا ہے اور یہ میدانوں میں۔ اس کا مزہ مری خوان جیسا ہے۔ مگر اس سے اس میں مٹھاس بڑھی ہوئی ہے۔ اور تراوٹ کم ہے۔ ایک میوہ نیسالہ ہے ادھ کچرے سرخ سیب کے مشابہ۔ مزہ میں چاشنی

دار۔ لذیذ میوہ ہے۔ اس کا درخت انار کے درخت سے اونچا اور پتا بلوام کے پتے جیسا۔ مگر ذرا اس سے لمبا۔ ایک گول ہے۔ اس کا پھل درخت کے گدے میں لگتا ہے۔ انجیر سے مشابہت رکھتا ہے۔ عجب بے مزہ پھل ہے۔ ایک آملہ ہے۔ اس کی پانچ پھانکیں ہوتی ہیں۔ یہ ادھر کچرا ہی رہتا ہے۔ سخت اور بے مزہ چیز ہے۔ اس کا مربہ برا نہیں ہوتا۔ بڑا مفید میوہ ہے۔ درخت خوبصورت ہوتا ہے۔ پتے چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ ایک چرونجی ہے۔ اس کا درخت پہاڑی ہے۔ اس کا مغز برا نہیں ہوتا۔ گٹھلی میں سے چار مغز اور بلوام کی سی گری نکلتی ہے۔ چھوٹی ہوتی ہے اور بڑی نہیں ہوتی۔ چرونجی کی گری گول ہے۔

ایک کھجور ہے۔ یہ لمغانات میں بھی ہوتی ہے۔ شاخیں درخت کے سر پر ایک ہی جگہ ہوتی ہیں۔ پتے ٹہنی کی جڑ سے سر تک دو طرفہ ہوتے ہیں۔ تنا کھردرا اور بدرنگ۔ پھل انگور کے خوشہ کی طرح لگتا ہے۔ مگر اس کا خوشہ انگور کے خوشہ سے کہیں بڑا ہوتا ہے۔ کھجور میں دو باتیں حیوان جیسی ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح حیوان کا سر کاٹ ڈالو تو وہ مرجاتا ہے اسی طرح اس کے درخت کا سر تراش دو تو یہ خشک ہو جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ جیسے حیوانات میں بغیر نر کے مادہ کے ہاں بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح مادہ کھجور کے پھول میں نر کھجور کا پھول نہ رکھا جائے تو پھل نہیں لگتا۔ اس بیان کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہے۔ شاید اس نرؔ ہی سے سر مراد ہو۔ کھجور کے درخت میں یہ بھی کرتے ہیں کہ جہاں سے شاخ اور پتے پھوٹتے ہیں وہاں پنیر کی سی ایک سفید سفید چیز کو پنیر کہا کرتے ہیں۔ یہ مغز چار مغز سے مشابہ ہے۔ خاصی چیز ہے۔ بری نہیں ہے۔ اسی جگہ جہاں پنیر ہوتا ہے شگاف دیتے ہیں۔ اس زخم کے پاس پتے کو اس طرح گوندھ دیتے ہیں کہ زخم میں سے جس قدر پانی نکلتا ہے اسی پر سے بہتا ہے۔ پتے کو ایک لٹیا میں ڈالتے ہیں اور لٹیا کو درخت میں باندھ دیتے ہیں۔ زخم میں جو پانی نکلتا ہے وہ اس لٹیا میں جمع ہوتا ہے۔ یہ پانی تازہ تو میٹھا ہوتا ہے۔ دو تین دن بعد پیا جائے توکسی قدر نشہ کرتا ہے۔ ایک بار میں باڑی کی سیر کو گیا تھا۔ چنبل ندی کے کنارے پر جو مقامات ہیں ان میں سیر کرنے گیا۔ اثنائے راہ میں ایک درہ ملا۔ وہاں اسی طرح کھجور کا رس لوگ نکال رہے تھے۔ ہمارے ساتھیوں نے اس کو پیا۔ مگر تھوڑا تھوڑا سا پیا اس لئے نشہ کی پوری کیفیت معلوم نہ ہوئی۔ شاید بہت پیا جاتا تو اچھی طرح

معلوم ہو جاتا۔

ایک نار گیل ہے اہل عرب اس کو مقرب کر کے نارجیل کہتے ہیں۔ ہندوستانی ناریل غالباً" ناریل غلط العام ہے۔ ناریل جوز ہندی ہے۔ اس کو پھوڑتے ہیں تو کالے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ بڑے ٹکڑے کا کاسہ گجک بنا لیتے ہیں۔ اس کا درخت بعینہ کھجور کے درخت جیسا ہوتا ہے۔ ساری شاخ پتے ہوتے ہیں۔ پتے کا رنگ کھلا ہوا ہوتا ہے۔ جس طرح چار مغز پر سبز پوست ہوتا ہے اسی طرح اس کے پھل پر ہوتا ہے لیکن ناریل کا پوست ریشہ دار ہوتا ہے۔ جہازوں اور کشتیوں کے رسے اور رسیاں اسی پوست سے بناتے ہیں۔ جب ناریل کے پوست کو چھیل ڈالتے ہیں تو اس کا ایک طرف کھونٹا ہوتا ہے۔ اور اس میں تین چار سوراخوں کے نشان ہوتے ہیں۔ دو سخت ایک نرم۔ نرم نشان کو ذرا سا کوچا دینے سے سوراخ ہو جاتا ہے۔ مغز کی ٹیا بننے سے پہلے اندر بالکل پانی ہوتا ہے۔ سوراخ سے پانی نکال کر پیتے ہیں۔ پانی بد مزہ نہیں ہوتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کے پنیر کو پانی کر لیا ہے۔ ایک تاڑ ہے۔ تاڑ کی شاخیں بھی درخت کے سر پر ہوتی ہیں۔ تاڑ سے بھی کھجور کی طرح رس نکالتے ہیں اور پیتے ہیں۔ اس کو تاڑی کہتے ہیں۔ کھجور کے رس سے اس میں نشہ زیادہ ہوتا ہے۔ تاڑ کی شاخ میں گز ڈیڑھ گز تک پتا نہیں ہوتا۔ گز ڈیڑھ گز کے بعد تیس چالیس پتے شاخ پر برابر ملے ہوئے نکلتے ہیں۔ ان پتوں کی لمبائی تقریباً گز بھر کی ہوتی ہو گی۔ ہندی تحریر میں دفتر کے طور پر اکثر ان ہی پتوں پر لکھی جاتی ہیں۔ جن کے کانوں میں سوراخ ہوتے ہیں۔ وہ اس پتے کے بالے بنا کر پہنتے ہیں۔ تاڑ کے پتے کے بالے بنے ہوئے بازاروں میں بکتے ہیں۔ ان کا گدا کھجور کے گدے سے خوبصورت اور صاف ہوتا ہے۔

ایک میوہ نارنج ہے۔ لمغانات میں چھوٹا اور ناف دار ہوتا ہے۔ نہایت لطیف۔ نازک اور تر۔ خراسان کے نارنج کو اس سے نسبت نہیں۔ نزاکت اتنی ہوتی ہے کہ لمغانات کابل سے تیرہ چودہ فرسنگ ہے وہاں سے یہاں تک لانے میں بہت نارنج بگڑ جاتے ہیں۔ استر آباد اور سمرقند میں دو سو اسی یا ستر کوس کا فاصلہ ہے وہاں سے سمرقند میں لے جاتے ہیں۔ ان کا پوست ایسا سخت ہوتا ہے اور ان میں تری اتنی کم ہوتی ہے کہ اس قدر خراب نہیں ہوتے۔ بجور کا نارنج بہی کے برابر ہوتا ہے اور بہت رسیلا اور نارنجوں سے زیادہ کھٹا ہوتا ہے۔ خواجہ کلاں کا بیان ہے کہ بجور میں ایک درخت سے

سات ہزار نارنج توڑے تھے۔ مجھے مدت سے خیال تھا کہ نارنج نارنگ کا معرب ہے آخر وہی بات نکلی۔ بجور اور سوات والے نارنج کو نارنگ کہتے ہیں۔ ایک لیمو ہے۔ کثرت سے ہوتا ہے۔ مرغی کے انڈے برابر بڑا اور اسی صورت کا۔ اگر اس کے ریشہ کو جوش دے کر زہر خوردہ کو پلاؤ تو زہر کا اثر جاتا رہتا ہے۔ ایک ترنج کے مشابہ بجور اور سوات والے اسے بالنگ کہتے ہیں۔ اسی لئے اس کے مربے کو مربائے بالنگ کہتے ہیں۔ ترنج دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک میٹھا۔ بے مزہ اور دل شور۔ اس کو کھاتے نہیں۔ اس کے مربے ڈالتے ہیں۔ لمغانات میں اسی قسم کا ہوتا ہے۔ دوسرا ترنج ہندوستان میں کھٹا ہوتا ہے۔ اس کا شربت بڑے مزے کا ہوتا ہے۔ ترنج اتنا بڑا ہوتا ہے جتنا چھوٹا خربوزہ۔ پوست کھردرا اور چھلکا پتلا۔ رنگ نارنج کے رنگ سے زرد۔ درخت کا گدا بڑا نہیں ہوتا چھوٹا ہوتا ہے۔ پتا نارنج کے پتے سے بڑا۔

ایک پھل مثل نارنج کے ہے۔ وہ سنگترہ کہلاتا ہے۔ وضع اور رنگ نارنج سے ملتا جلتا۔ اس کا پوست صاف ہوتا ہے۔ اور ذرا ترنج سے چھوٹا۔ درخت زرد آلود کے برابر۔ پتا نارنگ کے پتے جیسا۔ کھٹا بہت ہوتا ہے۔ جو شیریں ہوتا ہے۔ وہ مزے کا ہوتا ہے۔ لیمو کی طرح یہ بھی مقوی معدہ ہے۔ نارنج کی طرح مضعف معدہ نہیں ہے۔ ایک میوہ ہے نارنج جیسا۔ یہ بڑا لیموں ہے۔ اس کو ہندوستان میں کلکل کہتے ہیں۔ بالکل قاز کا انڈا معلوم ہوتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ انڈے کی طرح دونوں سرے پتلے نہیں ہوتے۔ اس کا پوست سنگترے جیسا شفاف ہوتا ہے۔ بہت ہی رسیلا ہوتا ہے۔ ایک اور پھل ہے جو نارنج کے مشابہ ہے۔ جسامت میں نارنج کی مثال۔ مگر رنگ نارنجی نہیں ہوتا۔ زرد ہوتا ہے اور نارنج کی سی۔ یہ بھی بڑا کھٹا ہوتا ہے۔ ایک اور قسم ہے نارنج جیسی۔ اندام میں امرود کی برابر۔ رنگ بہی کے رنگ کا سا۔ مزے میں میٹھا۔ مگر نارنج کی طرح مٹھاس ناگوار نہیں۔ ایک اور پھل ہے نارنج سے مشابہ۔ ایک کرنا ہے۔ یہ بھی نارنج سے ملتا جلتا ہے۔ کل کل لیمو کے برابر بڑا ہوتا ہے۔ ذائقہ میں کھٹا۔ نارنج کے مشابہ ایک پھل امل بید ہے۔ ابھی اسی سال میں میں نے اس کو دیکھا ہے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اگر سوئی اس میں ڈال دو تو پانی ہو جاتی ہے۔ عجب نہیں کہ یہ اس کی کھٹاس کی تیزی سے ہو۔ یا اس کی خاصیت ہی ایسی ہو۔ اس کی ترشی نارنج اور لیمو کی ترشی کے برابر ہوتی ہے۔ اس کی عمدہ قسم کملہ ہے۔ کملہ حاجی پور اور تتک میں ہوتا

ہے۔ وہ مزے میں میٹھا چاشنی دار ہے۔ بہت ہی خوش گوار پر ہالہ وغیرہ کے علاقوں میں بھی کملہ ہوتا ہے۔ مگر اس کی سی لطافت نہیں ہے۔ ایک نارنگی ہے۔ حاجی پور وغیرہ میں بہت عمدہ ہوتی ہے۔ اس میں ترشی مٹھاس لئے ہوئے ہے۔ بلکہ مٹھاس اور کھٹاس دونوں کانٹے کی تول ہیں۔

پھول:۔ ہندوستان میں پھول طرح طرح کے اور عمدہ ہوتے ہیں۔ ایک پھول جاسون ہے۔ اس کو بعض ہندوستانی کریل کہتے ہیں۔ اس کا درخت شاخ دار ہوتا ہے۔ گھاس کی صورت کا نہیں ہوتا۔ اور گلاب کے درخت سے بڑا ہوتا ہے۔ اس کا رنگ انار کے پھول سے زیادہ کھلا ہوا اور گلاب کے پھول کے برابر ہوتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ گلاب کی کلی ایک ہی دفعہ کھل جاتی ہے۔ اس کی کلی پہلے ایک بار کھلتی ہے پھر اسی کھلی ہوئی کلی میں سے ایک چیز دل کی شکل کی نکلتی ہے۔ اور اس کی پتیاں کھل کر پھول ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں اگرچہ ایک ہی پھول ہیں مگر اس کے بیچ میں پہلی پتیوں میں سے دل کی صورت کی ایک چیز کا نکلنا اور دوسرا پھول بن جانا ایک نادر بات ہے۔ یہ پھول درخت میں لگا ہوا بڑی بہار دیتا ہے۔ زیادہ پائیدار نہیں ہوتا۔ ایک ہی دن میں مرجھا کر پتیاں جھڑ جاتی ہیں۔ برسات کے چار مہینے کثرت سے کھلتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ سارے برس کھلتا رہتا ہے۔ مگر کثرت نہیں ہوتی۔ ایک کنیر ہے۔ یہ سفید رنگ کا بھی ہوتا ہے۔ سرخ رنگ کا بھی۔ اس کی جڑ اور پتے شفتالو جیسے سرخ۔ پھول تو ہو بہو شفتالو کا پھول ہے مگر کنیر کے پھول اکٹھے چودہ پندرہ ایک جگہ اس طرح کھلتے ہیں کہ دور سے ایک بڑا پھول معلوم ہوتا ہے۔ اس کے درخت کا پھیر گلبن کے درخت کے پھیر سے زیادہ ہے۔ سرخ پھول میں بھینی بھینی بو ہوتی ہے۔ یہ بھی برسات کے موسم میں تین چار مہینے تک برابر کھلتا ہے اور اکثر سال بھر رہتا ہے۔

ایک کیوڑا ہے۔ اس کی بو نہایت لطیف ہے۔ اہل عرب اس کو کاذی کہتے ہیں۔ اتنا عیب ہے کہ ذرا خشک ہوتا ہے۔ اس کو مشک تر کہہ سکتے ہیں۔ بو تو اچھی ہے مگر صورت عجب طرح کی ہے پھول کی لمبائی ڈیڑھ بالشت کے قریب۔ پتیاں لمبی لمبی خاردار۔ یہ پتے اوپر نیچے اس طرح لپٹے ہوئے کہ غنچہ معلوم ہو۔ اوپر کے پتے سبز اور تازہ خاردار۔ اندر کے پتے نرم اور سفید۔ اندر کے پتوں میں کلی سے اور پتے سے لپٹی ہوئی ایک چیز معلوم نہیں یہ کیا ہے۔ اس ۳۴۲ کی فارسی مجھے معلوم نہ تھی اس لئے

یوں ہی لکھ دیا۔ خوشبو اسی میں سے آتی ہے۔ درخت کی ہیئت ایسی جیسے بانس کا درخت جس کا ابھی تنہ نہ ہوا ہو۔ پتے بہت چوڑے خاردار' تنہ بے ڈھنگا۔ ادھر ادھر شاخیں پھیلی ہوئی۔ ایک کیتکی ہے کیوڑے سے ملتی ہوئی۔ مگر اس سے پھول بہت چھوٹا۔ رنگ زیادہ زرد اور بو ہلکی۔ اکثر پھول جو ولایت میں ہوتے ہیں جیسے گلاب اور نرگس وغیرہ سب ہندوستان میں ہوتے ہیں۔ سفید یا سمن بھی ہوتی ہے۔ اس کو چنبیلی کہتے ہیں۔ ہمارے ملک کی یاسمن سے کہیں بڑی۔ خوشبو خوب تیز۔ ایک چمپا ہے۔ اس کا درخت بڑا اونچا اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اس پھول کی بو نہایت اچھی ہوتی ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنفشہ یا نرگس کا پتا ہے۔ رنگ اس کا زرد ہوتا ہے۔ صورت سوسن میں ملتی ہوئی۔ مگر سوسن کا پھول بڑا ہوتا ہے۔

موسم وغیرہ:۔ ہمارے ان ملکوں میں چار فصلیں ہوتی ہیں۔ ہندوستان میں تین۔ چار مہینے گرمی۔ چار مہینے برسات اور چار مہینے جاڑا۔ مہینوں کی ابتدا ماہ ہلالی کے وسط سے ہوتی ہے۔ ہر تیسرے برس ایک مہینہ بڑھا دیتے ہیں۔ پہلے تیسرے برس برسات میں۔ پھر جاڑے میں۔ پھر گرمی میں۔ ان کا کبیسہ یہی ہے۔ مہینوں کے نام یہ ہیں۔ چیت۔ بیساکھ۔ جیٹھ۔ اساڑھ۔ (گرمی کے مہینے۔ حوت۔ حمل۔ ثور۔ جوزا کے موافق) ساون۔ بھادوں۔ کوار۔ کاتک (برسات۔ مطابق سرطان۔ اسد۔ سنبلہ۔ میزان) اگہن۔ پوس۔ ماہ پھاگن۔ (جاڑا۔ موافق عقرب۔ قوس۔ جدی۔ دلو) ہندوؤں کے موسموں کو چار چار مہینوں میں مقرر کیا ہے۔ ہر موسم میں دو دو مہینوں کو گرمی۔ برسات اور جاڑے کے لئے مخصوص کیا ہے۔ گرمی کے مہینوں میں سے آخر کے دو مہینوں جیٹھ اور اساڑھ کو گرمی کا چلہ کہتے ہیں۔ برسات کے مہینوں میں سے اول کے دو مہینوں ساون بھادوں کو برسات کے مہینے مقرر کرتے ہیں۔ جاڑے کے مہینوں میں سے بیچ کے دو مہینوں پوس اور ماہ کو جاڑے کا چلہ کہتے ہیں۔ اس حساب سے ان کے ہاں چھ فصلیں ہو گئیں۔

دنوں کے نام:۔ دنوں کے نام بھی انہوں نے رکھ لئے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ سنیچر (شنبہ) اتوار (یک شنبہ) سوموار (دو شنبہ) منگل (سہ شنبہ) بدھ وار (چار شنبہ) برسپتہ وار (پنجشنبہ) سکروار (جمعہ)

وقتوں کی تقسیم اور نام:۔ ہمارے ہاں رات دن کو چوبیس حصوں پر تقسیم کیا ہے

اور ہر حصہ کو گھنٹہ کہتے ہیں۔ ہر گھنٹہ ساٹھ پر تقسیم کر کے ہر حصہ کو دقیقہ کہتے ہیں۔ جو رات دن میں ایک ہزار چار سو چالیس ہوتے ہیں (دقیقہ کی مقدار تقریباً یہ ہے کہ چھ مرتبہ سورۂ الحمد مع بسم اللہ پڑھی جائے۔ اس حساب سے آٹھ ہزار چھ سو چالیس دفعہ سورۂ موصوفہ معہ بسم اللہ ایک رات دن پڑھی جاتی ہے) اہل ہند نے رات دن کے ساٹھ حصے کئے ہیں ہر حصہ کو گھڑی کہتے ہیں۔ پھر رات کے چار اور دن کے چار حصے کئے ہیں۔ اس کے ہر حصہ کو پہر کہتے ہیں۔ (جو فارسی میں پاس کہلاتا ہے) اس ملک میں پاس اور پاسبان سنتے تھے۔ اس کی حقیقت اب کھلی۔ اس کام کے لئے ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں لوگ مقرر ہیں ان کو گھڑیالی کہا کرتے ہیں۔

گھڑیال اور اس کا بجانا:۔ پیتل کی ایک چوڑی گول چیز بناتی ہے طباق کے برابر۔ دو انگل موٹی۔ اس کا نام گھڑیال ہے۔ اس گھڑیال کو کسی اونچی جگہ لٹکاتے ہیں۔ نیچے ایک نندولا ہوتا ہے۔ اس میں پانی بھر دیتے ہیں۔ ایک کٹورے کے پیندے میں چھید کر کے نندولے میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ کٹورا گھڑی بھر میں نیچے والے سوراخ کے ذریعہ سے بھر جاتا ہے۔ گھڑیال بجا دیتے ہیں۔ بجانے کا ڈھنگ یہ ہے کہ مثلاً صبح سے ایک نندولا بھر کر کٹورا ڈال دیا۔ پہلا کٹورا بھرا اور موگری سے گھڑیال کو ایک دفعہ بجا دیا۔ دوسری بار بھرا۔ دو بجا دیئے۔ اسی طرح پہر کے تمام ہونے تک بجاتے رہے۔ پھر جب تمام ہوتا ہے تو متواتر یعنی گجر بجا دیتے ہیں۔۔ یہ پہر تمام ہونے کی علامت ہے۔ اگر دن کا پہلا پہر ہے تو گجر بجانے کے بعد ذرا ٹھہر کر ایک بجاتے ہیں دوسرا پہر ہوتا ہے تو دو۔ تیسرے پہ تین اور چوتھے پر چار بس دن تمام ہوا۔ اب رات کا پہر اسی طرح ایک سے شروع کیا اور چار پر تمام کر دیا۔

اس سے پہلے گھڑیالوں کا دستور تھا کہ بطریق مذکور رات دن میں جس وقت پہر تمام ہوتا اس وقت پہر کی علامت بجاتے تھے۔ رات کو جن کی آنکھ کھل جاتی وہ یہ نہ پہچان سکتے تھے کہ دوسرا پہر ہے یا تیسرا پہر۔ میں نے حکم دیا کہ رات اور دن میں گھڑیوں کے بجانے کے بعد بھی پہر کی علامت بجا کرے۔ مثلاً پہلے پہر کی تین گھڑیاں بجانے کے بعد ذرا ٹھہر کر ایک پہر کی علامت بجا دو۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ تین گھڑی پہلے پہر کی ہے۔ اسی طرح تیسرے، پہر کی چار گھڑیاں بجانے کے بعد توقف کیا جائے اور پہر کی علامت تین دفعہ بجائی جائے تاکہ معلوم ہو کہ تیسرے پہر کی چار

گھڑیاں گزری ہیں۔ یہ بات اچھی ہو گئی۔ رات کو جس وقت جس کی آنکھ کھل جائے گی اور کان میں گھڑیال کی آواز آئے گی وہ جان جائے گا کہ کون سے پہر کی گھڑیاں بجی ہیں۔ ہر گھڑی کے بھی ساٹھ حصے کئے ہیں۔ اس حصہ کا نام پل رکھا ہے۔ رات دن کے تین ہزار چھ سو پل ہوئے۔ پل کی مقدار ایک بار آنکھ بند کرنے اور کھولنے کے برابر بیان کرتے ہیں۔ اس حساب سے آنکھ کا کھلنا اور بند ہونا رات دن میں ستر ہزار دو سو مرتبہ ہوا۔ ہم نے جو پل کی مقدار کا تجربہ کیا تو ہر پل میں تقریباً آٹھ دفعہ قل ھو اللہ مع بسم اللہ پڑھی جا سکتی ہے۔ اس حساب سے رات دن میں اٹھائیس ہزار تین سو مرتبہ سورۂ موصوفہ مع بسم اللہ پڑھ سکتے ہیں۔

وزن :۔ ہندیوں نے وزن اس طرح مقرر کیا ہے۔ آٹھ رتی کا ایک ماشہ۔ چار ماشے کا ایک ٹانک (۳۲ رتی) پانچ ماشے کا مثقال (۴۰ رتی) بارہ ماشے کا ایک تولہ۔ چونسٹھ تولے کا ایک سیر۔ چالیس سیر کا ایک من۔ (یہی ہر جگہ مقرر ہے) بارہ من کی ایک مانی۔ سو من کا ایک منیاسا ہوتا ہے۔ جواہر اور موتی کو ٹانک سے تولتے ہیں۔

عدد :۔ ہندوستانیوں نے عدد کی مقدار بھی خوب معین کی ہے۔ سو ہزار کو ایک لاکھ۔ سو لاکھ کو کروڑ۔ سو کروڑ کو ارب۔ سو ارب، کو کھرب۔ سو کھرب کو نیل۔ سو نیل کو پدم۔ سو پدم کو سانک کہتے ہیں۔ عددوں کا اس تعداد پر مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اہل ہند بہت مال دار ہیں۔

اقوام :۔ ہندوستانی اکثر بت پرست ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ہندو کہلاتے ہیں۔ ہندو لوگ بیشتر مسئلہ تناسخ کے قائل ہیں۔ ہندو نوکری پیشہ' ٹھیکے دار اور پورے کارگزار ہیں۔ ہمارے ملک میں صحرا گرد لوگوں میں ہر قبیلہ کا نام جدا ہے۔ یہاں مختلف قطعات اور مختلف دیہات میں بھی قوموں کے نام الگ الگ ہیں۔ ہر حرفت والا اپنا جدی پیشہ کرتا ہے۔

ہندوستان کی نسبت مجمل رائے :۔ ہندوستان میں لطافت کم ہے۔ لوگ نہ حسین ہیں۔ نہ میل جول کے اچھے ہیں۔ نہ ان کا ادراک اعلیٰ درجہ کا ہے۔ نہ ان میں مروت' مہربانی اور ادب ہے۔ ہنروں اور کاموں کی ترکیب بھی اچھی نہیں۔ گھوڑا یہاں عمدہ نہیں ہوتا۔ گوشت اچھا نہیں ہوتا۔ انگور۔ خربوزے اور میوے اچھے نہیں ہوتے'

برف نہیں ٹھنڈا پانی نہیں۔ بازاروں میں جو کھانے اور روٹیاں بکتی ہیں۔ وہ سب خراب' حمام' مدرسہ' شمع مشعل اور شمعدان کا نام نہیں۔ شمع اور مشعل کی جگہ چیکٹ اکٹھا کر کے جلاتے ہیں اور اس کو ڈیوٹی کہتے ہیں۔ الٹے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی تپائی لیتے ہیں۔ اس تپائی کے ایک پایہ کے کنارے میں شمعدان کے سر کی طرح ایک لوہے کو خوب مضبوط باندھ دیتے ہیں۔ انگوٹھے کے برابر پلیتا آہن وار لکڑی کے دوسرے پایہ میں باندھ دیتے ہیں۔ سیدھے ہاتھ میں ایک خشک کدو رکھتے ہیں اس میں باریک سوراخ کرتے ہیں۔ جس سے تیل ٹپکتا ہے۔ اس کدو میں تیل بھر دیتے ہیں۔ جب بلتے پر ڈالنے کی حاجت ہوتی ہے تو اس کدو سے تیل ٹپکاتے ہیں۔ کدو کے سوراخ سے تیل کی بوندیں ٹپکنے لگتی ہیں۔ مقدور والوں کے ہاں ایسی ڈیوٹیاں سو دو سو ہوتی ہیں۔ شمع اور مشعل کی جگہ اسی کو برتتے ہیں۔ بادشاہوں اور امراء کے سامنے بھی رات کو ضرورت کے وقت یہی چیکٹ کے ڈیوٹ شمع کے بدلے لا کر پاس کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سوائے ندیوں اور بڑے دریاؤں کے نالوں وغیرہ میں پانی ہمیشہ جاری نہیں رہتا۔ باغوں اور مکانوں میں نہریں نہیں ہوتیں۔ عمارتیں ہوا دار مصفا اور خوش قطع نہیں۔ عوام ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔ ناف سے دو مٹھی نیچے ایک کپڑا باندھتے ہیں۔ اس کو لنگوٹا کہتے ہیں۔ یہ ایک آڑا کپڑا لپٹا ہوا ہے۔ اس کے نیچے کا آڑا کونا لٹکتا رہتا ہے۔ اس کا دوسرا کونا اور ہے۔ جب لنگوٹا باندھتے ہیں تو اس کے کونے کو دونوں رانوں کے بیچ میں سے لے کر پیچھے گھس دیتے ہیں۔ اس لنگوٹے کو خوب مضبوط باندھتے ہیں۔ عورتیں ایک لنگی باندھتی ہیں۔ آدھی کمر میں باندھتی ہیں اور آدھر سر سے اوڑھتی ہیں۔

ہندوستان کی بڑی خوبی یہ ہے کہ وسیع ملک ہے۔ اس میں سونا چاندی بہت ہے۔ برسات کی ہوا نہایت اچھی ہوتی ہے۔ برسات میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دن بھر میں دس پندرہ اور بیس دفعہ مینہ برس جاتا ہے۔ بارش کے موسم میں ایک بار ہی رو آجاتی ہے۔ اور ایسی آتی ہے کہ جہاں پانی کی بوند نہیں ہوتی وہاں بہنے لگتا ہے۔ مینہ برستے میں اور مینہ برسنے کے بعد بڑے مزے کی ہوائیں چلتی ہیں۔ چنانچہ ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے اور اعتدال کے ساتھ چلتی ہے۔ اتنا عیب ضرور ہے کہ مرطوب بہت ہوتی ہے۔ یہاں کی برسات میں ہمارے ملک کی کمان سے تیر اندازی نہیں ہو سکتی۔ تیر بیکار

جاتا ہے۔ کملن ہی پر کیا منحصر ہے بلکہ جیبہ' کتاب' لباس اور اسباب وغیرہم سب میں سیل دوڑ جاتی ہے۔ مکان سارے چوڑے ہوتے ہیں۔ علاوہ برسات کے جاڑے اور گرمی میں بھی مزے کی ہوائیں چلتی ہوتی ہیں۔ شمالی ہوا ہمیشہ چلتی رہتی ہے جس کے ساتھ گرد و غبار اتنا اڑتا رہتا ہے کہ کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھ سکتے۔ اسی کو یہاں آندھی کہتے ہیں۔ ثور اور جوزا میں گرمی ہوتی ہے مگر اس قدر بے اعتدال گرمی نہیں۔ جیسے بلخ اور قندھار میں۔ یہاں کی گرمی کی مدت بھی وہاں سے آدھی ہوگی۔

ہندوستان میں ایک عمدگی یہ بھی ہے کہ ہر فرقہ اور حرفت کا آدمی کثرت سے ہے اور ہر کام اور ہر چیز کے لئے ہزاروں آدمی موجود ہیں۔ جن کے ہاں باپ دادا کے وقت سے ہی کام ہوتا آیا ہے۔ ظفر نامہ میں ملا شرف الدین علی یزدی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر تیمور نے جب سنگین مسجد بنوائی تو آذر بائیجان' فارس' ہندوستان وغیرہ ملکوں کے دو سو سنگ تراش کام کرتے تھے اور اس تعداد کو وہ بہت خیال کرتے ہیں۔ میں نے جو عمارت طرف آگرہ میں بنوائی ہے۔ اس میں آگرہ ہی کے چھ سو اسی سنگ تراش لگے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ سیکری' بیانہ' دولت پور' گوالیار اور کول میں ایک ہزار چار سو اکیانوے سنگ تراش روزانہ میرے مکانوں میں کام کرتے ہیں۔ اسی پر قیاس کر لینا چاہئے کہ ہر کام اور پیشہ کا آدمی ہندوستان میں بے شمار ہے۔

اس وقت جو ملک قبضہ میں ہے :۔ بھیرے سے بہار تک اب جتنا ملک میرے قبضے میں ہے باون کروڑ روپے کا ہے۔ اس میں سے انیس کروڑ کے علاقے ان راجاؤں اور رئیسوں کے تصرف میں ہیں جنہوں نے ہمیشہ سے اطاعت کی ہے اور یہ جاگیریں نسلاً" بعد نسل ان کو گذاشت کر دی گئی ہیں۔ ہندوستان کے باشندوں اور مقامات وغیرہ کی کیفیتیں اور خصوصیتیں جس قدر اب تک معلوم ہوئی ہیں وہ لکھ دی گئیں۔ آئندہ جو اور باتیں قابل بیان دیکھوں یا سنوں گا وہ لکھ دوں گا۔

تقسیم انعامات :۔ رجب کی انتیسویں تاریخ ہفتہ کے دن خزانے ملاحظہ کرنے اور بانٹنے شروع کئے۔ ہمایوں کو ستر لاکھ تو ایک خزانہ سے عطا ہوئے اور کئی خزانے یونہی بے دیکھے بھالے دے دیئے۔ کئی امیروں کو دس دس لاکھ آٹھ آٹھ لاکھ اور چھ چھ لاکھ مرحمت کئے۔ لشکر میں جو افغان' ہزارہ' عرب اور بلوچ تھے ان کو ان کی قدر کے موافق خزانہ سے بہت کچھ نقد انعام دیا گیا۔ سوداگر۔ طالب علم اور ہر قسم کے لوگ جس قدر

بھیر میں ہمراہ تھے۔ سب نے انعام سے پورا حصہ لیا اور سب خوش ہوئے۔ جو لوگ اس یورش میں ساتھ نہ آئے تھے ان کو بھی ان خزانوں میں سے انعام پہنچا۔ چنانچہ کامران کو ستر لاکھ۔ محمد زمان مرزا کو پندرہ لاکھ اور عسکری و ہندال بلکہ سارے چھوٹے بڑے عزیزوں اور یگانوں کو بہت کچھ روپے' اشرفیاں' کپڑا' جواہر اور غلام وغیرہم بطریق سوغات بھیجے گئے۔ اس طرف کے امراء اور سپاہیوں کو اکثر خطوط روانہ ہوئے۔ سمرقند' کاشغر' خراسان اور عراق میں جو یگانے تھے ان کو بھی سوغاتیں ارسال ہوئیں۔ سمرقند اور خراسان کے مشائخ وغیرہ کو نذرانے بھیجے گئے۔ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کو بطریق نذر روپیوں اور اشرفیوں کے بدرے روانہ کئے۔ کابل کے علاقہ کی رعایا میں زن و مرد کو فی آدمی ایک ایک شاہرخی انعام دی گئی۔

ملک کے باغیوں کا ذکر:۔ ہم جو آگرہ میں پہلے پہل آئے تو ہمارے لوگوں میں اور یہاں والوں میں باہم بے حد نفرت اور غیرت تھی۔ رعایا اور سپاہی ہمارے آدمیوں کی آواز سے کوسوں بھاگتے تھے۔ تھوڑے ہی دن میں دلی' آگرہ اور مقامات کے لوگوں نے جہاں قلعے تھے قلعے مضبوط کر لئے اور سب آمادہ فساد ہو گئے۔ کسی نے اطاعت نہ قبول کی۔ سنبھل میں قاسم سنبھلی۔ بیانہ میں نظام خاں' میوات میں حسن خاں میواتی' (ان فتنوں اور فسادوں کا بانی یہی مردک ملحد تھا) دھولپور میں محمد زیتون' گوالیار میں تاتار خاں (سارنگ خانی) رابری میں حسن خاں (توخانی) اٹاوہ میں قطب خان اور کالپی میں عالم خان تھا۔ قنوج اور گنگا کے اس طرف کا سارا ملک ان پٹھانوں کے قبضہ میں تھا جو ابراہیم کے مرنے سے دو برس پہلے باغی ہو گئے تھے جیسے نصرت خاں (توخانی معروف فرملی) وغیرہ امراء جب میں نے ابراہیم کو مارا ہے تو یہ لوگ قنوج اور ادھر کے علاقوں کو دبا کر قنوج سے دو تین کوس اس جانب آپڑے۔ انہوں نے بہار خاں پسر دریا خاں کو اپنا بادشاہ بنایا اور اس کا لقب سلطان محمد رکھا۔ مہابن کے علاقہ میں مرغوب ایک غلام تھا وہ قریب ہی قریب پھرتا رہا۔ مگر یہاں نہیں آیا۔

اپنے ساتھیوں کی بددلی:۔ جب میں آگرہ میں آیا ہوں تو گرمی کا موسم تھا۔ لوگ مارے ڈر کے ادھر ادھر بھاگ گئے۔ ہمارے آدمیوں کے لئے غلہ اور جانوروں کے واسطے گھاس دانہ میسر نہ آتا تھا۔ راجہ اور زمیندار غیریت اور نفرت کے سبب سے سرکش ہو کر لوٹ مار مچا رہے تھے۔ راستے بند تھے۔ ہم کو اتنی فرصت نہ ملی کہ خزانہ

کا منہ کھول دیتے۔ ہر پرگنہ اور ہر ضلع میں آدمی مقرر کرتے۔ دوسرے اس سال گرمی اس شدت کی پڑی کہ لوگ لو کے مارے مرے جاتے تھے ان وجوہات سے امراء اور اچھے اچھے سپاہیوں کے جی چھوٹ گئے۔ ہندوستان میں رہنے کو ان کا دل نہ چاہتا تھا۔ بلکہ یہاں سے کھسکنے لگے۔ خیر بوڑھے اور تجربہ کار امراء کا ایسا کرنا مضائقہ نہیں۔ مگر یہ لوگ ایسے بیوقوف ہیں کہ ان باتوں کے منہ سے نکالنے کے بعد کی برائی بھلائی اور بہتری بدتری کو نہیں سمجھتے۔ ان سب نے جب ایک کام کا ارادہ کر لیا تو پھر اس کے بیان کرنے سے کیا فائدہ۔ سارے چھوٹے بڑوں کی ایسی نالائق باتیں کیسی بے جا ہیں۔ طرفہ یہ کہ اب کے جو میں کابل میں چلا تو بہت سے نئے لوگ ہیں جن کو مرتبہ امارت نصیب ہوا۔ ان سے مجھ کو یہ امید تھی کہ اگر میں جلتی آگ میں گروں گا تو یہ میرے ساتھ گر پڑیں گے اور اگر میں بہتے پانی میں گروں گا تو میرا ساتھ دیں گے۔ جہاں میرا پسینہ گرے گا وہاں اپنا خون گرائیں گے۔ نہ کہ میری طبیعت کے خلاف باتیں کریں گے۔ جس بات کا میں مشورہ کرنا چاہتا ہوں اور بالاتفاق اس کے کرنے کا ارادہ کرتا ہوں مشورہ سے پہلے یہ لوگ اس بات سے انحراف کر جاتے ہیں۔ اور لوگ اگر بد نکلے تو احمد پروانچی اور ولی خازن ان سے بدتر نکلے۔ کابل سے چل کر ابراہیم کو زیر کرنے کے بعد آگرہ فتح ہونے تک خواجہ کلاں نے اچھے اچھے کام کئے اور ہمت والوں اور مردوں کی سی باتیں کیں۔ مگر آگرہ لینے کے بعد چند ہی روز میں اس کی رائے پلٹ گئی۔ سب سے زیادہ جانے پر خواجہ کلاں ہی پلا ہوا تھا۔

ایک پر اثر تقریر :۔ جب مجھے لوگوں کی بددلی معلوم ہوئی تو سارے امراء کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ میں نے کہا کہ جس طرح سلطنت اور جہانگیری کے لئے اسباب اور ہتھیار کا ہونا لازم ہے اسی طرح بادشاہی اور امیری بے آدمیوں اور ملک کے ناممکن ہے۔ غور کرو مدتوں کوشش کی۔ محنت اٹھائی۔ فوجیں لے کر چڑھائیاں کیں۔ ہم نے اپنی جان کو اور فوجوں کو لڑائی کی جلتی آگ میں ڈالا۔ خدا نے فضل کیا کہ ایسے ایسے زبردست دشمن زیر کئے۔ یہ وسیع ملک ہاتھ آیا۔ اسوقت کون سی بھیڑ پڑی ہے اور کیا دباؤ ہے کہ جس ملک کو اتنی جانکاہی سے لیا ہے اس کو یوں ہی چھوڑ کر کابل چلتے بنیں اور تنگ دستی کی بلا میں پھنسیں۔ جو میرا دوست ہے وہ بیہودہ باتیں منہ سے نہ نکالے۔ جس کو ٹھہرنے کی تاب نہ ہو اور جو جانا چاہے وہ بسم اللہ کرے۔ یہ معقول تقریر سنا کر

خواہ مخواہ لوگوں کو ان خیالوں سے باز رکھا۔ اور ان کے دلوں سے اندیشہ نکالا۔

خواجہ کلاں وغیرہ امراء کا کابل جانا:۔ چونکہ خواجہ کلاں کا دل اکھڑا ہوا تھا یہ تجویز کی کہ خواجہ کلاں سوغاتیں وغیرہ لے جائے۔ اس کے ساتھ بھیڑ بھاڑ بھی بہت ہے۔ اور کابل و غزنی میں ایک سردار ہے۔ یہ وہاں جا کر انتظام کرے۔ غزنی' گردیز اور ہزارہ سلطان مسعودی خواجہ کلاں کو عنایت کیا۔ ہندوستان میں بھی کہرام کا پرگنہ جس کی آمدنی تین چار لاکھ کی ہو گی اس کو دے دیا۔ میر میراں کو بھی حکم دیا کہ کابل چلا جائے۔ سوغاتیں اسی کے سپرد کیں۔ خواجہ کلاں ہندوستان سے اتنی نفرت رکھتا تھا کہ چلتے وقت دلی میں جو مکان تھا اس کی دیوار پر یہ شعر لکھ گیا۔

اگر بخیرو سلامت گزار سند شود

سیاہ روئے شوم گر ہوائے ہند شود

خیال کرنے کا مقام ہے کہ جب میں ہندوستان میں ہوں تو اس موقع پر ایسا ظرافت تغیر شعر کہنا اور لکھنا کیسا ہے۔ اگر ایک کدورت اس کے جانے سے ہوئی تو یہ شعر اس پر طرہ ہو گیا۔ میں نے بھی فی البدیہہ یہ رباعی کہی۔ انہی دنوں میں ملا اپاق کو (جو پہلے تو کچھ بھی درجہ کا نہ تھا۔ مگر دو تین سال ہوئے کہ اس نے اپنے بھائی بندوں کو اکٹھا کر کے قدر جمعیت بہم پہنچا لی ہے) کوئل کی طرف روانہ کیا اور وک زئی اور بعض سندی افغانوں کو اس کے ساتھ کر دیا اس طرف کے ترکش بندوں اور سپاہیوں کو استمالت کے فرمان بھیجے۔ شیخ کوزن بڑے خلوص اور اعتقاد کے ساتھ حاضر ہوا۔ میان دوآب والے دو تین ہزار ترکش بندوں کو بھی اپنے ساتھ لے آیا۔ یونس علی راستہ بھول کر ہمایوں سے جب الگ ہو گیا تو علی خاں کے بیٹوں اور عزیزوں وغیرہ سے دلی اور آگرہ کے بیچ میں اس کی مڈ بھیڑ ہوئی۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد یونس علی نے حریفوں کو زیر کر لیا۔ اور علی خاں کے بیٹوں کو پکڑ کر وہ لے آیا۔ دولت قدم ترک کے بیٹے مرزا مغل کو علی خاں کے بیٹوں میں سے جو قید تھے ایک بیٹے کے ساتھ کیا اور علی خاں کے پاس استمالت کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ یہ علی خاں ان جھگڑوں میں میوات چلا گیا تھا۔ اس کو اس ملک میں سے پچیس لاکھ پرگنے عنایت کئے۔

سلطان ابراہیم نے مصطفیٰ فرملی اور فیروز خاں سارنگ خانی کو مع چند امراء کے پورب کے باغیوں کی سرکوبی پر مقرر کیا تھا۔ مصطفیٰ نے ان باغیوں کی خوب خبر لی اور

کئی بار ان کو اچھی طرح زیر کیا۔ ابھی سلطان ابراہیم کو مجھ سے شکست نہ ہوئی تھی کہ مصطفیٰ مر گیا۔ اس کا چھوٹا بھائی شیخ بایزید اپنے بھائی کے آدمیوں کو رستہ پر لا کر مع فیروز خاں، محمود خاں فرملی اور قاضی ضیا ہماری خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ان لوگوں کی خواہش سے زیادہ پر عنایت کی۔ فیروز خان کو جون پور سے ایک کروڑ شیخ بایزید کو ایک کروڑ۔ محمود خاں کو غازی پور سے نوے لاکھ پینتیس ہزار اور قاضی ضیا کو جون پور سے بیس لاکھ کی جاگیریں دیں۔ عید کے کئی دن بعد ابراہیم کے اس محل کے گنبد میں جس کے ستون سنگین ہیں ایک بڑا دربار کیا۔ ہمایوں کو چار قب۔ کمر بند۔ تلوار اور گھوڑا مع طلائی زین کے عطا ہوا۔ حسن تیمور سلطان کو مہدی خواجہ کو اور محمد سلطان مرزا کو بھی چار قب۔ کمر بند۔ تلوار اور خنجر عنایت کیا۔ ان کے علاوہ اور امراء کو ہر ایک کے مرتبہ کے موافق کمر بند اور خنجر وغیرہ مرحمت ہوئے۔ چنانچہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ گھوڑا مع زین طلا ایک۔ تلواریں دو۔ خنجر مرصع پچیس۔ مرصع قبضے کی کٹاریں سترہ۔ جمد مرصع دو۔ چار قب چار۔ سقرلاتی لباس اٹھائیس۔ دربار کے دن خوب مینہ برسا۔ تیرہ مرتبہ بارش ہوئی۔ جو لوگ دالان سے باہر تھے وہ سارے بھیگ گئے۔ محمدی کوکلتاش کو سامانہ کا ملک عطا ہوا۔ سنبل کی جانب ہندو بیگ۔ کتا بیگ۔ ملک قاسم اور بابا قشقہ کو مع اس کے بھائیوں کے بطریق یلغار بھیجا گیا۔ ملا اپاق کو ترکش ہندوں کے ساتھ میان دو آب کی طرف روانہ کیا۔ قاسم سنبھلی کے پاس سے چار دفعہ لوگ آئے تھے۔ اس نے کہلا بھیجا تھا کہ بین حرام خور نے سنبھل کو قتل کیا ہے اور مجھ کو عاجز کر رکھا ہے۔ جلد میری مدد کرنی چاہئے۔ بین کا حال یہ ہے کہ جب وہ بھاگ کر دامن کوہ میں پہنچا تو جو بھاگے ہوئے افغان اس کو وہاں ملے ان کو جمع کر کے اور اس لڑائی جھگڑے میں موقع خالی پا کر سنبھل پر آن پڑا اور وہاں قتل عام کیا۔

ہندو بیگ اور کتہ بیگ وغیرہم ایلغار کے طور پر معین ہوئے تھے۔ یہ لوگ اہار کے گھاٹ پر پہنچ کر دریا سے اترے۔ ملک قاسم نے بابا قشقہ کو اس کے بھائیوں سمیت آگے روانہ کر دیا۔ ملک قاسم جب دریا سے اترا تو سو ڈیڑھ سو آدمیوں سمیت ادھر پکا۔ اور ظہر کے وقت سنبھل جا پہنچا۔ بین بھی سلوٹا ہو کر اپنے لشکر گاہ سے باہر نکلا۔ ملک قاسم اور اس کے ہمراہی شہر کو پس پشت رکھ کر لڑائی میں مشغول ہوئے۔ بین مقابلہ میں نہ ٹھہر سکا اور بھاگ نکلا۔ کچھ لوگوں نے اس کا تعاقب کیا اور اس کا سر کاٹ

لائے۔ کئی ہاتھی اور بہت سے گھوڑے لوٹ میں ہاتھ آئے۔ دوسرے دن اور امراء بھی پہنچ گئے۔ قاسم سنبھلی بھی آکر ملا۔ شہر ہمارے لوگوں کے سپرد کرنا اس کو گوارا نہ ہوا۔ لگا حیلے بہانے کرنے۔ ایک دن شیخ گھورن ہندو بیگ وغیرہ سے صلاح کر کے قاسم سنبھلی کو کسی بہانے سے ان امراء کے پاس لے آیا۔ ہمارے سردار سنبھل میں داخل ہو گئے۔ قاسم کے گھر والوں اور متعلقوں کو صحیح سلامت نکل کر اس کے پاس بھیج دیا۔ قلندر پیادے کو بیانے بھیجا۔ اور وہاں کے حاکم نظام خاں کو وعدہ وعید کے فرمان بھیجے۔ یہ قطعہ فی البدیہہ لکھ بھیجا۔ قطعہ

با ترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ
چالاکی و مردانگی ترک عیان است
گر ز و دنیائی و نصیحت نہ کنی گوش
آنجا کہ عیان است چہ حاجت نہ بیان است

بیانے کا قلعہ ہندوستان کے مشہور قلعوں میں سے ہے۔ اس بیوقوف مروک نے اپنے قلعہ کی مضبوطی پر بھروسا کیا اور اپنے حوصلہ سے زیادہ خواہش کی۔ جو آدمی اس کے پاس سے آیا تھا میں نے اس کو اچھا جواب نہ دیا۔ قلعہ گیری کے اسباب میں نے جمع کرنے شروع کئے۔ بابا قلی بیگ کو محمد زیتون کے پاس فرمان دے کر بھیجا۔ جس میں طرح طرح کے وعدے وعید لکھے تھے۔ اس نے بھی عذر کر دیئے۔ اگرچہ رانا سانگا نے جب میں کابل میں تھا ایلچی بھیج کر طرف داری ظاہر کی تھی۔ اور اقرار کیا تھا کہ اگر آپ ادھر سے دلی تک آجائیں گے تو میں ادھر سے آگرہ میں چڑھائی کر دوں گا۔ میں نے ابراہیم کو بھی مار لیا۔ دلی اور آگرہ بھی لے لیا مگر اس وقت تک اس کافر نے جنبش بھی نہیں کی۔ بلکہ تھوڑے دن بعد کندار نام قلعہ کو جو حسن کے بیٹے مکھن کے قبضہ میں تھا آن مارا۔

حسن کے پاس سے کئی آدمی تو آئے۔ مگر ابھی تک وہ خود نہ آیا تھا۔ یہ جو قریب کے قلعے ہیں جیسے اٹاوہ۔ دھولپور، گوالیار اور بیانہ۔ ابھی ہمارے قبضے میں نہ آئے تھے۔ ممالک شرقیہ کے افغان سب برسر فساد تھے۔ اور قنوج سے دو تین پڑاؤ آگرہ کی طرف آپڑے تھے۔ غرض سب طرف سے ابھی دل مطمئن نہ ہوا تھا۔ اسی سبب سے حسن کی کمک کے لئے میں فوج نہ بھیج سکا۔ دو تین مہینے بعد حسن نے عاجز ہو کر مقام

کنداز کو دشمن کے حوالے کر دیا۔ حسین خاں جورا پری میں تھا ڈر کے مارے راپری چھوڑ کر بھاگ گیا۔ میں نے راپری محمد علی جنگ جنگ کو دے دی۔ قطب خاں کو جس کے پاس اٹاوہ تھا کئی بار وعدہ وعید کے فرمان بھیجے اور لکھا کہ آکر مجھ سے مل وہ نہ آیا۔ اور اٹاوہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اٹاوہ مہدی خواجہ کو عنایت کیا۔ محمد سلطان مرزا۔ سلطان محمد دولدئی۔ محمد علی جنگ جنگ۔ عبدالعزیز میر آخور اور امراء کو ایک بڑے لشکر کے ساتھ اٹاوہ کی طرف روانہ کیا۔ قنوج کا حاکم سلطان محمد دولدئی کو کیا۔ فیروز خاں محمود خاں' شیخ بایزید اور قاضی ضیاء وغیرہم (جن کی بے حد رعایت کر کے پورب کی طرف پرگنے دیئے تھے) کو بھی اٹاوہ کی مہم پر مقرر کیا۔ محمد زیتون دھول پور میں بیٹھا بہانے کر رہا تھا اور آتا نہ تھا۔ سلطان جنید برلاس کو دھول پور دیا۔ عادل سلطان۔ محمدی کوکلتاش۔ شاہ منصور برلاس۔ قتلق قدم۔ ولی خازن بیگ۔ عبداللہ۔ پیر قلی اور شاہ حسین باربیگی کو حکم دیا کہ دھول پور پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کرو اور سلطان جنید برلاس کے سپرد کر کے بیانہ کی جانب چلو۔

نصیر خاں وغیرہ باغیان پورب پر یورش :۔ ان لشکروں کے مقرر کرنے کے بعد ترکی اور ہندی امراء سے مشورہ کیا۔ ان سے یہ بات کہی گئی کہ نصیر خاں لوحانی اور معروف فرملی جو باغیان پورب میں سے ہیں چالیس پچاس ہزار آدمی سمیت گنگا سے اتر کر قنوج پر قابض ہو گئے ہیں اور وہاں سے دو تین پڑاؤ باہر آن پڑے ہیں۔ رانا سانگا نے کندار کو لے لیا اور وہ فتنہ اور فساد برپا کر رہا ہے۔ برسات بھی ختم ہونے کو ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کی طرف متوجہ ہونا لازم ہے۔ اور یہ جو گرد و نواح کے قلعوں کا معاملہ ہے بہت آسان ہے۔ ان بڑے دشمنوں کے دفع ہونے کے بعد یہ کہاں جا سکتے ہیں۔ سب نے رانا سانگا کی طرف زیادہ خیال نہ کیا اور متفق اللفظ عرض کیا کہ رانگا سانگا تو بہت دور ہے اور ایسا گمان نہیں ہوتا کہ وہ پاس ہی آجائے۔ پورب والے باغی بہت قریب آگئے ہیں ان کا استیصال مقدم ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ میں خود ان دشمنوں کی طرف چلوں اتنے میں ہمایوں نے عرض کیا کہ حضور کو تکلیف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس خدمت کو میں ادا کروں گا۔ یہ بات سب کو پسند آئی۔ امراء بھی اس پر راضی ہو گئے۔ ہمایوں کو اس مہم کا سپہ سالار مقرر کیا۔ جو فوج دھول پور کی طرف بھیجی گئی تھی اس کو احمد قاسم کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ مقام چندوار میں ہمایوں سے

آن ملے۔ مہدی خواجہ اور محمد سلطان مرزا کے ہمراہ جو فوج اٹاوہ کی طرف بھیجی تھی اس کو بھی حکم دیا کہ ہمایوں کے پاس آجائے۔ جمعرات کے دن تیرھویں ذیقعدہ کو ہمایوں آگرہ سے چلا اور جلیسر نام ایک گاؤں جو آگرہ سے تین کوس ہے خیمہ زن ہوا۔ ایک دن وہ وہاں ٹھہرا۔ وہاں سے کوچ در کوچ چلنا شروع کیا۔

نواح آگرہ میں باغ اور مکانات کا بنانا:۔ اسی مہینہ کی بیسویں تاریخ جمعرات کے دن خواجہ کلاں وغیرہ کو کابل جانے کی رخصت دی۔ بہت دن سے دل میں تھا کہ ہندوستان میں بڑا عیب یہ ہے کہ نہر نہیں ہے۔ جہاں موقع کی جگہ ہو وہاں چرخ لگا کر پانی جاری کیا جائے اور خوش قطع جگہ بنائی جائے۔ آگرہ میں آنے کے بعد اسی کام کے لئے جمنا کے پار باغ لگانے کے واسطے مقامات ملاحظہ کئے۔ ایسے اجاڑ اور گندے مقامات تھے کہ بڑی کرامت اور ناخوشی کے ساتھ وہاں سے عبور کیا۔ گو ایسی جگہ چار باغ بنانے کو دل تو نہ چاہتا تھا مگر آگرہ کے قریب کوئی اور جگہ بھی دل خواستہ نظر نہ آئی۔ اس واسطے ضرور ہوا کہ اسی کو درست کر لیا جائے۔ پہلے ایک بڑا کنواں جس سے حمام میں پانی لیا جائے بنوایا۔ پھر وہ قطعہ زمین کا جہاں املی کے درخت اور مثمن حوض ہے درست کرایا۔ اس کے بعد بڑا حوض اور اس کی پٹڑی بنی۔ پھر بارہ دری کے آگے جو حوض ہے اور بارہ دری بنائی گئی۔ یہ بن چکے تو خلوت خانہ کا باغیچہ اور اس کے مکان بنے۔ پھر حمام تیار ہوا۔ غرض اسی بے ڈھنگی اور خراب جگہ پر ہندوستانی وضع کے خوبصورت باغ اور عمارتیں تیار ہو گئیں۔ ہر ٹکڑے میں معقول چمن بن گیا۔ ہر چمن میں طرح طرح کے گل بوٹے لگائے گئے۔ ہندوستان کی تین چیزوں سے مجھے نفرت ہے۔ ایک گرمی۔ دوسری آندھی اور تیسری گرد ہے۔ حمام سے ان تینوں کا علاج ہو گیا۔ پھر حمام کے لئے کیا چاہئے۔ گرمی کی شدت میں ایسا ٹھنڈا ہوتا ہے کہ سردی کے مارے کانپنے کی نوبت ہو جاتی ہے ایک حجرہ۔ حمام اور حوض تینوں تمام سنگین بنے ہیں۔ اجارہ سنگ مرمر کا ہے۔ باقی کل فرش اور چھت سنگ سرخ کی ہے۔ جو بیانہ کا پتھر ہے۔ اس کے علاوہ خلیفہ شیخ زین اور یونس علی نے دریا کے کنارہ پر خوش قطع اور وضع دار باغات اور حوض بنوائے۔ لاہور اور دیبال میں جیسے رہٹ ہیں ویسے رہٹ کنوؤں پر لگائے۔ اور پانی جاری کیا۔ ہندوستانیوں نے جو اس طرح اور صورت کے مکان کبھی خواب میں نہ دیکھے تھے تو اس واسطے جمنا کے اس جانب کا نام جہاں یہ عمارتیں بنی ہیں کابل رکھ دیا۔

قلعہ اور ابراہیم کے محلات کے بیچ میں زمین کا ایک قطعہ خالی پڑا تھا وہاں بھی ایک بڑا مکان دس گز بنانے کا میں نے حکم دیا۔ ہندوستانیوں کی اصطلاح میں بڑے چھتے زینہ دار کو وائی کہتے ہیں۔ اس وائی کو چار باغ سے پہلے بنانا شروع کیا تھا۔ شیئہ برسات میں بنیاد کھودی تھی۔ کئی دفعہ دیواریں گریں اور مزدور دب دب گئے۔ رانا سانگا کو شکست دینے کے بعد وہ عمارت بن کر تیار ہو گئی۔ چنانچہ اس غزوہ کے بعد تمام ہونا تاریخ میں لکھا گیا ہے۔ اچھا مکان بنا ہے۔ اس وائی میں سہ طبقہ مکان ہیں۔ سب سے نیچے کی منزل میں تین دالان ہیں اس سے کنوئیں میں راستہ اتر جاتا ہے۔ راستہ کا زینہ تینوں دالانوں میں سے ہے۔ تینوں دالانوں کا راستہ ایک ہے۔ ہر دالان دوسرے سے تین سیڑھی اونچا ہے۔ سب سے نیچے کے دالان میں پانی کھینچتے وقت ایک بار پانی ضرور گرتا ہے۔ برسات میں جب پانی کنوئیں میں چڑھتا ہے تو اوپر کے دالان میں آجاتا ہے۔ بیچ کے طبقہ میں دالان لداؤ کا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک برج ہے جس میں رہٹ کا چرخ پھرتا ہے۔ اوپر کے طبقہ میں ایک دالان ہے۔ صحن سے باہر کنوئیں کے اوپر پانچ چھ سیڑھی نیچا۔ زینہ کے دونوں طرف سے دالان میں سیدھی جانب راستہ جاتا ہے۔ راستہ کے سامنے تاریخ کا پتھر لگا ہوا ہے۔ اس کنوئیں کے پہلو میں اور ایک کنواں بنایا ہے جس کی تہ پہلے کنوئیں سے گز بھر اونچی ہے۔ اس گنبد میں جس کا اوپر ذکر ہوا ہے بیل چرخ پھراتے ہیں۔ پہلے کنوئیں سے اس کنوئیں میں پانی آتا ہے۔ اس دوسرے کنوئیں میں دوسرا چرخ لگا ہوا ہے۔ جس سے فصیل پر پانی پہنچتا ہے اور باغ میں جاتا ہے کنوئیں کے زینہ سے نکلنے کی جگہ بھی سنگین عمارت بنائی ہے اس کنوئیں کے احاطہ کے باہر ایک سنگین مسجد بنائی گئی ہے۔ مگر وہ کچھ عمدہ نہیں ہے۔ ہندوستانی وضع کی ہے۔ جس وقت ہمایوں یہاں سے چلا ہے اس وقت نصیر خاں اور معروف وغیرہ جاج مئو میں پڑے ہوئے تھے۔ ہمایوں نے پندرہ کوس سے مومن آتکہ کو خبر لینے کے لئے بھیجا۔ وہ لوٹ مار میں مصروف ہو گیا۔ پوری خبر نہ لا سکا۔ یہ باغی مومن آتکہ کے آنے کی سنتے ہی بھاگ گئے۔ مومن آتکہ کے بعد بابا حسین بوجکہ اور قسمائے کو خبر لانے کے واسطے روانہ کیا۔ انہوں نے غنیم کے بھاگنے اور منتشر ہونے کی خبر دی۔ ہمایوں نے جاتے ہی جاج مئو پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے چل کر جس وقت وہ نواح بلو میں آیا تو فتح خاں شروانی نے آکر ملاقات کی۔ فتح خاں کو مہدی خواجہ اور محمد سلطان مرزا کے ساتھ

میرے پاس روانہ کر دیا۔

خراسان پر عبید خاں کا حملہ:۔ اسی سال میں عبید خاں نے بخارا سے مرو پر چڑھائی کی مرو کے قلعہ میں دس پندرہ آدمی رعایا میں سے تھے ان کو قتل کر ڈالا اور چالیس پچاس دن تک مرو کا راستہ بند رکھا۔ سرخس میں تیس چالیس قزلباش تھے۔ دروازہ توڑ کر ازبک اندر گھس گئے اور ان قزلباشوں کو مار ڈالا۔ سرخس کو فتح کر کے طوس اور مشہد پر چڑھ گئے۔ مشہد والے عاجز ہو کر مطیع ہو گئے۔ طوس کا آٹھ مہینے تک محاصرہ کیا۔ پھر صلح سے اس کو لے لیا۔ مگر عہد شکنی کی اور تمام مردوں کو قتل کر دیا۔ عورتوں کو قید کر لیا۔

سلطان مظفر گجراتی کا مرنا:۔ اسی سال سلطان مظفر گجراتی کا بیٹا بہادر خاں (جو اب باپ کا جانشین اور بادشاہ گجرات ہے) اپنے باپ سے خفا ہو کر سلطان ابراہیم کے پاس چلا آیا تھا۔ سلطان ابراہیم نے اس کا کچھ اعزاز نہ کیا۔ جب میں نواح پانی پت میں تھا تو اس کی عرضیاں میرے پاس آئیں۔ میں نے بھی عنایت آمیز شقے جواب میں بھیج دیئے۔ اور اس کو بلا لیا۔ اول تو اس کو میرے پاس آنے کا خیال ہوا۔ پھر اس کی رائے پلٹ گئی۔ ابراہیم کے لشکر سے علیحدہ ہو گجرات چلا گیا۔ اس اثناء میں اس کا باپ سلطان مظفر مر گیا اور اس کا بڑا بھائی سکندر شاہ جو سلطان مظفر کا بڑا بیٹا تھا گجرات کا بادشاہ ہو گیا۔ اس کے غلام عماد الملک نے سکندر کی بیہودگیوں کے سبب سے سکندر کو قتل کر دیا اور بہادر خاں کو جو راستہ ہی میں تھا بلا کر باپ کی جگہ بٹھا دیا۔ اس کا لقب بہادر شاہ رکھا گیا۔ بہادر شاہ نے یہ بڑا عمدہ کام کیا کہ عماد الملک کو اس کی نمک حرامی کی پوری سزا دی۔ علاوہ اس کے اور بہت سے امراء کو بھی قتل کیا۔ کہتے ہیں کہ وہ بڑا سفاک اور ظالم تھا۔

۹۳۳ھ کے واقعات

فاروق کی پیدائش:۔ محرم کے مہینے میں فاروق کے پیدا ہونے کی خبر لائے۔ اگرچہ اس سے پہلے ایک پیادہ یہ خبر لایا تھا مگر بیگ دلیں سیونچی کی حیثیت سے اسی مہینے میں آیا۔ بچہ تئیسویں شوال کو پیدا ہوا تھا۔ اس کا نام فاروق رکھا۔

بڑی توپ ڈھالی گئی:۔ بیانہ کے قلعہ اور بعض اور قلعوں کے خیال سے ہنوز فتح نہ ہوئے تھے استاد علی قلی کو حکم دیا کہ ایک بڑی توپ ڈھالو۔ علی قلی نے بھٹی وغیرہ تیار کر کے مجھے اطلاع دی۔ ۲۵ محرم روز دو شنبہ کو میں توپ ڈھلنے کا تماشا دیکھنے گیا۔ جہاں توپ ڈھلنے کا سانچا تھا وہاں آٹھ بھٹیاں لگائی تھیں۔ ہر بھٹی کے نیچے سے ایک نالی سانچے تک بنا دی تھی۔ بھٹیوں کی نالیوں کا منہ کھولتے ہی نالیوں سے مصالحہ پانی کی طرح بہہ کر آیا۔ ابھی سانچا پورا نہ بھرا تھا کہ بھٹیوں سے مصالحہ کا آنا موقوف ہوا۔ یا تو بھٹیوں میں قصور رہا یا مصالحہ میں۔ بہرحال استاد قلی بہت ہی شرمندہ ہوا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ جو تانبا قالب میں پگھلا ہوا ہے اس میں جا پڑوں۔ میں نے اس کی دل جوئی کی اور خلعت دے کر اس شرمساری کو دور کیا۔ قالب خشک ہونے کے اور مٹی وغیرہ ہٹانے کے بعد خوشی خوشی کہلا بھیجا کہ توپ کے گولے کا گھر بہت خاصہ ہے۔ اس کا درست کر لینا سہل ہے۔ اس کو تو نکال کر درست کرنے کے لئے اوروں کے حوالے کیا اور آپ باقی کے بنانے میں مشغول ہوا۔

فتح خاں شروانی حاضر ہوا:۔ مہدی خواجہ فتح خاں شروانی کو ہمایوں کے پاس لایا۔ وہ ہمایوں سے اثنائے راہ میں الگ ہو گیا تھا۔ میں فتح خاں سے اچھی طرح ملا۔ اس کے باپ اعظم ہمایوں کی جاگیر اس کو عطا کی۔ اور ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی جاگیر اس پر اور اضافہ کر دی ہندوستان میں دستور ہے کہ جن امراء کا مرتبہ دربار شاہی میں بڑھایا جاتا ہے ان کو مقررہ خطاب بھی دیئے جاتے ہیں۔ ان ہی خطابوں میں سے ایک خطاب اعظم ہمایوں ہے۔ ایک خان جہاں ہے اور ایک خان خاناں ہے۔ اس کے باپ کا خطاب اعظم ہمایوں تھا۔ چونکہ شہزادہ کا نام ہمایوں تھا اس لئے اب اس خطاب کو میں نے موقوف کر دیا۔ فتح خاں شروانی کو خان جہاں خطاب دیا گیا۔ چار شنبہ کے دن آٹھویں صفر کو حوض کے کنارہ اوپر کی طرف شامیانہ استادہ کروا کر میں نے ایک بزم نشاط منعقد کروائی۔ فتح خان شروانی کو اس میں بلا کر شراب عنایت کی اور ملبوس خاص عطا فرمایا۔ اس عنایت اور مہربانی سے سرفراز کرنے کے بعد اس کو اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت دی۔ اور یہ حکم دیا کہ اس کا بیٹا محمود خاں ہمیشہ ملازمت میں حاضر رہے۔

ہمایوں کو حاضر ہونے کا حکم:۔ محرم کی چوبیسویں تاریخ جمعہ کے دن محمد علی حیدر

رکاب دار کو ہمایوں کے پاس بھیج کر تاکید ا کہلا بھیجا کہ باغیوں کی فوج جون پور چلی گئی ہے۔ اس آدمی کے پہنچتے ہی تم چند سرداروں کو ادھر روانہ کرو اور خود مع فوج میرے پاس چلے آؤ۔ اس لئے کہ رانا سانگا قریب آگیا ہے۔ اس کا پورا تدارک کرنا ضرور ہے۔

بیانہ پر چڑھائی :- پورب کی جانب فوج بھیجنے کے بعد تردی بیگ' قوچ بیگ۔ اس کے چھوٹے بھائی شیر افگن' محمد جلیل آختہ بیگی۔ رستم ترکمان (معہ ان کے بھائیوں کے) کو اور امرائے ہندوستان میں سے دلی شروانی کو بیانہ کی نواح میں روانہ کیا۔ اور ان کو حکم دیا کہ اگر قلعہ والوں کو وعدے وغیرہ کر کے لا سکو تو لے آؤ۔ ورنہ لوٹ مار مچاؤ اور دشمنوں کو خوب ستاؤ۔ نظام خاں والی بیانہ کا بڑا بھائی عالم خاں تھنکر میں تھا۔ اس کے لوگ کئی بار آئے اور اطاعت کا اظہار کیا۔ اس عالم خاں نے ذمہ کیا کہ فوج شاہی اس جانب روانہ ہو۔ بیانے کے ترکش بندوں کو سمجھا کر میں لے آؤں گا اور بیانہ فتح کرا دوں گا۔ تردی بیگ کے ساتھ جو سردار بھیجے گئے تھے ان کو حکم دیا گیا کہ تم سب عالم خاں کی صلاح پر چلو اس لئے کہ وہ صاحب ملک ہے۔ اس نے اطاعت قبول کر کے خدمت گذاری کا ارادہ کر لیا ہے۔ ہندوستان کے لوگ تلوار مارنی تو جانتے ہیں مگر سپہ گری کے فن سے اور سردار بننے سے ناواقف ہوتے ہیں۔ عالم خاں نے یہ کیا کہ ہماری فوج کے ساتھ آنکھ بند کر کے ہو لیا۔ کسی کی اچھی سنی نہ بری۔ منہ اٹھائے ہوئے ہماری فوج کو بیانہ کے قریب پہنچا دیا۔ اس فوج میں ڈھائی تین سو کے قریب تو ترک تھے اور دو ہزار سے کچھ زیادہ ہندوستانی۔ نظام خاں کے پاس پٹھان وغیرہ ملا کر چار ہزار سے زیادہ سوار اور دو ہزار سے زیادہ پیدل موجود تھے۔ اتنے کثیر التعداد دشمن نے ہمارے لشکر کی کمی دیکھ کر ایک دفعہ ہی دھاوا کر دیا۔ چونکہ حملہ آور زیادہ تھے اس لئے جوں ہی انہوں نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور تیروں کی بوچھاڑ کی فوراً ہماری فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عالم خاں تھنکری گھوڑے سے گرا اور پانچ چھ آدمیوں سمیت پکڑا گیا۔ کچھ بھیر بھی پکڑی گئی۔ اس حرکت پر بھی اس نے استمالت کی اور اگلی پچھلی خطائیں معاف کر کے فرمان بھیج دیئے۔ جب اس نے رانا سانگا کے چڑھے چلے آنے کی سنی تو گھبرایا۔ مجبوراً سید رفیع کے توسط سے شہر ہمارے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ اور خود سید رفیع کے ساتھ حاضر ہو کر شرف ملازمت حاصل کیا۔ میاں دو آب میں بیس

لاکھ کی جاگیر اس کو عنایت ہوئی۔ چند روز کے لئے دوست ایشک آقا کو بیانے کا حاکم مقرر کیا۔ پھر بیانا مہدی خواجہ کو دے دیا اور ستر لاکھ روپے اس کی تنخواہ کر دی۔

گوالیار پر قبضہ :۔ تاتار خاں سارنگ خانی جو گوالیار کو دبائے بیٹھا تھا۔ یوں تو ہمیشہ سے اس کے آدمی آتے جاتے تھے اور اظہار اطاعت کرتے تھے۔ مگر جب رانا سانگا نے کندار چھین لیا اور نواح گوالیار کے راجاؤں میں سے درمنگت اور ایک شخص خان جہاں نامی نے اطراف گوالیار میں آکر گوالیار چھیننے کے ارادہ سے فساد مچانے شروع کئے تو تاتار خاں تنگ ہوا۔ اور قلعہ دے دینے پر آمادہ ہو گیا۔ ہماری ساری فوج چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ امراء مہموں پر گئے ہوئے تھے۔ مجبوراً رحیم داد کو بھیرا اور لاہور کی فوج دے کر مستی جی ننتقطار کو مع اس کے بھائیوں کے ہمراہ کیا اور گوالیار کی جانب روانہ کر دیا۔ شیخ گھورن کو بھی ساتھ کر دیا کہ رحیم داد کو گوالیار میں قائم کر کے چلا آئے۔ یہ سردار جب گوالیار کے قریب پہنچے تو تاتار خاں کی نیت پلٹ گئی۔ ان لوگوں کو قلعہ میں نہ بلایا۔ اس اثناء میں شیخ محمد غوث نے جو ایک بہت بزرگ درویش ہیں اور جن کے مرید و معتقد کثرت سے ہیں شہر میں رحیم داد کے پاس کہلا بھیجا کہ جس طور سے ہو سکے تم شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اس لئے کہ اس شخص (تاتار خاں) کا خیال بدل گیا ہے اور یہ بر سر فساد ہے۔ رحیم داد نے یہ پیام سنتے ہی تاتار خاں سے کہلا بھیجا کہ باہر ہندوؤں کا بڑا خوف ہے۔ بہتر ہے کہ میں چند آدمیوں سمیت قلعہ میں چلا آؤں۔ اور باقی لشکر وغیرہ باہر رہے۔ تاتار خاں بڑے اصرار سے اس بات پر راضی ہو گیا۔ جس وقت رحیم داد تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ اندر آگیا۔ اس وقت اس نے کہا کہ دروازہ پر ہمارے سپاہیوں کا پہرہ رہے۔ ہتیا پول دروازہ پر رحیم داد کے سپاہیوں کے پہرے لگ گئے۔ اسی رات میں رحیم داد نے اپنی ساری فوج اندر بلا لی۔ صبح کو تاتار خاں کے چھکے چھوٹ گئے۔ خواہی نخواہی قلعہ سونپ دیا اور خود میرے پاس آگرہ میں چلا آیا۔ اس کی پرورش کے لئے بیس لاکھ کی جاگیر متعین کر دی۔

دھولپور پر قبضہ :۔ محمد زیتون بھی کچھ نہ کر سکا۔ آخر دھولپور ہمارے حوالے کر دیا اور خود ملازمت میں حاضر ہو گیا۔ اس کو بھی کئی لاکھ کی جاگیر عطا کر دی۔ دھولپور خالصہ میں شامل کر لیا اور ابو الفتح ترکمان کو اس کا شق دار مقرر کر دیا۔

حصار فیروزہ کے باغیوں کا استیصال :۔ حصار فیروزہ کی نواح میں حمید خاں

سارنگ خانی کچھ پی پٹھان اور ادھر ادھر کے تین چار ہزار آدمی لئے ہوئے اودھم مچا رہا تھا۔ صفر کی پندرھویں تاریخ چار شنبہ کے دن چین تیمور سلطان۔ احمد پروانچی۔ ابو الفتح ترکمان۔ ملک داو کرمانی اور حامد خاں ملتانی کو ان پٹھانوں کی تنبیہہ کے لئے میں نے معین کیا۔ یہ لوگ دور دراز راستہ سے یلغار کر کے ان پٹھانوں پر جا پڑے۔ اور ان کی خوب گت بنائی۔ بہت سے آدمی قتل کئے اور بہت سوں کے سر کاٹ کر بھیجے۔

زہر خورانی کا واقعہ :۔ ماہ صفر کے آخر میں خواجگی اسد جو شاہ طہماسپ صفوی کے پاس ایلچی ہو کر عراق گیا تھا سلیمان نام ترکمان کو ساتھ لے آیا اور بہت سی سوغاتیں لایا۔ ان میں دو چرکس لڑکیاں بھی تھیں۔ ربیع الاول کی سترہویں تاریخ جمعہ کے دن عجیب واقعہ ہوا۔ چنانچہ میں نے اس کو کابل بھی مفصل لکھ بھیجا تھا اور یہاں بھی بے کم و کاست لکھتا ہوں۔ مفصل کیفیت یوں ہے کہ ابراہیم لودھی کی بدنصیب ماں نے سنا کہ ہندوستانیوں کے ہاتھ کا کھانا میں کھانے لگا ہوں اور بات یہ ہوئی تھی کہ میں نے کبھی ہندوستانی کھانے نہ کھائے تھے۔ اب سے تین چار مہینے پہلے میں نے حکم دیا کہ ابراہیم کے باورچیوں کو بلاؤ۔ اس واسطے کہ مجھے ہندوستانی کھانوں کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ پچاس ساٹھ آدمی آئے۔ ان میں سے چار چن کر میں نے رکھے۔ اس کمبخت (ابراہیم کی ماں) نے بھی یہ حال سنا۔ احمد چاشنی گیر۔ (ہندوستانی چاشنی گیر بکاول کو کہتے ہیں) سے جو اٹاوہ سے آیا تھا سازش کر کے ایک ماما کے ہاتھ زہر کی پڑیا جس میں تولہ بھر (تولہ دو مثقال سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے) زہر تھا بھیجی۔ احمد نے باورچی خانہ کے ہندوستانی باورچی کو چار پرگنوں کے انعام کا لالچ دیا اور کہا کہ جس طرح ہو سکے بادشاہ کو زہر دے دے۔ جس ماما کے ہاتھ احمد کے پاس زہر بھیجا تھا اس کے پیچھے پیچھے ایک اور ماما کو یہ دریافت کرنے بھیجا کہ پہلی ماما نے زہر احمد کے حوالے کر دیا یا نہیں۔ اور ہدایت کی کہ بہتر یہ ہے کہ پتیلی میں زہر نہ ڈالا جائے بلکہ رکابی میں ڈالا جائے۔ اس لئے کہ میں نے بکاولوں کو حکم دے دیا تھا کہ ہندوستانیوں سے غافل نہ رہنا۔ جب کھانا تیار ہو جاتا تو پتیلی ہی میں چاشنی چکھا دی جاتی ہے۔ دستر خوان بچھنے کے وقت نالائق بکاولوں کو ہوش نہیں رہتا۔ چینی کی رکابی میں رکھ کر پھلکے لائے جاتے ہیں۔ آدھے سے کم زہر تو اس پر چھڑکا اور آدھے سے زیادہ رکھ لیا کہ قلیہ کے پیالے میں ڈال دے یا پتیلی میں۔ اگر ایسا کیا جاتا تو برا ہوتا۔ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور جو رہ گیا تھا گھبرا

کر اس کو چولہے میں ڈال دیا۔

جمعہ کے دن عصر کے وقت دستر خوان بچھا۔ خرگوش پکا تھا کچھ وہ کھایا۔ کچھ انڈوں کا قلیہ کھایا۔ مگر کوئی چیز اچھی نہ معلوم ہوئی۔ قاق کے گوشت کی دو ایک بوٹیاں چکھیں۔ دل اکھل بکھل کرنے لگا۔ قاق کے گوشت کی بوٹیاں زیادہ بدمزہ معلوم ہوئی تھیں۔ میں سمجھا اسی سے دل اکھل بکھل کرتا ہے۔ ذرا ٹھہر کر پھر متلی ہونے لگی۔ غرض دو تین بار دستر خوان پر بیٹھے بیٹھے یہی حال ہوا۔ قریب تھا کہ قے ہو جائے۔ آخر میں کھڑا ہوا۔ آب دار خانہ تک جاتے جاتے ایک ابکائی آئی۔ آب دار خانہ کے پاس جا کر خوب استفراغ ہوا۔ میں نے کھانا کھا کر بلکہ شراب پی کر بھی کبھی قے نہ کی تھی۔ میرے دل میں اس طرح کی قے سے شک پیدا ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ باورچی کو نظر بند رکھو۔ کھانا کتے کو کھلاؤ اور کتے کو بندھا رکھو۔ دوسرے دن پہر دن چڑھے تک کتے کا حال بگڑا رہا۔ اس کا پیٹ ابھر گیا۔ ہر چند اس کو مارتے تھے اور اٹھاتے تھے لیکن وہ ہلتا نہ تھا۔ دوپہر تک اس کا یہی حال رہا۔ پھر جیت گیا اور بچ گیا۔ دو ایک چیلوں نے بھی اس کھانے میں سے کھایا۔ دوسرے دن وہ بھی قے کرتے رہے۔ ایک کی حالت تو بہت بگڑ گئی تھی مگر دونوں بچ گئے۔ ع

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

اللہ تعالٰی نے دوبارہ زندگی عنایت فرمائی۔ گویا میں پھر ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

موت کے منہ سے بچ کے یہ جانا
زندگی بھی عجیب نعمت ہے

سلطان محمد بخشی کو میں نے حکم دیا کہ باورچی سے اچھی طرح حال دریافت کرو۔ اس نے سارا کچا چٹھا بیان کر دیا۔ پیر کے دن میں نے دربار کیا۔ حکم ہوا کہ تمام وزراء امراء اور عمائد وغیرہ حاضر دربار ہوں۔ سب حاضر ہوئے۔ ان دونوں مردوں اور دونوں عورتوں کو لائے۔ ان کے اظہار لئے گئے۔ سب نے پورا پورا واقعہ بیان کر دیا۔ چاشنی گیر کے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے گئے۔ باورچی کی زندہ کھال کھنچوا دی۔ ایک عورت کو ہاتھی کے پاؤں سے کچلوا دیا۔ دوسری کو گولی مار دی۔ کم بخت بوا یعنی ابراہیم کی ماں کو قید کیا گیا۔ اس نے بھی اپنے کیئے کی سزا پائی اور آئندہ پائے گی۔ ہفتہ کو ایک پیالہ دودھ کا میں نے پیا اور گل مختوم کو عرق میں حل کر کے پیا۔ دو شنبہ کو دودھ میں گل

مختوم اور تریاق فاروق ملا کر پیا۔ دودھ نے میرا کوٹھا خوب صاف کر دیا۔ دو شنبہ کو پہلے دن کی طرح پھرتے ہوئی۔ جلا ہوا صفرا کالا قے میں نکلا۔ خدا کا شکر ہے کہ اب اچھی طرح ہوں۔ میں نہ جانتا تھا کہ جان ایسی عزیز چیز ہوتی ہے۔ سچ ہے جس کے مرنے کی نوبت آجاتی ہے وہی جان کی قدر جان جاتا ہے۔ اب بھی اس واقعہ کا اور اس حادثہ کا جب خیال آتا ہے تو بے ساختہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت تھی کہ اس نے دوبارہ زندگی عطا فرمائی۔ اس کا شکر کس زبان سے ادا کروں۔ اگرچہ واقعہ ایسا خوفناک اور سخت تھا کہ زبان سے نہ نکل سکتا تھا مگر اس خیال سے کہ لوگ جلد واقف ہو جائیں جو کچھ گذرا تھا۔ وہ مفصل میں نے لکھ دیا اور لکھ دیا کہ کوئی دن اور زندگی کے باقی تھے کہ یہ بلا ساتھ خیر کے ٹل گئی۔ اب کوئی اندیشہ اور تردد لوگوں کو نہ رہے۔

یہ خیال کر کے ربیع الاول کی بیسویں کو جب کہ میں چار باغ میں تھا اس مضمون کا خط لکھ کر کابل بھیجا۔ چونکہ کمبخت بوا سے ایسا سخت جرم سرزد ہوا تھا تو یونس علی خواجگی اسد سے اس کو گرفتار کروایا۔ گرفتاری کے بعد اس کا مال اسباب۔ لونڈی اور غلام وغیرہ کو ضبط کر کے عبدالرحیم کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ سب کو حفاظت سے رکھے۔ ابراہیم کے پوتے نواسے کو بڑی عزت سے رکھا گیا تھا۔ جب ان لوگوں سے ایسی حرکت سرزد ہوئی تو ان کو یہاں رکھنا مجھے خلاف مصلحت معلوم ہوا۔ پنج شنبہ اتیسویں ربیع الاول کو ملا سرسان کے ساتھ جو کامران کے پاس سے بعض کاموں کے لئے آیا تھا کامران کے پاس روانہ کر دیا۔ ہمایوں جو پورب کے باغیوں کی سرکوبی کے واسطے گیا تھا جون پور کو فتح کرتا ہوا نصیر خاں کے سر پر بھی غازی پور جا پہنچا۔ وہاں کے افغان بھی اس کے آجانے کی خبر سن کر دریائے سرد سے پار چلے گئے۔ ہمایوں کی فوج مقام فرید کو لوٹ کر واپس آئی۔ جس طرح سے حکم دیا تھا ہمایوں نے شاہ میر حسین اور سلطان جنید برلاس کو جون پور میں چھوڑا۔ قاضی جیبہ کو اور شیخ بایزید کو ان کے ہمراہ مقرر کیا۔ اس کام کو انجام دے کر کڑا مانک پور کی نواح میں گنگا سے پار ہو کالپی کے راستہ سے ہمایوں اس طرف چلا۔ عالم خاں اور جلال خاں جگت کالپی میں تھے۔ ان کی عرضیاں آتی تھیں۔ ہمایوں نے کالپی کے قریب پہنچ کر ان دونوں کے پاس آدمی بھیجا۔ اور ان کا اطمینان کر کے ان کو اپنے ہمراہ لے آیا۔ اتوار کے دن تیسری ربیع الاخر کو باغ

ہشت بہشت میں ہمایوں نے ملازمت حاصل کی۔ آج ہی خواجہ دوست خاوند بھی کابل سے آیا۔

رانا سانگا پر چڑھائی کی تیاری:۔ انہی دنوں میں مہدی خواجہ کے پاس سے پے در پے قاصد آئے۔ اس نے کہلا بھیجا کہ رانا سانگا کا آنا صحیح طور سے معلوم ہو گیا۔ حسن خاں میواتی بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس کا معقول تدارک کرنا چاہئے۔ مناسب ہے کہ اس کے آنے سے پہلے بیانہ میں کمک پہنچ جائے۔ اب میں نے فوج کشی کرنی دل میں اچھی طرح ٹھان لی۔ محمد سلطان مرزا' یونس علی' شاہ منصور برلاس' کتہ بیگ اور قسمی بو بکہ کو اپنے چلنے سے پہلے بطریق ایلغار بیانہ کی طرف روانہ کیا۔

حسن خاں کے بیٹے کا چھٹنا اور اس کا باغی ہونا:۔ حسن خاں میواتی کا بیٹا طاہر خاں ابراہیم کی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔ اس کو نظر بند رکھا تھا۔ اس وجہ سے حسن خاں میواتی ظاہر میں آتا جاتا تھا اور ہمیشہ اپنے بیٹے کی رہائی چاہتا تھا۔ بعض کی رائے ہوئی کہ اگر حسن خاں کی دل دہی کے لئے اس کے بیٹے کو بھیج دیا جائے تو اس کو اطمینان ہو جائے گا اور وہ خدمت گذاری میں قصور نہ کرے گا۔ طاہر کو خلعت دے کر اور حسن خاں سے وعدے لے کے اس کو رخصت دے دی۔ یہ مروک اپنے بیٹے کے چھٹنے کی راہ ہی دیکھ رہا تھا بیٹے کے چھٹنے کی خبر سنتے ہی بیٹے کے پہنچنے سے پہلے الور سے نکل رانا سانگا کے ساتھ ہو گیا۔ اصل میں اس کے بیٹے کو اس موقع پر چھوڑنا اچھا نہ تھا۔ ان دنوں میں بارش خوب ہوئی۔ ہم نے بہت سے جلسے کئے ہمایوں بھی ان جلسوں میں شریک ہوتا رہا۔ اگرچہ وہ متنفر تھا مگر ان جلسوں میں وہ بھی رنگا گیا۔ اسی زمانہ میں کئی بڑے واقعات گزرے۔ ایک واقعہ ان میں سے یہ ہے کہ جب ہمایوں قلعہ ظفر سے لشکر ہندوستان میں آیا تھا تو اثنائے راہ سے ملا بابا ساغری اور اس کا چھوٹا بھائی بابا شیخ بھاگ کر کتین قراز سلطان کے پاس چلے گئے۔ جو لوگ بلخ میں تھے وہ مجبور ہو گئے۔ اور بلخ کتین سلطان کے قبضہ میں آگیا۔ اس بیہودہ مروک نے اور اس کے چھوٹے بھائی نے ادھر کا انتظام وغیرہ اپنے ذمہ لیا۔ اور ایک و خرم سار باغ کی نواح میں یہ آگئے۔ شاہ سکندر بلخ میں ان کے گھس آنے سے ہڑ بڑا گیا۔ اس نے غوری کا قلعہ ازبک کے حوالے کر دیا۔ بابا شیخ مع تھوڑے سے آدمیوں کے قلعہ میں آتا تھا۔ چونکہ قلعہ مریمہ قریب تھا مجبوراً ازبک کے پاس چلا آیا۔ چند روز کے بعد مصلحۃً کچھ فوج

کے ساتھ بلخ کی طرف لے چلے۔ بابا شیخ ازبکوں کے ہمراہ قلعہ مریمہ میں جو گیا تو اس کو قلعہ میں اتارا۔ اور اوروں کو باہر ٹھہرایا۔ مریمہ والوں نے بابا شیخ کو قتل کر ڈالا اور اس کے ساتھیوں کو قید کر لیا اور ننگری بردی کے پاس قندز کی طرف آدمی دوڑایا۔

ننگری بردی نے یار علی اور عبداللطیف وغیرہ کو روانہ کیا۔ ان کے پہنچنے تک ملا بابا ازبک کی فوج لے کر قلعہ مریمہ میں آیا۔ اور آمادۂ جنگ ہوا۔ مگر وہ کچھ کر نہ سکا۔ ننگری بردی کے لوگوں کے ساتھ قندز میں آگیا۔ رحیم کو بابا شیخ سے کاوش تھی۔ اسی سبب سے وہ اس کا سر کاٹ کے اسی زمانہ میں مریمہ میں لایا۔ میں نے اس کو کمال عنایت اور مہربانی سے سرفراز کیا۔ اور ہم چشموں میں اس کی آبرو بڑھا دی۔ جب میں نے باقی شقاول کو بھیجا ہے تو ان دونوں نمک حراموں کے باب میں ہر ایک کے سر کے لئے سیر سیر بھر سونا انعام دینے کا وعدہ کیا تھا اور عنایتوں کے علاوہ وعدہ کے موافق اس کو سیر بھر سونا بھی دیا۔ اسی زمانہ میں قتی ساغری جو بیانہ کی طرف فوج لے کر گیا تھا کچھ دشمنوں کے سر کاٹ لایا۔ قتی ساغری اور یو بک نے تھوڑے سے قزاق سپاہیوں کے ساتھ ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہندوؤں پر حملہ کیا۔ اور ان کو شکست دے کر ستر اسی آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر تحقیق طور سے قتی ہی لایا تھا کہ حسن خاں میواتی سانگا کے ساتھ ہو گیا ہے۔ استاد علی قلی نے وہ توپ ڈھال کر تیار کر لی تھی۔ جس کے گولے کا گھر تو پہلے ہی ڈھل گیا تھا اور اس کی نال بعد میں درست ہو گئی۔ ہفتہ کے دن بیسویں تاریخ اس کے چھوڑنے کا تماشا دیکھنے میں بھی گیا۔ عصر کے وقت اس کو چھوڑا۔ چھ سو قدم تک گولا پہنچا۔ استاد کو میں نے خنجر اور خلعت وغیرہ انعام دیا۔

رانا سانگا کی جانب روانگی:۔ پیر کے دن جمادی الاولیٰ کی نویں کو جہاد کی نیت سے میں سوار ہوا۔ شہر سے نکل کر میدان میں خیمے ڈالے۔ تین چار روز تک فوج کے جمع ہونے اور انتظام کرنے کے لئے یہیں ٹھہرنا ہوا۔ چونکہ ہندوستانیوں پر مجھے پورا بھروسا نہ تھا اس لئے امرائے ہند کے نام چاروں طرف تاکیدی احکام جاری کئے۔ عالم کو لکھا کہ جلد گوالیار میں آکر رحیم داد کی مدد کرے۔ مکھن قاسم سنبھلی اور حامد اور اس کے بھائیوں اور محمد زیتون کو فرامین بھیجے گئے انہی دنوں میں خبر آئی کہ رانا سانگا ساری فوج لئے ہوئے بیانہ کے قریب آکر لوٹ مار کر رہا ہے۔ جو لوگ قراولی کے لئے گئے تھے وہ خبر نہ لا سکے۔ بلکہ قلعہ میں بھی نہ جا سکے۔ قلعہ والے اگر قلعہ سے باہر تھوڑی دور بھی

نکل آتے ہیں تو دشمن اس کا سرتا برتا کر لیتا ہے۔ سنکر خان جنجوہہ وہیں شہید ہوا۔ ایک دن کچھ غل جو مچا تو کتہ بیگ بولا کر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ ایک ہندو کو جا گھیرا۔ گرفتار کرنے کے موقع پر کتہ بیگ کے آدمی کے ہاتھ سے اس نے تلوار چھین ایک ہاتھ مارا جو کتہ بیگ کے کندھے پر پڑا۔ ایسا زخم آیا کہ کتہ بیگ رانا سانگا والے جہاد میں شریک نہ ہو سکا۔ بہت دن بعد تندرست تو ہو گیا مگر ہاتھ کنونڈا ہو گیا۔ قسمی اور شاہ منصور وغیرہ جو بیانہ سے آئے تو نہ معلوم کہ خود ڈر گئے تھے یا لوگوں نے ڈرا دیا تھا۔ انہوں نے لشکر ہنود کی بڑی تعریف کی۔ میں نے اس منزل سے کوچ کر کے قاسم میر آخور کو بیل داروں سمیت آگے بھیجا کہ مندا پور کے علاقہ میں لشکر کے اترنے کے لئے بہت سے کنوئیں کھدوا رکھے۔

بدھ کے دن جمادی الاولیٰ کی دسویں کو نواح آگرہ سے چل کر اسی منزل میں جہاں کنوئیں کھودے گئے تھے ہم جا اترے۔ دوسرے دن وہاں سے کوچ کر دیا۔ میرے دل میں آئی کہ اس نواح میں ایسا مقام جہاں پانی زیادہ ہو اور لشکر کو کفایت کرے وہ سیکری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہندو پانی پر قبضہ کر لیں۔ اس خیال سے فوج کی جرا نغار اور برا نغار وغیرہ کا انتظار کر کے روانہ ہوا۔ درویش محمد ساربان کو سیکری کے تالاب کے کنارے کی طرف آگے روانہ کیا تاکہ وہاں اترنے کا بندوبست کرے۔ قسمی وغیرہ کو جو بیانہ سے آتے تھے اور سب طرف سے واقف تھے اس کے ہمراہ کر دیا۔ منزل پر اترتے ہی مہدی خواجہ وغیرہ کو جو بیانہ میں تھے کہلا بھیجا کہ فوراً ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہمایوں کے ملازم بیگ میرک مغل کو چند سپاہیوں سمیت دشمن کے لشکر کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ راتوں رات وہ گیا اور دوسرے دن خبر لایا کہ دشمن کا لشکر بساور سے کوس بھر آگے آکر ٹھہرا ہے۔ آج ہی مہدی خواجہ اور سلطان مرزا مع فوج بیانہ سے آگئے۔ امراء باری باری سے قراولی کے واسطے متعین ہوئے عبدالعزیز اپنی قراولی کے دن آنکھ بند کئے ہوئے مقام خانوا میں جو سیکری سے پانچ کوس ہے چلا گیا۔ ان کے اس طرح بے محابا چلے آنے کی خبر سنتے ہی لشکر ہنود میں سے جو آگے چلا آتا تھا چار پانچ ہزار آدمی چڑھ آئے۔ عبدالعزیز اور ملا اپاق ہزارہ کے ساتھ مسا کر کے پانچ سو آدمی ہوں گے۔ ہمارا قراول غنیم کی فوج کا بے تخمینہ کئے لڑائی اور مقابلہ پر جھک پڑا۔ قریب ہوتے ہی بہت سے لوگ پکڑے گئے۔ یہ خبر سنتے ہی میں نے محب علی خلیفہ کو اس کے ملازموں

سمیت ادھر روانہ کیا۔ ملا حسین وغیرہ سرداروں کو پیچھے کمک کے لئے بھیجا۔ پھر محمد علی جنگ جنگ کو بھی چلتا کیا۔ میدان جنگ میں ان لوگوں کے پہنچنے سے پہلے عبدالعزیز کے پاؤں اکھڑ چکے تھے۔ دشمن نے اس کا نشان بھی چھین لیا تھا۔ ملا نعمت، ملا داؤد اور ملا ایاق کے چھوٹے بھائی وغیرہ کو شہید کر ڈالا تھا۔ محب علی کے وہاں پہنچتے ہی طاہر۔ پری طغائی اور محب علی نے دشمن پر حملہ کیا۔ ان کو کمک نہ پہنچی۔ طاہر وہاں گرفتار ہو گیا۔ محب علی اثنائے جنگ میں گھوڑے سے گرا۔ بالتو نے آکر اسے اٹھایا۔ کوس بھر تک دشمنوں نے ان کا پیچھا کیا۔ جنگ جنگ کی فوج نمودار ہوتے ہی دشمن کی فوج ٹھہر گئی۔ مجھ کو متواتر خبریں آئیں کہ دشمن پاس آگیا ہے۔ میں جیبہ پہن گھوڑے پر بکھم ڈلوا اور ساز کسوا سوار ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ ارابوں کو کھینچ لاؤ۔ میں کوئی کوس بھر آیا تھا کہ غنیم کا لشکر الٹا پھر گیا۔

ہمارے پہلو میں ایک بڑا تالاب تھا۔ پانی کے خیال سے ہم وہیں ٹھہر گئے۔ ارابوں کو زنجیروں سے خوب کس دیا۔ اور ایک کو دوسرے سے زنجیر کے ساتھ باندھ دیا۔ ان کا فاصلہ آپس میں سات آٹھ گز کا تھا۔ یہ فاصلہ زنجیروں سے جکڑا ہوا تھا۔ مصطفیٰ رومی نے رومی طریقہ پر ارابے بنائے تھے۔ نہایت مضبوط اور عمدہ ارابے تھے۔ چونکہ استاد علی قلی کو مصطفیٰ سے رشک تھا اس لئے مصطفیٰ رومی کو ہمایوں کے پاس برا نغار میں مقرر کیا۔ جہاں ارابے نہ جا سکتے تھے وہاں خراسانی اور ہندوستانی بیلداروں نے خندقیں کھودیں۔ ادھر تو اس تیزی کے ساتھ رانا کا لشکر آیا۔ ادھر جو لڑائی بیانے میں ہوئی تھی اس کی تعریف شاہ منصور اور قسمی وغیرہم نے بیان کی۔ اب باتوں سے ہماری فوج میں ذرا بے دلی پیدا ہونے لگی۔ اسی نے عبدالعزیز کو شکست کھلوائی۔ لوگوں کے اطمینان اور لشکر کی احتیاط کے لئے جہاں ارابے نہ جا سکتے تھے وہاں یہ کیا کہ کاٹ کی تپائیاں آٹھ آٹھ سات سات گز کے فاصلہ پر کھڑی کر دیں اور ان کو چمڑے کی رسیوں سے جکڑ دیا۔ اس سامان کے درست کرنے میں پچیس دن لگے۔ اسی زمانہ میں کابل سے سلطان حسین مرزا کا نواسا مرزا قاسم حسین سلطان۔ احمد یوسف۔ سید یوسف مع اہل قوم اور اور لوگ ایک ایک دو دو کر کے قریب پانچ سو آدمی کے آگئے۔ محمد شریف منجم منحوس بھی اس کے ہی ساتھ آیا۔ بابا دوست سوچی جو شراب لانے کے لئے کابل گیا ہوا تھا۔ وہ بھی غزنی کی شراب اونٹوں کی تین قطاروں پر لاد کر ان ہی کے ہمراہ

آیا۔ اس موقع پر کہ گذشتہ حالات اور بیہودہ باتوں سے جیسا کہ اوپر بیان کیا ہے ہمارے لشکر میں کمال درجہ تردد اور وہم ہو رہا تھا محمد شریف منجم کمبخت گو مجھ سے کہنے کی تو مجال نہ رکھتا تھا مگر جس سے ملتا تھا اصرار سے، بک دیتا تھا کہ آج کل مریخ مغرب میں ہے جو ادھر لڑے گا وہ مغلوب ہو گا۔ اس ناشدنی سے پوچھتا کون تھا۔ اس کی بیہودہ سرائی سے اور بھی لوگوں کے دل چھوٹتے تھے۔ میں نے ان باتوں پر ذرا خیال نہ کیا۔ جو کام کرنے کا تھا وہ کیا۔ اور اسی کا کرنا مقدم جانا۔ میں جنگ اور مقابلہ پر مستعد ہو گیا۔ ۲۱ تاریخ اتوار کے دن شیخ جمالی کو روانہ کیا کہ میان دوآب اور دلی سے جتنے ترکش بند اکٹھے ہو سکیں ان کو لے کر میوات کے علاقہ کو لوٹنا اور مارنا شروع کرو اور جو ہو سکے اس میں کمی نہ کرنا تاکہ غنیم کو ادھر کی طرف سے کھٹکا پیدا ہو جائے۔ ملا ترک علی کو شیخ جمالی کے ساتھ کر دیا۔ اور تاکیداً سمجھا دیا کہ میوات کے ستیاناس کرنے میں ہرگز کسر نہ کرنا۔ مغفور دیوان کے نام بھی یہی حکم بھیجا کہ سرحدی مواضعات کو لوٹ لو۔ ویران کر دو اور لوگوں کو گرفتار کر لو۔ افسوس! انہوں نے اس حکم کی تعمیل پورے طور پر نہ کی۔ اس لئے دشمن کو اس طرف کا اندیشہ نہ پیدا ہوا۔

شراب سے توبہ :۔ منگل کے دن تئیسویں جمادی الثانی کو میں سیر کرنے سوار ہوا۔ اثنائے راہ میں خیال آیا کہ ہمیشہ سے دل میں توبہ کرنے کی تھی اور خلاف شرع فعل کرنے سے دل خوش نہ تھا۔ میں نے کہا اے نفس۔

دور ساز از جملہ مناہی خود را
پاک ساز از ہمہ گناہی خود را

اسی سوچ میں یہاں سے جا کر میں نے تو شراب سے توبہ کی۔ نقرئی اور طلائی صراحیاں اور گلاس وغیرہ تمام سامان بزم اسی وقت منگا کر تڑوا ڈالا۔ ساری شراب پھنکوا دی اور اپنے دل کو پاک کر لیا۔ ٹوٹا ہوا سامان محتاجوں اور مستحقوں کو بانٹ دیا۔ سب سے پہلے میرے ساتھ عس نے توبہ کی اس نے ڈاڑھی منڈانے اور رکھنے میں بھی ساتھ دیا۔ اس رات میں اور دوسرے دن امراء مصاحبین۔ سپاہی اور اور لوگوں میں سے تقریباً تین سو آدمی نے توبہ کی اور شراب انڈھا دی۔ بابا دوست کی لائی ہوئی شراب میں نمک ڈلوا دیا گیا تاکہ وہ سرکہ ہو جائے۔ ایک گڑھا کھدوا کر شراب کی بوتلیں اس میں لنڈھوا دی تھیں۔ میں نے حکم دیا کہ اس جگہ ایک پتھر نصب کر دیا

جائے اور ایک مکان اس کے پہلو میں بنا دیا جائے۔ ۹۳۵ھ میں گوالیار کی سیر سے جب میں پلٹ کر دھولپور سے سیکری میں آیا تو یہ مکان تیار ہو گیا تھا۔ میں نے پہلے نیت کی تھی کہ اگر رانا سانگا پر مجھے فتح حاصل ہوئی تو میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دوں گا۔ اثنائے توبہ میں محمد ساربان اور شیخ زین نے یاد دلایا۔ میں نے کہا خوب یاد دلایا۔ اس وقت جو ملک میرے پاس ہے اس میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دیا۔ منشیوں کو حکم دیا کہ ان دونوں عظیم الشان باتوں کے مشتہر ہونے کے فرامین لکھو۔ شیخ زین نے فرمانوں کا مسودہ لکھا اور فرمان تمام قلمرو میں بھیجے گئے۔ یہ فرمان یہ ہے۔

فرمان ظہیر الدین محمد بابر

ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطہرین ونشکر ہادی المومنین وغافر المستغفرین وصلی علی خیر خلقہ محمد والہ الطیبین الطاہرین۔ ہدایائے آرائے ارباب الباب کہ محاسن مجالی صور اسباب و مخازن الٰی نقوش صدق و صواب است نقش پذیر جواہر زواہر ایں معنی خواہد بود کہ طبیعت انسانی بمقتضائے فطرت مائل لذات نفسانی است وترک منہیات متفق برتوفیق یزدانی و تائید آسمانی۔ نفس بشر از میل بشر دور نیست۔ وما ابری نفسی ان النفس الا مارۃ بالسوء واجتناب آں جز برافت ملک غفورنے۔ وذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء اللہ ذالفضل العظیم غرض از تصویر ایں مقالت و تقریر ایں مقولہ آنکہ بمقتضائے بشریت ہر حسب مراسم بادشاہان و لوازم بادشاہی و بنا برعادت صاحب جاہان از شاہ و سپاہی درعنفوان ایام شباب بعضی از مناہی و برخے از ملاہی ارتکاب نمودہ می شد۔ وبعد از چند روزے ندامت و حسرت تمام حاصل آمد۔ ویک یک از آں مناہی را ترک نمودہ۔ و بتوبہ نصوح باب رجوع بداں مسدود گشت۔ اماتوبہ شراب کہ اہم مطالب آں مقصد واعظم مارب آں مقصود است در حجاب الا مرر مر ہونۃ باوقاتہا محتجب ماندہ روئے نمے نمود۔ تا آنکہ دریں اوقات فرخندہ ساعات کہ بعہد تمام حرام جہاد بست باعساکر اسلام ماثر در مقابلہ کفار بمقاتلہ نشستہ بودیم۔ از ملہم غیبی وہاتف الاریبی مضمون میمون لم یان للذین امنوا ان یخشع قلوبہم بذکر اللہ شنودہ۔ جہت قلع اسباب معصیت بجد

تمام قرع ابواب انابت نمودیم وہادی توفیق حسب المضمون ممن قرع ما ما ولج ولج در اقبال کشود۔ اقتلاح ایں جہاد بجہاد اکبر کہ مخالفت نفس است امر فرمود۔ القصہ ربنا ظلمنا انفسنا برزبان اخلاص بیاں آوردہ ثبت الیک وانا اول المسلمین رابر لوح دل منقش گردانیدم۔ وداعیہ توبہ شراب راکہ مکنون خزینہ سینہ بود با مضار سانیدم۔ وخدام ظفر احتشام بموجب حکم فرخندہ فرجام صراحی و جام وسائر ادوات طلاؤ نقرہ کہ بکثرت زرینت چوں کہ اکب سپہر رفیع مزین مجلس بدائع بود۔ عشرت شریعت بزئین خواری و مذلت زدہ مانند اصنام کہ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب بکمر شان موفق شویم پارہ پارہ ساختند۔ وہرپارہ رانزد مسکینے و بیچارہ انداختند یمن ایں انابت قریب الاجابت بسیاری از مقربان درگاہ بمقتضائے الناس علی دین ملوکھم درہماں مجلس بشرف توبہ مشرف گشتند۔ وبے تکلف از سر شرب خمر درگزر گزشتند۔ وہنوز فوج فوج از مطیعان اوامر و نواہی ساحۃ فساحۃ بدیں سعادت، مستعدی کردند۔ امید کہ بمقتضائے الدال علی الخیر کفاعلہ ابواب ایں اعمال بروزگار بااقبال نواب نجتہ مال بادشاہی عائد گردد۔ وعینت ایں سعادت فتح و نصرت یوما فیوما متزاید آید۔ وبعد از تمام ایں نیت وتکمیل ایں منت فرمان عالم مطیع شرف نفاذ یافت کہ درممالک محروسہ حرسہا اللہ عن الافات والمخافات مطلقاً ہیچ آفریدہ مرتکب شرب خمر نشود۔ درتحصیل آن نکوشد۔ وخمرنسازد۔ ونہ فروشد۔ ونہ خرد۔ نہ دارد بہ زرو دینار۔ فاجتنبوا لعلکم تفلحون وشکرا علی ھذا الفتوح وتصدقا یقول ملک التوبۃ النصوح بحر بخشائش بادشاہی در جوش آمدہ امواج کرم کہ سبب آبادائی عالم و آبروئے بنی آدم است۔ ظاہر ساخت و تمغائے جمیع ممالک را از مسلمانان کہ حاصل آں از حدد حصر فراوان است باوجود استمرار ازمنہ سلاطین سابق بگرفتن آں از ضوابط شریعت سید المرسلین بیروں بود برانداختہ فرمان صادر شد درہیچ شہرو بلدہ دراہ گزر و ممر تمغانگیر ندونستانند وتغیرو تبدل دریں حکم راہ ہند ومن بدلہ بعد ماسمعہ فانما اثمہ علی الذین تبدلو لہ بہ۔ سپاہیان ظلال عاطف بادشاہی از ترک و تاجیک، و عرب و عجم و ہندی وفارسی ورعیت و سپاہی وکافہ امم و عامہ طوائف بنی آدم آنکہ بدیں عارف موید مستظہر و امید واربودہ بدعائے دولت ابدی الاتصال اشتغال نمایند واز لوازم ایں احکام میمنت انجام در تگزر ندو انحراف نہ توززند۔ می باید کہ برحسب فرمان اعلی عمل نمودہ بتقدیم رسانند۔

چوں توقیع اشرف و اعلیٰ رسد اعتماد نمایند۔ کتب بالامر الله اعلاه الله العالی متعالی وخلد نفاذه فی بست وچهارم جمادی الاولی ۹۳۴ نه صدوسی وسیه

ان ہی دنوں میں گذشتہ واقعات کے سبب سے جیسا کہ بیان ہوا چھوٹے بڑے سب بہت ہی ہراساں اور اندیشہ ناک تھے۔ کسی سے کوئی بہادری کی بات اور دلیرانہ رائے سننے میں نہ آتی تھی۔ وزیروں اور امیروں کا بھی یہی حال تھا کہ ایسی بات نہ کرتے تھے جس سے جوانمردی ظاہر ہو اور نہ کوئی رائے ایسی دیتے تھے جس سے ہمت بندھے۔ البتہ ایک خلیفہ اس یورش میں مستقل رہا۔ اس نے انتظام وغیرہ میں بہت کوشش کی۔ آخر لوگوں کی اتنی بے دلی اور اس قدر کم ہمتی دیکھ کر میں نے ایک تدبیر سوچی میں نے سب امیروں اور سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا:۔

تقریر:۔ اے امراء اور سرداران فوج!۔

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود
آنکہ پائندہ و باقی است خدا خواہد بود

جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے وہ ضرور ایک دن قبر بھی دیکھے گا۔ جو دنیا میں آیا ہے وہ یہاں سے جائے گا بھی۔ بدنام ہو کر جینے سے نیک نام مرنا بہتر ہے۔

بنام نکو گر بمیرم رواست
مرا نام باید کہ تن مرگ راست

اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ سعادت عطا کی ہے اور یہ دولت عنایت فرمائی ہے کہ جو اس میں مرے وہ شہید ہو اور جو مارے وہ غازی ہو۔ اب سب کو حلف کرنا چاہئے کہ کوئی اس موت سے نہ بھاگے اور جب تک دم میں دم ہے اس لڑائی سے منہ نہ پھیرے۔ سارے سردار' نوکر' چھوٹے اور بڑے سب نے قرآن شریف ہاتھوں پر لے کر اسی بات کا عہد کیا اور قسمیں کھائیں۔ یہ ایسی تدبیر ہوئی جس سے سب یک جہت ہو گئے۔ اسی زمانہ میں اور طرف بھی فتنے اور فساد برپا ہو گئے۔ حسن نے ایرچ کو آدبایا۔ قطب خاں کے لوگوں نے چندوار پر قبضہ کر لیا۔ رستم خاں نام ایک مروک نے میان دوآب کے ترکش بندوں کو اکٹھا کر کول کو چھین لیا۔ اور کنجک علی کو گرفتار کر لیا۔ سنبھل کو زاہد چھوڑ کر بھاگ آیا۔ قنوج کو سلطان محمد دولدی چھوڑ کر چلا آیا۔

گوالیار کو ہندوؤں نے آن گھیرا۔ عالم خاں کو گوالیار بھیجا تھا وہ گوالیار سے اپنے علاقہ میں بھاگ کر چل دیا۔ روز ادھر ادھر سے ایک بری خبر آجاتی تھی۔ لشکر میں سے بعض ہندوستانی سردار بھاگ نکلے۔ ہیبت خاں کرک انداز سنبھل چل دیا۔ حسن خاں باری وال ہندوؤں سے جا ملا۔

میں نے ان باتوں پر ذرا خیال نہ کیا اور باوجود اس کے آگے بڑھا۔ ارابے پیچے دار۔ تپائیاں اور اور جو سامان جنگ تیار ہو گیا تھا سب کو لے کر منگل کے دن جماوی الاخریٰ کی نویں کو جس دن نو روز بھی تھا میں نے کوچ کر دیا۔ لشکر کی صفیں۔ برانغار' جرانغار اور قول وغیرہ درست کر لی تھیں اپنے آگے ارابوں اور پیچے دار تپائیوں کو رکھا۔ ان کے پیچھے استاد علی قلی کو تفنگ اندازوں کے دستہ کے ساتھ معین کیا۔ اور حکم دیا کہ پیادے ارابوں کے پیچھے سے ذرا نہ ہٹنے پائیں۔ تاکہ صفیں بندھی ہوئی روانہ ہوں۔ صفوں کے آنے کے بعد ہر ایک صف اپنی جگہ پر ایک تیر کے فاصلہ سے کھڑی ہوئی۔ تمام صفوں کے امراء اور سپاہیوں کو تشفی دے کر ہر گروہ کے کھڑے ہونے کے لئے جگہ مقرر کر دی اور ہر شخص کو سمجھا دیا کہ یوں پلٹنا اور یوں لڑنا۔ اسی ترتیب اور انتظام کے ساتھ کوس بھر چل کر ہم ٹھہرے۔ ہندوؤں کو بھی ہمارے آنے کی خبر ہوئی۔ اس کی فوج صفیں درست کر کے آگے بڑھی۔ لشکر ٹھہرنے کے بعد لشکر کا آگا ارابوں اور خندقوں سے مضبوط کر لیا تھا۔ چونکہ آج لڑائی کا گمان نہ تھا اس لئے تھوڑی سی فوج نے پیش قدمی کر کے بطریق شگون غنیم پر پیش دستی کی۔ چند ہندو ہاتھ آئے۔ ان کا سر کاٹ لائے۔ ملک قاسم بھی کئی کا سر کاٹ لایا۔ ملک قاسم نے یہ بہت ہی اچھا کیا۔ اتنی سی بات سے ہماری فوج کا دل بڑھ گیا۔ لوگوں کے حوصلے کچھ اور ہی ہو گئے۔ دوسرے دن یہاں سے کوچ کیا۔ آج ہم کو جنگ کا خیال تھا۔ خلیفہ وغیرہ نے عرض کیا کہ جو پڑاؤ مقرر ہوا ہے وہ قریب ہے۔ مناسب ہے کہ اس کی خندق کھود کر اس کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس کے بعد چلنا چاہئے۔ خندق کے انتظام کے واسطے خلیفہ آگے روانہ ہوا۔ جہاں خندق کھودنے کی جگہ تھی وہاں بیلداروں کو لگا کر اور ان پر محصل مقرر کر کے واپس چلا آیا۔ ہفتہ کے دن تیرہویں جماوی الاخریٰ کو ارابے آگے روانہ کئے۔ پھر لشکر کی صفیں روانہ ہوئیں اور تقریباً ایک کوس بھر چل کر لشکر مقام مقرر پر ٹھہرا۔ بعض خیمے نصب ہو گئے تھے اور کچھ خیمے گڑ رہے تھے کہ اتنے میں جاسوس خبر

لائے کہ دشمن کا لشکر نمودار ہوا ہے۔ اس وقت میں سوار ہوا اور حکم دیا کہ برا نغار برا نغار کی جگہ پر جرا نغار جرا نغار کی جگہ پر۔ غرض ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر چلا جائے۔ ارابوں کو مضبوط کر دیا جائے اور صفیں مرتب ہو جائیں۔ اس لڑائی کے بعد شیخ زین نے جو فتح نامہ لکھا ہے چونکہ اس سے لشکر اسلام کی کیفیت اور فوج ہنود کی حالت۔ لشکروں کی صف آرائی اور مسلمانوں اور ہندوؤں کی لڑائی کا حال مفصل معلوم ہو جاتا ہے اس لئے بے کم و کاست وہی یہاں لکھ دیا جاتا ہے۔

فتح نامہ ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی

الحمدللہ رب العالمین وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد سید الغزات والمجاہدین وعلی اصحابہ الھدات الی یوم الدین۔ تواتر نعمائے سبحانی باعث تکاثر شکر و ثنائے یزدانی است و تکاثر شکر و ثنائے یزدانی مورث تواتر نعمائے سبحانی۔ برہر نعمتے شکرے مرتب است وہر شکرے را نعمتے عقب۔ ادائے لوازم شکر از قدرت بشر متجاوز است۔ واہل اقتدار از استیفائے مراسم آں عاجز۔ علی الخصوص شکرے کہ در مقابل نعمتے لازم آید۔ کہ نہ در دنیا دولتے عظیم تر باشد و نہ در عقبیٰ سعادتے ازاں جسیم تر نماید۔ وایں معنی جز نصرۃ براقویا کے کفار و استیلائے براغنیائے فجار کہ اولئک ھم الکفرۃ الفجرۃ درشان امثال ایشاں نازک است نخواہد بود۔ ودر نظر بصیرت ارباب الباب احسن ازاں سعادتے نخواہد نمود۔ المنۃ للہ کہ آں سعادت عظمیٰ و موہبت کبریٰ کہ من المہد الیٰ ہذا العہد مطلوب اصلی و مقصود حقیقی ضمیر خیر اندیش درائے صواب کیش بود دریں ایام فرخندہ فرجام از کمن عواطف حضرت ملک علام روئے نمود۔ فتاح بے منت و فیاض بے علت مجدداً مفتاح فتح ابواب فیض بر چہرہ آمال نواب نصرت مال ما کشود۔ اسامی نامی افواج بابتہاج مادرد دفتر غزات منثبت گردید و ودے اسلام بامداد لشکریان ظفر انجام ماباوج رفعت وارتفاع رسید۔ کیفیت صدور ایں سعادت و ظہور ایں دولت آنکہ چوں اشعہ سیوف سپاہ اسلام پناہ ما ممالک ہند بلمعات انوار فتح و ظفر منور ساخت۔ وچنانچہ درفتح نامہائے سمت تحریر یافتہ بودا بادی توفیق رایات ظفر آیات مارا در دہلی و آگرہ و جون پور و خرید و بہار و غیرذالک برا فروخت اکثر طوائف اقوام از

اصحاب کفر و ارباب اسلام اطاعت و انقیاد نواب فرخندہ فرجام مارا اختیار نمودہ طریق عبودیت را بقدم صدق و اخلاص پیمودند۔ اماسنگائے کافر کہ در سوابق ایام دم از اطاعت نواب نجستہ انجام مامی زد اکنون بمضمون ابی واستکبرا وکان من الکافرین عمل نمودہ شیطان صفت سرکشید و قاید لشکر دوران و سرخیل سپاہ مہجوران گشتہ باعث اجتماع طوایفے گردید۔ کہ بعضے طوق لعنت زنار در گردن و برخے خار محنت ارتداد در دامن داشتند۔ واستیلائے آں کافر لعین خذلہ فی یوم الدین در ولایت ہند بمرتبہ بود کہ پیش از طلوع آفتاب دولت بادشاہی و قبل از سطوع نیز خلافت شہنشاہی باآنکہ را جہائے درایان بزرگ نہاد کہ دریں مقابلہ اطاعت فرمائش نمودند وحاکمان و پیشوایان متصف بارتداد کہ دریں محاربہ در عنانش بودند بزرگی خود را منظور داشتہ در ہیچ قتالے متابعت بل موافقت وے نکردہ اند و در ہیچ مسافرت طریق مصاحبت او امرافقت اونسپروند۔ تمامی سلاطین رفیع ایں خطہ وسیع چوں سلطان دہلی۔ و سلطان گجرات و سلطان مندہ وغیرہم از مقاومت آں بد سیرے موافقت کفار دیگر عاجز بودہ اند۔ وبلطائف الحیل باو مدارا و مواسائے نمودہ اند اوائے کفر در قریب و ویست شہر از بلاد اسلام افراختہ بود۔ و تخریب مساجد و معابد نمودہ عیال و اطفال مومنان آں مدن و امصار را اسیر ساختہ۔ و قوت وے از قرار واقع بجائے رسیدہ کہ نظر بقاعدۂ مستمرۂ ہند کہ یک لک ولایت راصد سوار و کروری رادہ ہزار سوار اعتبار می کنند بلاد مسخرۂ آں سرخیل کفرہ بدہ کر در رسید کہ جائے یک لک سوار باشد۔

دریں ایام بسے از کفار نامی کہ ہرگز در ہیچ معرکہ یکے از ایشاں امدادش نہ نمودہ اند بنابر عداوت عسکر اسلامی بر لشکر شقاوت اثر وے افزودند۔ چنانچہ و حاکم باستقلال کہ ہریک چوں نمرود دعوے سرکشی می نمودند۔ ودر قطرے از اقطار قاید جمیع از کفار بودند۔ مانند اغلال و سلاسل بداں کافر فاجر متصل گشتند۔ وآں عشرہ کفرہ کہ بر نقیض عشرۂ مبشرہ وائے شقاوت فزائے فبشھم بعذاب الیم می افراشتند۔ توابع و عساکر بسیارو پرگنات وسیع الاقطار داشتند۔ چنانچہ صلاح الدین سی ہزار را ولایت، داشت در اول۔ اودے سنگھ لیسری د وازدہ ہزار سوار۔ ومیدنی رائے دہ ہزار سوار و حسن خاں میواتی دوازدہ ہزار وار و باربل یدری چہار ہزار سوار نہ تریپت ہاڈا ہفت ہزار سوار و ستردی کچی شش ہزار سوار و بردم دیو چہار ہزار سوار و نرسنگ دیو چہار ہزار سوار۔ ومحمود خاں ولد سلطان

سکندر اگرچہ ولایت و پرگنہ نداشت امادہ ہزار سوار تخمیناً" بامید واری سروری جمع کردہ بود کہ مجموعہ جمعیت آں مہوراں را روئے سلامت و انیست نظر بقاعدۂ پرگنہ و ولایت دولک ویک ہزار باشد

القصہ آں کافر مغرور باطن کورو لہا بکسادت کفار سیاہ روزگار کہ ظلمات بعضہا فوق بعض بایکدگر موافق ساختہ در مقام مخالفت و محاربہ اہل اسلام و ہدم اساس شریعت سید انام علیہ الصلوۃ والسلام درآمد۔ مجاہدان عساکر بادشاہی مانند قضائے الٰہی برسر آں دجال اعور آمدہ اذا جاء القضاء عمی البصر رامنظور نظر بصیرت اصحاب سیرت گردانیدند۔ وآیہ کریمہ من جاھدنا فانما یجاھد لنفسہ را ملحوظ و اشتہ فرمان واجب الاذعان جاھد الکفار والمنافقین رابا مضار سانیدند۔ روز شنبہ سیزدہم جماوی الاخری ۹۳۴ھ کہ بارک اللہ فی سبتکم نشان مبارکی آں روز است درنواحی موضع خانوہ مضافات بیانہ حوالی کو ہے کہ وہ گروہی اعدائے دیں بود مضرب خیام نصرت انجام لشکر اسلام گردید۔ چوں کوکبہ و دیدہ موکب اسلامی بگوش اعدائے دین و کافران لعین رسید مخالفان ملت محمدیؐ کہ مانند اصحاب فیل در پے انہدام کعبہ اہل اسلام بودند فیلان کوہ پیکر عقربت منظر را اعتضاد و خود ساختند و ہمہ متفق ویک دل گشتہ لشکر شقاوت اثر خود را فوجہا پرداختند۔ مثنوی

ہاں	فیلہا	ہندوان	ذلیل
شدہ	غرّہ	مانند	اصحاب فیل
چو	شام اجل	جملہ	مکروہ وشوم
سیہ	ترز	شب بیشتر	از نجوم
ہمہ	ہم	چو آتش	ولیکن چودود
کشیدہ	سرازکیں	بچرخ	کبود
چو	مور	آمدند	از یمین و یسار
سوار	و پیادہ	ہزاراں	ہزار

و بعزم قاتلہ و کارزار متوجہ اردوئے اسلام کو اشجار ریاض شجاعتند صنوبر صفت صفہا کشیدند۔ ونوک صنوبر صفات آفتاب شعاع راچوں قلوب مجاہدان فی اللہ باوج ارتفاع رسانیدند صفے چوں سید سکندری آہن فام ومانند طریق شریعت پیغمبری باستقامت

و استحکام دین میں قوت ونائش کانھم بنیان مرصوص وفلاح و فیروزی بمنقضائے اولٰئک ھدی من ربھم واولٰئک ھم المفلحون باہلی آں صف مخصوص نظم

در آں رخنہ نے از طبائع و ہیم
چورائے شہنشاہ و دین قویم
طلمائے او عرش فرسا ہمہ
الفہائے انا فتحنا ہمہ

رعایت حزم را مرعی داشتہ بطریق غزات روم بجہت بگلمیان درعہ اندازاں کہ درپیش سپاہ بودند صفے ازارا بہ ترتیب نمودہ بایک دیگر بزنجیر اتصال دادہ شد۔ القصہ جیوش اسلام چناں انتظام و استحکام پدید آورد کہ عقل پیر و چرخ اثیر تدبیرو مرتبش را آفرین کرد۔ دریں ترتیب و انتظام و تشئید و استحکام مقرب الحضرت السلطانی اعتماد الدولہ الخاقانی نظام الدین علی خلیفہ داد سعی و اجتہاد دادہ ہمہ تدبیر انش موافق تقدیر و جملہ سرداری ہاو کار گزار یہائے او پسندیدہ رائے منیر افتاد۔ مقر عزت باوشاہی در قول مقرر گشت و بروست راست برادر عزیز ارشد ارجمند سعادت یار المختص بعواطف الملک المستعان حسین تیمور سلطان و فرزند اعز ارشد منظور انظار حضرت الہ سلیماں شاہ و جناب ہدایت ماب ولایت انتساب خواجہ دوست خاوند و معتمد السلطنت العلیہ و موتمن العتبہ السنیہ مقرب خاص و زبدۂ اصحاب اختصاص یونس علی ،عمدۃ الخواص کامل الاخلاص شاہ منصور برلاس۔ زبدی اصحاب اختصاص درویش محمد ساربان و عمدۃ الخواص صادق الاخلاص عبداللہ کتاب دار۔ و دوست ایشک آقا در محال خود جاگرفتند۔ و بروست چپ قول سلطنت ماب و خلافت انتساب سلطان علاؤ الدین عالم خان ابن سلطان بہلول لودی و مقرب الحضرت سلطانی مشار الیہ و دستور اعاظم الصدور و بین الانام ملاذ الجمہور و موید السلام شیخ زین خوانی۔ و عمدۃ الخواص کامل الاخلاص محب علی ولد مقرب الحضرت السلطانی مشار الیہ۔ وعمدۃ الاخلواص تردی بیگ برادر قوچ بیگ مرحوم مبرور۔ و شیر افگن ولد قوچ بیگ مرحوم مذکور عمدۃ الاعاظم والاعیان خان معظم آرائش خان۔ دوستوار عاظم الانوز راء بیان الامم خواجہ حسین۔ وجماعت دیوانیان عظام ہر یک در موضع مقرر استوند۔ دور برا غار فرزند اعز و ارشد ارجمند سعادت یار منظور عنایات

حضرت آفرید گار اختر برج سلطنت و کامگاری مہر سپہر خلافت و شہریاری الممدوح بلسان العبد والحر معز السلطنت وخلافتہ محمد ہمایوں بہادر متمکن گشتہ بیمن سعادت قرین العزیز فرزند جناب سلطنت ماب المتخلص بعواطف ملک الدیان قاسم حسین سلطان۔ وعمدۃ الخواص احمد یوسف اوغلاقچی و معتمد الملک کامل الاخلاص ہندو بیگ قوچین۔ و معتمد صادق الاخلاص خسرو کوکلتاش۔ و معتمد الملک قوام بیگ اور دوشاہ۔ ومعتمد الخواص کامل العقیدۃ والاخلاص ولی خازن وقرافوری۔ وعمدۃ پیر قلی سیستانی۔ وعمدۃ الوزراء بین الامم خواجہ بہلول بدخشی۔ ومعتمد الخواص۔ سلیمان آقا ایلچی عراق۔ و حسین ایلچی سیستانی مقرر گشتہ۔ بریسار ظفر آثار فرزند کامگار مشار الیہ عالی جناب سیادت ماب مرتضوی انتساب میر ہمہ۔ وعمدۃ الخواص کامل الاخلاص محمدی کوکلتاش و خواجگی اسد جام دار تعین یافتند و برانغار از امرائے ہند عمدۃ الملک خان خانان دلاور خان وعمدۃ الاعیان ملک داد کرزانی۔ وعمدۃ الاعیان شیخ المشائخ شیخ گورن ہریک درمقامے کہ فرمان شدہ بود ایستادند۔

درجر انغار عساکر اسلام عالی جاہ نقابت پناہ افتخار آل طہ و یاسین سید مہدی خواجہ۔ و برادرز ارشد کامگار منظور انظار عنایت حضرت آفرید گار محمد سلطان مرزا و سلطنت ماب خلافت انتساب عادل سلطان بن مہدی سلطان۔ و معتمد الملک کامل الاخلاص عبدالعزیز میر آخور۔ ومعتمد الملک صادق الاخلاص محمد علی جنگ جنگ۔ وعمدۃ الخواص کامل الاخلاص قتلق قدم قراول۔ و شاہ حسین بارکی مغل غانچی۔ وجانی بیگ آتکہ صف کشیدند۔ ودریں از مرائے ہند نتیجہ السلاطین جلال خاں وکمال خاں اولاد سلطان علاؤ الدین مذکور عمدۃ الاعیان علی خان شیخ زادہ فرلی۔ وعمدۃ الاعیان نظام خان بیانہ تعین شدہ بودند۔ وجہت تو لغمہ معتمد الخواص تردی بیگ و ملک قاسم برادر بابا قشقہ باجمعے از فرقہ مغل در جانب برانغار معتمد الخواص مومن آتکہ و رستم خان ترکمان با شلیغ بابا جماعتے۔ ازتابنیان خاصہ در طرف جرانغار نامزد شدند۔ وعمدۃ الخواص کامل الاخلاص زبدۂ اصحاب اختصاص سلطان محمد بخشی اعیان وارکان غزوات اسلام را در موضع ومحال مقررۂ ایشاں داشتہ خود باستماع احکام ما مستعد بود۔ وتواچیان ویساولان را باطراف وجوانب ارسال می گرادنید و احکام مشاعد را در ضبط و ربط سپاہ و سپاہی سلاطین عظام و امرائے کرام و سائر غزاۃ ذوی الاحترام می رسانید چوں ارکان لشکر قائم گشتہ ہر کس

بجاے خود شناخت۔ فرمان واجب الاذعان لازم الامتنان شرف اصدار یافت کہ ہیچ کس بے حکم از محال خود حرکت ننماید و بے رخصت دست محاربہ نکشاید داز وزند کور تخمینا یک پاس ودو گھڑی گزشتہ بود کہ فریقین مقابلین متقارب یک دیگر گشتہ بنیاد مقاتلہ و کارزار شد قلبین عسکرین مانند نور و ظلمت در برابر یک دیگرا ایستادہ۔ در برانغار وجر انغار چناں عظیم قتالے واقع شد کہ زلزلہ در زمین و دلولہ در سپہر برین افتاد جرانغار کفار شقاوت شعار بجانب برانغار میمنت آثار عساکر اسلام شعار متوجہ گشتہ بر سرخسرو کوکتاش و ملک قاسم باقشقہ حملہ آوردند۔ براور اعزار ارشد چین تیمور سلطان حسب الفرمان بکمک ایشاں رفتہ مردانہ قتالے آغاز نہاد۔ کفار را از جابر داشتہ قریب بعقب قلب ایشاں رسانید و جلد و بنام آں عزیز براور شد۔ وناور العصر مصطفیٰ رومی از غول فرزند اعز ارشد کامگار منظور انظار حضرت آفریدگار المختص بعواطف الملک الذی نیسمی دیامر محمد ہمایوں بہادر ارا بہارا پیش آوردہ صفوف سپہ کفار رابہ تفنگ و ضرب زن مانند قلوب شاں منکسر گردانید۔ ودرعین محاربہ سلطنت ماب قاسم حسین سلطان وعمدۃ الخواص احمد یوسف و قوام بیگ فرمان یافتہ مادا ایشاں شتافتند

چوں زمان زمان اہل کفرو طغیان متعاقب و متواتر بامدار مردم خود می آمدند مانیز معتمد الملک ہندو بیگ قوچین را۔ واز عقب او عمدۃ الخواص کامل الاخلاص شاہ منصور برلاس وعمدۃ الخواص صادق العقیدہ عبداللہ کتاب وار واز پے ایشاں عمدۃ الخواص ودوست ایشک آقا و محمد خلیل آختہ بیگی را بکمک فرستادیم۔ و برانغار کفرہ بکرات و مرات حملہ بربانب جرانغار لشکر اسلام آوردند۔ و خود ایغزات ذوی النجاۃ رسانیدند۔ وہر نوبت غازیان عظام بعضے رابزخم سہام ظفر فرجام بدار البوار یصلونہا وبئس الفرار فرستادہ وبرخے رابر گردانیدند۔ ومعتمد الخواص مومن آتکہ ورستم ترکمان بجانب عقب سپاہ ظلمت دستگاہ باکفار شقاوت پناہ توجہ نمودند۔ ومعتمد الخواص ملا محمود علی آتکہ باشلیق نو ران مقرب الحضرت السلطانی اعتماد الدولہ الخاقانی نظام الدین علی خلیفہ را بکمک مشار الیہ فرستادیم و براور اعز ارشد محمد سلطان مرزا سلطنت ماب عادل سلطان و معتمد الملک عبدالعزیز و قتلق قدم قراول و محمد علی جنگ جنگ و شاہ حسین یار کی مغل غانچی دست محاربہ کشادہ پائے محکم کردند۔ و دستور الاعظم الوزراء بین الامم خواجہ حسین رابا جماعۃ دیوانیاں بہ کمک ایشاں فرستادیم ہمہ اہل جہاد در غایت جدو اجتہاد راغب مقابلہ آمدہ آیہ

کریمہ قل ھل یتربصون بنا الا احدی الحسنتین واشتدر منظور عزیمت جانفشانی کردہ لوائے جاں ستانی افراشتند۔ وچوں محاربہ و مقابلہ و ریکشید و بتطویل انجامید فرمان واجب الاذعان بنفاذر سیدہ کہ ازنا بیتان خاصہ بادشاہی جوانان جنگی وہزبران بیشہ یک رنگی کہ در پس ارا بہا مانند شیر در زنجیر بودند از راست و چپ قول بیروں آیند و جائے تفنگیاں درمیان گزارند۔ واز ہر دو جانب کازار نمایند۔ ازپس ارابہ مانند طلیعہ صبح صادق از پیش افق بیروں تاختند دفون شفق گون کفار نا میمون را در معرکہ میدان کہ نظر سپہر گردوں بود ریختند بسیاری از سرہائے سرکشاں راستاوہ صفت از فلک وجود محو ساختند۔ وتا دارالعصر استاد علی قلی باتوابع خود درپیش قول استادہ بود مردا نگیہا کردہ سنگہائے عظیم القدر کہ چوں در پلہ میزان اعمالش نہند صاحبش فاما من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ الراضیۃ نام برآورد واگر برکوہ راسخ و جبل شامخش انداز ند کالعھن المنفوش از پا در آورد۔ و بجانب حصار آہن آثار صف کفار انداختند وباندا ختن سنگ وضرب زن و تفنگ بسیاری از ابنیہ اجسام کفار منہدم ساختند۔ تفنگ اندازان بادشاہی حسب الفرمان از رابہ میان معرکہ آمدہ ہریک ازایشاں بسیاری کفار راز ہر حمات چشانیدند۔ و پیادہ در محل مخاطرۂ عظیم در آمدہ نام خود را درمیان شیران بیشہ مردی و دلیری معرکہ جواں مردی ظاہر گردانیدند۔

ومقارن ایں حالت فرماں حضرت خاقانی بہ پیش راندن ارا بہائے قول نبفاذ رسید۔ و بہ نفس نفیس بادشاہی فتح و دولت ازیمین اقبال ونصرت از یسار بجانب کفار متحرک گردید۔ واز اطراف وجوانب عساکر ظفر مناقب ایں معنی را مشاہدہ نمودہ تمامی بحر زخار سپاہ نصرت شعار تموج عظیم برآورد۔ و شجاعت ہم نہنگان آں بحر را از قوت بفعل درو آوردہ ظلام غبار غمام کردار چوں سحاب مظلوم در تمامی معرکہ متراکم گشت و بریق لمعات سیوف دوراں دراں جلب خوں ریز ازلمعان برق در گزشت تہییج گرد روئے خورشید را چوں پشت آئینہ از نور عاری کرد۔ وضارب عضرب و غالب مغلوب آمیختہ سمت امتیاز از نظر متواری شد۔ ساحر زمانہ چناں شبے در نظر آورد کہ ستارۂ دوراں غریب تر نبود۔ وکواکب ثوا تبش جز مواکب ثابت الاقدام نمی نمود۔ مثنوی

فرو رفت و بروقت روز نبرد
نم خوں بماہی و برماہ گرد

زسم ستوراں دراں پہن دشت
زمیں شش شد و آسماں گشت ہشت

مجاہدان غازی کہ در عین سراندازی و جاں بازی بودند از ہاتف غیبی نوید لا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الا علون می شنودند۔ واز منی لاریبی مژدۂ نصر من اللہ وفتح قریب وبشر المومنین استماع می نمودند۔ چناں بشوق محاربہ می کردند کہ از ندسیان ملاء اعلیٰ ندائے تحسین بدیشاں می رسید۔ و ملائک مقرب پروانہ صفت برگرد سر ایشاں می گردید۔ و مابین العلوتین نائرہ قتال چناں اشتعال یافت کہ مشاعل آں علم برافلاک می افراشت و میمنہ و میسرۂ لشکر اسلام میسرہ و میمنہ کفار نافرجام را با قلب شاں دریک محل مجتمع گردانید۔ چوں آثار غالیست مجاہدان نامی و ارتفاع لوائے اسلامی ظاہر شدن گرفت ساعتے آں کفار لعین و اشرار بے دین درحال خود متحیر ماندند۔ و آخر لہا از جاں برکندہ برجانب راست و چپ غول حملہ آوردند۔ و در جانب چپ بیشتر ہجوم کردہ خود را نزدیک رسانیدند اما غزات شجاعت سمات ثمرہ ثواب را منظور داشتہ بتان نیزہ در زمین سینہ ہریک نشاندند۔ وہمہ را چوں بخت سیاہ ایشاں برگردانیدند۔ قرین ایں حال نسایم نصرت و اقبال برچمن دولت نواب نجت مآل ماوزید و مژدہ انا فتحنا لک مبینا رسانید۔ شاہد فتح جمال عالم آرائش بطرۂ و وینصرک اللہ نصرا عزیزا قرین گشتہ استقبال در ستر اخفا بود یاری نمودہ قرین حال گردید۔ ہندوان باطل حال خود را مشکل دانستہ کالعھن المنفوش متفرق شدند و کالفراش المبثوث متلاشی گشتند بسیاری کشتہ در معرکہ افتادند۔ و کثیرے از سرخود گزشتہ سر در بیابان آوارگی نہادند و طعمہ زاغ و زغن گردیدند۔ و از کشتہا پشتہا افراختہ شد۔ را از سرہا منارہا پرداختہ حسن خاں میواتی بضرب تفنگ در سلک اموات درآمدہ ہم چنیں بیشترے ازاں سرکشاں ضلالت نشاں را کہ سرآمد آں فوج بودند تیر و تفنگ رسیدہ روز حیات سرآمد۔

از جملہ راول اودے سنگھ مذکور کہ والی ولایت ڈونگر پور بود و دوازدہ ہزار سوار داشتہ۔ ورائے چند بھان چوہان کہ چار ہزار سوار داشتہ۔ مانک چند چوہان و دلیپ راؤ کہ صاحب چہار ہزار سوار بودہ اند و کنور کرم سنگھ ڈونگری کہ سی ہزار سوار داشتہ و جمعے دیگر کہ ہریک از ایشاں سرخیل بزرگ گروہے و سردار قاطبہ ذی شوکت و شکوہے۔ بودہ اند راہ دوزخ پیودند۔ وازیں دارو حل بدرک الاسفل انتقال نمودند۔ وراہ دارالحرب

لنزخمیان درراہ نام بردہ مانند جہنم پر شدو درک الاسفل از منافقان جاں بمالک دوزخ سپردہ مملوک گردید۔ ازعساکر اسلامی ہرکس بہرجانب کہ شتافتے در ہر گامے خود کامے راکشتہ یافتے۔ وار دوئے نامی از عقب فرنان ہرچند کوچ نمودے ہیچ قدے از فرسودہ گشتے خالی نیافتے۔

ہمہ ہنداں گشتہ خوار و ذلیل
بسنگ و تفنگ ہم چو اصحاب فیل
ز تنہا بے کوہ ہاشد عیاں
بہر کوہ ازان چشمہ خوں رواں
ز سہم بہام صف پرشکوہ
گرا زاں گریزاں بہر دشت و کوہ

ولو اعلی ادبارھم نفورا ولو کان امر اللہ قدرا مقدورا۔ فالحمدللہ السمیع العلیم وما النصر الا من عنداللہ العزیز لحکیم تحریر فی شہر جماوی الاخری سنہ ثلاث وثلاثین و ۹۳۳۔

لڑائی فتح ہونے کے بعد مراجعت:۔ اسی فتح کے بعد سے فرمانوں پر جو طغرا لکھا جاتا ہے اس میں غازی کا لفظ لکھنا شروع ہو گیا۔ اس فتح نامہ میں طغرے کے نیچے یہ رباعی میں نے لکھ دی۔ رباعی

اسلام اوِ چوں اوارہ بازی بولدوم
کفار ہنود حرب سازی بولدوم
جزم ایلاب آیدیم اوردوم شہید
او لماقاقہ المنۃ اللہ کہ غازی بولدوم

یعنی میں اسلام کے لئے جنگل جنگل پھرا۔ ہندوستان کے کفار سے نبرد آزما ہوا۔ میں نے اپنے شہید ہونے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر خدا کا احسان ہے کہ میں غازی ہو گیا۔ شیخ زین نے اس فتح کی تاریخ "فتح بادشاہ اسلام" لکھی تھی۔ میر گیسو کے ہاتھ بھی یہی مادہ لگا۔ جو لوگ کابل آئے تھے ان کے ہاتھ اسی مادہ کو تضمین کر کے ایک رباعی اس نے بھیجی۔ دونوں کو توارد واقع ہوا۔ ایک دفعہ اور بھی ایسا ہوا ہے۔ دیپال پور کی فتح کا مادہ شیخ زین نے "وسط شہر ربیع الاول" نکالا تھا۔ میر گیسو نے بھی یہی مادہ نکالا۔ الغرض دشمن کو شکست دے کر ہم آگے بڑھے۔ ہندوؤں کے ڈیرے ہم سے دو کوس کے

فاصلہ پر تھے ان میں پہنچے۔ محمدی۔ عبدالعزیز اور علی خان وغیرہ کو فراریوں کے پیچھے روانہ کیا۔ میں نے ذرا سستی کی۔ مجھے خود جانا چاہئے تھا دوسروں پر بھروسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ لشکر گاہ ہنود سے کوئی کوس بھر میں گیا ہوں گا کہ رات ہو گئی۔ اسی سبب سے میں الٹا پھر آیا۔ عشاء کے وقت اپنے لشکر میں آگیا۔ محمد شریف منجم جس نے وہ منحوس باتیں بکی تھیں، فتح کی مبارکباد دینے آیا۔ میں نے بھی خوب ہی برا بھلا کہہ کر دل کا بخار نکالا۔ اگرچہ وہ بڑا بے ایمان۔ بد نفس۔ بڑا مغرور اور بے انتہا بڑا تھا۔ مگر چونکہ قدیمتہ الخدمتہ تھا اس لئے ایک لاکھ انعام دے کر اس کو رخصت کیا اور حکم دیا کہ میری قلمرو میں نہ ٹھہرنے پائے۔

دوسرے دن یہیں قیام کیا۔ محمد علی جنگ جنگ شیخ گورن اور عبدالملک قورچی وغیرہ کو ایک بڑی فوج دے کر الیاس خاں کی گوشمالی کے لئے بھیجا۔ اس شخص نے دوآبہ میں فساد مچا رکھا تھا۔ کول کو دبا لیا تھا۔ اور کچک علی کو قید کر لیا تھا۔ اس لشکر کے وہاں پہنچتے ہی بے لڑے بھڑے الیاس خاں بھاگ گیا۔ اس کی فوج منتشر ہو گئی۔ جب میں آگرہ میں آگیا تو اس کے چند روز بعد پکڑا آیا۔ میں نے اس کی کھال کھنچوا ڈالی۔ جو پہاڑی ہمارے لشکر کے سامنے تھی اور جس کے پاس ہی لڑائی ہوئی تھی اس پر مقتولوں کے سروں کا منارہ بنا دینے کا میں نے حکم دیا۔ یہاں سے دو منزل چل کر بیانہ پہنچے۔ بیانہ بلکہ الور اور میوات تک کفار اور مرتدوں کا مال و اسباب بے نہایت پڑا ہوا تھا۔ میں نے جا کر بیانہ کی سیر کی۔ پھر لشکر میں آیا۔ اور امرائے ہند سے اسی کافر کے ملک پر چڑھائی کر دینے کی صلاح کی۔ چونکہ راستہ میں پانی کی کمی تھی اور گرمی شدت سے پڑ رہی تھی اس لئے یہ یورش ملتوی رہی۔

میوات اور حسن خاں میواتی کا حال اور اس کے ملک پر یورش :- میوات کا ملک دلی کے قریب ہے۔ اس کی آمدنی تخمیناً" تین چار کروڑ ہو گی۔ حسن خاں کے آباؤ اجداد تقریباً دو سو برس سے میوات میں مستقل حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ دلی کے بادشاہوں کی یونہی سی اطاعت کرتے تھے۔ شاہان ہند اپنے ملک کی وسعت یا اپنی عدیم الفرصتی یا ملک میوات کے پہاڑی ہونے سے اس کے چھین لینے کے در پے نہیں ہوئے۔ اور وہاں کے حاکم نے جتنی اطاعت کی اسی پر اکتفا کیا۔ میں نے بھی ہندوستان فتح کرنے کے بعد اگلے بادشاہوں کی طرح حسن خاں کی رعایت کی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا

ہے۔ اس حق ناشناس۔ کافروش اور ملحد نے میری عنایت و مہربانی کو کچھ نہ سمجھا اور اس کا ذرا شکریہ ادا نہ کیا۔ بلکہ سارے جھگڑوں اور فسادوں کا بانی وہی تھا۔ اور ساری آگ اسی کی لگائی ہوئی تھی۔ چنانچہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ جب رانا سانگا والی یورش کی نہ ٹھہری تو میوات کی طرف میں متوجہ ہوا۔ چار منزلیں طے کر کے الور سے جو آج کل اس ملک کا دارالحکومت ہے چھ کوس ادھر مانکش می ندی کے کنارہ پر لشکر اترا۔ حسن خاں کے اجداد تجارے میں رہتا تھا۔ جس سال میں نے ہندوستان کی طرف رخ کیا ہے اور بہار خاں کو زیر کر کے لاہور اور دیبال پور کو لے لیا ہے تو میرے خوف سے براہ دور اندیشی حسن خاں نے الور کے قلعہ کو درست کر لیا۔ اور اسی کو اپنا مستقر ٹھہرایا۔ کرم چند حسن خاں کا ایک معتبر اہل کار جو اس کے بیٹے کے ساتھ آگرہ میں بھی آیا تھا اس کے بیٹے کی طرف سے امان طلب کرنے حاضر ہوا۔ عبدالرحیم شقاول کو کرم چند کے ہمراہ مع فرمان استمالت روانہ کیا۔ وہ طاہر خاں پسر حسن خاں کو ساتھ لے لیا۔ میں نے پھر اس پر رحم کیا اور کئی لاکھ روپے کا ملک اس کو عنایت کیا۔ خیال تھا کہ لڑائی کے موقع پر اس نے کچھ کارگزاری بھی کی ہے اس واسطے الور اور پچاس لاکھ روپے کا علاقہ دیا۔ بدنصیبی سے اترا کر اس عطیہ پر اس نے ناک چڑھائی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کام حسین تیمور سلطان نے کیا۔ اس لئے صلہ کا مستحق سلطان ہوا۔ تجارہ جو صدر مقام تھا مع پچاس لاکھ کے ملک کے تیمور سلطان کو عطا کیا۔

تردی بیگ کو جو رانا سانگا کی اس لڑائی میں دست راست کا تو نغمہ تھا اور جس نے اوروں کی نسبت بہت تن دہی کی تھی پندرہ لاکھ کا ملک اور الور کا قلعہ عنایت ہوا۔ الور کے قلعہ میں جتنے خزانے تھے اور جو کچھ تھا وہ ہمایوں کو بخش دیا۔ وہاں سے رجب کی پہلی تاریخ بدھ کے دن چل کر الور سے دو کوس کے فاصلہ پر لشکر کا قیام ہوا۔ میں نے الور کی سیر کی۔ رات کو میں وہیں رہا۔ صبح لشکر میں آیا۔ لڑائی سے پہلے جب سب سے حلف لیا گیا ہے تو یہ بھی کہہ دیا گیا تھا کہ اس فتح کے بعد جو شخص جانا چاہے گا اس کو رخصت مل جائے گی۔ ہمایوں کے ملازم اکثر بدخشانی تھے۔ کبھی مہینے دو مہینے کے راستے پر نہ گئے تھے۔ اور لڑائی سے پہلے ڈھل کرے ہو رہے تھے وعدۂ رخصت بھی تھا۔ اور کابل خالی بھی تھا۔ اس واسطے سب کی رائے ہوئی کہ ہمایوں کو کابل بھیج دینا چاہئے۔ یہ بات ٹھہرا کر جمعرات کے دن رجب کی نویں تاریخ الور سے کوچ کیا۔ پانچ

چار کوس چل کر باتش می ندی کے کنارہ پر ٹھہرے۔ مہدی خواجہ بھی بے چین تھا۔ اس کو بھی کابل جانے کی اجازت دی گئی۔ بیانے کی شقداری ایشک آقا کو دی۔ اس سے پہلے چونکہ اٹاوہ کو مہدی خواجہ کے بیٹے جعفر خواجہ کو دے دیا گیا۔ ہمایوں کے رخصت کرنے کے لئے چار روز میں اس جگہ ٹھہرا۔ اسی منزل سے مومن علی تواجی کو فتح نامہ دے کر کابل روانہ کیا۔ بروپور کے چشمہ کی اور کوتلہ کے بڑے تلاب کی بہت تعریف سنی تھی۔ ہمایوں کی مشایعت کے لئے بھی اور ان مقاموں کی سیر کے لئے بھی ہفتہ کو ہم لشکر سے سوار ہوئے اور لشکر کو یہیں چھوڑا۔ اسی دن بروپور پہنچ کر وہاں کی اور چشمہ کی سیر کر کے معجون کا استعمال کیا۔ جس درہ میں چشمہ کا پانی بہہ کر آتا ہے اس میں تمام کنیر کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ اگرچہ جیسی تعریف سنی تھی ویسا تو نہ تھا مگر پھر بھی غنیمت تھا۔ اسی درہ میں جہاں چشمہ کا پانی زیادہ بہتا تھا۔ اس جگہ کو پتھر سے درہ بنانے کا میں نے حکم دیا۔ رات بھر میں درہ ہی میں رہا۔ دوسرے دن سوار ہو کر کوتلہ کے تلاب کی سیر کی۔ تلاب کا ایک کنارہ پہاڑ کا دامن ہے۔ باتش می ندی کا پانی اس تلاب میں آتا ہے۔ یہ بڑا تلاب ہے۔ ادھر سے دیکھو تو ادھر کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ تالاب میں بہت سی چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی ہوئی تھیں۔ تلاب کے گرد نواح والے جب کبھی غل غپاڑہ ہوتا ہے تو ان کشتیوں میں بیٹھ تلاب میں پناہ لیتے ہیں۔ میرے آنے کے وقت بھی بہت سے لوگ کشتی میں بیٹھ بیچ تلاب میں چلے گئے۔ میں تالاب کی سیر کے لئے ہمایوں کے لشکر میں اترا۔ وہاں استراحت کی۔ کھانا کھایا اور مرزا کو مع اس کے امراء کے خلعات دیئے۔ عشاء کے وقت ہمایوں کو رخصت کر کے میں سوار ہو گیا۔

راستہ میں ایک مقام پر سو رہا۔ صبح وہاں سے سوار ہو پرگنہ کھیری سے نکل تھوڑی دیر سو رہا۔ پھر لشکر میں جو تودہ کے قریب آپڑا تھا آگیا۔ تودہ سے کوچ کیا۔ سوکر میں آئے تو طاہر خاں پسر حسن خاں جو عبدالرحیم کے سپرد تھا بھاگ گیا۔ یہاں سے ایک منزل چل کر اس چشمہ کے قریب جو پشاور اور جوسا کے بیچ والی بنی کاہ کوہ میں ہے اترے۔ شامیانہ کھڑا کر کے وہاں معجون کھائی۔ لشکر کے چلتے وقت تردی بیگ خاکسار نے چشمہ کی بہت تعریف کی۔ میں نے سرسواری اس کو جا کر دیکھا۔ اچھا چشمہ ہے۔ ہندوستان میں جب دریاؤں میں ہمیشہ پانی نہیں رہتا تو چشمہ کیا چیز ہے۔ الا ماشاء اللہ کوئی

چشمہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو سر جیون ہوتا ہے۔ ریگستان میں تو چشموں کے پانی زمین سے جوش مار کر نکلتے ہی نہیں۔ غرض اس چشمہ میں نیم آسیا پانی ہو گا۔ دامن سے اہل کر پانی آتا ہے۔ چشمہ کے گرد تمام مرغزار ہے۔ نہایت ہی عمدہ۔ میں نے حکم دیا کہ اس چشمہ کا مثمن سنگین حوض بنا دیا جائے۔ چشمہ کے کنارہ پر معجون کھانے کے وقت تردی بیگ بار بار فخر کے ساتھ کہتا تھا کہ یہ جگہ نہایت عمدہ ہے۔ اس کا کوئی نام تجویز کرنا چاہئے۔ عبداللہ نے کہا۔ چشمہ بادشاہی تردی بیگ۔ کہہ و اس پر خوب قہقہے اڑے۔ دوست ایشک آقا نے بیانے سے آکر اسی چشمہ پر ملازمت حاصل کی۔ یہاں سے ہم بیانے گئے اور وہاں سے سیکری میں آئے۔ اسی باغ کے پاس جہاں پہلے ٹھہرے تھے اترے۔ دو دن تک یہیں قیام کیا۔ باغ کو درست کرایا۔ رجب کی تئیسویں کو جمعرات کی صبح ہی آگرہ میں داخل ہوئے۔

گرد و نواح کی فتوحات اور تقسیم جاگیرات:۔ چندوار اور راپری کو اس موقع پر مخالفوں نے چھین لیا تھا جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ محمد علی جنگ جنگ۔ تردی بیگ۔ قوچ بیگ۔ عبدالملوک قورچی اور حسین خاں مع دریا خانیوں کے چندورا اور رابری کی طرف بھیجے گئے۔ یہ لشکر چندوار کے قریب ہی پہنچا تھا کہ ان کی خبر سن کر اندر والے جو قطب خاں کے آدمی تھے۔ بھاگ نکلے ہمارے سرداروں نے چندوار پر قبضہ کر لیا اور رابری کی طرف رخ کیا۔ حسین خاں نوحانی کے سپاہی کوچہ بند لڑائی کے خیال میں تھے۔ جوں ہی ہماری فوج نے حملہ کیا اور وہ قریب پہنچی' دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حسین خاں ہاتھی پر سوار ہو مع چند رفقاء دریا میں اترا اور غرق ہو گیا۔ قطب خاں اس خبر کے سنتے ہی اٹاوہ کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اٹاوہ پہلے تو مہدی خواجہ کو دیا گیا تھا۔ اب اس کے بیٹے جعفر خواجہ کو وہاں بھیج دیا گیا۔ رانا سانگا کے خروج کے زمانہ میں اکثر ہندوستانی اور افغان سرکش ہو کر بیشتر تمام ملک پر متصرف ہو گئے تھے۔ جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں۔ سلطان محمد دولدئی ڈر کے مارے قنوج چھوڑ کر چلا آیا تھا۔ پھر قنوج جانے سے اس کو شرم آئی۔ قنوج کی تیس لاکھ کی جاگیر کے بدلے سرہند کی پندرہ لاکھ کی جاگیر اس کو دی گئی اور قنوج محمد سلطان مرزا کو عنایت کیا۔

اس کو تیس لاکھ کا جاگیردار کر دیا۔ قاسم حسین سلطان کو بداپوں دے کر اور امرائے ترک میں سے ملک قاسم۔ بابا قشقہ (مع اس کے عزیزوں اور مغلوں کے) ابو

الحمد نیزہ باز۔ نوید۔ سلطان محمد دولدئی اور حسین خاں کو اور امرائے ہند میں سے علی خاں فرلی۔ ملک داو کررانی۔ شیخ محمد۔ شیخ بھکاری۔ تاتار خاں اور خاں جہاں کو محمد سلطان مرزا کے ساتھ کر کے بین کی تنبیہہ کے لئے جس نے سانگا کے فساد کے زمانہ میں لکھنؤ کا محاصرہ کر لیا تھا بھیجا۔ جس وقت یہ فوج گنگا سے پار ہوئی اور بین کو اس کا آنا معلوم ہوا اس وقت وہ اپنی بھیرو بنگاہ کو چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ یہ فوج اس کے پیچھے خیر آباد تک پہنچی۔ کچھ دن خیر آباد میں ٹھہر وہاں سے واپس آئی۔ خزانے تو بانٹ دیئے تھے مگر ملک تقسیم کرنے کی فرصت نہ ملی تھی اس لئے کہ سانگا پر جہاد کرنے کی مہم پیش آگئی۔ اس غزوہ سے فارغ ہو کر ملک اور پرگنوں کو تقسیم کیا۔ چونکہ برسات آگئی تھی اس لئے میں نے حکم دے دیا کہ ہر شخص اپنی اپنی جاگیر میں جائے اور سامان درست کر کے برسات بعد حضور میں حاضر ہو۔ اس اثناء میں خبر آئی کہ ہمایوں نے دلی پہنچ کر دلی کے خزانوں میں سے کئی کوٹھے بے حکم لے لئے۔ مجھے اس سے ایسی توقع نہ تھی۔ میں نے بہت سخت کلمات اس کو لکھے۔ جمعرات کے دن پندرہویں شعبان کو خواکی اسد جو عراق کی سفارت پر بھیجا گیا تھا اور سلیمان ترکمان کے ساتھ لایا تھا پھر سفیر ہو کر سلیمان کے ساتھ روانہ ہوا۔ اور اس کے ساتھ شہزادہ طہماسپ کے لئے بہت سے تحائف بھیجے گئے۔ تردی بیگ خاکسار کو میں نے فقیری چھڑا کر سپاہی بنایا تھا۔ کئی برس وہ ملازمت میں رہا۔ اب پھر اس کے سر میں فقیری کا دھواں گھسا۔ اس واسطے اس نے رخصت چاہی میں نے رخصت دے دی۔ اور کامران کے پاس سفیر کر کے بھیج دیا۔ تین لاکھ روپے بھی کامران کو بھجوائے جو لوگ اگلے سال کابل چلے گئے تھے ان کے حسب حال ایک قطعہ ملا علی خاں کو مخاطب کر کے لکھا اور تردی بیگ کے ہاتھ ملا کو بھیجا۔ قطعہ جس کا مطلب یہ ہے۔

> "جنہوں نے یہاں کے رنج و مصیبت کے خوف اور کابل کی عمدہ آب و ہوا کے خیال سے ہندوستان چھوڑا تھا ان کو ظاہرا عیش و آرام حاصل ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم بھی زندہ ہیں۔ اگرچہ بہت سے رنج اٹھائے اور مصیبتیں سہیں"۔

یہ رمضان باغ ہشت بہشت میں گزارا خاص اس لئے کہ تراویح غسل کے ساتھ پڑھی جائے۔ گیارہ برس کی عمر سے آج تک دو عیدیں کسی سال ایک مقام پر

کرنی نصیب نہیں ہوئیں۔ اتفاقاً" اگلے رمضان کی عید آگرہ میں ہوئی تھی اس خیال سے کہ جو بات بندھ گئی ہے اس میں فرق نہ آئے۔ اتوار کی شب کو کہ سلخ تھی عید کرنے کے لئے میں سیکری گیا۔ باغ فتح کے شمال مشرق کی طرف ایک سنگین چبوترہ تیار ہوا تھا۔ اسی پر سفید نمگیرا کھڑا کر کے عید کی نماز پڑھی جس رات میں آگرہ سے سوار ہوا اسی رات میر علی قورچی کو شاہ حسین کے پاس ٹھٹے روانہ کیا۔ چونکہ اس کو گنجفہ کا بڑا شوق تھا اور اس نے منگایا بھی تھا اس لئے ایک گنجفہ اس کے لئے بھیجا۔ ذیقعدہ کی پانچویں تاریخ اتوار کے دن علیل ہو گیا۔ سترہ دن بیمار رہا۔ جمعہ کے دن چوبیسویں تاریخ دھولپور کی سیر کے لئے روانہ ہوا۔ رات کو آدھے راستہ پر پہنچ کر سو رہا۔ صبح سلطان سکندر کے بند پر آکر ٹھہرا۔ بند کے آخر میں تمام پہاڑ سرخ پتھر کا ہے۔ جس سے ایک پتھر کا مکان تیار ہو جائے۔ میں نے استاد شاہ محمد سنگ تراش کو حکم دیا کہ اگر ایک پتھر کا مکان تراش کر بنا سکو تو بناؤ۔ اور جہاں گڑھا ہو جائے وہاں حوض بنا دو۔ دھولپور سے باری کی سیر کرنے گیا۔ دوسرے دن باری سے سوار ہو اس پہاڑ سے جو جنبل ندی اور باری کے بیچ میں سے ہوتا ہوا اور چنبل کا تماشا دیکھتا ہوا واپس آیا۔ اس پہاڑ میں آبنوس کے درخت دیکھنے میں آئے۔ اس کے پھل کو تیندو کہتے ہیں۔ سنتے تھے کہ آبنوس سفید بھی ہوتا ہے۔ اس پہاڑ میں دیکھا کہ بہت سفید آبنوس ہے۔ باری سے سیکری کی سیر کرتا ہوا میں جمعرات کے دن انتیسویں تاریخ آگرہ میں آیا۔ انہی دنوں میں شیخ بایزید کی نسبت متوحش خبریں سننے میں آئیں۔ سلطان قلی ترک کو بیس دن کی میعاد لگا کر شیخ بایزید کے پاس بھیجا۔ جمعہ کے دن ذی الحجہ کی دوسری تاریخ سے وظیفہ پڑھنا شروع کیا جو اکتالیس دفعہ پڑھا جاتا ہے۔ اسی زمانہ میں اپنے اشعار کو جو پانسے چار وزنوں میں لکھے تھے مدون کیا۔ ان دنوں میں میری طبیعت پھر علیل ہو گئی۔ نو دن تک ناساز رہی۔ ہفتہ کے دن انتیسویں ذی الحجہ کو کوتل اور سنبھل کی طرف روانہ ہوا۔

۹۳۴ھ کے واقعات

محرم کی پہلی تاریخ کوتل میں ہم پہنچے۔ ہمایوں نے درویش اور علی یوسف و

سنبھل میں متعین کیا تھا۔ انہوں نے ایک دریا سے پار ہو کر قطب خاں شروانی اور کئی راجاؤں کی خوب خبر لی۔ ان کے بہت لوگ قتل کیے۔ کچھ لوگوں کے سر اور کئی ہاتھی حضور میں بھیجے۔ میں کوتل ہی میں تھا کہ یہ چیزیں پیش ہوئیں۔ دو دن کوتل کی سیر کی اور شیخ گورن کی استدعا سے اس کے مکان میں ٹھہرا۔ اس نے دعوت بھی کی اور پیش کش بھی کی۔ کوتل سے اترولی میں آیا۔ چار شنبہ کو گنگا سے اتر کر پنجشنبہ کو سنبھل میں داخل ہوا۔ دو دن تک سنبھل کی سیر کرتا رہا۔ ہفتہ کے دن صبح کو سنبھل سے مراجعت کی۔ یک شنبہ کو سکندرے میں آگیا۔ اور داؤد شروانی کے مکان میں فروکش ہوا۔ اس نے آش حاضر کی اور وہ بہت خدمت گذاری کرتا رہا۔ وہاں سے اندھیرے منہ سوار ہوا۔ راستہ میں ایک بہانہ کر کے سب سے جدا ہوا۔ اور گھوڑا دوڑا کر آگرہ سے کوس بھر درے تک تنہا آیا۔ پھر ساتھ والے پیچھے سے آگئے۔ دوپہر بعد آگرہ میں داخلہ ہو گیا۔ محرم کی آٹھویں تاریخ اتوار کے دن مجھے جاڑے سے بخار چڑھا اور پچیس چھبیس دن تک رہا۔ بے خوابی اور تشنگی سے بہت تکلیف اٹھائی۔ تپ روز ترقی پکڑتی جاتی تھی۔ رات کی نیند بالکل اڑ گئی تھی۔ اور رات بھر بے قراری رہتی تھی۔ جو نسخہ تجویز ہوا تھا۔ وہ پیا گیا۔ اور آخر اسی سے آرام ہو گیا۔ ہفتہ کے دن اٹھائیسویں تاریخ فخر جہاں بیگم وغیرہ آئیں۔ کشتی میں سوار ہو سکندر آباد سے اوپر کی جانب سب سے جا کر ملا۔ اتوار کے دن استاد علی قلی نے بڑی توپ چھوڑی۔ اگرچہ گولا دور تک گیا لیکن توپ کے ٹکڑے اڑ گئے۔ اس کا ہر ٹکڑا ادھر ادھر لوگوں میں جا کر گرا۔ آٹھ آدمی مرے۔ پیر کے دن ساتویں ربیع الاول کو سیکری کی سیر کرنے گیا۔ وہاں کے گلاب میں جو ہشت پہلو چبوترہ بنانے کا حکم دیا تھا وہ تیار ہو گیا تھا۔ کشتی میں بیٹھ کر چبوترہ پر گیا۔ شامیانہ کھنچوا کر بیٹھا اور معجون کھالی۔ پھر سیکری سے واپس آیا۔

چندیری پر یورش :۔ چودھویں ربیع الاول شب دو شنبہ کو جہاد کی نیت سے چندیری کی طرف جانے کا قصد کیا۔ تین کوس کی منزل کر کے جلیسر میں قیام ہوا۔ سامان اور اسباب درست کرنے کے لئے دو دن تک یہاں قیام رہا پنجشنبہ کو کوچ کیا اور الودر میں لشکر اترا۔ الودر سے کشتی میں بیٹھ کر میں چندوار میں آیا۔ چندار سے کوچ در کوچ چلے۔ اور پیر کے دن اٹھائیسویں تاریخ کنار کے گھاٹ پر اترے۔ جمعرات کے دن دوسری ربیع الآخر کو میں نے دریا سے عبور کیا۔ چار پانچ دن تک دریا کے اس کنارہ اور

اس کنارہ پر اہل لشکر کے اترنے کے واسطے ٹھہرنا پڑا۔ ان چند دنوں میں متواتر میں کشتی میں سوار ہوا اور معجون کا استعمال کیا۔ کنار کے گھاٹ سے چنبل ندی کے ملنے کی جگہ دو ایک کوس اوپر کی جانب ہے۔ جمعہ کے دن دریائے چنبل میں کشتی میں سوار ہو کر میں چلا اور اس کے ملنے کی جگہ ہوتا ہوا لشکر میں آیا۔ اگرچہ شیخ بایزید نے کھلم کھلا تو کوئی مخالفت نہ کی تھی مگر اس کی ترکیب سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے دل میں کھوٹ ہے۔ اسی خیال سے محمد علی جنگ جنگ کو لشکر سے جدا کر کے بھیجا کہ قنوج سے محمد سلطان مرزا کو اور اس کی نواح سے اور امراء (جیسے قاسم سلطان۔ تیمور سلطان۔ ملک قاسم کوکی۔ ابو المحمد نیزہ باز۔ منوچہر خاں اور اس کے بھائی بند دریا خانی) کو اکٹھا کرے اور سب مل کر باغی افغانوں پر چڑھائی کریں۔ شیخ بایزید کو بلائیں۔ اگر سچے دل سے چلا آئے تو ساتھ لے لیں اور جو نہ آئے تو پہلے اسی کی خبر لیں۔ محمد علی نے کئی ہاتھی مانگے۔ دس ہاتھی اس کو دیئے۔ محمد علی کے ساتھ بابا چہرہ کو بھی جانے کا حکم دیا۔ کنار سے ایک منزل کشتی میں چلنا ہوا۔ چار شنبہ آٹھویں ربیع الثانی کو کالپی سے ایک کوس پر ڈیرے ہوئے۔ بابا سلطان (سلطان سعید کا سگا بھائی اور سلطان خلیل کا بیٹا) اسی منزل میں حاضر ہوا۔ اگلے برس اپنے بھائی کے پاس سے بھاگا تھا۔ مگر پشیمان ہو کر اندراب کی حد سے الٹا پھر گیا تھا۔ جب وہ کاشغر کے پاس پہنچا تھا تو خان نے حیدر مرزا کو بھیج کر واپس بلا لیا تھا۔ دوسرے دن لشکر کالپی میں پہنچا۔ میں خان عالم کے مکان میں اترا۔ ہندوستانی طرز سے اس نے آش وغیرہ کی دعوت کی اور نذر دی۔

پیر کے دن تیرھویں تاریخ کالپی سے کوچ ہوا۔ جمعہ کے دن ایرج پور میں لشکر اترا۔ اور ہفتہ کو باندیر میں پہنچا۔ اتوار کے دن انیسویں تاریخ چھ سات ہزار فوج چین تیمور سلطان کے زیر حکم اپنے سے آگے چندیری کی طرف روانہ کی گئی۔ باقی۔ ملنگ بیگی۔ تردی بیگ۔ قوچ بیگ۔ عاشق بکاول۔ ملا ایاق۔ محسن دولدئی اور شیخ گھورن (امرائے ہند میں سے) سردار اس لشکر میں شامل تھے۔ جمعہ کے دن چوبیسویں تاریخ کجوا کے قریب لشکر اترا۔ کجوا والوں کو امن دیا گیا اور کجوا بدر الدین کے بیٹے کو دیا۔ کجوا دلچسپ جگہ ہے۔ اس کے گرد چھوٹے چھوٹے پہاڑ ہیں۔ کجوا سے شمال مشرق کی جانب پہاڑ میں ایک بند باندھا ہے جس سے ایک بڑا تالاب ہو گیا ہے۔ اس کا گرد اولا پانچ چھ کوس کا ہو گا۔ اسی تالاب نے کجوا کو تین طرف سے گھیر لیا تھا۔ مغرب اور

شمال کی طرف کسی قدر زمین خشک ہے۔ اسی طرف کھوا کا دروازہ ہے۔ اس تالاب میں ایسی چھوٹی چھوٹی کشتیاں پڑی رہتی ہیں جن میں تین چار آدمی مشکل سے بیٹھیں۔ جب یہاں والے بھاگتے ہیں تو ان ہی کشتیوں میں بیٹھ کر پانی میں آجاتے ہیں۔ کھوا کے راستہ میں دو جگہ اسی طرح بند باندھ کر اور دو تالاب بنا دیئے ہیں جو کھوا کے تالاب سے بہت چھوٹے ہیں۔ کھوا میں سے ایک دن ٹھہرا۔ بیل داروں وغیرہ کو حکم دیا گیا کہ راستہ درست کر دیں اور جھاڑی کے درخت کاٹ ڈالیں تاکہ توپوں اور چھکڑوں کے لئے رستہ ہو جائے۔ کھوا اور چندیری کے بیچ میں بڑی جھاڑی ہے۔ کھوا سے ایک منزل چل کر چندیری سے تین کوس درے دریائے برہان پور ہم پار ہوئے۔ چندیری کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ شہر کی چار دیواری پہاڑ سے باہر ہے۔ اور شہر پہاڑ کے اندر بستا ہے۔ ایسا صاف راستہ جس میں چھکڑا وغیرہ چل سکے شہر کی دیوار کے نیچے سے ہے۔ برہان پور سے کوچ ہوا اور ارابوں کے سبب سے چندیری کے کوس بھر نیچے کی جانب جانا پڑا۔ ایک منزل بیچ میں کی۔ منگل کے دن اٹھائیسویں تاریخ حوض بہجت خاں کے کنارہ پر بند کے اوپر کی طرف ڈیرے ڈالے گئے۔ دوسرے دن سوار ہو کر شہر کے گرد قول۔ جرانغار اور برانغار کے مورچوں کی جگہ مقرر کر دی۔ استاد علی قلی نے گولے برسانے کے لئے ایک نیچی جگہ تجویز کی۔ بیل دار محصل معین ہوئے کہ جہاں توپیں کھڑی کی جائیں وہاں مورچے بنا دو۔ تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ سیڑھیاں اور کمندیں جو اسباب قلعہ گیری ہیں تیار کر لو۔

چندیری کی حکومت کا مختصر حال:۔ پہلے چندیری بادشاہان ہندوستان کے تحت میں تھی۔ سلطان ناصر الدین جب مرا تو اس کا ایک بیٹا سلطان محمود مندو کا بادشاہ ہوا جو اب وہاں موجود ہے اور دوسرا بیٹا محمد شاہ چندیری کو دبا بیٹھا۔ محمد شاہ نے سلطان سکندر سے التجا کی۔ سلطان نے اپنی بہت سی فوج اس کی مدد کے لئے بھیج دی۔ سلطان سکندر کے بعد سلطان ابراہیم کے زمانہ میں محمد شاہ فوت ہو گیا۔ اس کا خورد سال بیٹا احمد شاہ جانشین ہوا۔ سلطان ابراہیم نے اس سے چندیری چھین لی اور اپنی طرف سے وہاں حاکم مقرر کر دیا۔ جب میں نے سلطان ابراہیم پر فوج کشی کی اور میں دھولپور تک آگیا اور امرائے ابراہیم نے مجھ سے مخالفت کی تو اسی زمانہ میں چندیری کو رانا سانگا نے دبا لیا اور اپنے ایک سردار میدنی راؤ کو دے دی۔

میدنی راؤ سے صلح ہوئی:۔ ان دنوں میں میدنی راؤ چار پانچ ہزار فوج ہنود کے ساتھ چندیری میں تھا اور آرائش خان سے اس کی دوستی تھی۔ آرائش خاں کو شیخ گھورن کے ہمراہ بھیج کر اس کی فہمائش کی گئی۔ چندیری کے بدلے میں شمس آباد دینے کا وعدہ کیا۔ اس کے بھی دو ایک سردار آئے۔ معلوم نہیں کہ اس کو اعتبار نہ آیا۔ قلعہ پر بھروسہ ہوا۔ مدعا یہ کہ کوئی صلح کی صورت نہ نکلی۔ منگل کے دن جملوی اولالیٰ کی چھٹی کو چندیری پر حملہ کرنے کے لئے بہجت خاں کے حوض سے ہم نے کوچ کیا۔ اور جو حوض درمیان میں شہر کی فصیل کے قریب تھا اس کے کنارے پر ہمارا لشکر ٹھہرا۔ اسی دن خلیفہ دو ایک خط لئے ہوئے آیا۔ خطوں کا مضمون یہ تھا کہ جو فوج پورب کی جانب گئی تھی وہ وہاں جا کر اندھا دھند لڑی۔ آخر اس نے شکست کھائی۔ اور لکھنؤ چھوڑ قنوج میں آ گئی۔ میں نے دیکھا کہ خلیفہ اس خبر سے سٹپٹایا ہوا ہے۔ میں نے کہا تردد اور اندیشہ واہیات ہے۔ جو خدا چاہے گا وہ ہو گا۔ چونکہ یہ مہم درپیش ہے اس لئے دم نہ مارو اور خاموش رہو۔ کل اس شہر پر تو حملہ کرتے ہیں بعد اس کے دیکھا جائے گا۔ دشمنوں نے قلعہ کو بھی مضبوط کر لیا تھا۔ اور شہر کی دیوار پر بھی اکا دکا آدمی موجود رہتا تھا۔ رات کو ہر طرف سے ہمارے لشکر والوں کے مقابلہ میں شہر سے لوگ نکلے۔ مگر تھوڑے تھے کچھ معرکہ آرائی نہیں ہوئی۔ سب بھاگ کر قلعہ میں چلے گئے۔

چندیری کی لڑائی اور فتح:۔ بدھ کے دن جملوی اللاولیٰ کی ساتویں کو میں نے حکم دیا کہ فوج آراستہ ہو کر اپنے اپنے مورچوں پر جائے اور لڑائی شروع کر دے۔ جس وقت میں نشان اور نقارہ کے ساتھ سوار ہوں اس وقت ہر طرف کی فوج حملہ کرے۔ مڈبھیڑ ہونے تک نقارہ اور علم موقوف رکھ کر استاد علی قلی کی گولہ اندازی کی میں سیر کرنے گیا۔ تین چار گولے مارے۔ یہ مقام پست تھا اور قلعہ کی سنگین دیوار اونچی تھی۔ اس واسطے گولوں نے کام نہ دیا۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ چندیری کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ اس کی ایک سمت کی فصیل دریا کے سبب سے دہری بنائی ہے۔ یہ دہری فصیل پہاڑ سے نیچے ہے۔ یہی جگہ ایسی ہے جہاں سے دھاوا کر سکتے ہیں۔ قول کے چپ و راست اور باتین خاصہ کے مورچے یہیں تھے۔ لڑائی تو چاروں طرف ہونے لگی مگر ادھر حملہ کے ارادہ سے زور دیا گیا۔ ہر چند ہندوؤں نے فصیل پر سے پتھر پھینکے اور آگ سلگا کر پھینکی لیکن ہمارے جواں مرد سپاہیوں نے منہ نہ پھیرا۔ آخر جہاں شہر کی فصیل دہری

فصیل سے ملی ہوئی تھی وہاں سے شاہم نواز بیگ اوپر چڑھ گیا۔ دو تین جگہ سے اور سپاہی بھی جو قریب تھے چڑھ گئے۔ دہری فصیل پر جتنی ہندی فوج تھی وہ بھاگ گئی۔ یہ مقام ان سے چھین لیا گیا اوپر کے قلعہ والے بھی زیادہ نہ ٹھہر سکے اور بھاگ نکلے۔

ہمارے بہت سے سپاہی قلعہ پر چڑھ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہندو لوگ ننگے ہو کر لڑنے لگے۔ ہمارے اکثر سپاہیوں کے منہ پھیر دیئے اور فصیل پر چڑھ آئے۔ بہت آدمی اس موقعہ پر مارے گئے۔ ہندو فصیل پر سے جلد اس لئے بھاگ گئے تھے کہ ان کو اپنے اور متعلقوں کے گرفتار ہونے کا خوف ہو گیا تھا۔ بال بچوں کو قتل کر اپنے مرنے کی ٹھان ننگے ہو کر لڑنے کے لئے آموجود ہوئے۔ ہماری فوج نے بھی اور انہوں نے بھی دل توڑ کر لڑنا شروع کیا۔ آخر فصیل پر سے ان کو بھگا دیا۔ دو سو تین سو ہندو میدنی راؤ کے محل میں گھس آئے۔ یہاں اکثروں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ چنانچہ ایک تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور دوسروں میں سے ایک ایک نے خوشی خوشی اس کے آگے گردن رکھ دی اس طرح بہت ہندو مارے گئے۔ عنایت الہی سے ایسا قلعہ بے علم و نقارہ لائے اور بغیر سخت لڑائی کے دو تین گھڑی میں فتح ہو گیا۔ چندیری کے غرب و شمال میں جو پہاڑ ہے اس پر مقتولوں کے سروں کا کلہ منارہ چنوا دیا گیا۔ اس فتح کی تاریخ کا مادہ فتح دارالحرب نکلا۔ میں نے اس کو یوں موزوں کیا۔ تاریخ

بود	چندے	مقام		چندیری
پر ز	کفار	داو	حربی	ضرب
فتح	کردم	بہ	حر قلعہ	او
گشت	تاریخ		فتح	دارالحرب

چندیری کا مختصر حال:۔ چندیری عمدہ ملک ہے۔ اس کی نواح میں بہت آبشاریں ہیں۔ اس کا قلعہ پہاڑ پر ہے۔ قلعہ میں پتھر کا ایک بڑا حوض بنا ہوا ہے۔ جس دہری

فصیل کے مقام سے ہم نے حملہ کیا ہے وہاں بھی ایک بڑا حوض ہے۔ شہر کے تمام شرفا اور مقدور داروں کے مکانات تو ترشے ہوئے پتھر سے بنے ہوئے ہیں اور غربا کے مکان بھی پتھر ہی کے ہیں۔ اتنا ہے کہ غریبوں کے مکان تراشیدہ پتھر کے نہیں ہیں۔ کھپریل کی جگہ چھتیں سلوں سے پٹی ہوئی ہیں۔ قلعہ کے سامنے تین بڑے حوض ہیں۔ اگلے حاکموں نے ادھر ادھر بند باندھ کر اونچے مقاموں پر یہ حوض بنا دیئے ہیں۔ ایک ندی ہے جس کو تبنوی کہتے ہیں۔ یہ ندی چندیری سے تین کوس پر ہو گی۔ اس کا پانی مزے اور عمدگی میں مشہور ہے۔ وہ ایک خاصا چھوٹا دریا ہے۔ اس میں مکان بنانے کے قابل ایک ٹیلا ہے۔ چندیری آگرہ سے نوے کوس جنوب میں ہے۔ چندیری میں ارتفاع حدی پچیس درجہ کا ہے۔ دوسرے دن جمعرات کو قلعہ سے کوچ ہوا اور ملو خاں کے حوض کے قریب لشکر اترا۔ آگرہ سے چلتے وقت میری نیت تھی کہ چندیری فتح ہو جانے کے بعد رائے سین کے ملک اور راؤ سکھدین کے ملک پر جو بیلسہ اور سارنگ پور ہے چڑھائی کروں گا۔ ان کو مار لوں گا تو پھر چتور میں رانا سانگا کے سر پر جا دھمکوں گا۔ مگر پورب کی پریشان خبریں سن کر امراء سے مشورہ کیا۔ باتفاق آرا پورب کے باغیوں کی سرکوبی زیادہ مناسب معلوم ہوئی۔ چندیری احمد شاہ کو جو سلطان ناصرالدین کا پوتا تھا۔ دے دی اور پچاس لاکھ کا ملک چندیری کے علاقہ میں داخل خالصہ کر لیا گیا اور ملا آفاق کو وہاں کا شقدار کر دیا۔ دو تین ہزار فوج کی چھاؤنی احمد شاہ کی مدد کے لئے وہاں ڈال دی گئی۔

پورب کے باغیوں پر یورش اور فتح :۔ اس جانب سے فارغ ہو کر اتوار کے دن گیارہویں جمادی الاولیٰ کو مراجعت کے قصد سے ملّو خاں کے حوض پر سے اٹھ کر دریائے برہان پور کے کنارہ پر ڈیرے ہوئے پھر باندیر سے ایک آدمی آتکہ خواجہ اور جعفر خواجہ کے پاس بھیجا۔ اور کہلا بھیجا کہ کالپی سے کنار کے گھاٹ پر کشتیاں لے آؤ۔ ہفتہ کے دن چوبیسویں تاریخ کنارہ پر ٹھہر کر میں نے حکم دیا کہ لشکر عبور کرنا شروع کرے۔ ان دنوں میں خبر آئی کہ ہماری فوج نے قنوج کو بھی چھوڑ دیا۔ وہ رابری میں

آگئی ہے۔ شمس آباد کو ابو المحمد نیزہ باز نے مستحکم کر لیا تھا۔ مگر دشمنوں کی فوج کثیر نے حملہ کر کے چھین لیا۔ لشکر کے عبور کرنے کے واسطے تین چار دن دریا کے اس طرف اور اس طرف قیام کرنا پڑا۔ دریا سے پار ہو منزل در منزل قنوج کی طرف ہم چلے۔ قزاقوں کا ایک دستہ دشمنوں کی سن گن لینے کے لئے آگئے روانہ کیا۔ قنوج ان سے دو تین کوس کے فاصلہ پر رہا ہو گا جو خبر آئی کہ اس دستہ فوج کے سپاہی دکھائی دیتے ہی قنوج سے معروف کا بیٹا بھاگ نکلا اور بایزید بین اور معروف ہمارے آنے کی سن کر گنگا کے پار ہو قنوج کے قریب گنگا کے شرقی کنارہ پر رستہ روکنے کے خیال سے پڑے ہوئے ہیں۔ جمعرات چھٹی جماوی الاخریٰ کو قنوج سے چلے اور گنگا کے غربی کنارہ پر ہم اترے۔ ہماری فوج کے کچھ سپاہی گئے اور مخالفوں کی کشتیاں زبردستی چھین لائے۔ تیس چالیس کشتیاں چھوٹی بڑی ادھر ادھر سے ہاتھ لگیں۔ میر محمد جاربان کو حکم دیا کہ جائے اور پل باندھنے کے لئے مناسب جگہ تجویز کرے۔ جہاں لشکر پڑا ہوا تھا وہاں سے کوس بھر نیچے کی جانب عمدہ جگہ تجویز کر کے وہ آیا۔ پل باندھنے کا سامان و اسباب مہیا کرنے کے لئے محصل مقرر کئے۔ جس جگہ پل باندھنے کی تجویز ہوئی تھی اس جگہ استاد علی قلی نے ایک توپ لا کھڑی کر دی اور گولے مارنے شروع کر دیئے۔ مغرب کے بعد بابا سلطان اور درویش سلطان دس پندرہ آدمی کو ساتھ لے اور کشتی میں بیٹھ بے دیکھے بھالے پار چلے گئے۔ یہ بے لڑے بھڑے واپس آئے۔ میں نے ان کی اس حرکت پر ان کو بہت جھڑکا دو ایک بار ملک قاسم مغل مع کچھ سپاہیوں کے کشتی میں بیٹھ کر پار ہو گیا۔ اس سے خفیف سی لڑائی بھی ہوئی۔ جہاں پل باندھ رہے تھے وہاں سے نیچے کی طرف توپوں کے ارابوں میں سے ایک ارابہ اتار دیا اور ایک ٹاپو میں جا کر وہاں سے گولے مارنے شروع کئے۔

پل سے اوپر کی جانب مورچے باندھ دیئے۔ مورچوں کی دیواروں پر سے بندوقچیوں نے گولیاں برسائیں۔ آخر دھاوا کر کے تھوڑے سے آدمیوں سے ملک قاسم نے دشمنوں کو مار کر خیموں تک ہٹا دیا۔ دشمن کے بہت سے سپاہی ایک ہاتھی سمیت ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کو پیچھے ہٹایا یہ لوگ کشتی میں آگئے۔ کشتی کے روانہ ہوتے ہوتے ہاتھی نے آکر کشتی ڈبو دی۔ ملک قاسم اس لڑائی میں کام آیا۔ پل بندھنے تک کے زمانہ میں استاد علی قلی نے خوب گولہ باری کی۔ پہلے آٹھ گولے مارے۔

دوسرے دن اٹھارہ گولے مارے۔ تین چار دن تک اسی طرح گولے مارتا رہا۔ یہ گولے غازی نام توپ سے مارے تھے۔ اسی توپ سے سانگا کی لڑائی میں کام لیا تھا۔ اور لڑائی فتح ہونے کے سبب سے اس کا نام غازی رکھا تھا۔ ایک توپ اس سے بڑی تھی۔ ایک ہی دفعہ چھٹ کر وہ پھٹ گئی۔ بندوقچیوں نے بھی گولیوں کی بوچھاڑ خوب رکھی۔ بہت لوگ اور بہت گھوڑے گرائے۔ پل تیار ہوتے ہی بدھ کے دن انیسویں جملوی الاخریٰ کو ہمارے ڈیرے پل کے پاس آپڑے۔ افغانوں نے پل باندھنے پر بڑے قہقہے مارے۔ جمعرات کو پل بالکل تیار ہو گیا۔ پنجابی فوج کے کچھ سپاہی پل سے اترے۔ کسی قدر لڑائی بھی ہوئی۔ جمعہ کے دن فوج خاص۔ قول کے دست راست اور دست چپ میں سے کچھ سپاہی اور بندوقچی پل سے اترے۔ افغانوں نے مسلح ہو کر اور ہاتھیوں کو ساتھ لے کر ہم پر حملہ کیا کہ ایک دفعہ ہی ہمارے دست چپ والوں کے پاؤں اکھیڑ دیئے۔ قول اور دست راست والے قائم رہے اور انہوں نے دشمنوں کو مار ہٹا دیا۔ دو آدمی ہماری فوج میں سے جدا ہو کر دور رہ گئے تھے ان کو آن گھیرا۔ ایک کو تو گرفتار کر لیا۔ دوسرے کو اس کے گھوڑے سمیت خوب مارا۔ اس کا گھوڑ گرتا پڑتا اپنے لشکر میں آن ملا۔ اسی دن ہمارے سپاہی سات آٹھ آدمیوں کے سر کاٹ لائے۔ دشمنوں کے بہت لوگ تیروں اور بندوقوں سے زخمی ہوئے۔ ظہر کے وقت تک ہنگامہ کارزار گرم رہا۔ شام ہوتے ہی پل پر سے اترنے والی فوج کو پلٹا لیا۔ اگر اس رات وہیں رہ جاتے تو احتمال تھا کہ اکثر لوگ گرفتار ہو جاتے۔ مجھے خیال آیا کہ اگلے برس ہفتہ کو نوروز ہوا تھا۔ اسی دن سیکری سے سانگا کی لڑائی کے لئے میں نے کوچ کیا تھا اور فتح پائی تھی۔ اس سال چار شنبہ کو نوروز کے دن ان دشمنوں کے مقابلہ کے واسطے روانگی کا قصد کیا ہے۔ اگر اتوار کو میری فتح ہو جائے تو عجیب بات ہے۔ اسی واسطے ایک کو بھی پل کے پار نہ ہونے دیا۔

ہفتہ کے دن غنیم مقابلہ پر نہ آیا۔ دور ہی دور رہا۔ آج میں نے ارابے پار اتروا دیئے۔ فوج کو حکم دیا کہ صبح لوگ عبور کرنا شروع کر دیں۔ نقارہ کے وقت خبر آئی کہ غنیم بھاگ گیا۔ چین تیمور سلطان کو حکم دیا کہ لشکر تیار کر کے غنیم کے تعاقب میں جائے۔ محمد علی جنگ جنگ جسام الدین علی خلیفہ۔ محب علی خلیفہ۔ کوکی۔ بابا قشقہ۔ دوست محمد۔ بابا تاشقندی اور ولی قزلباش کو حکم دیا کہ سلطان کے ساتھ جاؤ اور سلطان

حکم مانتے رہے۔ رات کو میں بھی دریا سے پار اترا۔ اونٹوں کے لئے حکم ہوا کہ وہ اس گھاٹ کے نیچے کی جانب سے اتریں جو تجویز ہوا ہے۔ اتوار کے دن ہم سن کر مود سے ایک کوس کے فاصلہ پر ایک بڑے دریا کے کنارے پر اترے۔ جو فوج دشمن کے پیچھے پیچھے جانے والی تھی وہ تیار نہ ہوئی تھی۔ آج ظہر کے وقت وہ فوج سنکر مود سے روانہ ہوئی۔ دوسرے روز سنکر مود والے تالاب پر لشکر اترا۔ آج ہی تو غتمہ بوغان سلطان (میرے چھوٹے دادا کا بیٹا) مجھ سے آکر ملا۔ ہفتہ کے دن انتیسویں جمادی الاخریٰ کو لکھنؤ کی سیر کر کے دریائے گومتی سے پار ہم اترے۔ میں دریائے گومتی میں نہایا۔ نہ معلوم کان میں پانی چلا گیا یا ہوا لگی۔ کسی سبب سے میرا سیدھا کان گنگ ہو گیا۔ مگر چند روز رہا۔ اور بہت درد نہیں ہوا۔ چین تیمور سلطان لشکر سے دو تین منزل آگے گیا ہوا تھا کہ اس نے کہلا بھیجا غنیم سرود دریا کے اس طرف پڑا ہوا ہے۔ جلدی کمک بھیجے۔ ایک قزاق سردار ہزار آدمیوں کے ساتھ قول میں سے مدد کے لئے روانہ کیا۔ ہفتہ کے دن ساتویں رجب کو اودھ سے دو تین کوس اوپر کی جانب گھاگرا اور سرود دریاؤں کے ملنے کی جگہ لشکر کا قیام ہوا۔

سرود دریا کے پار اودھ کے سامنے آج تک شیخ بایزید پڑا رہا اور سلطان سے خط و کتابت میں گفتگو کرتا رہا۔ سلطان اس کی چال سمجھ گیا۔ ظہر کے وقت اس نے پار ہونے کا انتظام کیا۔ اور ارادہ کر لیا کہ انتظام ہوتے ہی پار ہو جائیں گے۔ اول کوئی پچاس سوار اور اور تین چار ہاتھی ادھر روانہ کئے۔ دشمن نہ ٹھہر سکا۔ بھاگ نکلا۔ ان لوگوں نے چند آدمیوں کے سر کاٹ لئے۔ چین تیمور سلطان۔ تردی بیگ۔ توچ بیگ۔ بابا چہرہ اور باقی شقاول وغیرہم بھی ان کے بعد جا پہنچے آگے اترنے والوں نے شیخ بایزید کو آگے رکھ لیا۔ شام تک اس کا پیچھا کیا۔ آخر شیخ بایزید تو بن میں جا گھسا اور یوں اس نے اپنا پیچھا چھڑایا۔ چین تیمور سلطان شام کو دریا کے کنارے پر ٹھہرا۔ پھر آدی رات کو سوار ہو کر غنیم کے پیچھے گیا۔ چالیس کوس کا راستہ طے کر کے جہاں غنیم کا پڑاؤ تھا۔ وہاں پہنچا۔ لوگ بھاگ گئے تھے یہاں سے فوج کی ٹکڑیاں الگ الگ ہو کر چاروں طرف چلی گئیں۔ باقی شقاول کچھ سپاہیوں کو ہمراہ لے دشمن کے پیچھے چلا۔ ان کے پڑاؤ پر پہنچا اور ان کے بال بچے گرفتار کر لایا۔ یہاں کے انتظام کے لئے چند روز اسی منزل میں قیام رہا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ اودھ سے سات آٹھ کوس اوپر کی جانب سرود دریا کنارے

ہے ایک عمدہ شکار گاہ ہے۔ میں نے میر محمد جالہ بان کو گھاٹ دریافت کرنے بھیجا۔ وہ دریائے گھاگرا اور سرود کے گھاٹوں کو دیکھ آیا جمعرات کے دن بارہویں تاریخ شکار کھیلنے کے لئے میں سوار ہوا۔

۹۳۵ھ کے واقعات

جمعہ کے دن محرم کی تیسری تاریخ عسکری آیا۔ اور خلوت خانہ میں اس نے ملازمت حاصل کی۔ میں نے اسے ملتان کی ضرورت کے لئے بلایا تھا۔ دوسرے دن میر سورخ۔ مولانا شہاب الدیب معائی اور میر ابراہیم قانونی (یونس علی کا قرابت دار) جو مدت سے میرے ملنے کے لئے ہری سے چلے آئے تھے مجھ سے ملے۔

گوالیار کی سیر کو جانا:۔ پانچویں تاریخ اتوار کے دن عصر کے وقت گوالیار کی سیر کے خیال سے جس کو کتابوں میں کالیور لکھا ہے جمنا سے پار ہو کر آگرہ میں میں آیا۔ فخر جہاں بیگم اور خدیجہ بیگم کا ارادہ ان دو تین ہی دن میں کابل جانے کا تھا۔ ان کو رخصت کیا اور میں سوار ہو گیا۔ محمد زمان مرزا اجازت لے کر آگرہ میں رہ گیا۔

میں رات کو پانچ کوس کی منزل طے کر کے ایک بڑے تالاب کے کنارے پر اترا اور سو رہا۔ صبح کی نماز اول وقت پڑھ کر سوار ہو گیا۔ کیسر ندی کے کنارہ پر دوپہر گزاری۔ ظہر کے وقت وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ ملا رفیع نے جو سفوف کیف کے لئے تیار کیا تھا وہ تلوریقان کے ساتھ پھانکا۔ بہت ہی بدمزہ معلوم ہوا۔ عصر کے بعد ہم دھولپور پہنچے۔ دھولپور سے کوس بھر مغرب کی جانب جس باغ کو تیار کروایا تھا اس میں اترے۔ اس جگہ پہاڑ کی پوری بنی گاہ ہے اور یہ بنی گاہ ساری سنگ سرخ کی اور ایک پتھر کی ہے جو قابل مکان بنانے کے ہے۔ میں نے حکم دیا تھا کہ اس پہاڑ کو کھود کر زمین تک پہنچا دو۔ اگر ایک پتھر اتنا اونچا رہے کہ ایک پتھر کا ترشا ہوا مکان بن سکے۔ تو بناؤ اور اگر اتنا بلند نہ ہو تو اس پتھر کا ایک حوض بنا لو۔ اتنا اونچا پتھر نہ نکلا کہ مکان بن جاتا۔ استاد شاہ محمد سنگ تراش کو حکم دیا کہ ایک مثمن حوض اس پتھر پر جو صحن ہو گیا ہے تیار کرو۔ تاکید کی گئی کہ سنگ تراش جلدی جلدی کام کریں۔ اس جگہ کے شمال میں آم۔ جامن اور دوسرے قسم کے بہت درخت ہیں۔ ان درختوں مین ایک وہ دردہ

کنواں تیار کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ کنواں تیار ہونے کو تھا۔ اسی کنوئیں سے حوض میں پانی جائے گا۔ اس حوض کے مغرب میں سلطان سکندر والا بند تھا۔ بند پر سلطان کے بنائے ہوئے مکان ہیں۔ بند کے اوپر بڑا تالاب بن گیا ہے۔ جس میں برسات کا پانی جمع ہو جاتا ہے۔ تالاب کے گرد پہاڑ ہے۔ اس تالاب کے مشرق کی طرف ایک پتھر کا چبوترہ تیار کرنے کے لئے میں نے حکم دیا۔ اس کے مغرب میں ایک مسجد بنانے کے لئے کہہ دیا۔ سہ شنبہ اور چہار شنبہ کو اسی کام کے واسطے ٹھہرا رہا۔

پنج شنبہ کو سوار ہو گیا۔ دریائے چنبل سے اتر کر ظہر کی نماز دریا کے کنارہ پر پڑھی اور عصر کے درمیان میں چنبل کے کنارہ سے چلا اور مغرب و عشاء کے درمیان میں کواری ندی سے پار ہو کر مقام کیا۔ بارش کی وجہ سے دریا چڑھا ہوا تھا۔ گھوڑے تیر کر اور میں کشتی میں بیٹھ کر پار ہوا۔ دوسرے دن جمعہ کو عشرہ تھا۔ یہاں سے کوچ کیا اور دوپہر ایک گاؤں میں کاٹی۔ عشاء کے وقت گوالیار میں داخل ہوا۔ اگلے سال میں نے شہر کے شمال میں کوس بھر کے فاصلہ پر ایک چار باغ تیار کرنے کا حکم دیا تھا اسی میں میں اترا۔ دوسرے دن ظہر سے پہلے سوار ہوا اور شہر کے شمال میں جو پہاڑ ہیں ان کی اور عیدگاہ کی سیر کی۔ شہر کے ہتیا پول دروازہ سے جس کے قریب راجہ مان سنگھ کے محلات ہیں شہر میں آیا۔ وہاں سے راجہ بکماجیت کے محلوں میں جن میں رحیم داد رہتا ہے عصر کے بعد آکر ٹھہرا۔ رات کو تھکان رفع ہونے کے لئے میں نے افیون کھا لی۔ دوسرے دن افیون کے نشہ نے بہت تکلیف دی۔ کئی بار قے ہوئی۔ باوجود اس نشہ کے مان سنگھ اور بکماجیت کے تمام محلوں میں پھر کر میں نے سیر کی۔ عجیب مکانات ہیں۔ اگرچہ بے ڈول ہیں مگر سب پتھر کے ترشے ہوئے۔ سب سے راجہ مان سنگھ کے محل عمدہ اور عالی شان ہیں۔ مان سنگھ کے محل کے اور اضلاع کی نسبت شرقی ضلع بڑا پر تکلف ہے۔ اس کی بلندی تخمیناً" چالیس پچاس گز ہو گی۔ سب عمارت پتھر کی ترشی ہوئی ہے۔ اوپر چونا پھرا ہوا ہے۔ بعض جگہ چو منزلہ مکان ہے۔ اور اس کے نیچے کی منزل میں اندھیرا گھپ ہے۔ بہت دیر ٹھہرنے کے بعد ذرا ذرا اجالا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے شمع کی روشنی میں سیر کی۔ اس عمارت کے ہر ضلع میں پانچ برج ہیں۔ ہر برج میں چار طرف ہندوستانی طریقہ سے چار برجیاں ہیں۔ ان پانچوں پر سنہری کلسیاں ہیں۔ ان کی دیواروں پر باہر کی طرف سبز چینی کا کام کیا ہوا ہے۔ اس کے گرد منبر چینی سے

کیلوں کے درخت بنا دیئے ہیں۔ شہر ضلع کے برج ہیں ہتیا پول ہے۔ ہندی میں فیل کو ہاتھی اور دروازہ کو پول کہتے ہیں۔ دروازہ کے باہر کے رخ پر ہاتھی کی سنگین مورت کھڑی کر دی ہے۔ اور اس پر ہاتھی بان بھی بیٹھا ہوا ہے۔ یہ مورت بالکل ہاتھی معلوم ہوتی ہے۔ اسی لئے اس کو ہتیا پول کہتے ہیں۔

جو چو منزلہ مکان ہے اس کے نیچے کی منزل ہاتھی پر اتنی جھکی ہوئی ہے کہ ہاتھی اس سے ملا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اوپر کی منزل میں وہ برج ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ دوسری منزل میں نشست کی جگہ ہے۔ یہ بھی جگہ جگہ سے جھکے ہوئے بنائے ہیں۔ اگرچہ اور تکلفات ہندوستانی طرز کے کئے ہیں مگر مکان گھٹے ہوئے ہیں۔ راہ مان سنگھ کے بیٹے بکما جیت کے محل قلعہ کے شمال میں ایک جگہ کے بیچ میں ہیں۔ بیٹے کی عمارت باپ کی عمارت جیسی نہیں ہے۔ یہاں ایک بڑا برج بنا دیا ہے۔ جس میں اتنا اندھیرا ہے کہ بہت دیر ٹھہرے رہنے کے بعد روشنی معلوم ہوتی ہے۔ اس بڑے گنبد کے نیچے ایک چھوٹا سا مکان ہے۔ اس تاریک مکان میں کہیں روشنی نہیں آتی۔ رحیم داد نے اسی برج میں ایک چھوٹا سا دالان بنایا ہے۔ رحیم داد اسی بکما جیت کے محل میں رہتا ہے۔ بکما جیت کے محل میں سے اس کے باپ کے محل میں جانے کا راستہ ہے۔ مگر اندر ہی اندر ہے۔ باہر سے معلوم نہیں ہوتا۔ یہ راستہ کہیں کہیں سے روشن بھی ہے۔ خاصہ راستہ ہے۔ ان عمارتوں کی سیر کرنے کے بعد رحیم داد نے جو مدرسہ بنایا ہے میں اس میں گیا۔ رحیم داد نے قلعہ کے جنوب میں ایک بھی بنایا ہے۔ تالاب کے کنارہ پر اس کی بھی میں نے سیر کی۔ گلاب اور سرخ کنیر بہت عمدہ ہوتا ہے۔ یہاں کی کنیر کے پھول کا رنگ گل شفتالو ہوتا ہے۔ گوالیار کا لال کنیر بڑا ہی خوش رنگ ہوتا ہے۔ میں نے گوالیار کا کنیر آگرہ کے باغ میں بھی لگایا۔

عالی شان بت خانہ:۔ اس پہاڑ میں ایک جانب بڑا تالاب ہے۔ برساتی پانی اس میں جمع ہوتا ہے۔ تالاب کے مغرب میں ایک عالی شان بت خانہ ہے۔ سلطان شمس الدین التمش نے اس بت خانہ کے پہلو میں ایک مسجد بنائی ہے۔ یہ بت خانہ اتنا بلند ہے کہ قلعہ میں اس سے اونچی کوئی عمارت نہیں ہے۔ دھولپور کے پہاڑ پر سے گوالیار کا قلعہ اور یہ بت خانہ خوب نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس بت خانہ کا سارا پتھر اسی تالاب کو کھود کر لیا ہے۔ باغ میں ایک چوبی دالان ہے۔ پست تو ہے مگر بڑا ہے۔ اس باغ میں

ہندوستانی قطع کے بیہودہ مکانات بنے ہوئے ہیں۔

قلعہ کے باہر کی عمارتیں :۔ دوسرے دن ظہر کے وقت گوالیار کے قابل دید مقامات کی سیر کرنے کے لئے سوار ہوا۔ قلعہ کے باہر کی عمارت جس کا نام بارل کرہے دیکھی۔ ہتیاپول دروازہ سے نکل اود نام مقام کی سیر کی۔ اود نام جس جگہ کا نام ہے وہ قلعہ کے مغرب میں ایک درہ ہے۔ اگرچہ یہ درہ قلعہ کی اس فصیل سے جو پہاڑ پر ہے۔ باہر ہے مگر اسی درہ کے منہ پر دہری فصیل بنا دی ہے۔ اس فصیل کی بلندی تیس چالیس گز کی ہو گی۔ اندر کی فصیل بہت لمبی ہے۔ یہ فصیل اس طرف اور اس طرف کی فصیل سے جا ملی ہے۔ اس فصیل کے بیچ میں اس سے نیچی ایک اور فصیل بنا دی ہے۔ یہ فصیل پوری نہیں ہے۔ صرف حفاظت کے لئے کسی قدر بنائی ہے۔ اس فصیل کے اندر ایک باؤلی ہے۔ دس پندرہ سیڑھیوں کے نیچے پانی ہے۔ باؤلی والی فصیل اور بڑی فصیل سے اس میں پانی آتا ہے۔ اس کے دروازہ پر سلطان شمس الدین التمش کا نام پتھر کھود کر لگا دیا ہے۔ ۶۳۷ھ لکھے ہوئے ہیں۔ باہر کی فصیل کے نیچے قلعہ کے باہر بڑا تالاب ہے۔ اس میں پانی کم رہتا ہے۔ غالباً" اس کا پانی اود کے پانی میں چلا جاتا ہے۔ اود اور اس بڑے تالاب کے بیچ میں اور تالاب ہیں۔ شہر والے ان تالابوں کے پانی کو سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔ اس اود کی تین طرفوں اور بڑے تالاب کے قریب ایک پہاڑ ہے جس کے پتھر کا رنگ بیانہ کے پتھر جیسا سرخ نہیں ہے۔ بلکہ ایک بدرنگ پتھر ہے۔ اود کے اطراف کے پہاڑ کا ایک ٹکڑا تراش کر چھوٹے بڑے بتوں کی مورتیں بنائی ہیں۔ اس کے جنوب میں ایک بڑے بت کی مورت ہے۔ جو تقریباً بیس گز کی ہو گی۔ ان سب بتوں کو چم ننگا بنایا ہے۔ ان دو بڑے تالابوں کے بیچ میں اود کے اندر بیس کنویں بنائے ہیں۔ اس میں چمن بندی بھی کی ہے۔ پھلواری لگائی ہے۔ چمنوں میں انہی کنوؤں سے پانی دیا جاتا ہے۔ اود دلچسپ جگہ ہے۔ اتنا عیب ہے کہ چاروں طرف اس میں بت ہی بت ہیں۔ میں نے حکم دیا کہ ان بتوں کو توڑ ڈالو۔ اود سے پھر میں قلعہ میں آیا۔ سلطانی پول ہو ہنود کے عہد حکومت سے آج تک بند ہے۔ اس کی سیر کی۔ شام کو رحیم داد کے باغ میں آیا۔

بکرماجیت پسر رانا سانگا سے مصالحت :۔ سہ شنبہ چودھویں تاریخ رانا سانگا کے دوسرے بیٹے بکرماجیت کے پاس سے جو اپنی ماں پدماوتی کے ساتھ قلعہ رنتھبور میں تھا

لوگ آئے۔ جب میں گوالیار آنے لگا ہوں تو اس سے پہلے اشوک و بکماجیت کا ایک معتبر سردار ہے) کے پاس سے اطاعت اور خدمت گزاری کے پیغام آئے تھے اور ستر لاکھ کے ملک عطا کرنے کی استدعا کی تھی۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر رنتھبور کا قلعہ خالی کر دے تو اس کی خواہش کے موافق جاگیر واگذاشت کر دی جائے گی۔ یہ بات مقرر کر کے اس کے آدمیوں کو رخصت کر دیا تھا۔ اور چونکہ میں گوالیار جا رہا تھا اس لئے کہہ دیا تھا کہ فلاں دن گوالیار میں حاضر ہو۔ یہ لوگ وقت مقررہ سے کئی دن پیچھے آئے۔ اسواک پدماوتی کا رشتہ دار ہے۔ اس نے یہ کیفیت دونوں ماں بیٹوں سے بیان کی۔ دونوں نے اسواک سے متفق الرائے ہو کر اطاعت اور شرط قبول کر لی۔ رانا سانگا کے پاس سلطان محمود کا ایک تاج۔ کلاہ زریں کمر بند تھا۔ جب اس نے سلطان محمود کو پکڑا ہے تو یہ چیزیں لے کر چھوڑ دیا۔ وہ تاج وغیرہ بکماجیت کے پاس تھا۔ اس کے بڑے بھائی نے جواب اپنے باپ رانا کا جانشین ہے اور چتور پر قابض ہے۔ ان چیزوں کے بھیجنے اور رنتھبور کے بدلے میں بیانہ لینے کو کہلا بھیجا۔ میں نے بیانا دینا تو منظور نہ کیا مگر شمس آباد عوض میں دینا قبول کر لیا۔ اسی دن بکماجیت کے آدمیوں کو خلعت دے کر رخصت کیا اور کہہ دیا کہ نو دن میں بیانے آجاؤ۔

گوالیار کا بت خانہ :۔ میں نے اس باغ سے سوار ہو کر گوالیار کے بت خانہ کی سیر کی۔ بت خانہ میں بعض جگہ دہرے اور بعض جگہ تہرے دالان ہیں۔ مگر اگلی وضع کے نیچے نیچے۔ ان کے ازارہ کے پتھروں میں مجسم بت کندہ کئے ہوئے ہیں۔ بت خانے کے بعض ضلعے مدرسوں کی وضع کے ہیں۔ صدر مقام میں ایک بڑا اونچا برج ہے جس کے حجرے ایسے ہیں جیسے مدرسوں کے حجرے ہوتے ہیں۔ ہر حجرے کے اوپر پتھر کی تراشی ہوئی چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ حجروں میں نیچے کی جانب پتھروں میں بت تراشے ہیں۔ ان مقاموں کی سیر کر کے گوالیار کے غربی دروازہ سے نکل قلعہ گوالیار کے جنوب میں ہوتا ہوا رحیم داد کے چار باغ میں چوہتا پول دروازہ کے سامنے ہے۔ آکر ٹھہرا۔ رحیم داد نے ضیافت کا سامان کر رکھا تھا۔ عمدہ عمدہ کھانے کھلائے اور بہت کچھ نذر کیا۔ تقریباً چالیس لاکھ کا نقد و جنس پیش کیا۔ شام کو ہیں یہاں سے اپنے چار باغ میں آگیا۔

آبشار :۔ بدھ کے دن پندرہویں تاریخ ایک آبشار کی سیر کی۔ یہ مقام گوالیار کے جانب مشرق میں چھ کوس کے فاصلہ پر ہو گا۔ میں فرودگاہ سے بہت رات سے سوار ہوا

تھا۔ آبشار پر ظہر کے بعد پہنچنا ہوا۔ اس آبشار کی کیفیت یہ ہے کہ ایک پہاڑ کے اونچے ٹکڑے سے جو گاچھی کے برابر اونچا ہو گا ایک آسیا سے کچھ زیادہ مقدار پانی گرتا ہے۔ جہاں پانی گرتا ہے وہاں نیچے کو خاصہ تالاب بن گیا ہے۔ اس آبشار کے اوپر پہاڑ کے ٹکڑے سے پانی ایک دفعہ گرتا ہوا آتا ہے۔ جس جگہ پانی گرتا ہے اس جگہ کے نیچے پتھر کی چٹان ہے۔ اس چٹان سے پانی اس طرح گرتا ہے کہ جگہ جگہ گڑھے ہو گئے ہیں۔ پانی بہنے کے مقام کے کناروں پر چٹانیں ہیں جو بیٹھنے کے لائق ہیں۔ یہ پانی ہمیشہ جاری نہیں رہتا۔ اس حجرے پر بیٹھ کر میں نے معجون کھائی۔ پھر اوپر جا کر اس جگہ کو دیکھا جہاں سے پانی بہنا شروع ہوا۔ وہاں کی سیر کر کے ہم پلٹے اور ایک ٹیکرے پر دیر تک بیٹھے رہے۔ سازندے ساز بجانے لگے اور گویئے گانے لگے۔ ہمراہیوں میں سے جنھوں نے آبنوس (جس کو اہل ہند تیندو کہتے ہیں) نہ دیکھا تھا اس کو دکھایا۔ وہاں سے اٹھے اور پہاڑ کے نیچے آئے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان میں کوچ کر دیا۔ آدھی رات کو ایک مقام پر میں سو رہا۔ پہر دن چڑھا ہو گا جو چار باغ میں آگیا۔ جمعہ کے دن سترہویں تاریخ سوقچہ نام ایک گاؤں کی (جو صلاح الدین کا وطن ہے) اور گاؤں کے اوپر کی جانب کے باغ لیموں وغیرہ (جو پہاڑ اور پہاڑ کی گھاٹی کے درمیان میں ہے) کی سیر کی۔ پہر بھر کے بعد وہاں سے چار باغ میں آگیا۔ اتوار کے دن انیسویں کو اندھیرے منہ چار باغ سے سوار ہوا۔ اور کواری ندی سے اتر ایک جگہ پر دوپہر گزاری۔ ظہر کے وقت چل کھڑا ہوا جھٹپٹا تھا کہ چنبل ندی سے عبور کیا۔

مغرب اور عشاء کے بیچ میں داخل دھولپور ہوا۔ ابو الفتح نے چراغ حمام بنایا ہے اس کی سیر دیکھی اور یہاں سے اس چار باغ میں آیا جو بند پر نیا بنا ہے۔ دوسرے روز ان ان مقاموں کو ملاحظہ کیا جن جن کی تعمیر کا حکم دے گیا تھا۔ جس سنگین حوض بنانے کے لئے میں کہہ گیا تھا اس کا منہ اوپر کی طرف کا بن گیا تھا۔ میں نے حکم دیا کہ سنگ تراشوں کی مدد بڑھا کر اس کے نیچے کی طرف کا رخ بھی درست کر دو تاکہ اس میں پانی چھوڑ کر ناپ تول دیکھ لی جائے۔ عصر کے بعد تک حوض کا یہ رخ بھی پورا ہو گیا۔ میں نے کہا پانی بھر کر دیکھو۔ پانی بھر کر اطراف کی ناپ تول کی۔ اور نپسال درست کر لی۔ اب کی بار میں نے حکم دیا کہ ایک جل محل بنے ایک پتھر کا ترشا ہوا اور اس کے اندر کا حوض بھی ایک ہی پتھر کا ہو۔ پیر کے دن معجون خوری کا جلسہ ہوا۔ منگل کو یہیں

رہا۔ چار شنبہ کے دن روزہ کھولنے کے بعد کچھ کھایا پیا۔ اور سیکری چلنے کے لئے سوار ہو گیا۔ آدھی رات گئے ایک مقام پر اتر کر سو رہا۔ رات کو کان میں بہت درد رہا۔ شاید سردی نے کچھ اثر کیا ہو۔ درد کی شدت سے رات بھر نیند نہ آئی۔ سویرے ہی یہاں سے کوچ کر دیا۔ کوئی پہر دن چڑھا ہو گا۔ جو سیکری والے باغ میں آن اترا۔ میر عمارت کو بہت ڈانٹا اور تاکید کی کہ باغ کی دیواریں مکانات اور کنواں میری طبیعت کے موافق جلد تیار کرو۔ سیکری سے عصر اور مغرب کے مابین سوار ہو۔ بدھا کور سے نکل ایک جگہ پر ٹھہر کر آرام کیا۔ وہاں سے پہر بھر میں آگرہ میں داخل ہو گیا۔

فخر جہاں بیگم چلی گئی تھیں اور خدیجہ سلطان بیگم بعض کاموں کے سبب سے رہ گئی تھیں۔ ان سے شہر میں جا کر ملا۔ پھر جمنا کے پار ہشت بہشت باغ میں آ گیا۔ سہ شنبہ تیسری صفر کو بڑی بیگمات میں سے حبیبہ بیگم۔ گہر شاد بیگم اور بدیع الجمال بیگم۔ چھوٹی بیگمات میں سے خانزادہ بیگم (سلطان مسعود مرزا کی بیٹی) سلطان لخت بیگم کی بیٹی۔ تیکہ جنجا کی پوتی (زینب سلطان بیگم) آئی ہوئی تھیں اور دریا کے کنارہ پر جو محلات ہیں ان کے پاس اتری تھیں۔ ان سے عصر اور مغرب کے بیچ میں جا کر ملا۔ وہاں سے کشتی میں بیٹھ کر آیا۔ پیر کے دن صفر کی پانچویں کو بکرماجیت کے پہلے اور دوسرے ایلچی کے ساتھ پرانے ہندوؤں میں سے دیوا کے بیٹے سرہ پوسی کو روانہ کیا تاکہ بکرماجیت رنتھبور کو سونپ دے اور اطاعت قبول کرنے کا وعدہ کر لے۔ یہ ہمارا آدمی جائے اور اچھی طرح دیکھ بھال کر آئے۔ اگر وہ اپنے قول پر قائم رہے تو ہم بھی وعدہ پورا کرنے کو تیار ہیں۔ خدا چاہے تو چتوڑ میں ہم اس کو اس کے باپ کا جانشین کر دیں گے۔ ان ہی دنوں میں سلطان سکندر اور ابراہیم کے دلی اور آگرہ والے خزانے ہو چکے تھے۔ پنجشنبہ کے دن صفر کی آٹھویں تاریخ حکم دیا کہ لشکر کے سامان و تنخواہ وغیرہ کے لئے تمام منتظمان اضلاع سے ایک کروڑ تیس لاکھ روپے دیوانی علاقہ میں منگائے جائیں۔ اور اخراجات ضروری میں صرف کئے جائیں۔ ہفتہ کے دن دسویں تاریخ شاہ قاسم نام (سلطان محمد بخشی کے علاقہ کا پیادہ) جو پہلے بھی ایک دفعہ خراسان والوں کے نام استمالت کے فرامین لے گیا تھا پھر اس مضمون کے فرمان لے کر روانہ ہوا کہ ہندوستان کے مشرقی اور مغربی باغیوں اور ہندوؤں کی طرف سے عنایت الٰہی سے خاطر جمع ہو گئی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اسی بہار کے موسم میں جس طرح ممکن ہو گا میں وہاں آؤں گا۔

احمد افشار کے نام بھی فرمان بھیجا گیا اور اس کے حاشیہ پر اپنے ہاتھ سے لکھا کہ فریدون قبوری کو بھیج دو۔ آج ہی ظہر کے وقت سے پارہ کھانا شروع کیا۔ بدھ کے دن انیسویں تاریخ ایک ہندوستانی پاجی کامران اور خواجہ دوست کی عرضیاں لایا۔ خواجہ دوست خاوند ذی الحجہ کی دسویں کو کابل گیا تھا۔ اور ہمایوں سے پہلے روانہ ہوا تھا۔ اسی موقع پر کامران کا آدمی خواجہ پاس آیا۔ اور کہا کہ خواجہ آئیں اور جو حکم ہوا ہو وہ بیان کریں اور جو باتیں کرنی ہوں کر کے چلے جائیں۔ سترھویں ذی الحجہ کو کامران کابل میں آیا۔ خواجہ سے باتیں کیں اور خواجہ کو اٹھائیسویں تاریخ قلعہ ظفر کی طرف چلتا کیا۔ ان عرضیوں میں کچھ اچھی خبریں لکھی تھیں۔ لکھا تھا کہ شاہزادہ طہماسپ نے ازبک کے استیصال پر کمر باندھ کر ازبکوں کے سردار کو دامغان میں گرفتار کر کے مار ڈالا۔ اس کے لشکر کو عام طور سے قتل کیا۔ عبید خاں قزلباش کی خبر سنتے ہی ہری کو چھوڑ کر مرو چلا گیا۔ سمرقند وغیرہ کے سلاطین کو اس نے مرو میں بلایا ہے۔ ماوراء النہر کے سب سلاطین مدد دینے کے لئے جانے پر تیار ہیں۔ اسی قاصد نے بیان کیا کہ یادگار طغائی کی بیٹی سے ہمایوں کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ اور کامران نے بھی اپنے ماموں سلطان علی مرزا کی بیٹی سے کابل میں شادی کر لی ہے۔ انہی ایام میں سید اکنی شیرازی حبیبہ گر کو انعام دے کر میں نے حکم دیا کہ ایک کنواں فوارہ دار نہایت عمدہ تیار کرو۔

جمعہ کے دن تیئسویں تاریخ جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمعہ کی نماز مسجد میں مشکل سے پڑھی گئی۔ ظہر کے بعد میں احتیاطاً" کتب خانہ میں آ گیا۔ بہت دیر تک بے چینی رہی۔ دوسرے دن ہفتہ کو بخار ہوا۔ کچھ جاڑا بھی چڑھا۔ سہ شنبہ ستائیسویں صفر کی رات کو دل میں آیا کہ خواجہ عبید کی والدہ والا رسالہ نظم کروں۔ حضرت خواجہ کی روح سے ملتجی ہوا۔ اور دل میں دعا کی کہ یہ نظم آنحضرت کو مقبول ہو۔ اس کے قبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح قصیدہ بردہ والے کا قصیدہ مقبول ہو اور وہ مرض فالج سے اچھا ہو گیا اسی طرح میں بھی اس علالت سے تندرست ہو جاؤں۔ اسی نیت سے وزن رمل مسدس مجنون و ضرب کبھی ابتر کبھی مجنون محذوف میں جس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی کا سبحہ بھی ہے رسالہ نظم کرنا شرع کیا۔ اسی رات میں نے تیرہ شعر لکھ ڈالے۔ بطریق التزام ہر روز دس بیتوں سے کم نہ لکھیں۔ شاید کوئی دن ناغہ ہوا ہو۔ اگلے سال بھی اور کئی بار اور بھی ایسا بخار کم سے کم چالیس دن تک

رہا ہے۔ خدا کی عنایت اور حضرت خواجہ کی برکت سے جمعرات کے دن انتیسویں کو ذرا افاقہ ہو گیا اور پھر صحت ہو گئی۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی اٹھارہویں تاریخ نظم تمام ہو گئی۔ باون شعر ہوئے۔ بدھ کے دن اٹھائیسویں تاریخ ہر جانب کے لشکروں میں حکم بھیجا کہ بہت جلد ساز و سامان درست کر کے اس طرف روانہ ہوں۔ میرا ارادہ کہیں چلنے کا ہے۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی نویں تاریخ بیگ محمد تعلیق چی آیا۔ یہ اگلے سال محرم کے آخر مہینے میں ہمایوں کے لئے خلعت اور گھوڑا لے گیا تھا۔ اتوار کے دن دسویں تاریخ بتکلکسر اغری اور بیان شیخ (ہمایوں کا نوکر) دونوں حاضر ہوئے۔ بتکلکسر ہمایوں کے بیٹے کی خوش خبری لایا۔ لڑکے کا نام الامان رکھا تھا۔ شیخ ابو الواجد نے اس کی تاریخ ولادت "شیر سعادت" لکھی۔ شیخ بیان بتکلکسر سے بہت پیچھے چلا تھا۔ جمعہ کے دن صفر کی نویں تاریخ کو اس نے ہمایوں کے لشکر کو مقام ثینہ سے چھوڑا تھا۔ پیر کے دن ربیع الاول کی دسویں کو آگرہ میں آگیا۔ سچ یہ ہے کہ بہت جلد آیا۔ ایک دفعہ اور بھی یہی بیان شیخ قلعہ ظفر سے قندھار میں گیارہ دن میں آگیا تھا۔ اسی نے شہزادہ طہماسپ کا آنا اور ازبک کا شکست کھانا مفصل بیان کیا۔

شہزادۂ طہماسپ اور ازبکوں کی لڑائی :۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ شہزادۂ طہماسپ عراق سے چالیس ہزار فوج بندوقچی رومی طریقہ سے آراستہ کر کے جھپٹ کر آگیا۔ وہ بسطام اور دامغان میں ازبک کا آکا روکتا اور ازبکوں کو قتل کرتا ہوا یوہی بڑھتا چلا گیا۔ کیک لی کے بیٹے قنبر علی کو قزلباشوں نے زیر کر لیا۔ عبید خان تھوڑے سے لشکر کے ساتھ نواح ہری میں نہ ٹھہر سکا۔ بلخ۔ حصار۔ سمرقند۔ اور تاشکند کے تمام خوانین و سلاطین کو تاکید سے بلا بھیجا اور آپ مرو میں آگیا۔ تاشکند سے مارق سلطان اور سیبو لجک خان چلے سمرقند وغیرہ سے کوجوم خاں اور ابو سعید سلطان اور پولاد سلطان مع فرزندان جانی بیگ چلے۔ حصار سے حمزہ سلطان اور مہدی سلطان آئے۔ بلخ سے قرار سلطان چلا۔ یہ سب مارا مار مرو میں عبید خاں کے پاس آکر اکٹھے ہوئے۔ فوج بھی ڈیڑھ لاکھ کے قریب جمع ہو گئی۔ مخبر کا بیان ہے کہ شاہزادہ طہماسپ صفوی کو خیال تھا کہ عبید خاں کے پاس بہت فوج نہیں ہے۔ اسی سبب سے چالیس ہزار آدمی لئے ہوئے بے دھڑک چلا آیا۔ جب اسے اس اجماع کا حال معلوم ہوا تو اولانک زادگان میں ٹھہر گیا اور لشکر کے گرد خندق کھود لی۔

ازبکوں کو یہ خبر لگی وہ غنیم کو حقیر سمجھے۔ انہوں نے صلاح کی کہ ہم سب تو مشہد میں ٹھہرے رہیں۔ اور چند سلاطین کو بیس ہزار فوج کے ساتھ مقرر کیا جائے کہ قزلباشوں کے لشکر کے گرد جا پڑیں اور ان کو سر نہ اٹھانے دیں۔ اسی طرح ان کو عاجز کر کے پکڑ لیں۔ یہ تجویز کر کے مرو سے سب چلے۔ اٹھارویں تاریخ مشہد سے نکل کے نواح جام میں مقابلہ ہوا۔ ازبکوں کو شکست فاش ہوئی۔ بہت سے سلاطین پکڑے گئے اور قتل ہوئے۔ ایک خاص خط میں لکھا تھا کہ سوائے کوجوم کے کسی سلطان کا پتا نہیں ہے۔ فوج میں سے کچھ لوگ بچ گئے۔ جو سلطان حصار میں تھے وہ حصار کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔ چلمہ (جس کا اصلی نام اسمٰعیل ہے اور جو ابراہیم کا بیٹا ہے) وہ گیا تھا۔ اسی نے اس بیان شیخ کے ہاتھ ہمایوں کو اور کامران کو خطوط بھیجے۔ جمعہ کے دن چودھویں تاریخ میں نے ہمایوں اور کامران کے نام خطوط لکھے اور اسی بیان شیخ کے سپرد کر کے اس کو رخصت کیا اور ہفتہ کے دن پندرھویں تاریخ آگرہ سے روانہ کر دیا۔ اسی مضمون کا خط خواجہ کلاں کو بھی بھیجا۔

فوج کشی کی صلاح :۔ بدھ کے دن انتیسویں کو مرزاؤں۔ سلاطینوں اور امرائے ترک و ہند کو جمع کر کے مشورہ کیا اور یہ بات ٹھہرائی کہ اس سال کس طرف فوج کشی کرنی چاہیے۔ مجھ سے پہلے عسکری مرزا پورب کی طرف جائے۔ آں روئے گنگ کے امراء اور سلاطین اپنے اپنے لشکروں سمیت عسکری کے ہمراہ ہوں۔ پھر جدھر مناسب ہو ادھر کا رخ کیا جائے۔ ہفتہ کے دن بائیسویں تاریخ اسی مضمون کے خط لکھ کے اور بائیس دن کی میعاد مقرر کر کے غیاث الدین قورچی کے ہاتھ سلطان جنید برلاس وغیرہ کے پاس روانہ کئے اور زبانی بھی اس کو سمجھا دیا۔ توپوں' ارابوں اور بندوقوں وغیرہ اسباب و آلات جنگ کے تیار ہونے تک اپنے آگے عسکری کو روانہ کیا۔ اور گنگا کے اس جانب کے سرداروں کو حکم دیا کہ سب عسکری کے پاس حاضر ہوں اور جس طرف کی صلاح ٹھہرے خدا پر بھروسا کر کے اسی طرف روانہ ہو جاؤ۔ تم سب بالاتفاق صلاح کرو۔ اگر میرے آنے کی ضرورت ہو گی تو غیاث الدین کے آتے ہی جو میعاد مقررہ پر گیا ہے انشاء اللہ توقف میں آن پہنچوں گا۔ اور اگر اہل بنگالہ مخالفت نہ کریں اور میرے آنے کی ضرورت نہ ہو تو مجھے مفصل لکھنا۔ میں اور طرف کا قصد کروں گا۔ بیٹھنے کا نہیں اور تم لوگ جو خیر خواہ ہو باہمی مشورہ سے عسکری کے ساتھ ادھر کی

مہمات کو انجام دینا۔

عسکری کو عطائے خلعت و منصب:۔ ہفتہ کے دن ربیع الاول کی انیسویں تاریخ عسکری کو شاہانہ خلعت مع کمر بند۔ خنجر۔ علم۔ توغ۔ نقارہ۔ بہت سے گھوڑے۔ ہاتھی۔ اونٹ۔ خچریں اور بادشاہی سامان و اسباب دے کر دربار میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ ملا داؤد آتکہ کو تکمہ دوز جگمنائے اور عسکری کے اور نوکروں کو تین تین پارچے کے خلعت عطا ہوئے۔ اتوار کے دن سلخ کو محمد بخشی کے مکان میں میں گیا۔ اس نے پانداز بچھایا اور کشتیاں پیش کیں۔ دو لاکھ کے قریب کی نقد و جنس نذر کی۔ نذر لینے اور آش نوش کرنے کے بعد اس کے دوسرے حجرہ میں جا کر میں بیٹھا۔ وہاں معجون کھائی۔ تیسرے پہر کو وہاں سے رخصت ہوا اور دریا سے پار ہو کر اپنے خلوت خانہ میں آگیا۔

ڈاک چوکی کا تقرر:۔ پنج شنبہ چوتھی ربیع الاخر کو یہ تجویز کی کہ چقماق بیگ شاہی تمغاچی محرروں کو ساتھ لے کر آگرہ سے کابل تک جریب سے پیمائش کرے۔ ہر نو کوس پر ایک مینار بنا دی جائے جس کی بلندی بارہ گز کی ہو۔ اس مینار پر چودری بنائی جائے۔ ہر اٹھارہ کوس پر چھ گھوڑوں کی ڈاک چوکی بٹھائی جائے۔ ان گھوڑوں کے دانہ گھاس کی یہ تجویز کہ اگر چوکی کا مقام خالصہ کے پرگنہ میں ہو تو دانہ گھاس وہاں سے ملے اور اگر کسی کی جاگیر میں ہو تو جاگیروار کے ذمہ۔ چقماق بیگ اسی دن آگرہ سے روانہ ہو گیا۔ اس کوس کی پیمائش میل کے موافق مقرر کی گئی۔ گز نو مٹھی کا۔ جریب چالیس گز کی۔ کوس سو جریب کا معین کیا۔

جشن :۔ پیر کے دن چھٹی تاریخ باغ میں جشن ہوا۔ میں اس ہشت پہلو بنگلہ کے شمالی ضلع میں بیٹھا جو نیا بنایا ہے۔ میرے سیدھے ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز کے فاصلہ پر توختہ بوغا سلطان۔ عسکری۔ خواجہ عبدا شہید اولا۔ خواجہ کلاں تولا۔ خواجہ حسین۔ خلیفہ۔ علماء اور حفاظ (جو خواجہ کے توابعین میں سے تھے اور سمرقند سے آئے تھے) بیٹھے۔ الٹے ہاتھ کی طرف پانچ چھ گز ہٹ کر محمد زمان مرزا۔ مانک اعمش۔ سلطان۔ سید رفیع۔ سید ودی۔ شیخ ابو الفتح۔ شیخ جمالی۔ شیخ شہاب الدین عرب اور سید رکنی بیٹھے۔ قزلباش۔ ازبک اور راجاؤں کے ایلچی بھی اس جشن میں شریک تھے۔ دائیں ہاتھ کی طرف ستر اسی گز کے فاصلہ پر شامیانہ تان کے قزلباش کے سفیر کو اس کے نیچے بٹھایا۔ اور اس کے ساتھ بیٹھنے کے لئے یونس علی کو حکم دیا۔ اسی طرح دائیں ہاتھ کی جانب ازبک کے سفیر کو بٹھایا اور اپنے امراء میں سے عبداللہ اس کے ساتھ بیٹھنے کے لئے معین ہوا۔ آش خوری سے پہلے تمام سردار۔ امراء اور اکابر نے روپوں۔ اشرفیوں۔ کپڑوں اور اجناس کی کشتیاں پیش کیں۔ میں نے حکم دیا کہ میرے روبرو زیر انداز بچھاؤ۔ اور اس کے ایک طرف روپوں اشرفیوں کا ڈھیر لگا دو۔ دوسری طرف کپڑے اور جنس کا ڈھیر لگا دو۔ اسی وقت مست اونٹوں اور ہاتھیوں کی لڑائی شروع ہوئی۔ چند نو قچار کی لڑائی بھی ہوئی۔ پھر پہلوانوں کی کشتیاں ہوئیں۔ اس کے بعد آش نوش ہوئی۔

آش نوشی سے فارغ ہو کر خواجہ عبداللہ شہید اور خواجہ کلاں کی اولاد کو کیش ابرہ کے بھتیجے اور اور توبک مع مناسب خلعتوں کے عطا کئے۔ ملا فرخ کو اور اس کے ہمراہیوں کو اور حافظوں کو اچکنیں دی گئیں۔ کوجوم خاں اور اس کے بھائی حسن چلپی کے دو بڑے ملازموں کو نقرئی بٹ سے سونا اور طلائی بٹ سے چاندی تول کر عنایت کی۔ (نقرئی بٹ ڈھائی سے مثقال کا ہوتا ہے جو کابل کا آدھ سیر ہوا۔ اور طلائی بٹ پانسے مثقال کا ہوتا ہے جو کابل کا سیر ہوا) خواجہ میر سلطان کو مع فرزندان۔ حافظ تاشکندی۔ مولانا فرخ کو معہ ہمراہیان و ملازمان اور ایلچیوں کو بھی چاندی سونا عنایت ہوا۔ یادگار ناصر مرزا کو خنجر انعام ہوا۔ میر محمد جالہ بان گنگا پر پل باندھنے سے امید دار عنایت ہوا تھا اس کو اور پہلوانوں میں سے حاجی محمد۔ پہلوان بہلول اور ولی وغیرہ کو ایک ایک خنجر عطا ہوا۔ سید داؤد کو روپے و اشرفیاں ملیں۔ اپنی بیٹی (جو معصومہ بیگم کے پیٹ سے تھی) اور اپنے بیٹے ہندال کے نوکروں کو تکمہ دار اچکنوں کے خلعت مرحمت

کئے۔ سونا چاندی اور ہر قسم کی اجناس عنایت کی۔ تمام ملازموں اور رعایا کے لئے عنایت آمیز فرامین جاری کئے۔

اس کے بعد حکم دیا کہ ہندوستان کے نٹ اور بازی گر تماشے دکھائیں۔ ان لوگوں نے تماشے کرنے شروع کئے۔ ہندوستانی نٹ اور بازی گر بعض تماشے ایسے کرتے ہیں کہ ہماری ولایت والے نہیں کرتے۔ ان میں سے ایک تماشہ یہ ہے کہ اپنی پیشانی اور ران پر سات حلقے چپکاتے ہیں۔ چار حلقے ہاتھ کی انگلیوں اور پاؤں کی انگلیوں کے گرد چپکاتے ہیں۔ ان کے علاوہ چار حلقے اور لیتے ہیں۔ ان میں سے دو کو ہاتھ کی دو انگلیوں سے اور دو کو پاؤں کی دو انگلیوں سے اور دو کو پاؤں کی دو انگلیوں سے آہستہ چکر دیتے ہیں۔ دوسرے مورچال کی طرح اپنا ایک ہاتھ زمین پر ٹیکا اور دوسرے ہاتھ اور دونوں پاؤں سے تین حلقوں کو جلدی جلدی چکر دیا۔ تیسرے یہ کہ وہاں کے نٹ دو لکڑیوں کو دونوں پاؤں میں باندھتے ہیں اور ان چوبین پاؤں سے چلتے ہیں۔ یہاں کے نٹ پاؤں کو باندھتے نہیں۔ چوتھے یہ کہ ان ولایت کے دو نٹوں میں سے ایک دوسرے کو کاندھے پر کھڑا کر کے چلتا ہے۔ ہندوستانی نٹ اسی طرح تین چار کو معلق لے کر چلتا ہے۔ پانچویں یہ کہ سات گز کا بانس ایک نٹ اپنی کمر پر رکھ کر بانس کو پکڑے ہوئے کھڑا رہتا ہے اور دوسرا اس پر قلائیں کرتا ہے۔ چھٹے یہ کہ چھوٹی عمر کا نٹ بڑی عمر کے نٹ کے سر پر قلائیں کرنے لگتا ہے تو نیچے والا کھڑا ہو جاتا ہے اور ذرا نہیں ہلتا ہے۔ اس کے بعد پاتروں کا ناچ ہوا۔ مغرب کے وقت تک جلسہ رہا۔ بہت روپیہ بانٹا۔ اور بڑا غل شور رہا۔ مغرب اور عشاء کے بیچ میں چند مصاحبوں کا جلسہ ہوا۔ جلسہ پہر بھر سے زیادہ رہا۔ دوسرے دن کشتی میں بیٹھ کر میں باغ ہشت بہشت میں آیا۔

عسکری کا پورب اور ہمارا دھولپور کو روانہ ہونا:۔ دو شنبہ کو عسکری سفر کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ حمام میں آیا اور رخصت ہو کر پورب روانہ ہوا۔ سہ شنبہ کو میں دھولپور کی طرف اس باغ وغیرہ کے دیکھنے کے لئے گیا جس کے بنانے کا حکم دیا تھا۔ پہر پر ایک گھڑی گزری جو باغ سے سوار ہوا۔ رات کے پہلے پہر سے پانچ گھڑیاں گزری تھیں کہ دھولپور والے باغ میں جا اترا۔ سنگین کنواں' ترما چھبیس پتھر' ستون اور کڑیاں جن کو پہاڑ میں سے ایک پتھر کا تراشا تھا تیار ہو گئے تھے ان سب کو پنجشنبہ کے دن گیارھویں تاریخ ملاحظہ کیا اور آج ہی تیسرے پہرے کنویں کا پانی نکلوانا شروع کیا۔

آگرہ کے سنگ تراشوں۔ معماروں اور مزدوروں کو بہت کچھ انعام دیا گیا۔ چونکہ کنوئیں کے پانی میں ذرا بو تھی اس لئے میں نے حکم دیا کہ احتیاطاً پندرہ دن تک رات دن دم نہ لو اور پانی نکالے جاؤ۔

قزلباشوں اور ازبکوں کی لڑائی کی خبر:۔ جمعہ کے دن پہلے پہر سے ایک گھڑی باقی رہی تھی کہ دھولپور سے سوار ہو کر آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا جو دریا سے عبور کیا۔ ایک شخص دیود سلطان کا نوکر ازبکوں اور قزلباشوں کی لڑائی میں موجود تھا منگل کے دن سولھویں تاریخ آیا۔ اس نے بیان کیا کہ جام اور خسر گرد کی نواح میں عشرہ کے دن ترکمانوں اور ازبکوں میں جنگ عظیم واقع ہوئی۔ صبح کی نماز سے ظہر کے وقت تک مقابلہ ہوتا رہا۔ اس لڑائی میں ازبک تین لاکھ کے قریب تھے اور قزلباش چالیس پچاس ہزار۔ ازبکوں کا بیان ہے کہ قزلباش ایک لاکھ تھے اور ازبک کم تھے۔ قزلباشوں نے رومی قاعدہ سے ارابے۔ توپیں اور بندوقیں تیار کی تھیں۔ ان کے پاس ہزار ارابے اور چھ ہزار بندوقیں تھیں۔ شاہزادہ اور خواجہ سلطان بیس ہزار چیدہ سپاہیوں سمیت ارابوں کے بیچ میں ہو بیٹھا اور امراء کو چھکڑوں کے باہر برانغار اور جرانغار کی صفوں میں کھڑا کیا۔ ازبکوں نے حملہ کرتے ہی باہر والوں کو شکست دی اور بہیر کو لوٹنا شروع کیا۔ آخر قزلباش چھکڑوں کی زنجیریں کھول باہر نکل آئے۔ خوب لڑائی ہوئی۔ ازبک تین دفعہ حملہ کر کے لڑے۔ مگر خدا کی عنایت سے قزلباشوں نے ازبکوں کو شکست دی۔ سرداروں میں کوجوم خاں۔ عبید خاں۔ ابو سعید سلطان اور آٹھ اور سلطان گرفتار ہوئے۔ صرف ایک ابو سعید سلطان بچا۔ باقی آٹھ سلاطین مارے گئے۔ عبید خاں کا سر نہ ملا دھڑ ملا۔ غرض ازبکوں کے پچاس ہزار کے قریب اور قزلباشوں کے بیس ہزار آدمی کام آئے۔

غیاث الدین کی پورب سے واپسی:۔ آج غیاث الدین قورچی جو اٹھارہ دن کی میعاد پر جونپور گیا تھا آیا۔ سلطان جنید برلاس وغیرہ خرید پر چڑھائی کرنے گئے ہوئے تھے۔ اسی سبب سے قاصد مقرر پر نہ آسکا۔ سلطان جنید نے زبانی کہلا بھیجا کہ عنایت الٰہی سے ادھر بادشاہ کی توجہ کرنے کے لائق کوئی کام معلوم نہیں ہوتا۔ فقط مرزا تشریف لے آئیں اور اس طرف کے امراء کو حکم ہو جائے کہ سب مرزا کی خدمت میں حاضر رہیں۔ امید ہے کہ سارے کام باآسانی انجام پا جائیں گے۔ گو سلطان جنید کا یہ جواب

آیا مگر چونکہ ملا محمد مذہب راما سانگا کی لڑائی کے بعد سفیر ہو کر بنگالے بھیجا گیا تھا اور آج کل میں اس کے آنے کی خبر تھی اس لئے اس کا انتظار تھا۔

ملا مذہب بنگالے سے آیا :۔ جمعہ کے دن انیسویں تاریخ معجون کھائی۔ چند مصاحبوں کے ساتھ میں خلوت خانہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ملا مذہب شام کو جو ہفتہ کی شام تھی آیا اور اس نے ملازمت حاصل کی۔ میں نے اس سے ادھر کے ایک ایک شخص کی کیفیت دریافت کی۔ معلوم ہوا کہ اہل بنگالہ سب مطیع ہیں۔

کسی طرف یورش کی مشورت :۔ اتوار کے دن امرائے ترک و ہند کو خلوت خانہ میں بلا کر میں نے مشورہ لیا۔ یہ گفتگو ہوئی کہ بنگالے کی طرف سفیر بھیجا گیا تھا۔ معلوم ہو گیا کہ وہ سب مطیع و منقاد ہیں۔ اب بنگالے چلنا بیکار ہے۔ وہاں کچھ خزانے نہیں ہیں جن سے فوج کو مدد دی جائے۔ البتہ مغربی سمت میں بعض مقامات ہیں جو قریب بھی ہیں اور مال دار بھی ہیں۔ لوگ غیر مذہب' مال الغاروں۔ راستہ قریب۔ آخر یہ بات قرار پائی کہ مغرب ہی کی جانب چلیں گے۔ چونکہ یہ طرف قریب ہے اس لئے چند روز ٹھہر کر اور مشرقی سمت سے اطمینان کر کے چلے چلیں گے۔

غیاث الدین کو دوبارہ پورب بھیجا :۔ غیاث الدین کو پھر بیس دن کی میعاد پر مع فرامین امرائے پورب کے پاس روانہ کیا۔ اس کو حکم دیا کہ سب امراء سردار اور سلاطین جو آنروئے دریائے گنگ ہیں عسکری پاس جمع ہوں۔ اور ان دشمنوں پر چڑھائی کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اس حکم کے پہنچتے ہی اسباب و سامان لے کر وقت مقررہ پر حاضر ہو جائیں۔

بلوچستان کا فساد :۔ انہی ایام میں مہدی کوکلتاش کی عرضی آئی۔ لکھا تھا کہ پھر بلوچوں نے بعض مقامات میں لوٹ مار مچائی ہے۔ اس کے انتظام کے لئے چین تیمور سلطان کو متعین کیا اور حکم دیا کہ ادھر کے سردار جیسے عادل سلطان۔ سلطان محمود دولدئی۔ خسرو کوکلتاش۔ محمد علی جنگ جنگ۔ دلاور خاں۔ احمد یوسف۔ شاہ منصور برلاس۔ محمدی کوکلتاش۔ عبدالعزیز مرزا۔ خورشید علی۔ ولی قرلی۔ خواجہ ہلال۔ عاشق بکاول۔ شیخ علی کتبہ۔ کجور خاں اور حسن علی سودای۔ سرہند اور سانے سے سلطان کے پاس چھ مہینے کا سامان کر کے جمع ہوں اور بلوچوں پر چڑھائی کریں۔ سلطان کے چار باغ میں سب حاضر

ہوں اور ہر امر میں اس کے فرماں بردار رہیں۔ عبدالغفار قورچی یہ حکم پہچانے پر معین ہوا۔ اس سے کہہ دیا کہ پہلے چین تیمور سلطان کو حکم پہنچانا پھر امرائے مذکور کو یہ حکم سنا دینا۔ جہاں چین تیمور سلطان لام باندھنے کا حکم دے وہاں سب مع اپنے اپنے لشکروں کے حاضر ہو جائیں۔ عبدالغفار کو حکم دیا کہ تجھے بھی وہیں رہنا چاہئے جس کو تو دیکھے کہ دل چراتا ہے اس کا حال عرض کر دے۔ تاکہ ایسے تقصیر کرنے والے کو منصب اور مرتبہ سے علیحدہ کر کے اس کی جاگیر ضبط کر لی جائے۔ یہ فرامین دے کر اور بہت سی باتیں زبانی سمجھا کر عبدالغفار کو رخصت کیا۔

باغ نیلوفر کی سیر:۔ انیسویں تاریخ اتوار کی رات کو تین پہر پر چھ گھڑیاں گذرنے کے بعد جمنا سے پار ہو کر باغ نیلوفر کی سیر کے لئے جو دھولپور میں بنایا ہے روانہ ہوا۔ اتوار کے دن تیسرے پہر باغ مذکور میں داخل ہوا باغ کے گرد امراء اور مصاحبین کے مکانات بنانے کے لئے مقامات تجویز کئے اور حکم دیا کہ اپنے اپنے مکان بناؤ اور باغ لگاؤ۔ جمعرات کے دن تیسری جمادی الاولیٰ کو باغ کے جنوب و مشرق میں حمام بنانے کے لئے جگہ تجویز کی۔ مزدوروں نے فی الفور اس قطعہ کو صاف اور ہموار کر دیا۔ میں نے حکم دیا کہ پہلے اس جگہ کرسی دی جائے پھر حمام بنایا جائے۔ اس حمام کے ایک کمرہ میں دہ وردہ حوض تیار ہو۔

فوج کشی کا قصد:۔ آج ہی قاضی جیا۔ بیر سنگھ اور خلیفہ کی عرضیاں آئیں۔ ان میں لکھا تھا کہ سکندر کے بیٹے محمود نے بہار کو پکڑ لیا ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی میں نے فوج کشی کا عزم کر لیا۔ دوسرے دن جمعہ کو چھ گھڑی دن چڑھے باغ نیلوفر سے میں سوار ہوا اور مغرب کے وقت آگرہ میں آگیا۔ محمد زمان مرزا دھولپور جاتا تھا۔ راستہ میں ملا چین تیمور سلطان بھی آج ہی آگرہ میں آگیا تھا۔ دوسرے دن ہفتہ کو مدبران سلطنت سے صلاح کی۔ یہ بات قرار پائی کہ دسویں تاریخ جمعرات کے دن پورب کی طرف روانہ ہونا چاہئے۔

ہمایوں کا سمرقند پر یورش کرنا:۔ آج ہی ہفتہ کے دن کابل سے خط آیا کہ ہمایوں نے صوبہ کا لشکر فراہم کر کے اور سلطان اویس کو اپنے ہمراہ لے کر چالیس پچاس ہزار آدمی سے سمرقند پر حملہ کرنے کا قصد کیا ہے۔ حصار میں سلطان اویس کا چھوٹا بھائی شاہ

قلی چلا گیا ہے۔ ترسوں محمد سلطان نے بربر سے جا کر قبلویان کو چھین لیا ہے اور اب وہ کمک منگا رہا ہے۔ ہمایوں نے اس کی کمک کے لئے تولک کوکلتاش اور اس کے چھوٹے بیٹے کو بہت سے مغلوں اور بہت سی فوج سمیت روانہ کیا ہے۔ اور ہمایوں خود بھی اس کمک کے پیچھے چل کھڑا ہوا ہے۔

پورب کی طرف روانگی :۔ جمعرات کے دن جمادی الاول کی دسویں کو تین گھڑی کے بعد میں پورب کی جانب روانہ ہوا۔ تو کشتی میں بیٹھ کر جلیسر گاؤں کے اوپر کی طرف جمنا سے پار ہو کر باغ زر افشاں میں آگیا اور فوج کو حکم دیا کہ نشان اور نقارہ سمیت تمام لشکر باغ کے سامنے دریا کے اس طرف خیمہ زن ہو۔ جو مجرائی مجرا کرنے حاضر ہوں وہ کشتی میں بیٹھ کر حاضر ہوں۔ ہفتہ کے دن اسمٰعیل میتا (بنگالے کا سفیر) نے ہندوستانی طریقہ سے یوں ملازمت حاصل کی اور تحائف پیش کئے کہ پہلے ایک گز کے فاصلہ سے آداب بجالا کر الٹا پھرا۔ پھر اس کو خلعت مقررہ جس کو سرمونیہ کہتے ہیں پہنا کر لائے۔ تین دفعہ مجرا کر کے نصرت شاہ کی عرضی اور پیش کش اس نے گزرانی' اور واپس گیا۔ پیر کے دن خواجہ عبدالحق آئے۔ میں کشتی کے ذریعہ سے پار گیا۔ اور خواجہ کے خیمہ میں ان سے ملاقات کی۔ منگل کو حسن چلپی آکر ملا۔ فراہمی لشکر کے لئے کئی دن تک چار باغ میں توقف رہا۔ جمعرات کے دن سترہویں تاریخ کو کوچ ہوا۔ میں کشتی میں آیا۔ موضع انوار میں جو آگرہ سے سات کوس ہے لشکر اترا۔ اتوار کے دن ازبک کے سفیروں کو رخصت کیا۔ کوجوم خاں کے سفیر امین مرزا کو کمربند۔ خنجر' زر بفت کا تھان اور ستر ہزار تنکہ انعام دیئے۔ ابو سعید کے ملازم ملاطغائی کو۔ مہربان خانم اور اس کے بیٹے پولاد سلطان کے ملازموں کو تکمہ دار چپکنیں دیں اور ان کے قابل نقد بھی دیا۔ اس کے دوسرے دن خواجہ عبدالحق کو آگرہ میں ٹھہرنے کے لئے رخصت کیا۔ اور خواجہ یحییٰ کے پوتے خواجہ کلاں کو جو سلاطین و خوانین ازبک کے پاس سے بطریق سفارت آیا تھا سمرقند جانے کی اجازت دی۔

ہمایوں کے ہاں بیٹا ہونے کی اور کامران کی شادی ہونے کی مبارکباد دینے کے لئے مرزا تبریزی اور مرزا بیگ طغائی کو کابل بھیجا۔ ان کے ہاتھ دس ہزار روپے رونمائی کے بھیجے۔ جو لباس میں پہنے اور کمربند باندھے ہوئے تھا دونوں مرزاؤں کے لئے وہ بھی بھیجا۔ ملا بہشتی کے ہاتھ ہندال کے لئے خنجر مرصع۔ دوات مرصع۔ صف کاری۔ کرسی۔

بھیجے۔ نک بند۔ مفردات خط بابری اور خط بابری کے کچھ قطعے بھیجے۔ جتنا ترجمہ اور جس قدر اشعار ہندوستان میں آنے کے بعد لکھے تھے ہمایوں کو بھیجے اور جو خطوط خط بابری میں لکھے تھے وہ بھی بھیجے۔ سہ شنبہ کو خطوط لکھ کر کابل جانے والوں کو دیئے۔ آگرہ اور دھولپور میں جن عمارتوں کا بنوانا منظور تھا ان کے نقشے ملا محمد قاسم۔ استاد شاہ محمد سنگ تراش اور شاہ بابا بیل دار کو سمجھا کر اور ان کو اس کام کا ذمہ دار کر کے رخصت کیا۔ پہر دن چڑھا ہو گا کہ میں انوار سے سوار ہوا۔ بعد نماز ظہر دریا پور گاؤں سے کوس بھر پر ڈیرے ہوئے۔ پنجشبہ کی رات کو عبدالملک قورچی حسن چلپی کے ہمراہ اور شاہ جاوق ازبکوں کے سفیروں کے ساتھ سلاطین و خوانین کے پاس روانہ کیا گیا۔ چار گھڑی رات باقی تھی کہ دریا پور سے کوچ ہو گیا۔ میں صبح کو کشتی میں سوار ہوا اور عشاء کے وقت لشکر میں داخل ہو گیا۔ لشکر فتح پور میں اترا۔ ایک یہاں مقام کیا۔ ہفتہ کے دن صبح سویرے وضو کر کے ہم سوار ہوئے۔اور راپری میں آکر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ مولانا محمود قاری امام تھے۔ سورج نکلنے کے وقت راپری کی بڑی بلندی کے نیچے سے میں کشتی میں سوار ہو گیا۔ آج میں نے واقعات لکھنے کے لئے گیارہ سطر کا مسطر بنا دیا۔ آج میرے دل میں اہل اللہ کی باتوں سے ایسا اثر پیدا ہوا جس سے بہت تنبیہہ ہوئی۔ راپری کے پرگنوں میں سے کین نام ایک پرگنہ ہے۔ وہاں کشتی کو کنارہ پر کھینچ لائے۔ رات وہیں گزاری۔ وہاں سے اندھیرے منہ کشتیاں چلتی کیں۔ صبح کی نماز کشتی میں پڑھی۔

ہم کشتی میں تھے کہ خواجہ کلاں کے نوکر شمس الدین محمد کو سلطان محمد بخشی لے کر آیا۔ وہاں والوں کے خطوط سے اور اس کے بیان سے کابل کا حال معلوم ہوا۔ یہیں مہدی خواجہ بھی آیا۔ ظہر کے وقت دریا سے اس طرف اٹاوہ کے سامنے جو باغ ہے اس کی بلندی پر ہم ٹھہرے۔ جمنا میں، غسل کر کے نماز پڑھی۔ پھر اٹاوہ کی طرف آکر اسی باغ کے درختوں کے سایہ میں ایک بلند مقام پر جو دریا کے کنارے تھا میں بیٹھا۔ سپاہیوں کو دریا میں کدوایا اور تیروایا۔ مہدی خواجہ کھانا ساتھ لایا تھا۔ اس کو یہیں تناول کیا۔ مغرب کے وقت دریا سے اتر عشا کے وقت تک لشکر میں ہم داخل ہو گئے فوج جمع ہونے کے لئے اور شمس الدین محمد کے ہاتھ کابل خط بھیجنے تھے ان کے لکھنے کے واسطے دو تین دن اس منزل میں ٹھہرنا پڑا۔ بدھ کے دن جمادی الاولیٰ کی صبح کو اٹاوہ سے

کوچ کیا۔ آٹھ کوس کی منزل کی۔ مقام موری دادو سر میں ڈیرے ہوئے۔ کابل بھیجنے کے جو خطوط لکھنے رہ گئے تھے وہ اس منزل میں لکھے گئے۔ ہمایوں کے خط میں ایک مضمون تو یہ لکھا کہ اگر کام پورا نہ ہوا ہو تو فوج قزاق وغیرہ کو روکو اس لئے کہ صلح کی ٹھہر رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس میں رخنہ پڑ جائے۔ دوسرا یہ لکھا کہ صوبہ کابل کو میں نے داخل خالصہ کر لیا ہے۔ لڑکوں میں سے کوئی اس کا لالچ نہ کرے۔ ہندال کو میں نے بلا لیا۔ کامران کی خاطر کرنی۔ شاہزادوں کا آپس میں ملنا جلنا۔ ملتان کا علاقہ اس کو عنایت کرنا۔ علاقہ کابل کو داخل خالصہ کر لینا اور اہل محل کا یہاں آنا لکھا۔ یہ بھی لکھا کہ بعض حالاتِ خواجہ کلاں کے خط سے واضح ہوئے۔ معلوم ہوا کہ میری نصیحت نے اثر کیا۔ ان خطوں کو شمس الدین محمد کے سپرد کیا اور زبانی باتیں سمجھا کر جمعہ کی شب کو اسے رخصت کر دیا۔

جمعہ کو آٹھ کوس کی منزل کر کے جو مندنا میں اترنا ہوا۔ کبن قرا سلطان نے اپنے ایک سردار کمال الدین قناق کو رخصت دی۔ امرائے سرحد کو حکم دیا کہ قزاقوں اور لٹیروں کا بندوبست کرو اور اپنے برتاوے درست رکھو۔ یہ احکام لکھ کر کبن قرا سلطان کے آدمی کے سپرد کئے اور اسے اسی منزل سے جانے کی اجازت دی۔ شاہ قلی چلپی کے پاس سے آیا تھا۔ اس نے لڑائی کا حال بیان کیا تھا۔ اسی شاہ قلی کے ہاتھ دیر تک ٹھہرانے کا عذر لکھ کر جمعہ کے دن دوسری تاریخ اس کو رخصت دی۔ ہفتہ کے دن کوچ ہوا۔ آٹھ کوس چل کر کلور اور ممادلی میں جو کالپی کا علاقہ ہے ٹھہرنا ہوا۔ اتوار کے دن چوتھی تاریخ نو کوس چلے دیرہ پور میں قیام ہوا۔ یہ بھی کالپی کے علاقہ ہے۔ یہاں میں نے اصلاح بنوائی۔ دو مہینے سے اتنی فرصت نہ ملی تھی کہ اصلاح بنواتا۔ سنکرندی میں میں نے غسل بھی کیا۔ پیر کے دن چوتھی تاریخ چودہ کوس کی منزل کر کے چیرہ گڑھ میں جہاں کالپی کا علاقہ ہے ڈیرے پڑے۔ دوسرے دن منگل کو کہ آٹھویں تاریخ تھی ماہم کا فرمان قراچہ کے نام جو اس کو لکھا تھا ہندوستانی ملازم لے کر آیا۔ جس طرح میں اپنے ہاتھ سے پروانہ لکھا کرتا ہوں اسی طرح بدرقہ طلب کرنے کے لئے ہم نے بھیرا اور لاہور کے حکام کے نام لکھا تھا۔ یہ فرمان جمادی الاولیٰ کی ساتویں کو کابل سے لکھا تھا۔

بدھ کے دن سات کوس کا راستہ طے کرنے کے بعد آدم پور میں لشکر آیا۔ آج

میں صبح سے پہلے ہی سوار ہوا اور اکیلا دوپہر گزار کر دریا کے کنارے کنارے دریا کے آخر کی طرف جمنا کے کنارہ پہنچا۔ جب آدم پور کے قریب آگیا تو لشکر کے پاس ایک جگہ شامیانہ کھڑا کر اس کے نیچے بیٹھا اور معجون کا شغل کیا۔ آج ہی کلال اور صلاق پہلوانوں کی کشتی کرائی۔ کلال آگرہ میں آیا تھا اور صلاق سے اس نے لڑنا چاہا تھا۔ مگر سفر کی تھکان کا عذر بھی کر لیا تھا۔ اور بیس دن کی مہلت چاہی تھی۔ اب چالیس پچاس دن گذر گئے۔ آج اس کو لڑنا ہی پڑا۔ صلاق اچھا لڑا۔ چٹکی مارتے کلال کو چت کر دیا۔ صادق کو دس ہزار تنگہ۔ ایک گھوڑا معہ زین اور تکمہ دار چپکن سے سراپا انعام دیا گیا۔ کلال گو پچھڑ گیا تھا مگر اس خیال سے کہ اپنے دل میں کڑھے گا۔ اس کو بھی تین ہزار تنگہ اور سراپا عنایت کیا۔ ارابوں اور توپوں کو کشتیوں میں لائے تھے یہاں ان کو اتارا۔ راستہ درست کر کے اور زمین ہموار کر کے ان کو اتارنے میں چار دن تک یہیں رہنا پڑا۔ پیر کے دن بارھویں تاریخ یہاں سے کوچ کیا اور کورہ میں آئے۔ میں آج تخت پر سوار ہو گیا۔ کورہ سے چلے تو بارہ کوس پر کربہ میں جو کڑے کا علاقہ ہے آکر اترنا ہوا۔ کربہ سے آٹھ کوس چل کر فتح پور ہسوہ میں لشکر ٹھہرا۔ فتح پور سے آٹھ کوس کی منزل کر کے سیدا سرائے میں قیام ہوا۔ یہیں عشاء کے وقت سلطان جلال الدین نے ملازمت حاصل کی۔ اس کا چھوٹا بھائی بھی ساتھ تھا۔ دوسرے دن سترہویں تاریخ ہفتہ کے دن کوچ ہوا۔ آٹھ کوس چل کر دکدکی میں جو کڑے کا علاقہ ہے گنگا کے کنارے پر لشکر اترا۔ اتوار کو محمد سلطان مرزا۔ قاسم حسین سلطان۔ ولی خوب سلطان اور تردیک اسی منزل میں حاضر ہوئے۔ پیر کے دن عسکری بھی اسی منزل میں آیا۔ یہ سب ممالک مشرقیہ سے کمک کے لئے آئے تھے۔ ان سب لشکروں کو حکم ہوا کہ عسکری کے ساتھ گنگا کے اسی طرف رہیں۔ جہاں ہمارا لشکر فرودکش ہو یہ بھی ہمارے سامنے اس طرف اتریں۔

سلطان محمود کی بغاوت شیر خاں سور کی شرکت :۔ ہم اسی نواح میں تھے کہ پے در پے خبریں آئیں کہ سلطان محمود کے پاس ایک لاکھ پٹھان جمع ہو گئے ہیں۔ شیخ بایزید اور بین کو بہت سی فوج کے ساتھ سردار کی طرف بھیجا ہے۔ اس نے اور فتح خاں شروانی نے گنگا کا کنارہ لے لیا ہے۔ اس کا ارادہ چنار پر آنے کا ہے۔ شیر خاں سور جس کو اگلے سال جاگیر دے کر اس جانب بھیجا تھا ان پٹھانوں میں مل گیا ہے۔ شیر خاں

اور چند سردار دریا سے اتر آئے ہیں۔ سلطان جلال الدین کے لوگ بنارس نہ بچا سکے۔ بھاگ کر آگئے۔ ان کا ارادہ تھا کہ کشتیوں کو بنارس میں چھوڑ دیں۔ اور گنگا کے کنارے پر مقابلہ کریں ہم دکدکی سے کوچ کر کے چھ کوس آئے اور کڑے سے تین چار کوس کے فاصلہ سے کنارے پر اترے۔ میں کشتی میں آیا۔ سلطان جلال دین نے جو دعوت کی تو تین روز تک یہاں ٹھہرنا پڑا۔ جمعہ کے دن کڑے میں سلطان جلال الدین کے ہاں میں اترا۔ اس نے دعوت کی۔ آش اور کھانا حاضر کیا۔ کھانا کھا کر اس کو اور اس کے بیٹے کو خلعت دیئے اور اس کی استدعا سے اس کے بیٹے کو سلطان محمود خطاب دیا۔

کڑے سے سوار ہو ایک کوس چل کر گنگا کے کنارے پر ہم اترے۔ جب گنگا پر ہم نے پہلی منزل کی تھی تو ماہم کا آدمی شہرک وہاں آیا تھا۔ آج خط لکھا اور اسی منزل سے اسے رخصت کیا۔ خواجہ یحییٰ کے پوتے اور خواجہ کلاں نے میرا وقایع جو لکھا جاتا ہے منگایا تھا۔ میں نے اس کو صاف کرا لیا تھا۔ وہ بھی شہرک کے ہاتھ بھیج دیا۔ دوسرے دن کوچ ہوا۔ چار کوس چل کر ہم اترے۔ میں کشتی ہی میں آیا۔ جہاں لشکر اترا تھا وہ جگہ قریب تھی۔ رات کو میں کشتی میں آگیا تھوڑی دیر بعد کشتی میں معجون کھائی۔ خواجہ عبدالشہید نور بیگ کے مکان میں تھا اس کو بلایا ملا محمود کو ملا علی خاں کے ہاں سے بلایا۔ دیر تک جلسہ رہا۔ پھر کشتی سے اترا اس طرف گئے۔ پہلوانوں کی کشتیاں کروائیں۔ دوست دیس کو میں نے حکم دیا کہ پہلوان صلاق اوروں سے میاں گیری کرے۔ یہ حکم خلاف قاعدہ تھا کہ زور سے اول میاں گیری کی جائے۔ اس نے آٹھ آدمیوں سے زور کیا۔

سلطان سکندر کے بیٹے محمود وغیرہ کا فرار ہونا:۔ عصر کے وقت ادھر سے کشتی میں بیٹھ کر سلطان بخشی آیا۔ اس نے سلطان سکندر کے بیٹے محمود خاں (جس کو باغیوں نے سلطان محمود بنا لیا ہے) کے برباد ہونے کی خبر بیان کی۔ ظہر کے وقت یہاں سے جاسوس گئے تھے وہی باغیوں کے پریشان ہونے کی خبر لائے۔ مغرب اور عصر کے مابین تاج خاں سارنگ خانی کی عرضی آئی۔ اس کا مضمون اور جاسوسوں کا بیان ایک تھا۔ سلطان محمد نے یہ کیفیت عرض کی کہ باغیوں نے چنار کو آگھیرا تھا۔ یونہی سی لڑائی ہوئی تھی کہ ہمارے آنے کی خبر سن کر باغی متفرق ہو گئے۔ اور محاصرہ اٹھ گیا۔ جو پٹھان

بنارس میں آگئے تھے وہ بھی گھبرا کر بھاگ گئے۔ دریا سے عبور کرتے وقت ان کی دو کشتیاں ڈوب گئیں۔ اور کچھ لوگ ضائع ہوئے میں دوسرے دن بھی کشتی میں آگیا۔

بہار کی سمت جانا:۔ چین تیمور اور توختہ بوغا سلطان راستہ میں کھانے پینے کا انتظام کرنے ٹھہر گئے تھے۔ میں نے سلطان کو بھی کشتی میں بلا لیا۔ توختہ بوغا سلطان دس کوس پر تھا۔ آندھی آئی اور مینہ برسا۔ بڑی آندھی چلی۔ ہوا کے سبب سے معجون کھائی۔ گو کل معجون کھائی تھی مگر آج بھی کھانی پڑی۔ آج کوچ کیا اور دوسرے دن یہیں توقف ہوا۔ منگل کو کوچ ہو گیا۔ پاس ہی ایک بیلے میں سبزہ زار تھا۔ کشتی میں سے گھوڑے پر سوار ہو اس کی سیر کی۔ پہر بھر میں سیر کر کے کشتی میں آگیا۔ جب سیر کو جانے کے لئے سوار ہوا تو ایک تڑخنے ہوئے کراڑے پر چڑھ گیا۔ اس پر چڑھتے ہی میں اچھلا۔ اچھلتے ہی کود کر میں کنارے پر جا پڑا۔ گھوڑا بھی اچھلا۔ بے شک اگر میں سوار رہتا تو گھوڑے کے ساتھ ہی میں بھی اڑ جاتا۔ آج ہی یہ موقع ملا کہ گنگا میں ہاتھ مارنا ہوا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ گنا تو تینتیس ہاتھ لگا کر پار ہو گیا۔ کہیں دم نہ لیا اور ہاتھ لگاتا ہی رہا۔ گنگا ہو چکی تھی۔ جہاں گنگا اور جمنا دونوں دریا ملتے ہیں وہاں پہنچ کر پراگ کی طرف کشتی کو کھنچوایا۔ ایک پہر اور چار گھڑی میں داخل لشکر ہوا۔ بدھ کے دن دوپہر سے لشکر جمنا کے پار ہونے لگا۔ کشتیوں کی تعداد چار سو بیس تھی۔ جمعہ کے دن رجب کی پہلی تاریخ میں نے دریا سے عبور کیا۔ پیر کے دن چوتھی تاریخ جمنا کے کنارے سے ملک بہار کی طرف جانے کے لئے کوچ کیا۔ پانچ کوس چل کر لواین میں آ اترے۔ میں تو کشتی ہی میں بیٹھا ہوا آیا۔ آج تک اہل لشکر دریا سے اترتے رہے۔ توپوں کے چھکڑوں کو آدم پور میں کشتیوں سے اتار لیا تھا۔ ان کے لئے حکم ہوا کہ پراگ سے پھر کشتیوں میں لادلو۔ منزل پر لشکر اترا۔ یہاں پہلوانوں کی پکڑیں کروائیں۔ پہلے ان لاہوری اور دوست دیس میں کشتی ہوئی بہت دیر تک دونوں پینترے بدلتے رہے۔ بڑی دیر بعد ایک نے دوسرے پر ہاتھ ڈالا۔ دونوں کو انعام دیا گیا۔

یہاں توس دریا تھا اس میں بجن اور کیچڑ بہت تھی۔ اس دریا سے اترنے کا گھاٹ دیکھنے کے لئے اور راستہ درست کرنے کے واسطے دو دن تک اسی منزل میں ٹھہرنا ہوا۔ گھاٹ جو دریافت ہوا وہ گھوڑے اور اونٹ سے اونچا تھا۔ باربرداری کے چھکڑے اس گھاٹ کے پتھریلے اور اونچے نیچے ہونے سے نہ نکل سکتے تھے۔ چھکڑوں کو

وہیں سے لادنے کا حکم دیا۔ جمعرات کو وہاں سے کوچ کر دیا۔ میں دریا کے سیدھے راستہ تک تو کشتی میں آیا۔ جہاں راستہ ناہموار ہو جاتا ہے وہاں کشتی سے اتر گیا۔ اور دریائے توس سے اوپر کی طرف ہوتا ہوا عصر کے وقت لشکر میں آیا۔ لشکر دریا سے اتر چکا تھا۔ آج چھ کوس کی منزل ہوئی۔ دوسرے دن یہیں مقام ہوا۔ ہفتہ کو کوچ کر دیا۔ بارہ کوس چل کر نیلا مار میں گنگا کے کنارے پر لشکر کے خیمے ہوئے۔ یہاں سے سات کوس چل کر ناتور میں قیام ہوا۔ اسی منزل میں باقی خاں اپنے بیٹوں سمیت چنار سے آیا۔ اور شرف اندوز ملازمت ہوا۔ انہی دنوں میں محمد بخشی کی عرضی آئی کہ محل کے لوگ کابل سے روانہ ہو گئے۔ چار شنبہ کو اس مقام سے کوچ کیا۔ قلعہ چنار سے کوئی کوس بھر پر ڈیرے ہوئے۔ پیاگ سے چلتے وقت میرے جسم پر آبلہ کا زخم پیدا ہوا تھا۔ اس منزل میں وہ علاج کیا جو روم میں ایجاد ہوا ہے۔ وہ علاج یہ ہے کہ مرچوں کو مٹی کے ہنڈے میں جوش دے کر اس کا بھپارا لیا۔ اور اسی کے گرم پانی سے زخم کو دھویا۔ دو ساعت نجومی تک یہی کیا۔ بارے ذرا ذرا آرام ہو گیا۔

اسی منزل میں ایک شخص نے خبر دی کہ لشکر کے اس جانب شیر اور بھیڑیئے نظر آئے ہیں۔ دوسرے دن اس بیلے میں گھیرا ڈالا۔ ہاتھی بھی لائے گئے۔ نہ کوئی شیر نکلا نہ بھیڑیا۔ ہاں گھیرے کے کنارے سے ایک جنگلی بھینسا نکلا۔ آج آندھی بہت چلی۔ گرد و غبار نے بڑا ستایا۔ میں کشتی میں سوار ہو داخل لشکر ہوا۔ لشکر بنارس سے دو کوس اوپر کی طرف اترا ہوا تھا۔ چنار کی نواح کے بن میں ہاتھی بہت ہوتے ہیں۔ میرا ارادہ تھا کہ اسی منزل سے چل کر ہاتھی کا شکار کھیلیں گے۔ باقی نے خبر دی کہ محمود خاں سون ندی کے کنارے پر پڑا ہوا ہے۔ امراء سے اس پر یورش کرنے کی صلاح لی۔ یہ بات ٹھہری پائی کہ ابھی ذرا توقف کرنا چاہیئے۔ یہاں سے کوچ کیا اور نوکوس چل کر کدریلو میں لشکر پہنچا۔ اس منزل سے پیر کی رات کو اٹھارویں تاریخ طاہر کو آگرہ بھیجا۔ کابل سے آنے والوں کے لئے جو روپیہ بطریق تومالغہ عطا ہوا تھا وہ اس کا مطلوبہ لے کر روانہ ہوا۔ آج میں صبح سے پہلے کشتی میں سوار اس مقام پر جہاں دریائے گودی (... جونپور) ملا ہے پہنچا۔ تھوڑی دور گودی پر جا کر واپس آیا۔ اگرچہ پانی اس ... مگر گھاٹ اچھا ہے۔ اہل لشکر کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر اور کچھ ... ہوئے۔ میں نے اس مقام کی سیر کی جہاں سے اگلے سال لشکر ... ہوا موافق ...

لگی۔ سکائی کشتی کے پردے کھول دیئے۔ بڑی کشتی کو بھی لائے مگر بہت نہ چلی۔ لشکر بنارس سے اوپر کی جانب اترا تھا۔ دو گھڑی دن رہے منزل پر پہنچا۔ جو کشتیاں ہم سے پیچھے آتی تھیں بے توقف چلی آئیں اور عشاء کے وقت آن پہنچیں۔

چنار سے میں نے حکم دیا تھا کہ مغل بیگ ہر کوچ میں سیدھا راستہ جریب سے ناپتا آئے۔ اور جب میں کشتی میں چلوں تو لطفی بیگ دریا کا کنارہ ناپے۔ سیدھا راستہ گیارہ کوس کلنپا اور دریا کا کنارہ اٹھارہ کوس کل۔ دوسرے دن یہیں مقام ہوا۔ بدھ کے دن بھی کشتی میں آنا ہوا۔ اور غازی پور سے کوس بھر نیچے کی جانب اترنا ہوا۔ جمعرات کو اسی مقام پر محمود خاں نوحانی نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔ آج ہی جلال خاں اور بہار خاں بہاری حاضر ہوئے۔ فرید خاں۔ نصیر خاں۔ شیر خاں سور اور بلاول خاں وغیرہ امرائے افغان کی عرضیاں آئیں۔ آج ہی عبدالعزیز میرآخور آب دار کی عرضی آئی جو اس نے جمادی الاخریٰ کی آٹھویں کو لکھی تھی۔ جس دن اس نے عرضی لکھی تھی اسی دن ہندوستانی ہلکارا جس کو کالپی سے بھیجا تھا اس کے پاس پہنچا۔ عبدالعزیز کی عرضی میں لکھا تھا کہ عبدالعزیز اور وہ لوگ جو متعین ہوئے تھے جمادی الاخریٰ کی نویں کو اہل محل کی پیشوائی کے لئے نیلاب میں گئے۔ عبدالعزیز چناب تک ان کے ہمراہ آیا۔ چناب سے علیحدہ ہو کر پہلے لاہور میں آگیا اور یہ عرضی اس نے بھیجی۔ جمعہ کو یہاں سے ہم نے کوچ کر دیا۔ میں اسی طرح کشتی میں بیٹھا رہا۔ آفتاب غروب نہ ہونے پایا تھا جو فرودگاہ کو جا لیا۔ آج میں روزہ سے تھا۔ چوسہ کے سامنے اتر کر میں نے سیر کی اور پھر میں کشتی میں چلا آیا۔ محمد زمان مرزا بھی پیچھے سے کشتی میں آگیا۔ مرزا کے کہنے سے معجون کا استعمال کیا۔ ہمارا لشکر کرمناس دریا کے کنارے پر اترا تھا۔ ہندو اس دریا سے بہت بچتے ہیں۔ جو ہندو پرہیزگار تھے۔ وہ اس دریا سے نہ اترے۔ کشتی میں بیٹھ کر گنگا میں اس دریا کے سامنے سے نکل گئے۔ ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ جس کو اس دریا کا پانی لگ جائے اس کی عبادت ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی سبب سے اس کا نام کرمناس رکھا گیا ہے۔ کشتی میں سوار ہو تھوڑی دور تک اس دریا سے اوپر کی جانب میں گیا۔ پھر الٹا پھرا۔ اور گنگا کے شمال کی طرف آگیا۔

کشتیوں کو کنارے پر ٹھہرا دیا۔ سپاہیوں نے کسی قدر اچھل کود کی۔ پھر کشتیاں لڑتے رہے۔ ساقی محسن نے دعویٰ کیا کہ چار پانچ آدمیوں سے میں میاں گیری کر سکتا

ہے۔ ایک کے کمر پکڑتے ہی گر پڑا۔ شادمان نے بھی محسن کو گرا دیا۔ محسن بہت ہی شرمندہ ہوا۔ پہلوان آئے اور وہ بھی لڑنتیں دکھاتے رہے۔ دوسرے دن ہفتہ کو کرمناس سے عبور کرنے کا مقام دیکھنے کے لئے پہر دن چڑھے کے قریب کوچ ہوا۔ میں گھاٹ کی طرف دریا کے اوپر کی جانب کوس بھر تک گیا۔ گھاٹ دور تھا اس لئے کشتی ہی میں بیٹھا ہوا لشکر میں آگیا۔ لشکر جوسہ سے کوس بھر آگے آن پڑا تھا۔ آج میں نے پھر مرچوں کا بھپارا لیا۔ بھاپ ذرا زیادہ گرم تھی۔ تمام جسم سرخ ہو گیا۔ آج مجھے بہت تکلیف ہوئی۔ چونکہ راستہ آگے خراب تھا اس لئے اس کے درست کرنے کے واسطے دوسرے دن یہیں مقام کر دیا۔ دو شنبہ کی رات کو عبدالعزیز کی عرضی کا جواب لکھ کر بلہی ہندوستانی ہلکارے کے ہاتھ روانہ کیا جو عرضی لایا تھا۔ صبح کو دو شنبہ کے دن میں کشتی میں آگیا۔ بوجھ کے سبب سے کشتیوں کو گھسیٹ کر لائے۔ کشتی سے اتر کر میں نے اس مقام کی سیر کی جو بکسر کے سامنے ہے۔ اور اگلے برس وہ غرق ہو گیا تھا۔ یہاں کنارے پر دریا میں اترنے کے لئے سیڑھیاں بنا دی گئی تھیں جو غالباً" چالیس سے زیادہ اور پچاس سے کم ہوں گی۔ اب صرف اوپر کے دو زینے باقی رہ گئے ہیں۔ اوروں کو پانی نے توڑ ڈالا۔ یہاں کی سیر کے بعد میں کشتی میں آیا اور میں نے معجون کھائی فرودگاہ لشکر سے اوپر کی جانب ایک ٹاپو کے پاس کشتی کو ٹھہروا دیا۔ اور پہلوانوں کی لڑنتوں کا تماشا دیکھتا رہا۔ عشاء کے وقت لشکر میں آیا۔ اگلے سال اسی جگہ جہاں لشکر پڑا ہوا ہے گنگا کا چڑھاؤ بہت تھا۔ بعض نے گھوڑوں پر بعض نے اونٹوں پر سوار ہوئے سیر کی تھی۔ میں نے اس دن افیون کھائی تھی۔ دوسرے دن منگل کو کریم بردی اور بابا شیخ کو دو سو سپاہیوں کے ساتھ مخالفوں کی خبر لینے بھیجا۔ اسی منزل میں بنگالے کے ایلچی کو حکم دیا کہ اپنے موکل کو تین باتیں لکھ کر بھیج۔ چار شنبہ کے دن یونس علی کو محمد زمان مرزا کے پاس بھیجا کہ بہار جانے کی نسبت اس کی مرضی دریافت کرے۔ ایک شخص نے آکر بیان کیا کہ بہار کے شیخ زادے بادشاہ کے آنے کی سن کر بہار سے باہر نکلے ہیں۔ اور عرض داشت لائے ہیں۔ ترکوں میں سے تردی محمد اور محمد جنگ جنگ کو اور امرائے ہند کو تقریباً ہزار ترکش بندوں کے ساتھ بہار روانہ کیا اور اس کے ہاتھ بہار والوں کو تشفی اور دلاسے کے فرامین لکھے۔ خواجہ مرشد عراض کی سرکار بہار کا دیوان مقرر کیا۔ بردی محمد کو اس کے ساتھ بھیجا دوسرے دن محمد زمان مرزا نے بہار جانا منظور

کیا۔ شیخ زین اور یونس علی کی وساطت سے بعض باتیں اس نے عرض کیں۔ ازا بغملہ کچھ لوگ کمک کے لئے مانگے۔ محمد زمان مرزا نے کچھ فوج کمکی طلب کی اور کچھ آدمی نوکر رکھے۔

ہفتہ کے دن شب برات کی پہلی تاریخ اس منزل سے ہم کوچ کر دیا۔ میں آج بوج پور اور بہیہ کی سیر کرتا ہوا لشکر میں آیا۔ محمد علی وغیرہ سرداروں کو سن گن لینے کے لئے جو بھیجا تھا تو یہ لوگ ہندوؤں کی ایک جمعیت کو زیر کر کے وہاں پہنچے جہاں سلطان محمود تھا۔ سلطان کے پاس تخمیناً" دو ہزار آدمی تھے۔ ہمارے اس لشکر کے آنے کی سن کر سب متفرق ہو گئے۔ انہوں نے بھاگتے وقت اپنے دو ہاتھی بھی مار دیئے۔ ان کا ایک سردار بطریق قراول رہ گیا تھا۔ ہمارے سپاہیوں میں سے کوئی بیس آدمی اس کے مقابلہ میں گئے ہوں گے کہ یہ لوگ بھاگ نکلے۔ تھوڑے ہی آدمیوں نے ان کو مار لیا۔ ایک کا سر کاٹ لیا۔ دو ایک کو زندہ گرفتار کر لیا۔ دوسرے دن یہاں سے لشکر کا کوچ ہوا میں کشتی میں سوار ہوا۔ اسی منزل میں محمد زمان مرزا کو خاص سراپا۔ تلوار۔ گھوڑا اور چتر عنایت کرکے بہار کی حکومت عطا کی۔ اس نے اس سرفرازی کی نذر گزارنی۔ سرکار بہار میں سے سوا کروڑ کا ملک شریک خالصہ کیا اور وہاں کی دیوانی مرشد عراقی کے سپرد کی۔ جمعرات کے دن اس جگہ سے کوچ ہوا۔ میں کشتی میں بیٹھا۔ سب کشتیاں کھڑی کر دی تھیں۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو میں نے حکم دیا کہ ان کشتیوں کا بیڑا باندھ دو۔ باوجودیکہ ساری کشتیوں کا بیڑا نہ بندھا تھا۔ پھر بھی بیڑے کی چوڑان دریا کے پاٹ سے بڑھ گئی۔ چونکہ دریا کہیں کم تھا کہیں گہرا۔ کہیں سے بہتا ہوا۔ اس لئے یہ بیڑا زیادہ نہ چل سکا۔ بیڑے میں ایک گھڑیال بھی ران کے برابر نظر آیا۔ ایک مچھلی اس کے خوف سے اونچی اچھلی کہ ایک کشتی میں آپڑی۔ اس کو پکڑ لیا۔

کشتیوں کے نام رکھے :۔ جب منزل پر پہنچے تو کشتیوں کے نام مقرر کئے۔ بڑی قدیمی کشتی بابری جو رانا سانگا کی لڑائی سے پہلے تیار ہوئی تھی اس کا نام آسائش رکھا۔ اس سال روانگی سے پہلے آرائش خاں نے ایک کشتی نذر کی تھی۔ اس سفر میں میں نے اس میں ایک درجہ اور بنوایا تھا۔ اس کا نام آرائش رکھا۔ سلطان جلال الدین نے جو کشتی پیش کی تھی اس میں ایک بڑا دالان بنا ہوا تھا۔ اس دالان پر دوسرا دالان اور بنایا تھا۔ اس کا نام گنجائش رکھا۔ ایک ڈونگا جو کھنڈی دار تھا۔ یہ ڈونگا ہر کام کے لئے

بھیجا جاتا تھا۔ اس کا نام فرمائش رکھا۔ دوسرے دن جمعہ تھا مقام کر دیا۔ محمد زمان مرزا نے سب انتظام کر لیا تھا۔ بہار جانے کے لئے ہمارے لشکر سے دو ایک کوس وہ الگ اترا۔ آج اس نے مجھ سے رخصت حاصل کی۔

بنگالیوں سے مقابلہ :۔ بنگالے سے دو جاسوس آئے انہوں نے بیان کیا کہ بنگالیوں نے دریائے کندیک کے کنارے پر چوبیس حصے کر کے فصل اٹھالی ہے۔ اور ان کا سردار مخدوم عالم ہے۔ سلطان محمود افغانی جو اپنے گھربار کو لئے جاتا تھا اس کو اپنے ساتھ لے لیا۔ چونکہ اس خبر کے سننے سے مقابلہ کا احتمال ہوا اس لئے محمد زمان مرزا کو میں نے روک لیا۔ شاہ سکندر کو تین سے چار سے آدمیوں کے ساتھ بہار کی طرف بھیجا۔ ہفتہ کے دن داؤد اور اس کے بیٹے جلال خاں کا آدمی بہار سے آیا۔ بنگالیوں نے ان دونوں کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ یہ بنگالیوں سے لڑ بھڑ کر الگ ہو گئے اور دریا سے پار ہو نواح بہار میں آگئے۔ اب میرے پاس آنے پر تیار تھے۔ آج ہی بنگالے کے ایلچی اسمٰعیل میتا کو حکم ہوا کہ تین باتیں پہلے لکھی گئی تھیں' جواب میں بہت دیر لگائی۔ اب تم خط لکھو۔ اگر دوستی اور ملت رکھنی ہے تو جلد جواب دینا چاہئے۔ ہفتہ کی رات کو یزدی محمد اور محمد علی جنگ جنگ کا آدمی آیا۔ اس نے بیان کیا کہ چہار شنبہ پنجم شعبان کو ادھر سے ہمارا قراول پہنچا اور ادھر وہاں کے حکام بھاگ نکلے۔ ہفتہ کے دن اس منزل سے ہم نے کوچ کیا۔

اری کے علاقہ میں اترنا ہوا۔ اس منزل میں خبر آئی کہ فرید کی فوج سو ڈیڑھ سو کشتیاں لئے ہوئے دریا سرود کے اس طرف جہاں گنگا اور سرود کا الحاق ہوا ہے پڑی ہے۔ اگرچہ فرید نے بے ادبی کی کہ میرا راستہ گھیرا مگر چونکہ بنگالہ سے مجھے آشتی رکھنی منظور تھی اور میں نے ہمیشہ ایسے موقعوں پر مصالحت کو پسند کیا ہے اس لئے رعایت کو ملحوظ رکھا۔ فوراً بنگالے کے سفیر اسمٰعیل میتا کو بلا کر وہی تینوں باتیں اس سے کہیں اور ملامذہب کو اس کے ساتھ کر کے رخصت کیا۔ اتوار کو بنگالے کا ایلچی ہوا تھا جو اس کو رخصت دی گئی۔ سفیر سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ دشمن کے دفع کرنے کے لئے میں ادھر ادھر سے فوجیں روانہ کروں گا۔ جو دریا اور زمینیں تمہارے علاقہ میں ہیں ان کو ذرا ضرر نہ پہنچے گا۔ ان تینوں باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ فرید کے لشکر کو کہہ دو کہ وہ راستہ چھوڑ دے۔ اس طرف چلا آئے۔ ہم بھی کچھ اپنے لوگ اس کے ہمراہ

کر دیں گے۔ غرض فرید کے لوگوں کا اطمینان کر دیا جائے۔ اگر وہاں تیرا جانا ممکن نہ ہو تو کہلا بھیجنا چاہئے۔ یہ حجت ہے اس کو ترک کرنا لازم نہیں ہے۔ اگر وہ اس کو نہ مانے تو خیر جو برائی اس کو پہنچے گی وہ معلوم ہو جائے گی۔ ہم بری الذمہ ہیں۔ وہی اپنے قول سے نکل بھاگا۔ بدھ کے دن اسمٰعیل جیتا سفیر بنگالہ کو خلعت و انعام دیا۔ جمعرات کے دن شیخ جمالی کو داؤد اور اس کے بیٹے جلال الدین خاں کے پاس مع فرمان استمالت روانہ کیا۔ آج ہی ہمارا وہ آدمی آیا آج جو باغ صفا کے اس طرف کے راستہ سے الگ ہوا تھا۔ یہ آدمی بہت سے خط لایا۔

اتوار کے دن ملا مذہب کو بہت سی یادداشتیں دے کر رخصت دی۔ پیر کے دن خلیفہ وغیرہ امراء کو دریا سے عبور کرنے کا کوئی مقام دریافت کرنے کو بھیجا۔ بدھ کے دن پھر خلیفہ کو میان دو آب دیکھنے بھیجا۔ میں نیلوفر زار کی سیر کے لئے جنوب کی طرف اری کے قریب گیا۔ یہ نیلوفر زار شیخ گھورن کا تھا۔ نیلوفر کا ایسا پھول جس میں بیج آگیا تھا لا کر دکھایا۔ کچھ پستہ سے ملتا جلتا ہے۔ اچھی چیز ہے۔ اس کا پھول نیلا ہوتا ہے۔ ہندوستانی اس کو کنول ککڑی کہتے ہیں۔ اور اس کے بیج کو ڈوڈا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ سوہن ندی یہاں سے قریب ہے۔ میں نے جا کر اس کی بھی سیر کی۔ ندی سے ادھر درختوں کا بڑا جھنڈ نظر آیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ منیر بستی ہے۔ اور شیخ منیر کے باپ شیخ یحییٰ کا مزار یہیں ہے۔ چونکہ میں بہت قریب آگیا تھا۔ اس لئے سوہن سے اتر کر دو تین کوس سوہن سے آگے بڑھا۔ منیر کو دیکھا وہاں کے باغوں میں سے ہوتا ہوا مزار کی زیارت کی۔ پھر ندی کے کنارے پر آیا۔ غسل کر کے ظہر کی نماز پڑھی اور لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ کچھ گھوڑے تھک گئے تھے ان کو ہاتھوں پر لے لیا تھا۔ کئی آدمیوں کو راستہ میں چھوڑ دیا اور حکم دیا کہ ان کو ذرا دم لوا کر اور ٹھنڈا کر کے آہستہ آہستہ لے آؤ۔ اگر یہ نہ کیا جاتا تو بہت گھوڑے بیکار ہو جاتے۔ منیر سے پلٹتے وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ سوہن کے کنارے سے لشکر تک ایک آدمی ایک گھوڑے کا قدم گنتا آئے۔ تئیس ہزار ایک سے قدم گنے گئے۔ جس کے دگنے چھیالیس ہزار دو سو قدم ہوئے۔ یعنی ساڑھے گیارہ کوس ۔ منیر سے سوہن ندی تک ساڑھے نو کوس کے قریب تھے۔ کشتی میں بارہ کوس چلے۔ ادھر ادھر پندرہ کوس پھرے۔ آج تیس کوس کے قریب چکر ہوا۔ رات کے پہلے پہر سے چھ گھڑیاں گزری تھیں جو ہم لشکر میں داخل ہوئے۔

دوسرے دن سلطان جنید برلاس وغیرہ جون پور سے آئے۔ جلد نہ حاضر ہونے کے سبب سے میں ان پر خفا ہوا اور ان سے ملاقات بھی نہ کی۔ البتہ قاضی ضیا سے مل لیا۔

امراء سے مشورہ :۔ آج ہی امرائے ترک و ہند کو مشورہ کے لئے بلایا۔ دریا سے اترنے کے باب میں صلاح لی۔ یہ بات قرار پائی کہ دریائے گنگ اور سرور کے درمیان میں کسی بلند جگہ پر استاد علی قلی انگریزی اور ہندوستانی توپیں کھڑی کرے۔ جہاں دونوں دریا ملتے ہیں اس سے نیچے کی جانب اس مقام کے سامنے جس مقام پر بہار کی طرف گنگا میں بہت سی کشتیاں کھڑی ہیں۔ مصطفیٰ اپنے توپ خانہ کو درست کر کے لڑائی میں مشغول ہو۔ اس کے ساتھ بھی بہت سے بندوقچی ہوں۔ محمد زماں مرزا وغیرہ مصطفیٰ کے پیچھے کمک پر رہیں۔ استاد علی قلی اور مصطفیٰ کی توپوں کے لئے مورچے قائم کئے جائیں۔ جگہ درست کرنے کے لئے بیلداروں پر محصل مقرر ہوں۔ سب اسباب و سامان لانے میں مشغول ہوں۔ عسکری اور سارے سردار جو معین ہوئے ہیں جلد جائیں اور ہلدی کے گھاٹ سے اتر مورچے درست ہوتے ہی درست اور مستعد ہو کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں۔ اس میں قاضی ضیا اور سلطان جنید برلاس نے عرض کیا کہ یہاں سے آٹھ کوس اوپر کی جانب گھاٹ تھا۔ روی زرد کو حکم ہوا کہ وہ ایک جالہ بانوں اور سلطان جنید وغیرہ کے آدمیوں کو لے کر گھاٹ کی تلاش کرو۔ جہاں اترنے کی جگہ ملے وہیں سے عبور کیا جائے۔

افواہ تھی کہ بنگالیوں نے بھی ہلدی کے گھاٹ پر فوج متعین کرنے کا خیال کیا ہے۔ اتنے میں سکندر پور کے شقدار محمود خاں کی عرضی آئی کہ ہلدی کے گھاٹ پر میں نے پچاس کشتیاں جمع کر لی ہیں اور ملاحوں کو اجرت بھی دے دی ہے۔ مگر بنگالیوں کی آمد آمد سننے سے ملاح گھبرا رہے ہیں۔ چونکہ سرود دریا کا گھاٹ دریافت ہونا دشوار تھا اس لئے جو لوگ گھاٹ دیکھنے گئے تھے ان کا انتظار نہ کیا۔ امراء کو ہفتہ کے دن مشورہ کے لئے فراہم کیا۔ میں نے اپنی رائے بیان کی کہ سکندر پور سے اور جرموک سے داود تک سرود دریا کے گھاٹ جابجا ہیں۔ یہ جو دشمنوں کا گروہ پڑا ہوا ہے۔ اس کے لئے بہت سی فوج میں معین کرتا ہوں کہ ہلدی کے گھاٹ سے کشتیوں میں بیٹھ کر اترے اور ان پر جا پڑے۔ اس فوج کے پہنچنے تک استاد علی قلی اور مصطفیٰ انگریزی توپوں اور بندوقوں سے لڑتے رہیں۔ میں بھی گنگا سے پار ہو استاد علی قلی کی کمک پر تیار کھڑا ہو

جاتا ہوں۔ جب فوج گھاٹ سے اتر کے قریب پہنچے تو میں بھی ہلا کر کے جا پہنچوں۔ محمد زمان مرزا اور اور امرائے متعینہ بہار کی طرف دریائے گنگ سے مصطفیٰ کے ساتھ لڑائی میں مصروف ہوں۔ یہی رائے قرار پائی۔ جو لشکر گنگا کے شمال میں تھا اس کے چار حصے کرے عسکری کو اس پر سردار مقرر کیا۔ اور اس کو ہلدی کے گھاٹ کی طرف روانہ کر دیا۔ یہ چار حصے یوں کئے۔ ایک حصہ میں عسکری اور اس کے ملازم۔ دوسرے حصہ میں سلطان جلال الدین کی فوج۔ تیسرے حصے میں سلطانان ازبک یعنی قاسم حسین۔ بنجوب سلطان۔ تانک امش سلطان۔ محمد خان ماتو۔ غازی پوری کوکی بابا قشقہ۔ قرمیش ازبک۔ قربان جرجی۔ حسین خاں نادر وغیرہ۔ چوتھے میں موسیٰ سلطان۔ سلطان جنید برلاس اور تمام فوج جون پور۔ یہ سب تخمیناً" بیس ہزار فوج تھی۔ محصل مقرر کر دیئے گئے کہ آج ہی ایک شنبہ کی رات کو اس لشکر کو چلتا کر دو۔ صبح اتوار کے دن لشکر گنگا سے اترنے لگا۔ میں پہر دن چڑھے کشتی میں سوار ہو کر روانہ ہوا۔ تیسرے پہر ردی زرد جو گھاٹ دیکھنے گئے تھے آئے۔ گھاٹ کا کہیں پتہ نہ ملا۔ کشتیوں کے راستے سے ملنے اور فوج متعین ہونے کی خبر لائے۔ منگل کے دن ہم دریا سے پار ہو گئے۔ چلتے چلتے دونوں دریاؤں کے ملنے کی جگہ کے پاس کوس بھر پر جہاں جنگ کا میدان قرار دیا تھا۔ لشکر اترا۔ میں نے جا کر استاد علی قلی کی گولہ اندازی کا تماشا دیکھا۔ آج ہی استاد علی قلی نے انگریزی توپ کے گولے سے دو کشتیوں کو توڑ کے غرق کر دیا۔

لڑائی کے میدان میں بڑی توپ لے جانے کے لئے اور اس کے واسطے جگہ درست کرنے کے ملا غلام کو مقرر کیا۔ کچھ یساول اور سپاہی بھی اس کے سپرد کر دیئے۔ وہاں سے آکر لشکر کے قریب ایک بیلے میں میں نے معجون کھائی۔ آج معجون ہو چکی۔ کشتی کو خرگاہ کے پاس لے آئے رات کو میں وہیں رہا۔ آج رات کو عجیب واقعہ گزرا۔ پچھلی رات سواروں کی کشتی میں غل مچا۔ ہر شخص کشتی کی لکڑی کو پکڑ کر "اور اور" کہتا ہوا چیختا غل کا سبب یہ ہوا کہ کشتی فرمایش جس میں میں سوتا تھا کشتی آسائش کے پہلو میں تھی۔ اس میں ایک چوکیدار کی جو سوتے سوتے آنکھ کھلی تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی کشتی آسائش پر ہاتھ رکھتے ہوئے چڑھنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ اس نے اس کو پتھر مارا۔ وہ فوراً دریا میں کود پڑا۔ اور پھر دریا میں سے نکل کر چوکیدار کے سر پر تلوار ماری۔ جس سے چوکیدار کچھ زخمی ہوا اور وہ بھاگ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ

جس رات میں منیر سے آیا ہوں آدھی رات کو دو ایک چوکیداروں نے کئی ہندوستانیوں کو نکل دیا تھا اور ان کی دو تلواریں ایک خنجر چھین لیا تھا۔ خدا نے خیر کرلی۔

اگر تیغ عالم بجنبد ز جائے
نبر درگے تانخواہد خدائے

صبح کو بدھ کے دن میں کشتی گنجائش میں جہاں پتھر ڈالتے ہیں وہاں آیا۔ ہر شخص کو ہر کام پر مقرر کیا۔

بنگالیوں سے مڈبھیڑ اور ان کو شکست:۔ اوغان تردی مغل کو ہزار آدمی پر سردار کر کے روانہ کیا تھا کہ جس طرح ہو سکے دو تین کوس اوپر کی جانب سے دریا کے پار ہو جا۔ یہ فوج اس موقع پر پہنچی کہ عسکری کے لشکر کے قریب بیس تیس کشتیوں میں سے بنگالی دریا کے پار ہو رہے ہیں اور لوٹ مار کرنے کی فکر میں ہیں۔ اوغان تردی کی فوج نے گھوڑے ڈپٹا کر بنگالیوں کو بھگا دیا۔ بہت سوں کو تیروں سے مارا۔ کچھ آدمیوں کے سر کاٹ لئے۔ اور سات آٹھ کشتیاں بھی گرفتار کر لیں۔ آج ہی محمد زمان مرزا کی طرف بھی بنگالیوں نے چند کشتیوں میں اتر مقابلہ کیا۔ محمد زمان مرزا کی فوج نے بھی حملہ کر کے بنگالیوں کو بھگا دیا۔ تین کشتیاں دریا میں ڈبو دیں۔ ایک کشتی پکڑ کر میرے پاس لے آئے۔ اس موقع پر بابا چہرہ نے اچھا حملہ کیا۔ میں نے حکم دیا کہ اس سات آٹھ کشتیوں میں جن کو اوغان تردی وغیرہ پکڑ لائے ہیں محمد سلطان مرزا آتکہ خواجہ۔ یونس علی۔ اوغان تردی اور وہ فوج جو پہلے جانے کے لئے مقرر ہوئی تھی بیٹھ کر اندھیرے منہ پار ہو جائیں۔ آج ہی عسکری کے پاس سے آدمی آیا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ جہاں دریا پایاب نہ تھا وہاں سے ہم پار اتر گئے۔ کل جمعرات کے دن باغیوں پر حملہ کریں گے میں نے حکم دیا کہ اور لوگ بھی جو پار اتر گئے ہیں عسکری کے ساتھ ہو جائیں۔ ظہر کے وقت استاد کے پاس سے آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ گولا تیار ہو گیا ہے۔ کیا حکم ہے؟ میں نے حکم دیا کہ اس کو تو چھوڑو اور میرے آنے تک دوسرا تیار کر رکھو۔ عصر کے وقت میں ایک بنگالی ڈونگے میں سوار ہو مورچے پر پہنچا۔ استاد نے ایک بار تو بڑا گولا مارا۔ پھر کئی دفعہ انگریزی گولے مارے۔ بنگالی آگ برسانے میں مشہور تھے۔ اس دفعہ میں نے ان کو خوب دیکھا۔ ایک جگہ سے آتش باری نہیں کرتے جگہ جگہ سے کرتے ہیں۔

عرضیاں آئیں۔ لوگ تو اس کی نسبت بے پر کی اڑاتے تھے۔ مگر جوں ہی عسکری بلدی کے گھاٹ سے اترا اسی وقت شاہ محمد بھی اپنی فوج کو لئے ہوئے چلا آیا۔ اور جس منزل میں عسکری نے بنگالیوں پر حملہ کیا تھا اسی منزل میں اس نے شرف ملازمت حاصل کیا۔

ان ہی دنوں میں متواتر خبریں آئیں کہ بین اور شیخ بایزید دریائے سردار سے عبور کرنے کے خیال میں ہیں آج کل ہی میں سنبھل سے ایک عجیب خبر آئی۔ علی یوسف سنبھل میں تھا اور اس نے سنبھل کا عمدہ انتظام کیا تھا۔ وہ اور اس کا ایک مصاحب جو اچھی طبیعت کا تھا ایک ہی دن میں دونوں فوت ہو گئے۔ سنبھل کے بندوبست کے لئے عبداللہ نامزد ہوا۔ جمعہ کے دن رمضان کی پانچویں تاریخ عبداللہ کو رخصت کر دیا۔ ان ہی دنوں میں چین تیمور سلطان کی عرضی آئی۔ اس نے لکھا تھا کہ جن امراء کو کابل سے آنے والے محل والوں کی ہمراہی کے لیے معین کیا تھا وہ تو امرآ ہمراہ نہ ہو سکے مگر ہاں محمدی وغیرہ سلطان کے ساتھ کوئی سو کوس تک بطریق ایلغار گئے اور بلوچوں کو کامل شکست دی۔ عبداللہ کے ہاتھ چین تیمور سلطان۔ سلطان دولدی۔ محمدی اور اور امراء کو حکم بھیجا کہ سب چین تیمور سلطان کے ساتھ آگرہ جمع ہوں اور تیار رہیں۔ جس طرف مخالف رخ کریں اس طرف متوجہ ہو جائیں۔ پیر کے دن آٹھویں تاریخ دریا خاں کا پوتا جلال خاں جس کے لئے شیخ جمالی گیا تھا آکر ملا بڑے بڑے امراء سمیت آکر ملا۔ آج ہی یحیٰی نوخانی جس نے اپنے بھائی کو بھیج کر اظہار اطاعت کیا تھا اور اس کو فرمان خوشنودی بھیجا تھا حاضر ہوا۔

ملک بہار کی تقسیم :۔ چونکہ آٹھ سات ہزار پٹھان امیدوار نہ آئے تھے اس لئے ان کو ناامید کیونکر کیا جاتا۔ ملک بہار میں سے ایک کروڑ کا ملک شامل خالصہ کر کے پچاس لاکھ کا علاقہ محمود خاں نوخانی کو دینے کے لئے رکھا تھا۔ وہی اس جلال خاں کو دے دیا اور ایک کروڑ خدمت کے عوض میں دینا قبول کر لیا۔ اس روپیہ کی تحصیل کے لئے ملا غلام بیاول کو بھیجا۔ محمد زمان مرزا کو جو پور کا علاقہ عطا کیا۔

بنگالیوں سے صلح :۔ جمعرات کی رات کو غلام علی (خلیفہ کا نوکر) اور اسمٰعیل میتا کے پاس سے ابو الفتح (شاہزادہ میکر کا نوکر) وہ تینوں باتیں لے کر گئے تھے۔ وہی ابو الفتح شاہزادہ میکر اور حسن خاں کے خطوط جو انہوں نے خلیفہ کو لکھے تھے لایا۔ تینوں باتیں قبول کر لیں اور نصرت شاہ کا خود ذمہ لیا۔ صلح کی گفتگو ہونے لگی۔ لیکن یہ یورش باغی

افغانوں کے لئے تھی۔ ان میں سے بعض نے خودسری کر کے مزہ چکھا۔ اور بعض نے اطاعت قبول کی۔ کچھ جو رہ گئے۔ بنگالی کے دست نگر ہو گئے۔ ان کو بنگالی نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ برسات بھی سر پر آگئی تھی۔ میں نے بھی اس کے جواب میں مذکورہ شرائط کے ساتھ صلح کا پیغام لکھ بھیجا۔ مدعا یہ تھا کہ یہاں سے چل کر اور باقی کے ساتھ ہو کر میرے پہنچنے تک جو کچھ بن پڑے وہ کریں۔ آج عصر کے وقت شاہ محمد کو خلعت خاص مع گھوڑا عنایت کر کے رخصت دی۔ اور اگلے سال کی طرح سارن کا علاقہ اس کی جاگیر میں اور کندلہ ترکش بندوں کی تنخواہ میں عنایت کیا۔ آج ہی اسمٰعیل طلوانی کو سردار کے علاقہ میں سے بہتر لاکھ کی تنخواہ اور خلعت مع گھوڑا عطا کیا اور رخصت دے کر یہ حکم دیا کہ ہر ایک کا ایک بیٹا اور بھائی آگرہ میں حاضر رہے۔ کشتی آرائش و گنجائش ان دو کشتیوں سمیت جو بنگالے کی دستیاب شدہ کشتیوں میں سے منتخب تھیں بنگالیوں کے سپرد کر کے حکم دیا کہ مہانی کے راستہ سے غازی پور لے جاؤ۔ کشتی آسائش اور فرمائش کے لئے حکم دیا کہ ساز و سامان سمیت ہمارے ساتھ ساتھ لے چلو۔ جب ملک بہار اور سردار سے اطمینان ہو گیا تو پیر کے دن چترموک ندی کے راستہ سے اودھ اور کنار سرود کی طرف کوچ کر کے دس کوس کا راستہ طے کیا۔ پیر کے دن اسمٰعیل طلوانی۔ علادل خاں توخانی اور اولیا خاں سروانی نے مع پانچ چھ سرداروں کے ملازمت حاصل کی۔ آج ہی چین تیمور سلطان کو نارونول کے پرگنہ سے تیس لاکھ اور توختہ بوغا سلطان کو پرگنہ شمس آباد سے تیس لاکھ عنایت کئے۔

بہار اور بنگال سے مراجعت کر کے بین وغیرہ کے استیصال کی طرف توجہ :-

پیر کے دن پانچویں تاریخ بنگالہ اور بہار سے فارغ ہو دریائے سرود کے کنارے کی منزل سے موضع کوند کی نواح میں بین اور شیخ بایزید کے فساد فرد کرنے کا مصمم قصد کر کے کوچ کیا۔ دو منزل چل کے بدھ کے دن چترموک ندی کے گھاٹ پر جو سکندر پور کے پاس ہے لشکر فروکش ہوا۔ آج ہی اہل لشکر عبور کرنے لگے۔ ان حرام خوروں کی متواتر خبریں آئیں کہ وہ سرود سے پار ہو لکھنؤ کی طرف گئے ہیں۔ ان کے راستے روکنے کے لئے ترک اور ہندوستانی سرداروں میں سے جلال الدین شرقی۔ علی خاں فرملی۔ نظام خاں سالی۔ قربمش ازبک۔ قربان چرجی اور حسین خاں دریا خانی مقرر ہوئے۔ ان سرداروں کو جمعرات کے دن رخصت کیا۔ آج ہی رات کو تراویح پڑھ چکے

سے کوس بھر پر اترا۔ ظہر کے وقت معجون کھائی۔ ابن حسین بیگ کو بھیج کر شیخ زین۔ ملا شہاب اور آخوند امیر کو بلایا۔ عصر کی نماز کے وقت پہلوانوں نے کشتیاں کیں۔ بدھ کے دن اس منزل میں مقام ہوا۔ چاشت کے وقت معجون کھائی۔ آج ملک شرق جو تاج خاں کو چنار سے نکالنے کے لئے گیا تھا آیا۔ آج پھر پہلوانوں کی کشتی ہوئی۔ پہلوان اودی جو اول آیا تھا ہندوستانی پہلوان سے جو آج کل میں آیا ہے لڑا۔ اور ہاتھ ملاتے ہی اس نے اس کو دے مارا۔ یحیٰی نوحانی کو پندرہ لاکھ کا علاقہ سردار سے اس کی تنخواہ میں اور خلعت دے کر رخصت کیا۔ دوسرے دن گیارہ کوس کی منزل کر کے اور دریائے کوی سے اتر کے اسی دریا کے کنارے پر لشکر اترا۔ جن امراء اور سلاطین کو بین اور شیخ بایزید کے استیصال کے لئے بھیجا تھا ان کی خبر آئی کہ وہ ملو پہنچے ہیں۔ مگر ابھی گنگا کے پار نہیں گئے۔ دل چرا رہے ہیں۔ ان کے نام فرمان بھیجا گیا کہ گنگا سے پار ہو کر غنیم کا پیچھا کرو۔ جمنا سے بھی پار ہو جاؤ۔ عالم خاں کو اپنے ساتھ لے لو اور غنیم کا اچھی طرح استیصال کرو۔ اس دریا سے پار ہو دو منزلیں چل کر ہم ولمو میں پہنچے۔

گنگا کے گھاٹ سے آج ہی اکثر لشکر پار ہوئے۔ لشکر کو تو چلتا کیا اور میں نے گھاٹ کے نیچے کی جانب بیلے میں ٹھہر کر معجون کھائی۔ بقیہ فوج کے اترنے کے لئے یہیں جہاں سے اترے تھے مقام کر دیا باقی تا شکندی اپنے لشکر سمیت آج ہی آیا اور اس نے ملازمت حاصل کی۔ ہم گنگا سے ایک منزل کر کے کوارہ کے پاس آرندی کے کنارے پر اترے۔ ولمو سے کوارہ اکیس کوس ہے۔ جمعرات کو اس مقام سے اندھیرے میں کوچ کر دیا۔ اور پرگنہ آدم میں ڈیرے ہوئے۔ دشمنوں کا تعاقب کرنے کے خیال سے دو ایک ملاحوں کو آگے سے روانہ کر دیا تھا کہ جتنی کشتیاں ہاتھ لگیں لے آؤ۔ ہم ہی منزل میں تھے کہ رات کو کچھ کشتیاں آگئیں۔ اور دریا کا گھاٹ بھی دریافت ہو گیا۔ رہ گزر درست کرنے کے واسطے چند روز اس جگہ ٹھہرنا پڑا۔ میں بیلے ہی میں رات دن رہا۔ مخالفوں کی خبر لانے کے لئے باقی شقاول کو کچھ فوج کے ساتھ دریا سے پار روانہ کیا۔ دوسرے دن جمعہ کو عصر کے وقت باقی آیا اور خبر لایا کہ مبارک خاں حلوانی نے شیخ بایزید اور بین کو شکست دے کر ان کے کئی عمدہ آدمی قتل کر ڈالے۔ کئی سر اور ایک زندہ آدمی گرفتار کر کے بھیجا ہے۔ اس کیفیت کو اس نے مشرح بیان کیا۔ اسی رات جو تیرہویں تاریخ اور ہفتہ کی رات ہے۔ جمنا چڑھی۔ صبح ہی ہم اس بیلے سے

جس کو درست کیا تھا دوسرے بیلے میں چلے گئے اور خیمے کھڑے کر دیئے۔

پیر کے دن حلال تا تکندی ان امراء اور سلاطین کے پاس سے آیا جو بطریق ایلغار مخالفوں پر گئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی چڑھائی کی سن کر شیخ بایزید اور بین پرگنہ جھوپہ سے بھاگ گئے۔ ادھر تو برسات سر پر آگئی ادھر پانچ چھ مہینے سے جو فوج کشی ہو رہی ہے تو اہل لشکر کا ساز و سامان خراب ہو گیا تھا۔ اس واسطے ان امراء اور سلاطین کو کہلا بھیجا کہ تازہ فوج پہنچنے تک اسی نواح میں تم توقف کرو۔ باقی شقاول کو آج ہی عصر کے وقت مع لشکر رخصت کر کے روانہ کیا۔ موسیٰ معروف فری کو جو دریائے سرود کے چھوڑتے وقت حاضر ہوا تھا تیس لاکھ کی جاگیر امروہہ کے علاقہ کی اس کی تنخواہ میں دی اور خلعت خاص مع گھوڑا اس کو دے کر امروہہ جانے کی رخصت عطا کی۔ جب ادھر سے خاطر جمع کر لی تو منگل کی رات کو تین پہر پر ایک گھڑی گزرنے کے بعد ہم چل کھڑے ہوئے کالپی کے پرگنہ نیلاور میں دوپہر کو ذرا دم لیا اور گھوڑوں کو دانہ گھاس کھلا مغرب کے وقت سوار ہو گئے۔ رات کو تیرہ کوس چل کر رات کا تیسرا پہر تھا جو کالپی کے علاقہ کے شوکون پور میں پہنچے۔ بہادر خاں شروانی کے کور خانہ میں اتر کر سو رہے۔ صبح کی نماز کے وقت وہاں سے کوچ کر دیا۔ اور اٹھارہ کوس کا راستہ طے کر کے دوپہر کو اتاوے جا پہنچے۔ مہدی خواجہ نے پیشوائی کی۔ پہر رات گئے وہاں سے سوار ہو گئے۔ راستہ میں میں نے ذرا استراحت کی۔ اٹھارہ کوس چل کر فتح پور رابری میں دوپہر کو ہم آن اترے۔

آگرہ میں داخل ہو گئے:۔ ظہر کے وقت فتح پور سے سوار ہو سترہ کوس کا راستہ طے کر کے آدھی رات گئے باغ ہشت بہشت میں ہم داخل ہو گئے دوسرے دن جمعہ کو محمد بخشی اور امراء نے حاضر ہو کر ملازمت حاصل کی۔ ظہر کے قریب جمنا سے پار ہو خواجہ عبدالحق سے میں ملا۔ قلعہ میں گیا اور سب بیگموں سے ملا۔ تلخی پالیر کار کو خربوزے لانے کے لئے حکم دیا گیا تھا۔ اس نے کچھ خربوزے بچا رکھے تھے حاضر کئے۔ اچھے خربوزے تھے دو ایک پودے انگور کے باغ ہشت بہشت میں لگوائے تھے اس میں بھی اچھے انگور لگے۔ شیخ گھورن نے بھی انگوروں کا ایک ٹوکرا بھیجا۔ ملاحظہ سے گزرا۔ ہندوستان میں ایسے انگور اور خربوزے ہونے سے دل خوش ہوا۔

اہل محل کابل سے آئے:۔ ہفتہ کے دن دوپہر کو ماہم کابل سے آئی۔ عجیب بات

حوالہ جات

۱۔ ترجمہ از "انڈین اسلام" اس وصیت کی ایک نقل اسٹیٹ لائبریری بھوپال میں ہے۔

۲۔ اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۱۸۔ ۲۔ تاریخ ہند ہنری الیٹ ج ۴ ص ۲۲۰۔۲۱۸

۱۔ بابر کی سوانح مولفہ ولیم ارسکن ص ۵۳۳۔ ۲۔ الفنسٹن' تاریخ ہندوستان ج ۲ ص ۱۱۹۔۱۱۷

۲ جون ۱۴۹۴ء۔ ۱۔ اس سنہ میں آٹھویں چارلیس نے نیپلز پر حملہ کیا تھا ۱۲۔ ۴۔ المانیع یا المائیک ترکی میں سیب کے درختوں کے جھنڈ کو کہتے ہیں۔ یہ مقام کاشان کے شمال میں کوہ الاتاغ کے دوسری جانب ہے ۱۲۔ ۵۔ الماتو ترکی میں اس زمین کو کہتے ہیں جس میں سیب کثرت سے پیدا ہوں ۱۲۔

۶۔ اطرار درمیان تاشقند اور ارال جھیل کے واقع ہے امیر تیمور صاحبقران کے زمانہ میں یہ مقام مشہور تھا۔ امیر ممدوح جب چین پر چڑھائی کرنے گئے ہیں تو یہیں ان کا انتقال ہوا تھا ۱۲۔

۷۔ اس کو بناکت اور فناکت بھی کہتے ہیں۔ دریائے سیحوں یا سر کے کنارے پر تاشقند اور خجند کے مابین آباد ہے ۱۲۔

۸۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں لکھا ہے۔ شہر میں نوچکیوں سے یا نوچکیوں کے برابر نہر کا پانی آتا ہے ۱۲۔

۹۔ جان لیڈن نے یوں لکھا ہے۔ "یہاں کی آب و ہوا خراب ہے۔ آمد گرمی میں تپ و لرزہ کی کثرت ہوتی ہے" مگر الفنسٹن کے ترجمہ میں وہی فقرہ ہے جو ہمارے ہاں ہے ۱۲۔

۱۰۔ فرسنگ چار میل انگریزی یا تین میل شرعی کا ہوتا ہے۔ جان لیڈن لکھتا ہے کہ اگلے زمانہ میں فرسنگ کو پراسنگا کہتے تھے ۱۲۔

۱۱۔ یہ ندی دریائے سر کے معاونوں میں سے ہے جو مابین پہاڑ اور شہر کے بہتی ہے ۱۲۔

۱۲۔ جان لیڈن نے "شلغن" لکھا ہے ۱۲۔

۱۳۔ خراسان اور عراق کے بیچ میں قریب دامغان ایک شہر ہے ۱۲۔

۱۴۔ خوبانی ۱۲

۱۵۔ ایک قسم کا ہرن ہوتا ہے جو سفید ہوتا ہے ۱۲۔

۱۶۔ تاجیک اس ملک کے شہروں اور دیہاتوں کے رہنے والوں اور کسانوں کو کہتے ہیں۔ ان کی زبان فارسی ہے۔ جیسے ایک ذرقہ ترک ہے۔ ویسا ہی ایک فرقہ تاجیک ہے۔ شاید یہ لوگ یہاں کے قدیم

۴۰۔ غالباً اس زمانہ میں وہاں والے بھی اسی طرح گھونسم گھونسا لڑتے ہوں اور اس کی مشق کرتے ہوں جس طرح آج کل باکسنگ اور فری اسٹائل کشتیاں ہوتی ہیں۔

۴۱۔ شاید یہ وہی معجون ہو جس میں بھنگ ڈالتے ہیں اور وہ نشہ کرتی ہے۔ نشہ بازوں کی اصطلاح میں اس کو معجون کہتے ہیں ۱۲۔

۴۲۔ یہ فقرہ اس کتاب میں تو ہے جس سے میں نے ترجمہ کیا ہے مگر اور کسی نسخہ میں نہیں ہے چونکہ اس کا مطلب معلوم نہیں ہوا اس لئے اس کا لفظی ترجمہ کر دیا ۱۲۔

۴۳۔ پہاڑی بکری کی چھلانگ ۱۲

۴۴۔ یہ لڑائی اس ملک میں واقعہ عظیم خیال کی جاتی ہے ۱۲۔

۴۵۔ شاید یہ وہی دریا ہے جو دریائے سر میں گرتا ہے اور ترکستان کے عمدہ حصہ میں سے گزرتا ہے ۱۲۔

۴۶۔ خواس ضلع اورا تیپہ میں واقع ہے ۱۲۔

۴۷۔ سیرام دریائے سر کے کنارے پر تاشقند سے نیچے کی جانب واقع ہے ۱۲۔

۴۸۔ چیر جس کو سرو دریائے خجند بھی کہتے ہیں زمانہ قدیم میں اس کو جیکرزٹز کہتے تھے اس کو چاچ یاشاس کا دریا بھی کہتے ہیں ۱۲۔

۴۹۔ یہ لفظ جان لیڈن کے ترجمہ میں بھی ہے فارسی کے اور نسخوں میں اس مقام پر نہیں ہے ۱۲۔

۵۰۔ قراکوز۔ سیاہ چشم ۱۲۔

۵۱۔ ۱۵۰۳ء ۱۲

۵۲۔ ۱۵۱۱ء ۱۲

۵۳۔ نسخہ دووا خان بن جراق خاں بن الیس لوغا خاں بن مواتوکان ۱۲۔

۵۴۔ نسخہ (راس) ۱۲

۵۵۔ تاتار کے لوگ اپنی قوم کا شمار گھروں سے اور خیموں وغیرہ سے کیا کرتے ہیں ۱۲۔

۵۶۔ قراقویلوق یا قرائیلو ترکمان یعنی کالی بھیڑوں والے ترکمان۔ تاریخ فارس اور بغدلو میں ان کے نام یہی لکھے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قوموں کے جھنڈوں پر یہی علامتیں بنی ہوئی تھیں ۱۲۔

۵۷۔ یانگی یا ینگی، شہر جدید جس کو عربی میں الکیریاء الجدید کہتے ہیں، یعنی اطرار دریائے سر کے کنارے پر ترکستان میں ایک شہر ہے ۱۲۔

۵۸۔ نسخہ (اشرہ) اس کا ذکر تاریخ تیموریہ میں آیا ہے۔ یاگی سے شمال مشرق کی جانب ایک ندی کے کنارے پر دریائے میں ملتی ہے آباد ہے ۱۲۔

۵۹۔ مطابق ۱۵۰۵ء ۱۲

۶۰۔ یہ محمد حسین گورگان سلطان محمد خان کی طرف سے اوراتیپہ کا حاکم تھا ۱۲۔

۶۱۔ یہ کاشغر کا ایک شہزادہ تھا ۱۲۔

۶۲۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں اس کے آگے یہ فقرہ ہے۔ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام حیدر مرزا رکھا ۱۲۔

۶۳۔ ۱۵۰۳ء ۱۲

۶۴۔ زہگیر انگشتانہ جیسا ہوتا ہے۔ تیر اندازی کے وقت اس کو انگوٹھے میں پہن لیتے ہیں۔ یہ حیوان کے سینگ اور ہڈی وغیرہ سے بنتا ہے ۱۲۔

۶۵۔ نسخہ (دو بیٹیاں) ۱۲

۶۶۔ جان لیڈن نے جنیکہ خاں لکھا ہے۔ ظاہرا جان لیڈن نے غلط فہمی سے جانی بیگ خاں کو جنیکہ خاں لکھ دیا ہے ۱۲۔

۶۷۔ والی کاشغر ۱۲

۶۸۔ نسخہ (الوس آغائی) ۱۲

۶۹۔ نسخہ (ایک یا ڈیڑھ سال)

۷۰۔ نسخہ (فاطمہ سلطان آغا قوم مغل میں سے ایک سردار کی بیٹی تھی۔ عمر شیخ مرزا نے سب سے پہلے اس سے شادی کی تھی) ۱۲

۷۱۔ نسخہ (یون سلطان) ۱۲

۷۲۔ خدا بیروی یعنی الہ داد' یا خداداد' تیمور' فولاد' تاش' پتھر ۱۲

۷۳۔ نسخہ (ایک سو پچیس فرسنگ) یعنی ۵۰۴ میل ۱۲

۷۴۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ یہاں لکھا ہے۔ "اور سلطان احمد مرزا کا ملازم ہو گیا"۔ ۱۲

۷۵۔ نسخہ (جب یہ خبر پہنچی کہ دریائے چر کی لڑائی میں سلطان احمد مرزا کو شکست ہوئی تو حافظ محمد بیگ دولدائی اور اتیپہ کا حاکم تھا ۱۲

۷۶۔ نسخہ (جزخ) ۱۲

۷۷۔ یہ بابر مرزا ابن باسنتغر مرزا ابن شاہرخ مرزا ابن امیر تیمور تھا۔ نہایت ہوشیار شہزادہ تھا۔

کچھ دن تک خراسان کا حاکم بھی رہا تھا۔ ۱۴۵۷ء میں اس کا انتقال ہوا ۱۲۔

۷۸۔ گھوڑے پر سوار ہو کر گیند بلا کھیلنے کو کہتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس کا نام پولو ہے جو انگریزی ہے ۱۲

۷۹۔ مینڈک کی چھلانگ۔ یہ بھی ایک قسم کا کھیل ہے۔ غالباً" ہمارے ہاں جو کوڑی ذقن کھیل ہے وہی یہ بھی ہو ۱۲

۸۰۔ دریائے سر کے شمال میں ہے ۱۲

۸۱۔ یہ لڑائی ۹۰۴ ہجری میں ہوئی تھی ۱۲

۸۲۔ نسخہ (مسیحی) ۱۲

۸۳۔ مطابق ۱۵۰۴ء ۱۲

۸۴۔ قندھار سے نوے میل مغرب میں دریائے ہرمند کے سیدھے کنارے پر اوپر کی طرف واقع ہے ۱۲

۸۵۔ جان لیڈن نے اس مقام پر "میرے پاس" بھی لکھا ہے ۱۲۔

۸۶۔ سلطان محمود خاں نے جب کاشان پر قبضہ کر لیا ہے تو اس وقت سے محمود خان کے مرنے تک وہ خان ہی کی خدمت میں رہا ۱۲۔

۸۷۔ ترکی میں خواجہ سرائیتی خوجہ کو کہتے ہیں ۱۲

۸۸۔ مطابق ۱۰ جون ۱۴۹۴ء ۱۲

۸۹۔ اندجان کا چار باغ محل میں تھا ۱۲

۹۰۔ نسخہ (قلعہ بچانے کے لئے میں روانہ ہوا) ۱۲۔

۹۱۔ نسخہ (شیرم طغائی میرے گھوڑے کو پکڑ کر عیدگاہ روانہ ہوا) ۱۲

۹۲۔ نسخہ (اوزکند بزائے نقطہ دار) یہ مقام کوہستان الاتاغ کی طرف اوش کے شمال میں آباد ہے ۱۲۔

۹۳۔ نسخہ (محمد درزی) ۱۲

۹۴۔ رفتہ فوج کا جانا' دھاوا' یورش ۱۲

۹۵۔ نسخہ (فرسنگ) ۱۲

۹۶۔ قبا بفتح اول۔ ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جو شہر اندجان کے مغرب میں دریائے قبا کے کنارے پر ہے ۱۲۔

۹۷۔ نسخہ (درویش گا) ۱۲

۹۸۔ دریائے چر ۱۲

۹۹۔ داروغہ دیوان خانہ ۱۲

۱۰۰۔ اور کند ۱۲

۱۰۱۔ شاہ سلطان بیگم عمر شیخ مرزا کی ماں تھیں ۱۲۔

۱۰۲۔ آش۔ ایک قسم کا سالن ۱۲

۱۰۳۔ اوراتیبہ ۱۲

۱۰۴۔ آکسو۔ آسفو ۱۲

۱۰۵۔ وسط جولائی ۱۴۹۴ء

۱۰۶۔ تاریخ حبیب السیر میں لکھا ہے کہ وہ مقام آرچینا میں جو دریا کے کنارے پر ہے مرا ہے۔ دریائے آکسو یعنی دریائے سفید ایک بہت بڑا دریا ہے۔ یہ دریا کوہستان سفرہ سے نکل کر نجند کے ذرا مغرب کی طرف دریائے سر میں جاگرتا ہے ۱۲۔

۱۰۷۔ ۱۴۵۱ء ۱۲

۱۰۸۔ قلمی نسخہ میں یہ الفاظ (قون قار۔ سغال لیق) بھی ہیں ۱۲۔

۱۰۹۔ کنارہ یا بندش ۱۲

۱۱۰۔ اس کی کسی وقت کی نماز ترک نہ ہوئی تھی ۱۲

۱۱۱۔ ترکوں میں دستور تھا کہ تیر اندازی کی مشق اس طرح کرتے تھے کہ ایک بانس وغیرہ پر ایک قبق (برنجی ظرف) رکھ کر نشانہ گاہ اور حد بناتے تھے جس کو ایلیالون کہتے تھے۔ کبھی تو کسی خاص مقام پر کھڑے ہو کر قبق پر نشانہ لگاتے تھے اور بعض وقت گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑا دوڑاتے ہوئے اور تیر مارتے ہوئے اس حد پر سے گذرتے تھے ۱۲

۱۱۲۔ سلطان شاہرخ مرزا ابن صاحبقران امیر تیمور گورگان کا بڑا بیٹا اور سمرقند کا بادشاہ تھا۔ یہ بادشاہ نہایت عالم۔ فاضل اور مہندس تھا۔ اس کے وقت میں زیچ تیار ہوئی تھی۔ جس کو زیچ الغ بیگی کہتے ہیں ۸۱۲ھ میں باپ کی طرف سے ماوراء النہر کا حکم ہوا۔ ۸۵۰ھ میں اپنے باپ شاہرخ مرزا کے انتقال کے بعد مستقل بادشاہ ہوا ۱۲

۱۱۳۔ وہ میدان جس میں دریا بہتا ہے ۱۲۔

۱۱۴۔ رامن یا زامن اور آتیبہ کے ضلع میں واقع ہے ۱۲۔

۱۱۵۔ یہ مقام اورا تیبہ اور تاشکند کے مابین میں ہے ۱۲۔

۱۱۶۔ تاشقند شاہرخیہ اور سیرام کے درمیان میں ہے ۱۲

۱۱۷۔ قتق بیگم۔ تعلق بیگم ۱۲

۱۱۸۔ یعنی حسینہ بیگم ۱۲

۱۱۹۔ یعنی حسینی بیگم ۱۲

۱۲۰۔ پچھلے زمانہ میں مغلوں اور ترکوں کی سرکار میں ترخان ایک عہدہ تھا پھر حضرت بابر بادشاہ کے وقت میں وہ مخصوص خاندان ہو گیا تھا۔ قدیم ترخان سے کوئی خدمت نہ لی جاتی تھی۔ اس کو اتنی لوٹ معاف تھی کہ شاہی خمسہ بھی اس کی لوٹ میں سے نہ لیا جاتا تھا۔ وہ بادشاہ کے حضور میں بے اجازت چلا جاتا تھا اور حضور شاہی میں اس کو اجازت تھی کہ جو چاہے عرض کرے۔ کچھ ہی جرم کیوں نہ ہو نو دفعہ تک تو معاف ہو جاتے تھے ۱۲

۱۲۱۔ ترکوں میں گھونگھٹ کی قدیمی رسم ہے۔ یہ گھونگھٹ بہت دن تک ہر رشتہ دار کے سامنے پڑا رہتا ہے۔ بہت دن کے بعد رشتہ داروں میں سے کسی بچہ سے کہتے ہیں کہ اس کا گھونگھٹ اٹھا کر بھاگ جا۔ وہ بچہ یہی کرتا ہے۔ گھونگھٹ اٹھانے والے بچہ کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی شادی جلد ہو گی ۱۲۔

۱۲۳۔ احمد جان بیگ ۱۲

۱۲۴۔ ایک نسخہ میں حمزہ سلطان لکھا ہے۔ غالباً" اس کی غلطی ہو ۱۲

۱۲۵۔ جان لیڈن اس فقرے کی جگہ یہ فقرہ (سلطان ابو سعید مرزا نے اس کو سمرقند کی حکومت دی جہاں وہ کئی برس تک حاکم رہا) لکھا ہے ۱۲

۱۲۶۔ یہ ایک قسم کا گھوڑا ہے جو بہت چالاک اور گول بدن کا ہوتا ہے۔ اس کو ایک خاص قدم سکھایا جاتا ہے ۱۲

۱۲۷۔ شیلان ایک قسم کی دعوت ہے جو اپنے ماتحتوں کی کی جاتی ہے۔ اس میں اوسط درجہ کی قسم کا کھانا ہوتا ہے ۱۲۔

۱۲۸۔ یہ ایک باجا ہے۔ نسخہ مطبوعہ میں تنبور لکھا ہے ۱۲

۱۲۹۔ آٹھ سو ۱۲

۱۔ ایغور۔ یوغور۔ ادغور تاتاریوں میں ایک مشہور فرقہ کا نام ہے۔ شاہزادگان تاتار کے ہاں انہی میں سے کارندے ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی تحریر کے حروف عجب طرح کے ہوتے تھے جن کو خط ایغوری کہتے تھے۔ سلطان ایغور خاں نے اس خط کو ایجاد کیا تھا۔ اسی سبب سے اس خط کا نام

اسخوری تھا۱۲

۱۳۰۔ قاعدہ۔ قانون ۱۲

۱۳۱۔ قاعدہ۔ قانون ۱۲

۱۳۲۔ غلام یا معشوق ۱۲

۱۳۳۔ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۴۹۴ء ۱۲

۱۳۴۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں (دوسری بنی آق بیگم سے) لکھا ہے ۱۲

۱۳۵۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ یوں ہے قلعہ سکین میں تھے۔ مطبوعہ نسخہ میں بجائے چاتار قاچار ہے ۱۲

۱۳۶۔ سلطان محمد ۱۲

۱۳۷۔ سلطان محمود ۱۲

۱۳۹۔ اس کو عربی کے جغرافیہ خوکند لکھا ہے اور اب اس کو کوکان کہتے ہیں۔ یہ مقام خجند اور آخشی کے راستہ میں ہے ۱۲

۱۴۰۔ قراول وہ دستہ فوج جو لشکر کے آگے ہو۔ دشمن کے نمودار ہونے کی خبر دے اور رزم گاہ مقرر کرے۔ قراول بندوق سے شکار کھیلنے والے کو بھی کہتے ہیں جو اس زمانہ میں قرول کہلاتا ہے ۱۲

۱۴۱۔ ۱۴۹۵ء ۱۲

۱۴۲۔ ۱۴۵۳ء ۱۲

۱۴۳۔ یہ فقرہ مطبوعہ اور ایک قلمی نسخہ میں نہیں ہے ۱۲

۱۴۴۔ دو ایک نسخوں میں یہ فقرہ ایسا لکھا ہوا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا ۱۲۔

۱۴۵۔ جان لیڈن نے نغلم لکھا ہے۔ اس کی تحقیقات نہ ہم کو ہوئی نہ جان لیڈن کو۔ اس کے نزدیک نیل گاؤ ہے جس کو گوزن کوہی کہتے ہیں ۱۲

۱۴۶۔ استر آباد خلیج کیسپین کے جنوب و مشرق میں واقع ہے ۱۲

۱۴۷۔ جان لیڈن نے متن میں چکمان لکھا ہے اور نوٹ میں بیان کیا ہے کہ مسٹر مٹکاف نے چمان سرائے لکھا ہے ۱۲

۱۴۸۔ اندخود پہاڑ بلخ کے مغرب میں پہاڑ کے نیچے ۸۸ میل صحرا کی طرف واقع ہے ۱۲

۱۴۹۔ سیاہ پوشوں کا ملک ۱۲

۱۵۰۔ خط پیچیدہ جو معروف و مشہور ہے۔ اگلے زمانہ میں بادشاہوں کے فرامین کے عنوان میں جو ان

کے نام لکھے جاتے تھے تو بطریق طغرا ہی لکھے جاتے تھے ۱۲

۱۵۱۔ یہ کوہستانی ملک ہے اور قرتگین کی سرحد پر ہے ۱۲

۱۵۲۔ ختلان ۱۲

۱۵۳۔ ۱۵۰۴ء ۱۲

۱۵۴۔ زینب سلطان بیگم ۱۲

۱۵۵۔ سیاہ بھیڑوں والے۔ یہ ان کا نشان ہے ۱۲

۱۵۶۔ سفید بھیڑوں والے ۱۲

۱۵۷۔ اس وقت میں شمار کا طریقہ یہی تھا ۱۲۔

۱۵۸۔ قاف کو زیر ہے۔ یہ ایک جنگل ہے ترکستان میں۔ اس میں اتراک بہت رہتے ہیں جو بڑے لٹیرے اور بے رحم ہوتے ہیں۔ اس قوم کو بھی متاخرین قپچاق کہتے ہیں ۱۲

۱۵۹۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ (اور نیز خود سرہو گیا تھا) اور لکھا ہے ۱۲

۱۶۰۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ اور بھی لکھا ہے (جب اس شہزادہ نے عراق کو فتح کیا کمان محمود برلاس کو دے دیا تھا) ۱۲

۱۶۱۔ قلمی نسخہ میں کیپالی لکھا ہے۔ یہ مقام علاقہ سمرقند میں ہے ۱۲

۱۶۲۔ شیبہ ایک قسم کا پتھر ہوتا ہے ۱۲

۱۶۳۔ جان لیڈن نے اس فقرہ کو یوں لکھا ہے (قیدیوں میں سے ایک ایک قیدی شاہی خیمہ کے سامنے لایا جاتا تھا اور قتل کر دیا جاتا تھا) ۱۲

۱۶۴۔ ۱۴۹۵ء ۱۲

۱۶۵۔ الش عربی لفظ ہے جس کے معنی اس کھانے کے ہیں جو کھانا جھوٹا بچ رہتا ہے مگر اکثر اس کا استعمال امراء کے جھوٹے کھانے پر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے ہاں مشہور ہے۔ جان لیڈن نے لکھا ہے کہ یہ رسم یونانیوں کی رسم کے مطابق ہے ۱۲۔

۱۶۶۔ تغلیبی کمان کا تیر ۱۲

۱۶۷۔ محصور قلعہ کی دیوار کے برابر یا اس سے بلند لکڑی کا یا مٹی کا ایک ٹیلہ سا بناتے ہیں۔ اس کو سرکوب کہتے ہیں ۱۲

۱۶۸۔ جون ۱۴۹۵ء ۱۲

۱۶۹۔ ترکوں میں یہ جاں نثاری اور اطاعت کی علامت تھی ۱۲۔

۱۷۰۔ کندرلک ۱۲

۱۷۱۔ معلوم ہوتا ہے کہ کندرلک اور امانی کے راستہ سے آخشی۔ تاشکند اور شاہرخیہ میں اکثر آمد و رفت رہتی تھی ۱۲

۱۷۲۔ جگرگ ۱۲

۱۷۳۔ بضم اول و بقول جان لیڈن بکسر اول پہاڑی گائے ۱۲

۱۷۴۔ جان لیڈن نے بجائے "بلغار سیما" کے صرف "دیہات مشیوا" لکھا ہے ۱۲

۱۷۵۔ گورگان کاف اول عربی اور کاف دوم فارسی۔ وہ شخص جو ننھیال سے بھی شاہزادہ ہو۔ ترکی میں داماد کو بھی کہتے ہیں۔ چونکہ قراچار نویان جد امیر تیمور چغتائی خاں بن چنگیز خاں کا داماد تھا اس لئے قراچار کی اولاد کو گورگان یا گورگانی کہتے ہیں ۱۲۔

۱۷۶۔ ۱۴۹۵ء ۱۲

۱۷۷۔ ترمذ مابین بلخ اور حصار کی دریائے آمو پر ایک بڑا راستہ ہے ۱۲

۱۷۸۔ مسعود مرزا جو سلطان محمود مرزا کا بڑا بیٹا تھا اپنے باپ کے بعد برائے نام حصار وغیرہ کا بادشاہ ہوا تھا مگر زمام سلطنت خسرو شاہ سلطنت کے ہاتھ میں تھی ۱۲۔

۱۷۹۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ (تاکہ اس کو دریائے آمو سے عبور کرنے کو روکے) اور بھی لکھا ہے ۱۲۔

۱۸۰۔ کلف دریائے آمو پر ترمذ کے نیچے کی جانب ہے۔ جان لیڈن کا خیال ہی کہ اس حملہ کا مطلب یہ ہے کہ دریا یہاں سے پایاب ہو گا۔ لیکن دریا ایسا کم آب ہو گا کہ اس میں سے پایاب اتر سکیں ۱۲۔

۱۸۱۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ نام نہیں ہے صرف محمد برندق برلاس ہی ہے ۱۲۔

۱۸۲۔ قرنجی ۱۲

۱۸۳۔ جان لیڈن نی اس فقرے کا ترجمہ یہ کیا ہے (اور اکثر امراء کو گھوڑوں پر سے اتار کر قید کیا مگر پھر ان کو چلے جانے کی اجازت دے دی) ۱۲

۱۸۴۔ مہاق سلطان ۱۲

۱۸۵۔ مئی یا جون ۱۴۹۶ء ۱۲

۱۸۶۔ غالباً" اس زمانہ میں پتھر کے گولے ہوتے تھے اسی لئے ان موقعوں پر (سنگ زدن) لکھا ہے ۱۲۔

۱۸۷۔ طالقان۔ طالقان قندز سے تقریباً ساٹھ میل دریا سے اوپر کی طرف واقع ہے ۱۲۔

۱۸۸۔ الغ باغ۔ معنی باغ کلاں ۱۲

۱۸۹۔ قندز دریائے اکیسرا کے بالائی جانب ہے ۱۲

۱۹۰۔ اشکمش قندز سے اوپر کی طرف دریائے مذکور کی بینگی پر ہے ۱۲

۱۹۱۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں آگے یہ فقرہ ہے (دوسری بار اسی نے پھر دشمن کی فوج کے ایک حصہ پر حملہ کیا اور کچھ لوگوں کو گھوڑوں پر سے اتار کر ان کے سر کاٹ لئے) ۱۲

۱۹۲۔ مئی یا جون ۱۴۹۶ء ۱۲

۱۹۳۔ قرشی کیش کے جنوب میں ہے ۱۲

۱۹۴۔ اور نئے باغ واقع سمرقند میں آگیا ۱۲

۱۹۵۔ غدر فر ۱۲

۱۹۶۔ فصیل دوحی وہ دوسری فصیل ہوتی ہے جو قلعہ سے باہر ہوتی ہے۔ ان دونوں دیواروں کے بیچ میں راستہ ہوتا ہے ۱۲

۱۹۷۔ ترکوں اور عربوں میں رسم تھی کہ ستون اور خیمہ کی چوب کو مقدس جانتے تھے۔ اسی لئے مجرم اس سے لپٹ کر پناہ لیتا تھا ۱۲

۱۹۸۔ کوک سرائے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب میں لکھا ہے کہ امیر تیمور نے جو محل سمرقند میں بنوائے ہیں ان میں سے ایک گوک سرائے یعنی سبز محل بھی ہے اور پیٹس ڈی۔ لاکر ڈی نے تاریخ چنگیز خان کے صفحہ ۱۷۱ میں لکھا ہے کہ چنگیز خان نے غیر خان کو جس نے گوک سرائے میں اطرار کو بڑی بہادری سے بچایا تھا مروا ڈالا۔ اسی واقعہ کو صفحہ ۲۲۷ میں پھر بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ گوک سرائے میں ہوا۔ مگر سمرقند کا کہیں نام نہیں بیان کیا۔ شاید امیر تیمور نے اس محل کو دوبارہ بنایا ہو گا۔ یا مورخ مذکور نے غلطی کی ہے ۱۲۔

۱۹۹۔ مطبوعہ نسخہ میں "عزیزوں" کا لفظ نہیں ہے ۱۲

۲۰۰۔ مطابق ۱۳ جون ۱۴۹۶ء ۱۲

۲۰۱۔ تین طرف ۱۲

۲۰۲۔ مطبوعہ نسخہ میں ہے (دریا سے اتر کر) جان لیڈن نے لکھا ہے (دریائے کوہک کے درمیان میں) ۱۲

۲۰۳۔ ملابنائی کا حال سلطان حسین مرزا کے وقت کے شعراء میں لکھا جائے گا ۱۲

۲۰۴۔ ستمبر ۱۳۹۶ء ۱۲

۲۰۵۔ اشرب ۱۲

۲۰۶۔ توفین اور اس کی نواح ۱۲

۲۰۷۔ جان لیڈن نے (خواجہ کارذزن) لکھا ہے۔ مگر یہ نام غلط اور ہمارے متن کا صحیح معلوم ہوتا ہے ۱۲

۲۰۸۔ شینی ۱۲

۲۰۹۔ مئی ۱۳۹۷ء ۱۲

۲۱۰۔ کہتے ہیں کہ شیراز شہر سمرقند سے پچیس میل شمال میں ہے ۱۲

۲۱۱۔ کچھ کھیت میدان میں محفوظ کئے جاتے ہیں اور ان پر سپاہی تعینات رہتے ہیں۔ جاڑے کے موسم میں وہاں امراء خیمے ڈال کر رہتے ہیں اور لطف موسم اٹھاتے ہیں ۱۲

۲۱۲۔ قرایولاق ۱۲

۲۱۳۔ لغت میں کیابان اس عام تفریح گاہ کو کہتے ہیں جس کے راستہ میں دورویہ درخت لگے ہوئے ہوں اور جو بہت وسیع ہو ۱۲

۲۱۴۔ جس کو اس زمانہ میں چیف جسٹس کہتے ہیں ۱۲

۲۱۵۔ جان لیڈن نے میر شکار کا ترجمہ جادو اور نیز نجات جاننے والا لکھا ہے ۱۲

۲۱۶۔ یورت خان یعنی خان کا مکان یا چوکی ۱۲

۲۱۷۔ چاپتق یعنی چرا ہوا چہرہ ۱۲

۲۱۸۔ ایک گاؤں کا نام ہے جو دریائے مغاک پر واقع ہے۔ یہ دریا سمرقند کے مائل بہ شرق بہتا ہے ۱۲۔

۲۱۹۔ کوہ پر ۱۲

۲۲۰۔ یہ ایک مضبوط لکڑی کا عصا ہوتا ہے جس کے ایک سرے پر فولاد کے گولے زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہ بہت ہیبت ناک ہتھیار ہے۔ ہمارے ملک کے میواتی اور دیہاتی بانس کے لٹھ رکھا کرتے ہیں جن میں لوہے کے کڑے چڑھے ہوتے ہیں یا گنڈاسے جڑے ہوئے ہوتے ہیں غالباً" پیازی بھی اسی قسم کا حربہ ہو ۱۲

۲۲۱۔ ترناؤ ۱۲

۲۲۲۔ سردی گذارنے کی جگہ

۲۲۳۔ ایک نسخہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ (باپ نے بیٹے پر اور بیٹے نے باپ پر چڑھائی کر دی)۱۲

۲۲۴۔ قوش خانہ یعنی باز دار خانہ ۱۲

۲۲۵۔ زمین داور بلمند کے مغرب میں پہاڑ کے نیچے دریائے ہیمند کے دائیں کنارہ پر واقع ہے ۱۲

۲۲۶۔ ۱۴۵۷ء ۱۲

۲۲۷۔ سکندر اعظم ۱۲

۲۲۸۔ جس کا تخمیناً ۵ میل کا احاطہ ہے ۱۲

۲۲۹۔ خواجہ صاحب کی زندگی کا آخری حصہ چونکہ خرسک میں جو مضافات سمرقند سے ہے گذرا ہے اس لئے ان کو خرسکی کہتے ہیں ۱۲

۲۳۰۔ باغ بے عیب یعنی عمدہ باغ ۱۲

۲۳۱۔ جس راستہ پر دو رویہ درخت لگے ہوئے ہوں اور وہ عام تفریح گاہ ہو ۱۲

۲۳۲۔ سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ آب بڑے دریا سے مراد ہے ۱۲

۲۳۳۔ اس کا نام انگریزی میں پٹولمی ہے۔ جو علم جغرافیہ کا عالم تھا ۱۲

۲۳۴۔ اس کی دو منزلوں کے ستون پتھر کے ہیں ۱۲

۲۳۵۔ کچھ مارپیچ۔ کچھ بانس اور بعض دوسری خاص قطع کے ہیں ۱۲

۲۳۶۔ شمالی چین ۱۲

۲۳۷۔ انار کی قسم ہے جس کو گلنار کہتے ہیں اس کا پھول بڑا ہزارہ ہوتا ہے۔ گلاب کے پھول جیسے۔ ایک درخت کا بھی نام ہے جو نہایت خوبصورت اور گھن کا ہوتا ہے ۱۲

۲۳۸۔ آسیا چکی کو کہتے ہیں' ایک پن چکی کے لئے ایک نہر کی ضرورت ہوتی ہے' آٹھ آسیا آٹھ نہریں ۱۲

۲۳۹۔ وہ مقام جس میں جاڑے کا موسم گذارتے ہیں ۱۲

۲۴۰۔ خان کے اترنے کا مقام ۱۲

۲۴۱۔ جان لیڈن نے اولا تک توروغ لکھا ہے ۱۲

۲۴۲۔ کول کے معنی تالاب

۲۴۳۔ تقریباً بیس میل ۱۲

۲۴۴۔ بخارا کے تحت میں سات ضلعے ہیں اور ہر ضلع مثل ایک شہر کے ہے ۱۲

۲۴۵۔ تقریباً ۳۶ میل ۱۲

۲۴۶۔ طاق کسریٰ شہر بغداد کے جنوب میں واقع ہے ۱۲

۲۴۷۔ ان کا نام غیاث الدین جہانگیر مرزا تھا۔ یہ امیر کے بڑے بیٹے تھے اور امیر کے سامنے ان کا انتقال ہوا تھا ۱۲

۲۴۸۔ جس زمانہ میں ایشیا میں مسلمان ہی مسلمان حکومتیں نظر آتی تھیں اس زمانہ میں ایشیا کے یہ چار مقام مشہور تھے۔ شعب بوان' سغد سمرقند' غوطہ دمشق' مصلائے شیراز ۱۲

۲۴۹۔ چنگ ۱۲

۲۵۰۔ اور چینی (بہ واؤ) یا اور چینی (بہ دال) یہ رہا ملک کا لع ہے جو اندجان کے مشرق میں ہے ۱۲

۲۵۰۔ ؟ ؟ ؟ اپنی ماں اور سوتیلی ماؤں سے ہے یا اپنی والدہ اور نانی سے ہے ۱۲۔

۲۵۱۔ مارچ ۱۴۹۸ء

۲۵۲۔ سلطان ایلبک یا سلطان الیک ۱۲

۲۵۳۔ جب کہ میں خجند میں تھا ۱۲

۲۵۴۔ خان بھی جو میرا ماموں ہے ۱۲

۲۵۵۔ مقام۔ مکان۔ مرغزار اور وادی ۱۲

۲۵۶۔ کہتے ہیں کہ کندزلیک اور امانی۔ تاشکند اور آخشی کے بیچ کی سڑک پر پہاڑوں کے درمیان واقع ہے ۱۲

۲۵۷۔ داروغہ دیوان خانہ چنیرلین۔ ناظر۔ خوجہ سے مراد نہیں ہے ۱۲۔

۲۵۸۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں نہیں ہے ۱۲

۲۵۹۔ اس زمانہ میں دستور تھا اور اب بھی ریاستوں میں دستور ہے کہ توپ خانہ میں رات کے بارہ بجے اور صبح کے وقت نقارہ بجتا ہے جیسا کہ انگریزی فوج میں چھ گھڑی کی توپ چھٹتی اور نماز کے وقت انگریزی باجا بجتا ہے ۱۲۔

۲۶۰۔ یوباج۔ یہ مشہور راستہ دریائے آمو پر قبادین کے اوپر کی جانب ہے ۱۲

۲۶۱۔ شیرغان بلخ کا مغربی علاقہ ۱۲

۲۶۲۔ میدان زرک چول۔ ریتلے میدان کو کہتے ہیں ۱۲

۲۶۳۔ فارسی نسخوں میں توسان۔ چارک لکھا ہے جس سے دو مقام ثابت ہوتے ہیں اور جان لیڈن کے ترجمہ میں سان چارک بے عطف لکھا ہے جس سے ایک ہی مقام معلوم ہوتا ہے ۱۲

۲۶۴۔ قلعہ بست ہلمند کے بائیں کنارہ پر زمین داور سے نیچے کی جانب واقع ہے۔ زمین داور

پہاڑوں کے آگے دریائے سیند کے دائیں کنارہ پر بالائی سمت میں ہے ۱۲

۲۶۵۔ الکک سبزہ زار پر یہ سبزہ زار ہرات کے قریب ہے ۱۲

۲۶۶۔ جان لیڈن نے لکھا ہے کہ "اپنی بیٹی سے شادی کر دی مگر آئندہ کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت نہیں ہوئی بلکہ کپک بیگم (جو سلطان حسین مرزا کی ایک بیٹی تھی) کی ماں نے اپنی بیٹی دینی منظور نہ کی۔ اس کے بہت دن بعد جب مسعود مرزا نابینا ہو چکا ہے تو بیگم سلطان (سلطان حسین مرزا کی دوسری بیٹی) سے مرزا کی شادی ہوئی ۱۲

۲۶۷۔ یہ وہ الغ بیگ نہیں ہے جو سمرقند کا مشہور بادشاہ تھا بلکہ یہ صرف کابل کا بادشاہ اور سلطان عمر شیخ کے بھائیوں میں سے تھا ۱۲۔

۲۶۸۔ رابین۔ براء مہملہ ۱۲

۲۶۹۔ یہ مقام سمرقند کے مغرب میں ہے ۱۲۔

۲۷۰۔ جان لیڈن نے صرف ۱۴ فرسنگ لکھے ہیں یعنی ۵۶ میل ۱۲۔

۲۷۱۔ جب حضرت بابر نے اندجان جانے کے لئے سمرقند چھوڑا ہے تو علی مرزا نے بخارا سے آکر سمرقند پر قبضہ کر لیا تھا ۱۲

۲۷۲۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ یوں لکھا ہے۔ "جب موسم بہار میں سلطان علی مرزا معہ لشکر شیراز و کابد کی نواح کی طرف روانہ ہوا تو خواجہ یحیٰی کو میرے پاس اس نے صلح کرنے کے لئے بھیجا" ۱۲

۲۷۳۔ جان لیڈن نے نوٹ میں اس کو کیدو لکھا ہے اور ایک قلمی نسخہ میں کامد بھی لکھا ہے ۱۲

۲۷۴۔ جان لیڈن نے تخمیناً" چوبیس پچیس فرسنگ لکھا ہے جس کے ۹۶ یا ۱۰۰ میل ہوتے ہیں ۱۲۔

۲۷۵۔ تنگ آب بہ کاف فارسی ۱۲

۲۷۶۔ میر دوست بیگ ۱۲

۲۷۷۔ جکراک ۱۲

۲۷۸۔ دو میل یا ڈیڑھ میل ۱۲

۲۷۹۔ دیگچہ ۱۲

۲۸۰۔ منغست ۱۲

۲۸۱۔ بارین ۱۲

۲۸۲۔ جب مخالف اندجان پہنچے اور ان کو معلوم ہوا کہ اہل قلعہ میرے ساتھ ہیں تو کوئی بات قرار نہ پائی اور سب منتشر ہو گئے ۱۲

۲۸۳۔ جون ۱۴۹۹ء ۱۲

۲۸۴۔ اوزکند ۱۲

۲۸۵۔ جان لیڈن کے ہاں اس مقام پر یہ فقرہ بھی درج ہے۔ "قاسم ایوب کے جو ادنیٰ طبقہ کے سرداروں میں تھا اور اعلیٰ درجہ پر پہنچ گیا تھا چند روز کے لئے اخشی کا حاکم مقرر کیا گیا"۔ ۱۲

۲۸۶۔ قیر گمین یا قیرا گمین ۱۲

۲۸۷۔ یہ راستہ اسفرا کے پہاڑوں کی گھاٹی میں ہے ۱۲

۲۸۸۔ چونکہ اس کے آدمی وہاں موجود تھے انہوں نے میرے قلعہ کو محفوظ کر لیا ۱۲

۲۸۹۔ جان لیڈن نے لفظ محصل کے ترجمہ میں کسٹریٹ والے افسر لکھے ہیں ۱۲

۲۹۰۔ ۲۵ اگست ۱۴۹۹ء ۱۲

۲۹۱۔ ہاط سرہنگ اور چینی ۱۲

۲۹۲۔ تقریباً ۱۰ بجے ۱۲

۲۹۳۔ پانی پر قبضہ کر لینے کے بعد وہ بہت دیر تک باہر نہ ٹھہر سکے ۱۲

۲۹۴۔ جان لیڈن نے متن میں اونچو اور نوٹ میں بحوالہ ترکی کے اوتجو بھی لکھا ہے ۱۲

۲۹۵۔ یہ ایک مشہور راستہ ہے جو قبادین کے پاس ہے ۱۲

۲۹۶۔ عاوتی ۱۲

۲۹۷۔ یہ شعر اسی کی ایک مشہور غزل کا ہے ۱۲

۲۹۸۔ آقا کوتل یعنی سفید راستہ جو آق تاغ پہاڑوں میں ہے ۱۲

۲۹۹۔ ہمارے نسخے اور جان لیڈن کے ترجمہ میں تو قرا تیکین ہے اور قلمی نسخہ میں قیر تیکلن ہے ۱۲

۳۰۰۔ یہ مقام حصار اور ختلان کے شمالی اور فرغانہ کے جنوبی پہاڑوں میں ہے۔ جان لیڈن نے نوٹ میں بحوالہ نسخہ ترکی جوتان بھی لکھا ہے ۱۲

۳۰۱۔ تورا کے معنی قاعدہ ہیں۔ یہاں مراد ان لوگوں سے معلوم ہوتی ہے جو ضابطہ اور قاعدہ لشکر کے قائم رکھنے پر مقرر ہوں۔ اس موقعہ پر جان لیڈن نے بھی یوں ہی لفظ رہنے دیا ہے ۱۲

۳۰۲۔ کپک بیگ یعنی (چھوٹا سردار) خواجہ کلاں کا بڑا بھائی ۱۲

۳۰۳۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں یہ فقرہ نہیں ہے ۱۲

۳۰۴۔ یہ میری لڑائی تھی ۱۲۔

۳۰۵۔ جاڑا گزارنے کا مقام ۱۲

۳۰۶۔ الالیش ۱۲

۳۰۷۔ نشان بردار ۱۲

۳۰۸۔ جان لیڈن نے (رسد رسانوں) کا لفظ لکھا ہے ۱۲

۳۰۹۔ یہاں جان لیڈن نے (جوانان قزاق) کا ترجمہ (ینگ مین) لکھا ہے ۱۲

۳۱۰۔ وہ شخص جو شہزادہ کی سرکار کا مختار کل ہو ۱۲

۳۱۱۔ داروغہ دیوان خانہ جس کو انگریزی میں چیمبرلین کہتے ہیں ۱۲

۳۱۲۔ بخاراتا ۱۲

۳۱۳۔ اوزکند ۱۲

۳۱۴۔ ارچہ قند ۱۲

۳۱۵۔ توکند۔ یہ مقام اوزکند اور کاشان کے درمیان میں مقام سر کے شمال میں ہے ۱۲

۳۱۶۔ نمکان یا نسکان ۱۲

۳۱۷۔ مچی ۱۲

۳۱۸۔ مچم ۱۲

۳۱۹۔ مشیخاران ۱۲

۳۲۰۔ قلعہ مشیماران میں اترا ۱۲

۳۲۱۔ آخر فروری ۱۵۰۰ء

۳۲۲۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ ترخانیوں کا رسوخ اتنا بڑھ گیا تھا کہ وہ بہت مقتدر اور معتبر ہو گئے تھے۔ بخارا کو درروست انہوں نے دبا لیا تھا۔ اس کی آمدنی میں سے کسی کو ایک حبہ نہ دیتے تھے ۱۲

۳۲۳۔ محمد مزید ترخان اس منصوبہ کو تاڑ گیا اور اپنے نوکروں چاکروں متعلقوں عزیزوں اور ان سرداروں کو جو اس سے ملے ہوئے تھے جیسے سلطان حسین ارغون۔ پیر احمد۔ خواجہ حسین (اوزون حسن کا چھوٹا بھائی (قرا برلاس۔ صالح محمد اور بعض اور امراء اور سپاہیوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر نکل آیا ۱۲۔

۳۲۴۔ خان مرزا جس کا نام ویس مرزا بھی تھا۔ سلطان محمود مرزا کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اس کو اس کے باپ کے مرنے کے بعد اس کی ماں اپنے بھائی کے پاس تاشکند لے گئی تھی ۱۲

۳۲۵۔ اوزکند ۱۲

۳۲۶۔ مغل بابا۔ مہملہ ۱۲

۳۲۷۔ جان لیڈن نے متن میں تو جسن لکھا ہے اور حاشیہ میں (حسن) اور (حسین) لکھا ہے ۱۲

۳۲۸۔ جان لیڈن نے متن میں چنان اور حاشیہ میں ظلین لکھا ہے۔ مسٹر مکلف نے خوبان ہی لکھا ہے۔ قلمی نسخے میں چوبان ہے ۱۲۔

۳۲۹۔ یار ۔یلاق کا دارالملک یہی مقام ہے ۱۲

۳۳۰۔ جان لیڈن کے ہاں یہ فقرہ (اور مجھ سے اپنی خدمت گزاری کا اقرار کیا) بھی ہے ۱۲۔

۳۳۱۔ سمرقند کے شمال میں پہاڑوں کے اس طرف قلعہ ہے ۱۲۔

۳۳۲۔ لیکن شیبانی خاں اس کے باپ کا ملک لینے کے بعد سمرقند علی مرزا کو دے دے ۱۲

۳۳۳۔ مطابق ۲۸ جولائی ۱۵۰۰

۳۳۴۔ کاروزن ۱۲

۳۳۵۔ تبر بے۔ جو شخص بہت مال دار اور مقتدر ہوتا ہے وہ لفظ بے سے مخاطب کیا جاتا ہے اور سردار سمجھا جاتا ہے ۱۲

۳۳۶۔ قلمی نسخہ میں قیر تکین ہے۔ جان لیڈن کا خیال ہے کہ اس موقع پر بابر ملک کاشغر کے پہاڑوں میں سے گزرے ہوں گے پھر الاتاغ پہاڑوں کے مشرق میں گئے ہوں گے۔ یہ پہاڑ کاشغر اور عللستان کو اوش اور کاشان وغیرہم سے جدا کرتے ہیں ۱۲

۳۳۷۔ جان لیڈن نے تین میں توالائی کا نام نہیں لکھا مگر نوٹ میں فارسی نسخوں کے حوالہ سے لکھا ہے ۱۲۔

۳۳۸۔ جان لیڈن نے صرف سرہ تائی ہی لکھا ہے۔ ایانی نہیں لکھا ۱۲

۳۳۹۔ کمرود کا پہاڑ ملک حصار کے نیچے کی جانب سے ترتاق تک پہنچا ہے جہاں قراتاق کے پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ بابر بادشاہ ان پہاڑوں سے گزر کر اس ملک میں پہنچے جو چشمہ کوبک کے قریب اور یار ۔یلاق کے کنارہ پر ہے ۱۲

۳۴۰۔ درهٔ کمرود میں آکر ہم دریا کے اوپر چلے ۱۲

۳۴۱۔ جان لیڈن نے متن میں کشتر لکھا ہے اور اپنے نوٹ میں بحوالہ مسٹر مثکاف کشبد اور بحوالہ فارسی کسد اور کبد لکھا ہے۔ ایک اور قلمی نسخہ میں کستد ہے ۱۲

۳۴۲۔ بازدار خانہ ۱۲

۳۴۳۔ جان لیڈن نے متن میں نوسنگراز لکھا ہے اور نوٹ میں لکھا ہے کہ یہ نام سنگراز یا سنگزاز دونوں طرح کی بار لکھا جا چکا ہے۔ معلوم نہیں کہ دونوں میں سے کون سا صحیح ہے۔ جو نسخے فارسی

کے ہم نے دیکھے ہیں ان میں ہر جگہ سنگزار ہی لکھا دیکھا اور لفظ کی ترکیب سے بھی سنگزار ہی صحیح
معلوم ہوتا ہے یعنی وہ مقام جہاں کنکر پتھر بہت ہوں جیسے گلزار وغیرہ ۱۲

۳۴۴۔ جان وفا مرزا ۱۲

۳۴۵۔ فارسی مہینوں میں سے ایک مہینے کا نام ۱۲

۳۴۶۔ تمہارا شیخ تم کو صلاح دیتا ہے ۱۲۔

۳۴۷۔ جان لیڈن نے متن میں خیاوان ہی لکھا ہے اور نوٹ میں خیابان بھی لکھا ہے۔ یہ قل
مغاک کے پاس ایک گاؤں ہے ۱۲۔

۳۴۸۔ جان لیڈن کے ہاں یہ عبارت ہے (اس وقت وہ بہت خوش ہوئے۔ ان میں اور میرے
آدمیوں باہم بڑی گرم جوشی سے مبارک سلامت ہونے لگی) ۱۲

۳۴۹۔ طویلہ کا داروغہ ۱۲

۳۵۰۔ طویلہ کا داروغہ ۱۲

۳۵۱۔ کووں کا باغ ۱۲

۳۵۲۔ اس مادہ میں ۹۰۵ء نکلتے ہیں۔ حالانکہ ۹۰۶ء کے تحت میں یہ واقعہ لکھا ہے۔ غالباً" اوپر کے
کسی مصرعہ میں تعمیہ ہو گا ۱۲

۳۵۳۔ اسی زمانہ میں شیبانی خاں کے بال بچے معہ ایسے عمدہ اسباب و سامان کے جیسے کہ ازبکوں
کے ہوتے ہیں ترکستان سے آئے ۱۲

۳۵۴۔ میاں کار یا میاں کال۔ یہ ملک دیونی کے قریب کوہک کے دونوں جانب واقع ہے ۱۲

۳۵۵۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں خزار اور قرشی شہر سبز کے جنوب و مغرب میں ہے ۱۲

۳۵۶۔ قراکول بخارا کے جنوب مغرب میں ہے ۱۲

۳۵۷۔ یعنی سگی اور سوتیلی مائیں ۱۲

۳۵۸۔ یہ شخص سلطان حسین مرزا کے زمانہ سلطنت میں ایک نامور سردار تھا جو شعراء اور اہل ہنر
کا ایسا بڑا قدردان تھا کہ ان کا سرپرست سمجھا جاتا ہے۔ خود بھی شاعر اور مصنف تھا۔ اس کا مفصل
حال سلطان حسین مرزا کے حالات میں لکھا گیا ہے ۱۲۔

۳۵۹۔ نوا۔ یہاں کسی شہر وغیرہ سے مراد نہیں ہے بلکہ اس علم موسیقی کے مقامات میں سے ایک
مقام ہے جو توران وغیرہ میں برتا جاتا ہے ۱۲

۳۶۰۔ فارسی میں بھی اور اردو میں بھی اکثر اصل لفظوں کے ساتھ ان کے مہملات لگا دیتے ہیں

جیسے فارسی میں غلہ ملہ۔ اردو میں غلہ ولہ۔ ملہ جو غلہ کا مہمل ہے وہ ایک قسم کا کپڑا بھی ہوتا ہے جس کا کاکریزی رنگ ہوتا ہے۔ پس شاعر کہتا ہے کہ میرے پاس غلہ ملہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس میں لطف یہ نکلا کہ اصل غلہ ہے نہ مہمل غلہ یعنی بگڑا ہوا۱۲

۳۶۱۔ مطابق ۲۰ اپریل ۱۵۰۱ء ۱۲

۳۶۲۔ قرابیگ ۱۲

۳۶۳۔ جان لیڈن نے متن میں (سید محمد دغلت میر کا بیٹا) اور نوٹ میں (میرزاد) لکھا ہے ۱۲

۳۶۴۔ دبل ۱۲

۳۶۵۔ جان لیڈن نی ساہزیولدوز لکھا ہے۔ یہ آٹھ ستاروں کا نام ہے ۱۲

۳۶۶۔ حیدر قاسم ۱۲

۳۶۷۔ اور بمشکل ان میں سے کچھ میرے ساتھ رہ گئے ۱۲

۳۶۸۔ دوبارہ سب سانونے ہو گئے اور حملہ کیا۔ دشمن کی فوج کے اس حصہ نے جو اسی وقت ہمارے عقب پر چڑھ آیا تھا ہماری فوجوں پر تیر برسانے شروع کیے ۱۲

۳۶۹۔ تولقہ۔ دشمن کے بازو کی طرف مڑنا ۱۲

۳۷۰۔ قلمی نسخہ میں "ایک گز بھر" لکھا ہے ۱۲

۳۷۱۔ محمد درویش خاں مطبوعہ نسخہ ۱۲

۳۷۲۔ خانکہ کوکلتاش ۱۲

۳۷۳۔ بشاغری ۱۲

۳۷۴۔ سفید خیمہ ایک قسم کا پلک خیمہ ہوتا تھا جو ہیڈ کوارٹر میں نصب کیا جاتا تھا ۱۲

۳۷۵۔ شتر گردن (اونٹ کی گردن) اس مقام کو کہتے ہیں جہاں نیچے سے اوپر کی طرف پانی چڑھے اور چڑھ کر دوسری طرف جاری ہو جائے۔ جیسے دلی کے قلعہ میں ہے اور وہاں اس کو شتر گلو کہتے ہیں ۱۲

۳۷۶۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں "میں" کا لفظ نہیں ہے ۱۲

۳۷۷۔ دھوبی واڑہ دروازہ۔ سوئی والوں کا دروازہ ۱۲

۳۷۸۔ لوہاروں کا دروازہ ۱۲

۳۷۹۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ اور لکھا ہے (حملہ بالکل بیکار ہو گیا) ۱۲

۳۸۰۔ سیاہ لکڑی ۱۲

۳۸۱۔ اطراف کے تمام شہزادوں اور سرداروں ۱۲

۳۸۲۔ ۱۷ جولائی ۱۵۰۱ء ۱۲

۳۸۳۔ غار عاشقاں کے نواح ۱۲

۳۸۴۔ نیچی گلی ۱۲

۳۸۵۔ اوزون حسن بن خواجہ حسین ۱۲

۳۸۶۔ یہ تو مجمل ہے اور جان لیڈن نے کھول کر لکھا ہے کہ شہر خالی کر دینے پر صلح کر لی ۱۲

۳۸۷۔ بچگا خلیفہ ۱۲

۳۸۸۔ منگلیق ۱۲

۳۸۹۔ خروک ۱۲

۳۹۰۔ جان لیڈن کے متن میں ذرک اور نوٹ میں جزخ لکھا ہے ۱۲

۳۹۱۔ اس زمانہ میں حافظ محمد بیگ دولدائی کا بیٹا طاہر دولدائی وہاں کا حاکم تھا ۱۲

۳۹۲۔ بشاغر ۱۲

۳۹۳۔ خوب نگار خانم سلطان محمد حسین کورگان دوغلت کی بیوی تھیں جس کے پاس اس وقت اور اتیہ تھا ۱۲

۳۹۴۔ قتلق نگار خانم ۱۲

۳۹۵۔ یونس خان ۱۲

۳۹۶۔ یعنی سوتیلی مائیں ۱۲

۳۹۷۔ سلطان محمود مرزا کی بیوی اور شاہ بیگم کی بیٹی ۱۲

۳۹۸۔ شاہ بیگم کی سب میں چھوٹی بیٹی ۱۲

۳۹۹۔ سلطان احمد مرزا سابق بادشاہ سمرقند کی بیوی ۱۲

۴۰۰۔ خواجہ کا خواجہ ۱۲

۴۰۱۔ قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں اس جائے بکت اور دبکت لکھا ہے مگر انہی نسخوں میں اول دبکت لکھا تھا اور جان لیڈن کے ترجمہ میں سب جگہ دبکت ہی لکھا ہے اس لئے میرے نزدیک دبکت ہی صحیح ہے ۱۲

۴۰۲۔ یہاں کے تاجیک کسان یا گنوار ہیں۔ ان کی زبان فارسی ہے۔ یہ لوگ ان کی اولاد میں سے ہیں جو اگلے ترکوں کے حملوں سے پیشتر یہاں رہتے تھے ۱۲

۴۰۳۔ نویان کوکلتاش اس وقت حضرت کے ہمراہ تھا۱۲

۴۰۴۔ بادرویش وہ جنگل ہے جو کند بادام اور بجند کے بیچ میں مرغینان کے مغرب میں ہے اور جہاں ہوا کے ہمیشہ جھکڑ چلتے رہتے ہیں۔ اس کا مفصل بیان قصبہ کند بادام کے ذکر میں لکھا گیا ہے ۱۲

۴۰۵۔ جان لیڈن نے شاہرخیہ لکھا ہے ۱۲

۴۰۶۔ ہجری ۱۲

۴۰۷۔ راستہ سے ۱۲

۴۰۸۔ جان لیڈن میں یہاں یہ فقرہ ہے (گھوڑوں کی دموں کے نو نشان اس کے سامنے کھڑے کئے) یہ جھنڈے قطاس سے اس طرح بنائے جاتے ہیں کہ مثلث جھنڈے پر قطاس کو باندھتے ہیں۔ قطاس پہاڑی گائے بیل کی دم کا ہوتا ہے یہ دم بالکل گھوڑے کی دم کے مشابہ ہوتی ہے۔ جس گائے یا بیل کی یہ دم ہے اس کی پیٹھ اور پیٹ پر جھنڈولے اور لمبے بال ہوتے ہیں۔ اس دم کو کبھی گھوڑوں کی گردن میں آرائش یا رتبہ کے نشان کے لئے لٹکاتے ہیں۔ یہ پہاڑی گائے یا بیل ایسا طاقتور ہوتا ہے کہ اکثر پہاڑی لوگ ان پہاڑی نالوں سے جو زور سے گرتے ہیں اس کی دم پکڑ کر پار ہو جاتے ہیں۔ غالباً" جس طرح ہندوستان میں بعض جھنڈوں پر مور کے پر باندھتے ہیں اسی طرح مغل ان جھنڈوں پر گائے کی دم باندھتے ہوں گے اور اس کو قطاس کہتے ہوں گے ۱۲

۴۰۹۔ سلطان محمود خاں کا بیٹا۱۲

۴۱۰۔ یہ ایک طرح کا شکار ہے جو سردار اور بادشاہ بڑی شان و شوکت سے کھیلا کرتے تھے۔ اس میں کبھی کئی کئی میل کا حلقہ باندھا جاتا تھا اس شکار کا بیان چنگیز خاں اور امیر تیمور کی تاریخوں میں لکھا ہے ۱۲

۴۱۱۔ جان لیڈن کے ترجمہ میں (جان قلی) بیان قلی اور سلطان محمود ویس لکھا ہے ۱۲

۴۱۲۔ شمال چین ۱۲

۴۱۳۔ ایک فارسی نسخہ میں یہ ہے (پھر میرا خیال پورا ہو جائے گا)۱۲

۴۱۴۔ سونے کے تاروں کا کام شاید اس سے مراد کار چوبی یا زردوزی کام ہو ۱۲

۴۱۵۔ ہندوستان میں کیسری اور عطردان دونوں چیزیں لٹکاتے ہیں۔ یہ اصل میں ہم مغلوں ہی کا رواج ہے۔ جوا گلے میں لٹکانے کی رسم بھی وہیں کی ہے ۱۲

۴۱۶۔ یازانو کے بل بیٹھے ۱۲

۴۱۷۔ ششپر (ایک قسم کا عصا ہے جس کے چھ پہلو ہوتے ہیں) پیازی (یہ بھی عصا ہے جو

نہایت سخت ہوتا ہے) کبستن (ایک قسم کی برچھی ہے) تبرزن (وہ بسولا جو لڑائی کا ہتھیار ہے)
تبر تیشہ (کلہاڑا)۱۲

۴۱۸۔ نسخہ مطبوعہ میں تبرو تیشہ ہے۱۲

۴۱۹۔ بانی کے راستہ سے۱۲

۴۲۰۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ دونوں خان نے ۱۵ محرم مطابق ۲۱ جولائی ۱۵۰۲ء میں تاشقند چھوڑا تھا۔ یہ روانگی بابر کی حمایت اور تنبل کے دفعہ کرنے کے لئے تھی۱۲

۴۲۱۔ ڈالیاں۱۲

۴۲۲۔ جان لیڈن نے (دزقان اور قرنان) لکھا ہے۔ قلمی نسخہ میں زیرمان اور گرمان لکھا ہے۱۲

۴۲۳۔ قرنان۱۲

۴۲۴۔ قریب۱۲

۴۲۵۔ بارین

۴۲۶۔ جان لیڈن کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد حصاری دغلت وغیرہ تینوں دغلت تو سارے ہوئے مگر ان کی قوم ہمراہ نہیں آئی۱۲

۴۲۷۔ زرد سر۱۲

۴۲۸۔ خان ماں وکارنن۱۲

۴۲۹۔ قرنان۱۲

۴۳۰۔ شقان۱۲

۴۳۱۔ رباط الالبوق۱۲

۴۳۲۔ اوزکند

۴۳۳۔ قرنان

۴۳۴۔ جان لیڈن نے متن میں (جلد خزان) اور نوٹ میں بحوالہ ترجمہ فارسی چل دختران لکھا ہے۱۲

۴۳۵۔ وہ نقارہ جو فوج کے ساتھ گھوڑے پر ہوتا ہے۱۲

۴۳۶۔ خراپوک۔ جان لیڈن نے دونوں نام یہ لکھے ہیں (خرابوق و شباموم)۱۲

۴۳۷۔ محمد علی مبشر۱۲

۴۳۸۔ تیلبہ (نسخہ مطبوعہ)۱۲

۴۳۹۔ شنتوت بن۔ توت بمعنی شنتوت۔ لوق بمعنی بن ۱۲

۴۴۰۔ جان لیڈن نے یہ فقرہ یوں لکھا ہے۔ (اندجان کی طرف فوج کی ایک رسد رسال کمکی روانہ کی)۱۲

۴۴۱۔ خاکان' جاکان ۱۲

۴۴۲۔ تبلیہ ۱۲

۴۴۳۔ زورق ۱۲

۴۴۴۔ اگرچہ ہم سن چکے تھے کہ تنبل برباد ہو گیا ہے اور اندجان کی طرف بھاگ گیا ہے ۱۲

۴۴۵۔ زورق ۱۲

۴۴۶۔ اریغ جاکان شاہ ۱۲ الغ خاکان شاہ ۱۲

۴۴۷۔ قرالوک ۱۲ خرالوق ۱۲

۴۴۸۔ گیرمان یعنی پرندوں کی چکی ۱۲

۴۴۹۔ یعنی خانقاہ بابا توکل ۱۲

۴۵۰۔ جان لیڈن میں یہ فقرہ یوں ہے (خان نے اپنے خاص جراح کو میرے زخم کے معائنہ کے لئے بھیجا ہو ۱۲

۴۵۱۔ بخشی ۱۲

۴۵۲۔ جیسے رگیں ہوتی ہیں ایسی دوا ایک مرتبہ کھلائی ۱۲

۴۵۳۔ جان حسین مرزا ۱۲

۴۵۴۔ بازین ۱۲

۴۵۵۔ قاربوق ۱۲

۴۵۶۔ پاپ ۱۲

۴۵۷۔ شاید یہ دریا دریائے کاشان ہو گا ۱۲

۴۵۸۔ قاسم جانگہ ارغون ۱۲

۴۵۹۔ ابراہیم چارُوق ۱۲

۴۶۰۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کھلا ہوا بے چار دیواری قلعہ کے پہلو میں ہو گا ۱۲

۴۶۱۔ فارسی نسخوں کی عبارت سے تو یہی معلوم ہوتا ہے جو ہم نے ترجمہ کیا ہے۔ مگر

جان لیڈن نے یوں ترجمہ کیا ہے (کلتل نامی ایک خدمت گار جو مرکل سے گھوڑے پر سوار تھا)۱۲

۴۶۲۔ باقی خیز۱۲

۴۶۳۔ شقدار حاکم ضلع ہوتا تھا۔ مگر وہ فوجی حاکم بھی ہوتا تھا۱۲

۴۶۴۔ جان لیڈن نے لکھا ہے کہ دیوزی کے مقام پر عمدہ کام کیا تھا۱۲

۴۶۵۔ قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں خان قلی اور بیان قلی دو آدمی لکھے ہیں۔ اور جان لیڈن نے ہمارے مطابق ایک کا نام لکھا ہے چنانچہ آگے بھی ایسا ہی ہے۱۲

۴۶۶۔ جب ہم سنگ سے نکل گئے تو دشمنوں کے زیادہ آدمی پیچھا کرتے ہوئے نظر نہ آئے۱۲

۴۶۷۔ تنگ راستہ۱۲

۴۶۸۔ خان قلی۱۲

۴۶۹۔ معلوم نہیں کہ اس درہ کا نام کشلو ہے یا کشلو اس کی صفت کہی ہے۔ اوپر کے بیان سے دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۱۲

۴۷۰۔ کرسان۱۲

۴۷۱۔ توشچی۔ شکاری۱۲

۴۷۲۔ چیتا۱۲

۴۷۳۔ ضیاء الملۃ والدین امیر عبدالرحمٰن خان والی کابل کی سوانح عمری ہمارے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ اس کے ضمیمہ سوم میں امیر ممدوح اور گورنمنٹ ہند کی خط کتابت جو ۱۸۹۷ء میں ہوئی ہے درج ہے ان چٹھیوں میں لمگان۔ ننگرہار لکھا ہے۱۲

۴۷۴۔ سمرقند اول ۹۰۳ھ میں فتح کیا ہے اور پھر دوسری بار ۹۰۶ھ میں فتح کیا ہے۱۲

۴۷۵۔ یہ مشہور قصبہ دلی سے تقریباً چالیس کوس مغرب میں ہے اور تاریخی اعتبار سے بدیں وجہ مشہور مقام ہے کہ اس میں کئی بڑی لڑائیاں ہوئی ہیں جن میں سے ایک حضرت بابر کی بھی معرکہ آرائی ہے اور نیز ۱۸۵۷ء میں انگریزی فوج بھی دلی پر چڑھائی کرنے کے لئے اسی طرف سے آئی تھی۱۲

۴۷۶۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ ہیرا سلطان ابراہیم کی ضعیفہ ماں نے قلعہ دہلی میں شہزادہ ہمایوں کی نذر کیا۔ یہی ہیرا کوہ نور کے نام سے مشہور ہے۔ مغلیہ دربار سے

رنجیت سنگھ والی لاہور کے پاس پہنچا اور وہاں سے ملکہ معظمہ وکٹوریا قیصر ہند کے ہاتھ لگا اب تک یہ ہیرا ملکہ ممدوحہ کے مشکوئے دولت میں ہے ۱۲

۷۷۔ معلوم ہوتا ہے یہ فقرہ مترجم فارسی کا ہے ۱۲

ہماری دیگر کتب

تاریخ طبری (مع اشاریہ)	علامہ ابی جعفر محمد بن جریر الطبری
تاریخ ابن خلدون (مع اشاریہ)	علامہ عبدالرحمٰن ابن خلدون
مقدمہ ابن خلدون	ترجمہ۔عبدالرحمٰن دہلوی
تذکرہ بہادران اسلام	فقیر کرم الٰہی صوفی
پنجاب تمدنی و معاشرتی جائزہ	ڈاکٹر انجم رحمانی
کتاب الہند	ابوریحان البیرونی
جنگ آزادی 1857ء	خورشید مصطفیٰ رضوی
تاریخ اسلام	سید امیر علی
تاریخ اسلام (مکمل)	محمد اکبر شاہ نجیب آبادی
تحقیقات چشتی	نور احمد چشتی
ثقافت سرحد (تاریخ کے آئینے میں)	قاری جاوید اقبال
وادی سون سکیسر (تاریخ، تہذیب و ثقافت)	محمد سرور خان اعوان
جغرافیہ عالم اسلام	پروفیسر ماجد حسین
پنجاب کی عورت	ارشاد احمد پنجابی
پنجاب کا مرد	ارشاد احمد پنجابی
ملتان اور سلسلہ سہروردیہ	ڈاکٹر محمد نفیس ابتسام

Design By: MUHAMMAD AHSAN 0300-4529821
MOHSAN GRAPHICS